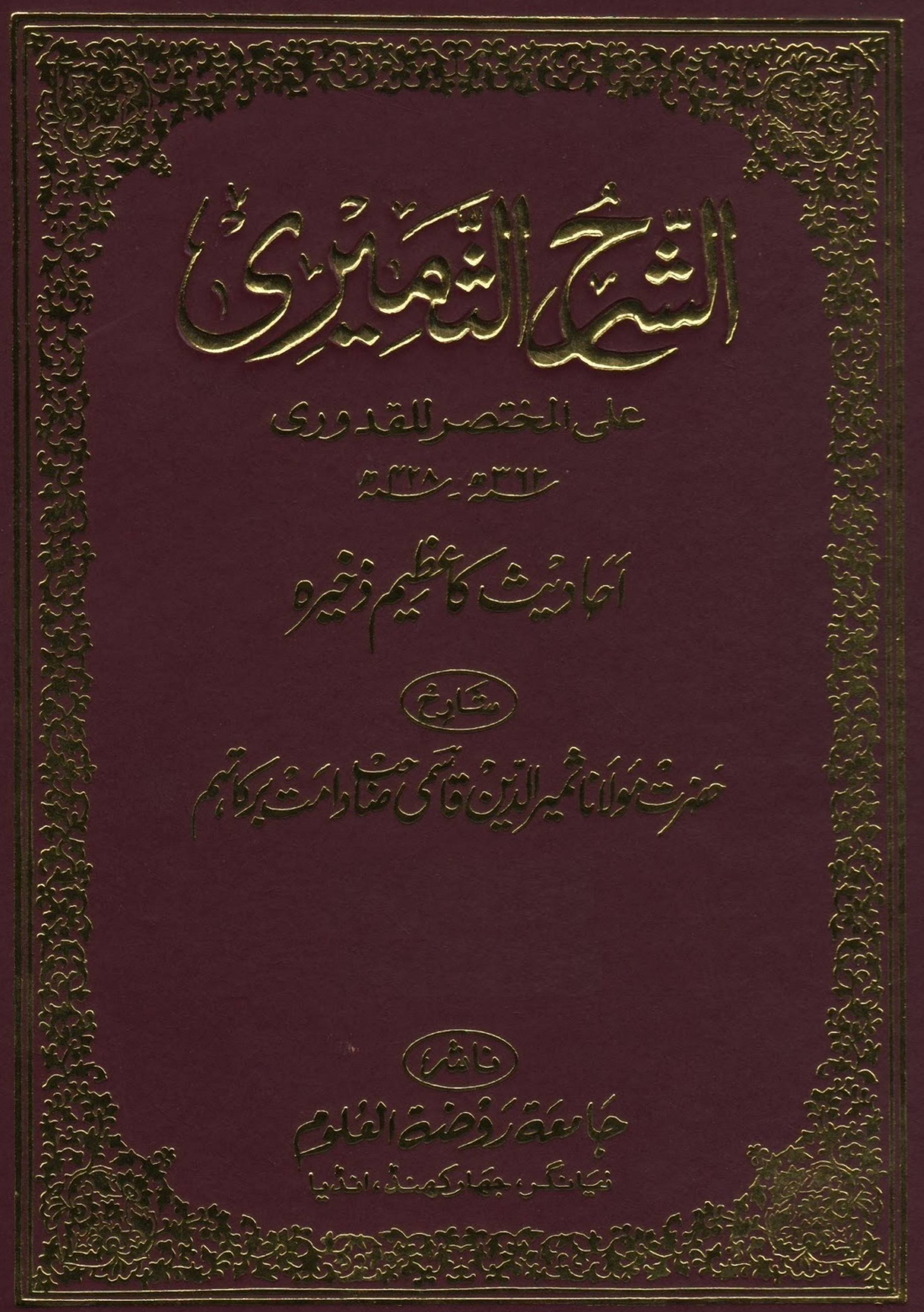
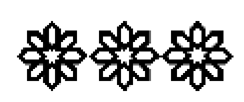
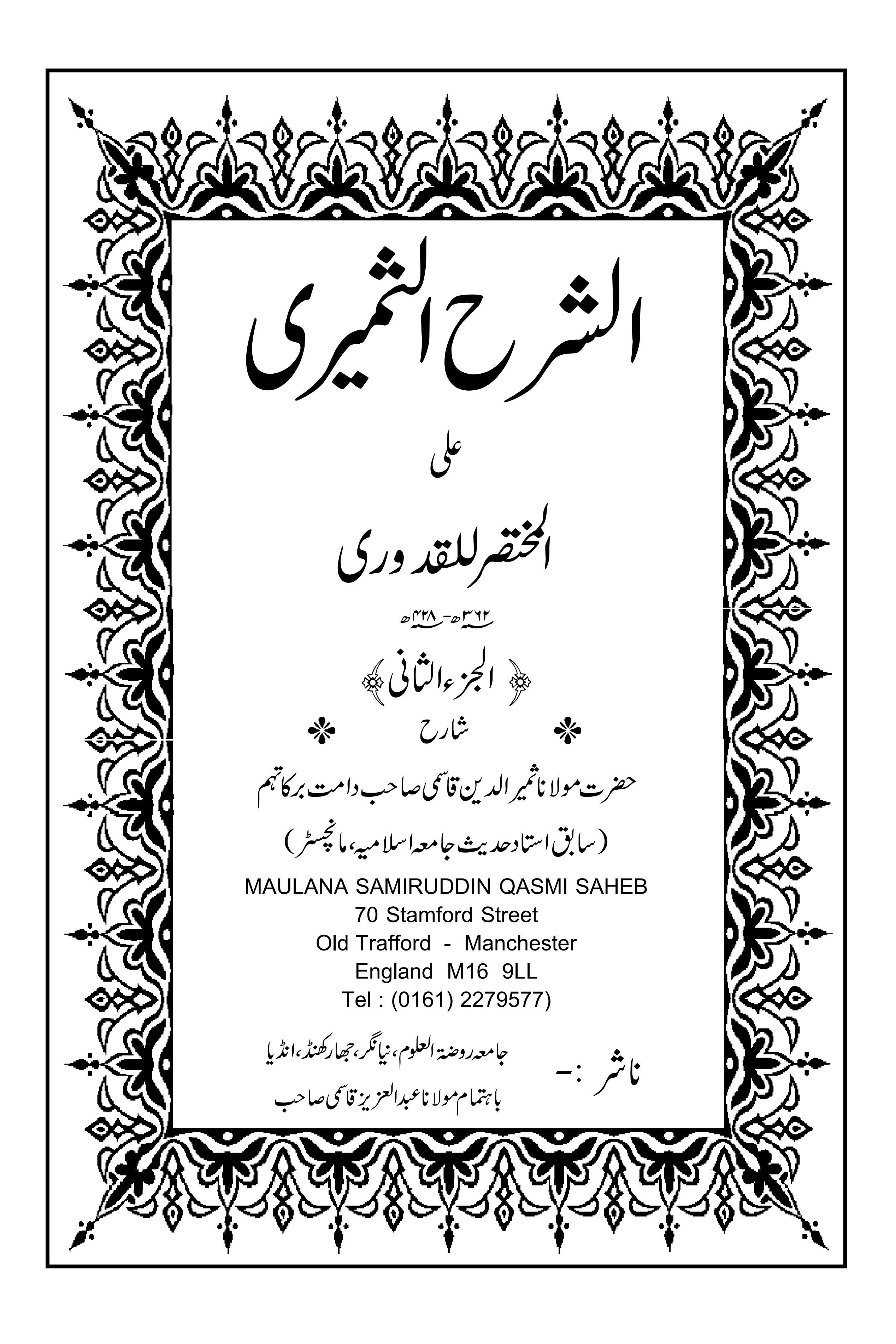

الشرح الثميري
على المختصر للقدوري
٣٦٢ھ ـ ٤٢٨ھ
احادیث کا عظیم ذخیرہ
شارح
حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم
ناشر
جامعة روضة العلوم
فیض نگر، جھارکھنڈ، انڈیا

فہرست مضامین الشرح الثمیری جلد دوم





الشرح الثمیری

علی

المختصر للقدوری

۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ

الجزء الثانی

شارح

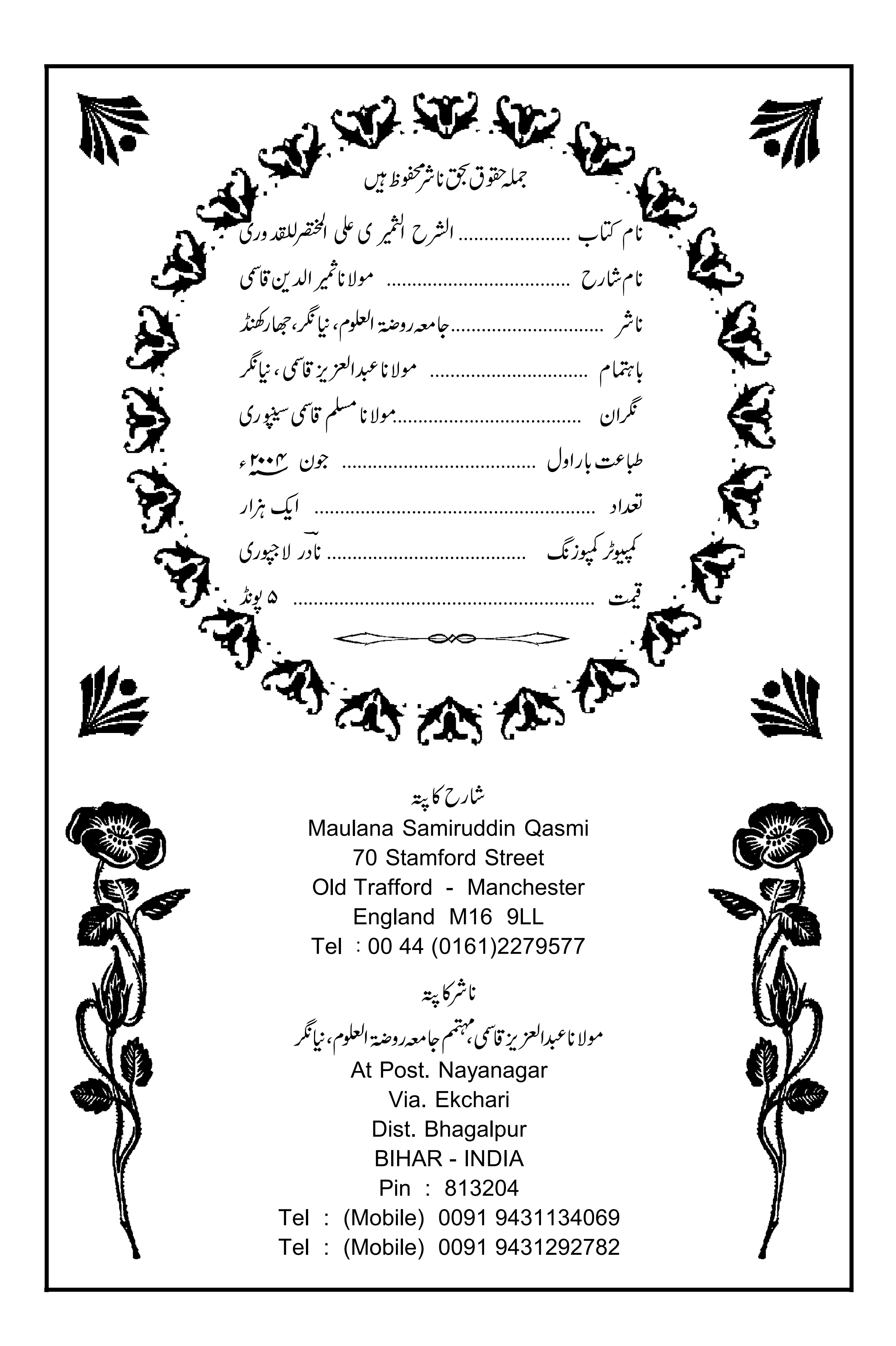
حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

(سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر)

MAULANA SAMIRUDDIN QASMI SAHEB
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
Tel : (0161) 2279577)

ناشر :- جامعہ روضۃ العلوم، نیانگر، جھارکھنڈ، انڈیا

باہتمام مولانا عبد العزیز قاسمی صاحب



نام کتاب .... الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری

نام شارح .... مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر ....جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر، جھارکھنڈ

باہتمام .... مولانا عبد العزیز قاسمی، نیا نگر

نگران ....مولانا مسلم قاسمی سینپوری

طباعت بار اول .... جون ۲۰۰۴ء

تعداد .... ایک ہزار

کمپیوٹر کمپوزنگ .... نآدر لاجپوری

قیمت .... ۵ پونڈ

شارح کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
Tel : 00 44 (0161)2279577

ناشر کا پتہ

مولانا عبد العزیز قاسمی، مہتمم جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر

At Post. Nayanagar
Via. Ekchari
Dist. Bhagalpur
BIHAR - INDIA
Pin : 813204
Tel : (Mobile) 0091 9431134069
Tel : (Mobile) 0091 9431292782

﴿کتاب البیوع﴾

[۸۲۰](۱) البیع ینعقد بالایجاب والقبول اذا کانا بلفظ الماضی.

﴿کتاب البیوع﴾

ضروری نوٹ بیع : باع یبیع بیعا سے مشتق ہے، بیچنا۔ مال کو مال کے بدلے میں دینا۔ ماخذ اشتقاق باع ہے۔ بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے چاہے خریدنے والا پہلے ایجاب کرے چاہے بیچنے والا پہلے ایجاب کرے۔ بیع جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے **واحل اللہ البیع وحرم الربوا** (الف) (آیت ۲۷۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیع جائز ہے۔

نوٹ کتاب البیوع معاملات میں سے ہے۔ اس لئے ان میں بہت سے مسئلے تعامل الناس پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان مسائل کے لئے حدیث یا قول صحابی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ مسائل صرف اصول پر متفرع ہیں۔ البتہ اصول متعین ہونے کے لئے حدیث یا قول صحابی پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۸۲۰](۱) بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے جبکہ دونوں فعل ماضی کے صیغے سے ہوں۔

تشریح بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے یعنی ایک آدمی کہے کہ میں نے خریدا اور دوسرا آدمی کہے کہ میں نے بیچ دیا تو اس ایجاب اور قبول سے بیع منعقد ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ فعل ماضی کے ہوں۔

وجہ (۱) فعل ماضی کے استعمال کرنے سے بات پکی ہوتی ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں یا فعل ماضی ہے یا فعل مضارع ہے اور فعل مضارع کا ترجمہ حال ہے یا استقبال، پس اگر استقبال کے معنی لے لے تو بیچنے یا خریدنے کا صرف وعدہ ہوگا، باضابطہ بیچنا اور خریدنا نہیں ہوگا اس لئے بات پکی کرنے کے لئے فعل ماضی ہی کا صیغہ استعمال کرنا ہوگا (۲) حدیث میں ہے **قال لی العداء بن خالد بن ھوذہ الا اقرئک کتابا کتبہ لی رسول اللہ قال قلت بلی فاخرج لی کتابا ھذا ما اشتری العداء بن خالد بن ھوذہ من محمد رسول اللہ ﷺ اشتری منہ عبدا او امۃ لاداء ولا غائلۃ ولا خبثۃ** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کتابۃ الشروط ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۶) اس حدیث میں اشتری فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تاکہ بات پکی ہو۔ پھر خرید و فروخت کو لکھ لیا گیا تاکہ اور پکے ہو جائیں (۳) اور ایک حدیث میں فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے **عن انس بن مالک ان رسول اللہ باع حلسا و قدحا وقال من یشتری ھذا الحلس والقدح؟ فقال رجل اخذتھما بدرھم** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع من یزید ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث میں خریدنے والے نے اخذتھما بدرھم کہا ہے اور فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس لئے بیع میں فعل ماضی استعمال کرنا ضروری ہے

اصول معاملات میں بات پکی ہونا ضروری ہے (۲) بیع اور شراء فعل ماضی کے صیغے سے ادا کرے، اور ایجاب اور قبول ہو اس کی وجہ یہ ہے

حاشیہ : (الف) اللہ تعالی نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے (ب) مجھے عداء بن خالد بن ھوذہ نے فرمایا کیا میں آپ کے سامنے ایسا خط نہ پڑھوں جس کو میرے لئے لکھوایا ہے۔ میں نے کہا ہاں! تو ایک خط نکالا (جس میں یہ لکھا تھا) یہ وہ ہے کہ عداء بن خالد بن ھوذہ نے محمد سے غلام یا باندی خریدی جس میں بیماری نہیں، دھوکہ نہیں اور خباثت نہیں (ج) حضورؐ نے جھول اور پیالہ بیچا، فرمایا اس جھول اور پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک نے کہا ان دونوں کو ایک درہم کے بدلے میں نے خریدا۔

[۸۲۱](۲) فاذا اوجب احد المتعاقدین البیع فالآخر بالخیار ان شاء قبل فی المجلس وان شاء ردہ[۸۲۲] (۳) فایھما قام من المجلس قبل القبول بطل الایجاب.

کہ بائع اور مشتری کی رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوگی اور اس رضامندی کا اظہار ایجاب اور قبول سے ہوگا۔اس لئے ایجاب اور قبول کی ضرورت ہے۔حدیث مین اس کا ثبوت موجود ہے **عن ابن عمر قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر ... فقال النبی لعمر بعنیه قال هو لک یا رسول الله ﷺ** (الف)(بخاری شریف، باب اذا اشتری شیئا فوھب من ساعتہ قبل ان یتفرقا ص۲۸۴ نمبر ۲۱۱۵)اس حدیث میں حضورؐ نے **بعنیه** کہہ کر ایجاب کیا اور حضرت عمرؓ نے **هو لک یا رسول الله** کہہ کر قبول کیا۔ اس لئے بیع میں ایجاب اور قبول ضروری ہیں۔

نوٹ اگر بائع مبیع دیدے اور مشتری لے لے اور قیمت معلوم ہو اور کچھ ایجاب وقبول نہ کرے تو یہ بیع تعاطی ہے۔اس سے بھی بیع ہو جاتی ہے۔کیونکہ رضامندی ہوگئی اور دلالۃ ایجاب اور قبول ہو گئے۔

[۸۲۱](۲) پس جبکہ خرید وفروخت کرنے والوں میں سے ایک نے بیع کا ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے مجلس میں قبول کرے اور اگر چاہے تو اس کو رد کر دے۔

تشریح ایک کے بیع کے ایجاب کرنے کے بعد دوسرے کو اختیار ہے چاہے اس کو قبول کرے چاہے اس کو رد کر دے لیکن قبول کرنے کا اختیار مجلس باقی رہنے تک ہی ہوگا۔اگر مجلس ختم ہوگئی تو اب قبول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

وجہ مجلس چاہے کتنی لمبی ہو اس کو جمع للمتفرقات قرار دیا ہے۔کیونکہ فورا قبول کرنے کی شرط لگا دے تو قبول کرنے والے کو سوچنے کا موقع نہیں ہوگا،اور مجلس کے بعد قبول کرنے کا اختیار ہو تو ایجاب کرنے والے کو بہت انتظار کرنا ہوگا جس سے حرج پیدا ہوگا۔اس لئے دونوں کے درمیان کی چیز مجلس کو قبول کرنے کا معیار شریعت نے رکھا۔اس قبول کو خیار قبول کہتے ہیں (۲) اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے **بعنیه** کہا اور حضرت عمرؓ نے مجلس ہی میں **هو لک یا رسول الله** کہہ کر قبول کیا،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس میں ہی قبول کرے۔

نوٹ اگر مجلس کے بعد قبول کیا اور ایجاب کرنے والے نے اس کو مان لیا تب بھی بیع ہو جائے گی کیونکہ رضامندی ہوگئی۔

نوٹ خط میں اور کسی کو پیغام بھیجنے میں خط کے پہنچنے کی مجلس اور پیغام کے پہنچنے کی جلس کا اعتبار ہے کہ اس مجلس میں مرسل الیہ نے قبول کر لیا تو بات طے ہو جائے گی۔

اصول مجلس تک قبول کر سکتا ہے اس کے بعد نہیں۔

[۸۲۲](۳) بائع او مشتری مین سے جو بھی قبول سے پہلے مجلس سے اٹھ جائیں گے تو ایجاب باطل ہو جائے گا۔

وجہ چونکہ قبول کرنے کا اختیار مجلس تک ہی تھا اس لئے مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کا اختیار نہیں ہوگا اور ایجاب ختم ہو جائے گا۔کیونکہ مجلس سے

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔میں حضرت عمر کے ایک جوان اونٹ پر سوار تھا۔حضورؐ نے عمرؓ سے فرمایا اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ وہ آپ کے لئے ہے۔

[٨٢٣] (٤) فاذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد منهما الا من عیب او

اٹھ جانا ایجاب سے اعراض کرنے کی دلیل ہے۔

نوٹ ہر وہ عمل جو اعراض پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی مجلس ختم ہو جائے گی اور ایجاب باطل ہو جائے گا۔ مثلا ایجاب کے بعد قبول کرنے والا مجلس ہی میں کسی اور کام مین مشغول ہو گیا تو ایجاب کی مجلس ختم ہو جائے گی۔

اصول اعراض سے مجلس ختم ہو جاتی ہے۔

[٨٢٣] (٤) پس جب ایجاب اور قبول حاصل ہو جائے تو بیع لازم ہو جائے گی اور بائع اور مشتری دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار نہیں ہوگا۔ مگر عیب اور نہ دیکھنے کی وجہ سے۔

تشریح بائع اور مشتری دونوں نے ایجاب قبول کر لئے اب بیع مکمل ہو گئی۔ چاہے مجلس موجود ہو پھر بھی کسی کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہے ہاں! مبیع میں عیب ہو یا مبیع کو دیکھا نہ ہو تو خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے بیع توڑنے کی اجازت ہوگی۔ مجلس باقی رہنے کی وجہ سے خیار مجلس کی بنیاد پر بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا، یعنی حنفیہ کے نزدیک خیار مجلس کسی کو نہیں ہوگا۔

وجہ حدیث میں **عن حکیم بن حزام قال قال رسول اللہ البیعان بالخیار مالم یتفرقا** (الف) (بخاری شریف، باب اذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا ص ٢٧٩ نمبر ٢٠٧٩ رمسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ج ثانی ص ٣١ نمبر ١٥٣١ رابوداؤد شریف نمبر ٣٤٥٩ ر ترمذی شریف نمبر ١٢٤٦) اس حدیث میں ہے کہ بائع اور مشتری کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا جب تک تفرق نہ کرے یعنی قبول نہ کرے۔ تفرق کا ترجمہ قبول کرنا اور بات پر بات جمانا ہے۔ جب ایجاب کے بعد قبول کر لیا تو بیع مستحکم ہو گئی اب توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا چاہے بیع کی مجلس بر قرار ہو۔ حضرت عمرؓ نے تفرق کی یہی تفسیر کی ہے **وقال عمر البیع عن صفقة او خیار** (ب) مصنف عبد الرزاق، باب البیان بالخیار مالم یتفرقا ج ثامن ص ٥٣ نمبر ١٤٢٧٤ رمصنف ابن ابی شیبۃ ٩٧ من کان یوجب البیع اذ اتکلم بہ، ج رابع، ص ٥٠٧، نمبر ٢٢٥٦٩) حضرت سفیان نے بھی تفرق کی یہی تفسیر کی ہے **قال سفیان والصقة باللسان** (ج) مصنف عبد الرزاق ج ثامن ص ٥٣ نمبر ١٤٢٧٣) کہ بیع زبان سے طے ہو جائے گی (٢) حدیث میں **المتبایعان** (بیع کرنے والے) ہے۔ اور بیع کرنے والے اسی وقت کہے جاتے ہیں جب ایجاب اور قبول کر رہے ہوں۔ اور اسی حالت میں ان کو نہ قبول کرنے کا یا قبول سے پہلے ایجاب کرنے والے کو اپنی بات واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ اور جب قبول کر لیا تو متبایعان کی صفت ختم ہو گئی اس لئے حدیث کی رو سے اب ان کو بات واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ **عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ البیعان بالخیار ما لم یتفرقا من بیعهما** (مصنف ابن ابی شیبۃ ٣٧٨ من قال البیعان بالخیار مالم یتفرقا ج رابع، ص ٥٠٦، نمبر ٢٢٥٦٠)

فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کی رائے ہے کہ قبول کرنے کے بعد اور بیع مکمل ہونے کے بعد بھی مجلس بیع موجود ہو تو دونوں کو اپنی اپنی بات واپس

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب قول کا تفرق نہ ہو یعنی قبول نہ کرلے یا جب تک دونوں جدا نہ ہوں (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا بیع صفقہ سے پوری ہو جاتی ہے یعنی قبول کرنے سے، یا بیع کو اختیار کرنے سے پوری ہو جاتی ہے (ج) حضرت سفیان نے فرمایا زبان سے صفقہ ہو تو بیع پوری ہو جائے گی۔

عدم رویة [۸۲۴](۵) والاعواض المشار الیها لا یحتاج الی معرفة مقدارها فی جواز

لینے اور بیع توڑنے کا اختیار ہوگا اور دونوں کو خیار مجلس ہوگا۔

وجہ وہ بھی اوہر کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مالم یتفرقا سے مراد تفرق بالابدان ہے۔ یعنی جسمانی طور پر دونوں جدا ہو جائیں اس وقت تک دونوں کو اپنی بات واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ چنانچہ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عمر یہ کرتے تھے کہ کسی چیز کو خریدنے کے بعد اگر اس بیع کو توڑنے کا ارادہ نہ ہوتو کھڑے ہو کر تھوڑا سا چل لیتے تھے تا کہ مجلس بدل جائے اور بائع کو خیار مجلس کے تحت بیع کو توڑنے کا اختیار نہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ خود راوی تفرق سے تفرق بالاقوال نہیں بلکہ تفرق بالابدان مراد لیتے تھے۔ روایت ہے کہ **زاد ابن عمر فی روایته قال نافع فکان اذا بایع رجلا فاراد ان لا یقیله قام فمشی هنیئة ثم رجع الیه**(الف) مسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ص ۳۱ نمبر ۱۵۳۱ / ابو داؤد شریف، باب فی خیار المتبایعین ج ثانی ص ۱۳۳، نمبر ۳۴۵۷) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمر تھوڑا چل لیتے تا کہ مجلس بدل جائے اور بائع کو بیع توڑنے کا اختیار نہ رہے۔

اصول حنفیہ کے نزدیک خیار مجلس کا حق نہیں ہوتا۔

[۸۲۴](۵) بدلے کی چیز جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو بیع کے جائز ہونے میں اس کی مقدار پہچاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح الاعواض سے مراد ہے مبیع یا ثمن جو بدلے میں دیئے جاتے ہیں۔ اگر مبیع یا ثمن سامنے موجود ہو اور بیع کے وقت اس کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو اس کی مقدار کتنی ہے، کتنے کیلو ہے یا کتنی تعداد ہے بیع کے جائز ہونے میں اس کو جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے متعین کئے بغیر بھی بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ پچھلے زمانے میں کوئی چیز سامنے ہو تو اس کی مقدار جانے بغیر بیع کر لیا کرتے تھے۔ کیونکہ مشتری اس کو اسی حال میں خریدنے کے لئے راضی ہے۔ اور جہاں تک اچھا یا خراب ہونے کی بات ہے تو مشتری خود اس کو آنکھوں سے دیکھ کر خرید رہا ہے اور اس پر راضی ہے۔ اس لئے بیع ہو جائے گی حدیث میں ہے **سمعت ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ لا يفترقن اثنان الا عن تراض** (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی خیار المتبایعین ج ثانی ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۸) معلوم ہوا کہ چیز سامنے ہو اور رضامندی سے خرید رہا ہو تو بیع جائز ہے۔ اٹکل سے بیع بیچنے کی دلیل حدیث میں ہے **ان ابن عمر قال رایت الناس فی عهد رسول الله ﷺ یبتاعون جزافا یعنی الطعام** (ج) (بخاری شریف، باب من رای اذا اشتری طعاما جزافا ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۷ / مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ج ثانی ص ۵ نمبر ۱۵۲۷ / ۳۸۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مبیع سامنے ہو تو اٹکل سے بیچ سکتا ہے چاہے مقدار کا پتہ نہ ہو۔

اصول بیع کے لئے غائب چیز کی مقدار اور صفت بیان کی جاتی ہے۔ موجود کی نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب کسی سے بیع کرنے اور اقالہ کرنے کی نیت نہ ہوتی تو کھڑے ہو کر چلتے پھر واپس لوٹ آتے تا کہ خیار مجلس سے بیع توڑ نہ دے (ب) آپؐ نے فرمایا دونوں آدمی جدا نہ ہوں مگر رضامندی کے ساتھ (ج) عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو حضور کے زمانے میں دیکھا وہ غلوں کو اٹکل سے بیچتے تھے۔

البیع[۸۲۵] (۶) والاثمان المطلقة لا تصح الا ان تکون معروفة القدر والصفة[۸۲۶] (۷) ویجوز البیع بثمن حال و مؤجل اذا کان الاجل معلوما.

لغت الاعواض : عوض کی جمع ہے بدلے کی چیز، یہاں مبیع یا ثمن مراد ہے۔

[۸۲۵](۶)اور مطلق ثمن نہیں صحیح ہے اس سے بیع مگر یہ کہ مقدار معلوم ہو اور صفت معلوم ہو۔

تشریح وہ ثمن اور قیمت جو سامنے نہ ہو بلکہ غائب ہو اور اس کی طرف اشارہ نہ کیا جا رہا ہو، اس کی مقدار کہ کتنے کیلو ہیں یا کتنے لیٹر ہیں یا کتنی تعداد ہے اور صفت یعنی اچھا ہے یا خراب ہے معلوم نہ ہو اس وقت تک اس سے بیع کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ جو چیز سامنے نہ ہو اس کو بائع دیکھ کر رضامندی کا اظہار نہیں کر سکے گا۔ اس لئے اس میں دھوکہ ہے۔ اس لئے اس سے بیع جائز نہیں۔ حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون بالثمر السنتین والثلاث فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (الف)** (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ر مسلم شریف ج ثانی ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بیع یا ثمن سامنے موجود نہ ہو اس کا کیل یا وزن اور مدت معلوم ہو تب بیچنا خریدنا جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ (۲) رضامندی کے بغیر بیع جائز نہیں ہوگی اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۵ میں حدیث ابو داؤد شریف نمبر ۳۴۵۸ گزری۔ (۳) اور جس میں دھوکہ ہو اس ثمن یا مبیع سے بیع جائز نہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی هریرة قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر (ب)** (مسلم شریف، باب بطلان بیع الحصاة والبیع الذی فیہ غرر ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۳ر ابو داؤد شریف، باب فی بیع الغرر ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۳۳۷۶) اس سے معلوم ہوا کہ جس بیع میں دھوکہ ہو وہ جائز نہیں۔ چیز معلوم نہ ہو تو اس کی بیع جائز نہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله عن رسول الله ﷺ انه نهی عن بیع حبل الحبلة (ج)** (مسلم شریف، باب تحریم بیع حبل الحبلة ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۴ر بخاری شریف، باب بیع الغرر وحبل الحبلة ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۳) اس حدیث میں حاملہ جانور کے اندر کا بچہ دیکھا نہیں جا سکتا۔ اس کی صفت مجہول ہے اور مقدار بھی معلوم نہیں ہے اس لئے اس کو بیچنا ناجائز قرار دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس غائب کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو اس کو بیچنا یا اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں۔

اصول غائب ثمن کی مقدار اور صفت بیان کرنا ضروری ہے (۲) دھوکے کی چیز نہ مبیع بن سکتی ہے اور نہ ثمن۔

لغت الاثمان المطلقة : جو ثمن غائب ہو یا اس کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو۔ القدر : مقدار مثلا کتنے کیلو ہیں۔

[۸۲۶](۷) بیع نقد ثمن سے بھی جائز ہے اور ادھار ثمن سے بھی جائز ہے جبکہ تاریخ متعین ہو۔

وجہ ثمن ادا کرنے کی تاریخ متعین نہ ہو تو مشتری ثمن ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے گا اور جھگڑا کرے گا۔ اس لئے بیع کے وقت ہی ثمن دینے کی تاریخ متعین کرلے (۲) دونوں طرح اس لئے جائز ہے کہ آیت میں مطلق بیع کرنے کے لئے کہا ہے۔ آیت ہے **احل الله البیع**

حاشیہ : (الف) حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو لوگ دو سال اور تین سال تک ادھار بیع کیا کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا جو کسی چیز کی ادھار بیع کرے تو اس کی کیل معلوم ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو (ب) آپؐ نے کنکری مار کر بیع کرنے سے اور دھوکے کی بیع سے روکا (ج) آپؐ نے حاملہ جانور کے حمل کو بیچنے سے منع فرمایا۔

[۸۲۷] (۸) ومن اطلق الثمن فی البیع کان علی غالب نقد البلد فان کانت النقود مختلفة فالبیع فاسد الا ان یبین احدھا [۸۲۸](۹) ویجوز بیع الطعام والحبوب کلھا مکائلة و

وحرم الربوا (آیت ۲۷۵ سورة البقرة ۲) اس میں ادھار اور نقد کی قید نہیں لگائی ہے اس لئے نقد اور ادھار دونوں طرح سے بیع جائز ہوگی (۳) ادھار ثمن سے بیع کرنے کی دلیل اس حدیث میں ہے عن عائشة ان النبی اشتری طعاما من یھودی الی اجل ورھنه درعا من حدید (الف) (بخاری شریف، باب شراء النبی ﷺ بالنسیئة ص ۲۷۷ نمبر ۲۰۶۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصة فی الشراء الی اجل ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادھار ثمن کے ساتھ مبیع خرید سکتا ہے۔ مدت متعین ہو اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰ اور مسلم شریف نمبر ۱۶۰۴ کی حدیث گزر گئی۔

اصول دھوکہ نہ ہو اس لئے ثمن ادا کرنے کی تاریخ متعین ہونا ضروری ہے۔

نوٹ اگر تاریخ متعین نہیں کی اور بعد میں جھگڑا ابھی نہیں ہوا تو بیع جائز ہو جائے گی۔ اوپر کی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

لغت مؤجل : مؤخر۔ الاجل : مدت۔

[۸۲۷] (۸) جس نے بیع میں ثمن مطلق رکھا تو وہ شہر کے غالب نقد پر ہوگا۔ پس اگر نقود مختلف ہوں تو بیع فاسد ہوگی مگر یہ کہ ایک نقد کو بیان کردے۔

تشریح شہر میں کئی قسم کے سکے رائج ہوں اور بیع کرتے وقت کسی ایک کو متعین نہیں کیا تو اگر کسی ایک سکے کا رواج زیادہ ہو تو وہی سکہ مراد ہوگا۔

وجہ کیونکہ جس سکے کا رواج زیادہ ہوتا ہے بیع کرتے وقت دونوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے۔ اس لئے وہی مراد ہوگا اور بیع جائز ہو جائے گی۔ لیکن اگر تمام ہی سکوں کا رواج برابر ہے اور ہر ایک کی مالیت مختلف ہے تو اب جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ بائع اعلی سکہ طلب کرے گا اور مشتری ادنی سکہ دینا چاہے گا۔ اور کوئی سکہ متعین نہیں ہے اس لئے نزاع ہوگا۔ اس لئے بیع فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے کوئی ایک سکے کی نشان دہی کر دی جائے تو وہی سکہ متعین ہو کر بیع جائز ہو جائے۔

اصول تعین نہ ہوتے وقت غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔

لغت نقد البلد : شہر کا سکہ۔

[۸۲۸] (۹) جائز ہے کھانے اور غلوں سب کو بیچنا کیل کر کے اور اٹکل سے اور متعین برتن سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو یا متعین پتھر کے وزن سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تشریح جو مبیع سامنے موجود ہو اور غلہ اور کھانے کی جنس سے ہو، درہم اور دنانیر نہ ہوں تو اس کو چار طریقوں سے بیچنا جائز ہے جن کا تذکرہ متن میں ہے (۱) برتن میں کیل کر کے بیچے (۲) اٹکل سے ویسے ہی بیچ دے یہ بھی جائز ہے (۳) ایک برتن ہے جس کا وزن یا کیل معلوم نہیں ہے کہ اس میں کتنے گیہوں سماتے ہیں لیکن بائع اور مشتری کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ ایک برتن کے بدلے پانچ پونڈ دوں گا تو بیع جائز ہو جائے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے یہودی سے ایک مدت تک کے لئے غلہ خریدا اور اس کے بدلے لوہے کی زرہ رہن رکھی۔

مجازفة وباناء بعینه لا یعرف مقداره او بوزن حجر بعینه لا یعرف مقداره[۸۲۹] (۱۰) ومن باع صبرة طعام کل قفیز بدرهم جاز البیع فی قفیز واحد عند ابی حنیفة رحمه الله

گی۔مقدار کی جہالت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وجہ کیونکہ مبیع سامنے موجود ہے اس لئے اس کی مقدار نہ بھی معلوم ہو صرف اٹکل سے بیچے تب بھی جائز ہے(۴)اسی طرح ایک پتھر ہے جس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ کتنے کیلو وزن کا یہ پتھر ہے پھر بھی دونوں کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ ہر پتھر وزن کے بدلے پانچ پونڈ دوں گا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ (۱)جب اٹکل سے بیچنا جائز ہے تو اس طرح بھی بیچنا جائز ہوگا(۲)اٹکل سے بیچنے کی حدیث یہ ہے **ان ابن عمر قال لقد رایت الناس فی عهد رسول الله ﷺ یبتاعون جزافا یعنی الطعام یضربون ان یبیعوا فی مکانهم حتی یؤوه الی رحالهم** (الف) (بخاری شریف، باب من رای اذا اشتری طعاما جزافا ان لا یبیعہ حتی یؤویہ الی رحلہ ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۷ مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ج ثانی ص ۵ نمبر ۱۵۲۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اٹکل سے کھانا اور غلہ بیچنا جائز ہے اور اس وقت اٹکل سے نہیں بیچتے تھے جب تک کجاوے تک غلہ نہ آجائے اس سے معلوم ہوا کہ غلہ سامنے موجود ہو تب ہی اٹکل سے بیچ سکتا ہے۔اور سامنے موجود نہ ہو تو اس کی مقدار اور صفت کا متعین ہونا ضروری ہے۔جیسے بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث گزری **من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم الی اجل معلوم** (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰ مسلم شریف نمبر ۱۶۰۴) نوٹ حدیث میں طعام کے لفظ سے یہ بھی پتہ چلا کہ درہم اور دنانیر کو بغیر وزن کئے ہوئے بیچے تو اس میں تفصیل ہے۔

لغت مکایلة : کیل کر کے۔ مجازفة : اٹکل سے۔

[۸۲۹](۱۰) کسی نے کھانے کا ڈھیر بیچا ہر قفیز ایک درہم کے بدلے میں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک قفیز کی بیع ہوگی اور باقی میں باطل ہوگی مگر یہ کہ تمام قفیز متعین کر دے۔اور صاحبین نے فرمایا دونوں صورتوں میں بیع جائز ہے۔

تشریح غلے کا ڈھیر ہے لیکن پورے غلے کی قیمت بیک وقت نہیں لگائی اور نہ یہ معلوم ہے کہ ڈھیر میں کتنے قفیز غلہ ہے اور اس کی مجموعی قیمت کتنے پونڈ ہیں۔یہ تو ناپنے کے بعد معلوم ہوگا کہ کتے قفیز ہیں اور اس کی مجموعی قیمت کتنی ہوئی۔ایسی صورت میں بائع کہتا ہے کہ ہر قفیز ایک درہم کا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف ایک قفیز کی بیع فی الحال ہوگی۔

وجہ ابھی پوے ڈھیر کی نہ مقدار معلوم ہے اور نہ اس کی مجموعی قیمت معلوم ہے اس لئے اقل درجے کی طرف پھیرا جائے گا اور ایک قفیز کی بیع ہوگی اسی پر جھگڑا ہو جائے تو قانونی حیثیت سے ایک قفیز ہی لینا ہوگا۔

نوٹ پورا ڈھیر ناپ دے اور اس کی مجموعی قیمت گنا دے اور اس پر بعد میں بائع مشتری راضی ہو جائے تو اب پورے ڈھیر کی بیع ہوگی۔امام

حاشیہ : (الف) میں نے لوگوں کو حضور کے زمانے میں اٹکل سے غلہ خریدتے اور بیچتے دیکھا اور کھجور اس کی جگہ میں بیچنے سے احتراز کرتے تھے یہاں تک کہ وہ کجاوے تک نہ پہنچ جائے۔

وبطل فی الباقی الا ان یسمی جملة قفزانها وقال ابو یوسف و محمد یصح فی الوجھین[۸۳۰] (۱۱) ومن باع قطیع غنم کل شاة بدرھم فالبیع فاسد فی جمیعھا

ابوحنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ ایجاب وقبول سے پہلے پوری مبیع اور اس کی پوری قیمت معلوم ہونا ضروری ہے تا کہ ایجاب کے وقت جہالت نہ رہے۔ پورے ڈھیر کی مقدار کی جہالت ہوتو بیچنا ممنوع ہے اس کا ثبوت حدیث میں ہے سمعت جابر بن عبد اللہ یقول نھی رسول اللہ عن بیع الصبرة من التمر لا یعلم مکیلھا بالکیل المسمی من التمر (الف) مسلم شریف، باب تحریم بیع صبرة التمر المجھولة القدر بتمر ج ثانی ص۶ نمبر ۱۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہوتو اس کو کھجور کے بدلے نہ بیچے تا کہ ربوا نہ ہوتا ہم اس کا بھی ثبوت ہوا کہ ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہوتو جہالت کی وجہ سے پورے ڈھیر کی بیع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن ابی ھریرة ان رسول اللہ مر برجل یبیع طعاما فسألہ کیف تبیع فاخبرہ فاوحی الیہ ان ادخل یدک فیہ فادخل یدہ فیہ فاذا ھو مبلول فقال رسول اللہ ﷺ لیس منا من غش (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی النھی عن الغش ص۱۳۳ نمبر ۳۴۵۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیة الغش فی البیوع ص۲۴۵ نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث میں بھیگا ہوئے گیہوں نیچے تھے اور صفت کی جہالت تھی تو آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے قبول کے وقت ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو اور اس کی مجموعی قیمت معلوم نہ ہوتو پورے ڈھیر کی بیع نہیں ہوگی۔

اصول قبول کے وقت مبیع کی مقدار اور اس کی قیمت معلوم ہونا ضراری ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ناپ کر پورے ڈھیر کی مقدار اور اس کی مجموعی قیمت کا معلوم کرنا بائع اور مشتری کے ہاتھ میں ہے۔ وہ فورا ناپ لیں گے اور مجموعی قیمت معلوم کرلیں گے اور مجلس ختم ہونے سے پہلے یہ کام ہو جائے گا تو کوئی جھگڑا نہیں ہوگا اس لئے ان کے نزدیک قبول سے پہلے پورے ڈھیر کی مقدار بیان کردے تب بھی پورے ڈھیر کی بیع ہوگی۔ اور پورے ڈھیر کی مقدار نہ بتائے تب بھی پورے ڈھیر کی بیع ہو جائیگی۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ مجلس ختم ہونے سے پہلے ڈھیر کی مقدار اور اس کی مجموعی قیمت معلوم ہو جانے کا امکان ہوتب بھی جواز بیع کے لئے کافی ہے۔

لغت صبرة : ڈھیر۔ قفیز : ناپنے کا ایک پیمانہ اس کی جمع قفزان ہے۔

[۸۳۰] (۱۱) کسی نے بکری کا ریوڑ بیچا اس طرح کہ ہر بکری ایک درہم کی تو تمام ہی بکری میں بیع فاسد ہے۔

وجہ بکری میں تفاوت ہے کوئی موٹی ہے کوئی دبلی ہے اس لئے اوپر کے قاعدے کے اعتبار سے اگر ایک بکری کی بیع جائز قرار دیں تو جھگڑا ہوگا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے کھجور کے اس ڈھیر کو بیچنے سے روکا جس کا کیل معلوم نہ ہو کیل کے ذریعہ متعین کھجور کے بدلے میں، یعنی کھجور کے متعین کیل کے بدلے میں ایسے ڈھیر کو بیچنا جس کا کیل معلوم نہ ہو اس سے منع فرمایا (ب) حضورؐ ایسے آدمی کے سامنے سے گزرے جو گیہوں بیچ رہے تھے، آپؐ نے پوچھا کیسے بیچ رہے ہو تو انہوں نے حضورؐ کو بتایا۔ آپ کو ﷺ وحی آئی کہ اپنے ہاتھ کو گیہوں میں داخل کرے۔ تو آپؐ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو گیہوں بھیگے ہوئے تھے۔ پس آپؐ نے فرمایا جو دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

[۸۳۱](۱۲) وکذلک من باع ثوبا مذارعة کل ذراع بدرھم ولم یسم جملة الذرعان[۸۳۲] (۱۳) ومن ابتاع صبرة طعام علی انھا مائة قفیز بمائة درھم فوجدھا اقل من ذلک کان المشتری بالخیار ان شاء اخذ الموجود بحصته من الثمن وان شاء فسخ

،بائع دبلی دینا چاہے گا اور مشتری موٹی لینا چاہے گا۔اس لئے ایک بکری بھی کی بیع نہیں ہوگی۔اور پورے ریوڑ کی بیع اسلئے نہیں ہوگی کہ تمام ریوڑ کی تعداد معلوم نہیں اور نہ پورے ریوڑ کی بیع ہوئی ہے۔اور گیہوں کے ڈھیر میں ایک قفیز کی بیع اس لئے جائز ہوگئی تھی کہ گیہوں میں تفاوت نہیں تمام گیہوں برابر ہیں اس لئے ایک قفیز جائز قرار دینے میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

اصول افراد میں تفاوت ہو اور مجموعہ کی بیع نہ ہوئی ہو تو تفاوت کی وجہ سے ایک فرد کی بھی بیع نہیں ہوگی۔

لغت قطیع : بکریوں کا مجموعہ، بکریوں کا ریوڑ۔

[۸۳۱](۱۲) کسی نے کپڑا بیچا گزوں کے حساب سے، ہر گز ایک درہم کا اور تمام گز بیان نہیں کئے تو ایسے ہی کسی گز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

تشریح کپڑے کے تھان میں تفاوت تھا۔ ہر گز الگ الگ انداز کا تھا۔اور پورے تھان میں کتنے گز ہیں یہ بیان نہیں کیا اور نہ پورے تھان کی بیع کی اور یوں کہا کہ ہر ایک گز ایک درہم کا تو پورے تھان کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ نہ اس کی پوری مقدار معلوم ہے اور نہ مجموعی قیمت معلوم ہے۔اور ایک گز کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ ہر گز میں تفاوت ہے، بائع خراب اور گھٹیا گز دینا چاہے گا اور مشتری اعلی گز لینا چاہے گا اس لئے نزاع کی وجہ سے ایک گز کی بھی بیع نہیں ہوگی۔

اصول اوپر گزر گیا۔

نوٹ آج کل کی طرح تمام کپڑا ایک ہی انداز کا ہو تو ایک گز کی بیع ہو جائے گی، یا دوبارہ پورا تھان ناپ کر پورے تھان کی بیع کر لے تب بھی ازسرنو رضامندی کی وجہ سے پورے تھان کی بیع ہو جائے گی۔اوپر کا فیصلہ تو اختلاف کے وقت ہوگا۔

لغت مذارعة : ذراع سے مشتق ہے ہاتھ سے ناپ کر۔

[۸۳۲](۱۳) کسی نے کھانے کا ڈھیر بیچا اس طرح کہ سو قفیز ہے سو درہم کے بدلے۔پس اس کو اس سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو موجود کو اس کے حصے کے مطابق ثمن سے لے لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے اور اگر سو قفیز سے زیادہ پایا تو زیادہ بائع کے لئے ہے۔

تشریح غلے کا ڈھیر ہے اور بائع یوں کہہ رہا ہے کہ اس میں سو قفیز گیہوں ہے سو درہم کے بدلے دوں گا۔تو چونکہ پوری مقدار معلوم ہے اور مجموعی قیمت بھی سو درہم معلوم ہے اس لئے پورے ڈھیر کی بیع ہوئی۔لیکن جب ناپا تو سو قفیز سے کم نکلا تو چونکہ بائع نے یہ بھی کہا تھا کہ سو قفیز ہے اور سو درہم کے بدلے میں دوں گا تو ایک قفیز ایک درہم کا ہوا اس لئے اگر مثلا نوے قفیز نکلے تو نوے درہم لازم ہونگے۔ جتنا حصہ گیہوں ہے اتنا ہی حصہ ثمن لازم ہوگا۔لیکن چونکہ سو قفیز کی بات تھی اور مشتری کو اس سے کم ملا تو وعدہ کے مطابق نہیں ملا اس لئے اس کو اختیار ہوگا چاہے تو نوے درہم سے نوے قفیز لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے۔اور اگر گیہوں سو قفیز سے زیادہ نکلے تو چونکہ سو قفیز ہی دینے کی بات تھی زیادہ کی نہیں اس

البیع وان وجدھا اکثر من ذلک فالزیادۃ للبائع[۸۳۳] (۱۴) ومن اشتری ثوبا علی انہ عشرۃ اذرع بعشرۃ دراھم او ارضا علی انھا مائۃ ذراع بمائۃ دراھم فوجدھا اقل من ذلک فالمشتری بالخیار ان شاء اخذھا بجملۃ الثمن وان شاء ترکھا وان وجدھا اکثر من الذراع الذی سماہ فھی للمشتری ولا خیار للبائع[۸۳۴] (۱۵) وان قال بعتکھا علی

لئے یہ زیادہ گیہوں بائع کے ہوں گے۔

اصول اس میں اصول یہ ہے کہ گیہوں ایک جیسے ہیں اس میں تفاوت نہیں ہے اس لئے ہر قفیز اصل ہے صفت نہیں ہے اس لئے ہر قفیز کے بدلے میں ایک درہم لازم ہوگا۔اور زائد قفیز کی قیمت نہیں ملی اس لئے وہ بائع کے ہوں گے۔اثر میں ہے **سمع عکرمۃ یقول ان ابتعت طعاما فوجدتہ زائدا فالزیادۃ لصاحب الطعام والنقصان علیک** (مصنف عبد الرزاق، باب اشتریت طعاما فوجدتہ زائدا ج ثامن ص۱۳۳ نمبر ۱۴۶۱۰) اس اثر میں ہے کہ جو کھانا زیادہ ہو وہ بائع کا ہوگا۔

اصول غلہ میں قفیز اصل ہے صفت نہیں ہے۔

لغت ابتاع : باع سے مشتق ہے خریدا۔

[۸۳۳] (۱۴) کسی نے کپڑا خریدا اس طرح کہ وہ دس گز ہے دس درہم میں، یا زمین خریدی اس طرح کہ وہ سو گز ہے سو درہم میں پھر اس کو اس سے کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو اس زمین اور کپڑے کو پوری ہی قیمت میں لے اور چاہے تو اس کو چھوڑ دے،اور اگر اتنے گز سے زیادہ پایا جتنا متعین کیا تھا تو وہ سب مشتری کا ہے۔اور بائع کو روک لینے کا اختیار نہیں ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اوپر جیسا ہی ہے لیکن حکم میں فرق اس لئے ہے کہ کپڑے میں اور زمین میں گز سے ناپنا ایک صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت کے مقابلہ میں الگ سے کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے دس گز یا سو گز زمین صرف ترغیب کے لئے ہوئی ہر گز کے بدلے ایک درہم نہیں ہوا تو گویا کہ پورے تھان کپڑے کی قیمت دس درہم اور پورے زمین کے ٹکڑے کی قیمت سو درہم ہوئی چاہے تھان میں اور زمین میں گز زیادہ ہو یا کم ہو۔اس لئے لینا چاہے تو پورے دس درہم اور سو درہم دے کر پورا تھان اور پورا ٹکڑا زمین لے۔چاہے گز کم ہو چاہے زیادہ ہو۔البتہ کم گز ہونے کی صورت میں مشتری کی رغبت کم ہے اس لئے اس کو چھوڑنے کا اختیار ہوگا اور زیادہ گز ہو جائے تو بائع کو روکنے کا اختیار اس لئے نہیں ہوگا کہ پورے تھان اور پورے ٹکڑے زمین کی بیع کر چکا ہے، چاہے جتنا ہو۔

اصول کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے اور صفت کے مقابلہ میں الگ سے قیمت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو اصل نہ بنا دیا جائے۔

[۸۳۴] (۱۵) اور کہا کہ اس زمین کو آپ سے بیچتا ہوں اس طرح کہ سو گز ہے سو درہم کے بدلے میں، ہر گز ایک درہم کے بدلے، پھر اس کو کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس زمین کو اس کے حصے کے مطابق ثمن سے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔اور اگر زمین کو زیادہ پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پوری زمین کو لے ہر گز ایک درہم کے بدلے میں اور چاہے تو بیع توڑ دے۔

انھا مائة ذراع بمائة درھم کل ذراع بدرھم فوجدھا ناقصة فھو بالخیار ان شاء اخذھا بحصتھا من الثمن وان شاء ترکھا وان وجدھا زائدة کان المشتری بالخیار ان شاء اخذ الجمیع کل ذراع بدرھم وان شاء فسخ البیع[۸۳۵] (۱۶) ولو قال بعت منک ھذہ الرزمة علی انھا عشرة اثواب بمائة درھم کل ثوب بعشرة فان وجدھا ناقصة جاز البیع بحصتہ وان وجدھا زائدة فالبیع فاسد[۸۳۶] (۱۷) ومن باع دارا دخل بناؤھا فی البیع

تشریح کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے لیکن اگر صفت کو اصل بنا دیا جائے تو اس کے مقابلے میں الگ سے قیمت ہوگی۔ یہاں بائع نے جب یہ کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں تو ہر گز کو اصل بنا دیا اور اب ہر گز کے بدلے میں ایک درہم ہوگا۔ اب پورے ٹکڑے زمین کی بیع نہیں ہے بلکہ ہر گز کی بیع ہے۔ اس لئے جتنے گز ہوں گے اتنے ہی درہم لازم ہوں گے۔ کم ہوں گے تو اس کے حساب سے کم درہم اور زیادہ ہوں گے تو اس کے حساب سے زیادہ درہم۔ البتہ کم گز ہونے کی شکل میں مشتری کو وعدہ شدہ زمین نہیں ملی اس لئے رغبت کم ہوئی اس لئے اس کو لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

اصول گز صفت ہے لیکن اگر اس کو اصل بنا دیا جائے تو ہر گز کے بدلے اس کی الگ الگ قیمت لگے گی۔

نوٹ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ بائع پورے ٹکڑے کی مجموعی قیمت لگا رہا ہے یا ہر ہر گز کی الگ الگ قیمت لگا رہا ہے۔ اگر پورے ٹکڑے کی قیمت لگا رہا ہے تو گز زیادہ ہو یا کم پورے ٹکڑے کی پوری قیمت دینی ہوگی۔ اور اگر ہر ہر گز کی قیمت لگا رہا ہے تو گز کے حساب سے اس کی قیمت طے کی جائے گی۔ ان ہی اصولوں پر یہ سب مسائل متفرع ہیں۔

[۸۳۵] (۱۶) میں نے آپ سے یہ گٹھری بیچی اس طرح کہ دس کپڑے ہیں سو درہم کے بدلے، ہر کپڑا دس درہم کے بدلے، پس اگر ان کو کم پایا تو بیع ان کے حصے کے حساب سے جائز ہوگی اور اگر ان کو زیادہ پایا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح ایک گٹھری میں دس تھان کپڑے تھے اور ہر تھان الگ الگ انداز کے تھے۔ بائع نے اب کہا کہ پوری گٹھری بیچتا ہوں اس شرط پر کہ دس تھان کپڑے ہیں اور ہر تھان دس روپے کا ہے۔ پس اگر کم کپڑا پایا مثلا نو کپڑے نکلے تو دس درہم کے حساب سے نوے درہم کے نو کپڑے لے۔ اور چونکہ کم کپڑے ہیں اس لئے چھانٹنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اختلاف بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر گیارہ کپڑے نکلے تو ایک کپڑا کے چھانٹنے میں اختلاف ہوگا۔ بائع گھٹیا دینا چاہے گا اور مشتری اعلی لینا چاہے گا اور اختلاف ونزاع ہوگا اس لئے اس صورت میں بیع فاسد ہوگی۔

اصول کپڑے یا کسی چیز کے افراد میں تفاوت ہو اور اس کو چھانٹنے میں اختلاف ہوسکتا ہو تو بیع فاسد ہوگی۔

لغت الرزمة : گٹھری۔ ثوب : کپڑا، تھان۔

[۸۳۶] (۱۷) کسی نے گھر خریدا تو اس کی دیوار بیع میں داخل ہوگی چاہے اس کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح کسی نے گھر خریدا تو وہ چیزیں جو گھر کے ساتھ عرف میں شامل ہوتی ہیں اور ہمیشہ اور دوام کے طور پر اس کے ساتھ چپکی رہتی ہیں وہ

وان لم یسمه [۸۳۷](۱۸) ومن باع ارضا دخل ما فیها من النخل والشجر فی البیع وان لم یسمه[۸۳۸](۱۹) ولا یدخل الزرع فی بیع الارض الا بالتسمیة[۸۳۹](۲۰) ومن

تمام چیزیں بیع میں خود بخود داخل ہو جائیں گی۔ چاہے بیع کرتے وقت ان کا نام نہ لیا ہو۔

اصول جو چیز مبیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہو وہ چیز بیع میں بغیر اس کا نام لئے ہی داخل ہو جائے گی۔

[۸۳۷](۱۸) کسی نے زمین بیچی تو اس میں جو کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہیں سب بیع میں داخل ہوں گے چاہے ان کا نام نہ لیا ہو

تشریح زمین بیچی تو اس میں جو کھجور وغیرہ کے درخت ہیں وہ سب خود بخود بیع میں داخل ہو جائیں گے چاہے بیع کرتے وقت یہ نہ کہا ہو کہ زمین کے ساتھ درخت بھی خریدتا ہوں۔

وجہ کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہمیشہ کے لئے زمین پر لگے رہتے ہیں۔ کھیتی اور کاشتکاری کی طرح چار چھ ماہ میں کاٹ نہیں لیتے اس لئے وہ زمین کے جزء کی طرح ہیں۔ اس لئے جب زمین کی بیع کی تو درخت بھی خود بخود بیع میں داخل ہو جائیں گے۔ ہاں ان کو باضابطہ بیع سے الگ کر دے تو پھر بیع میں داخل نہیں ہوں گے۔

اصول جو چیز مبیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہوں وہ چیزیں بیع میں بغیر ان کا نام لئے بھی داخل ہو جائیں گی۔

لغت نخل : کھجور کا درخت۔

[۸۳۸](۱۹) کاشتکاری زمین کی بیع میں داخل نہیں ہوگی مگر اس کا نام لینے کے بعد۔

تشریح جب تک یہ نہ کہے کہ کاشتکاری بھی زمین کے ساتھ خریدتا ہوں تب تک زمین کی بیع میں کاشتکاری داخل نہیں ہوگی۔

وجہ کاشتکاری اور کھیتی زمین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے متصل نہیں ہے، وہ تو دو چار ماہ میں کٹ جائے گی اور الگ ہو جائے گی، وہ تو وقتی طور پر زمین کے ساتھ متصل ہے اس لئے زمین کی بیع میں کاشتکاری داخل نہیں ہوگی جب تک کہ اس کا بیع میں نام نہ لیا جائے۔ حدیث میں اس کا اشارہ ہے **عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من باع نخلا قد ابرت فثمرھا للبائع الا ان یشترط المبتاع (الف)** (مسلم شریف، باب من باع نخلا علیھا تمر ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۴۳ / بخاری شریف، باب من باع نخلا قد ابرت او ارضا مزروعۃ او باجارۃ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۴) اس حدیث میں کھجور کا درخت بیچا تو فرمایا کھجور کے بائع کے لئے ہیں مگر یہ مشتری خریدنے کے وقت شرط لگائے۔ اور کھجور درخت پر وقتی طور پر لگا رہتا ہے پھر کٹ جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وقتی طور پر کوئی چیز مبیع کے ساتھ متصل ہو تو وہ چیز مبیع میں داخل نہیں ہوگی مگر یہ کہ شرط کرے۔

اصول جو چیز مبیع کے ساتھ وقتی طور پر متصل ہو وہ چیز بیع میں داخل نہیں ہوگی۔

لغت الزرع : کھیتی، کاشتکاری۔

[۸۳۹](۲۰) کسی نے کھجور کا درخت بیچا یا کوئی اور درخت بیچا جس پر پھل تھے تو پھل بائع کے لئے ہوں گے مگر یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا لے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس پر پھل آ چکا ہو تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے مگر یہ کہ مشتری اس کی شرط لگائے۔

باع نخلا او شجرا فیه ثمرة فثمرته للبائع الا ان یشترطها المبتاع[۸۴۰] (۲۱)ویقال للبائع اقطعها وسلم المبیع [۸۴۱](۲۲) ومن باع ثمرة لم یبد صلاحها او قد بدا جاز

کہ یہ بھی بیع میں داخل ہوں گے۔

تشریح درخت بیچا تو پھل بیع میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں! مشتری شرط لگالے کہ پھل بھی درخت کے ساتھ خرید رہا ہوں تو پھر پھل درخت کی بیع میں داخل ہوں گے۔

وجہ پھل درخت کے ساتھ ہمیشہ کے طور پر متصل نہیں ہے بلکہ چند مہینوں میں کاٹ کر درخت سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور حدیث کی رو سے مسئلہ نمبر ۱۹ میں معلوم ہوا کہ جو چیز مبیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل نہ ہو وہ مبیع میں داخل نہیں ہوگی۔ حدیث گزری **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال من باع نخلا قد ابرت فثمرتها للبائع الا ان یشترط المبتاع** (الف) (بخاری شریف، باب من باع نخلا قد ابرت او ارضا مزروعة او باجارة ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۴ / مسلم شریف، نمبر ۱۵۴۳) اس حدیث میں مذکور ہے کہ کھجور کا درخت بیچا تو کھجور بیع میں داخل نہیں ہوگا۔

لغت نخل : کھجور کا درخت۔

[۸۴۰] (۲۱) بائع سے کہا جائے گا کہ پھل کو کاٹو اور مبیع کو سپرد کرو۔

تشریح جب پھل درخت کی بیع میں داخل نہیں ہوا تو پھل بائع کا رہا اور درخت مشتری کا ہو گیا۔ اور بائع کی ملکیت نے مشتری کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے حالانکہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہونی چاہئے۔ اس لئے بائع سے کہا جائے گا کہ پھل کاٹو اور درخت خالی کر کے مشتری کے حوالے کر دو۔

وجہ بغیر ضمان کے دوسرے کی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ، ولا بیع مالیس عندک** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیة بیع مالیس عندہ ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۴ / سنن للبیہقی، باب الشرط الذی یفسد البیع ج خامس ص ۵۴۸، نمبر ۱۰۸۳۸) اس حدیث میں ہے کہ جس چیز کا ضمان نہ دیتا ہو اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں۔ اس لئے بائع سے کہا جائے گا کہ مشتری کے درخت سے مزید فائدہ نہ اٹھاؤ اور پھل کاٹ کر درخت مشتری کے حوالے کر دو۔

اصول بغیر اجازت اور بغیر ضمان کے دوسرے کی ملکیت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

[۸۴۱] (۲۲) کسی نے پھل بیچے جس کی صلاحیت ظاہر ہو چکی ہو یا ظاہر نہ ہوئی ہو تو بیع جائز ہے، اور مشتری پر واجب ہوگا اس کو فی الحال

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس میں پھل آچکا ہو تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے مگر یہ کہ مشتری شرط لگادے کہ میں پھل لوں گا (تو مشتری کا ہو جائے گا) (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں حلال ہے ادھار بیع کرنا اور اس میں بیع گھسا دینا۔ اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا۔ اور نہ جس چیز کا ضمان لیا ہو اس سے فائدہ اٹھانا۔ اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا بیچنا جو تمہارے پاس نہ ہو۔

البیع ووجب علی المشتری قطعها فی الحال فان شرط ترکها علی النخل فسد البیع

کاٹے۔پس اگر اس کو درخت پر چھوڑ دینے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

تشریح ایسے پھل بیچے جو کارآمد ہو چکے ہوں مثلا کھا سکتا ہو یا جانور کو کھلا سکتا ہو تو اس کو بیچنا جائز ہے بلکہ حدیث میں اسی کی ترغیب ہے کہ پھل کارآمد ہو جائے تب بیچو اس کے پہلے بیچنا اچھا نہیں ہے۔حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها نهی البائع والمبتاع (الف) (بخاری شریف، باب بیع الثمار قبل ان یبد و صلاحھا ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۹۵ رمسلم شریف، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا بغیر شرط القطع ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۳۴) اس حدیث میں ترغیب ہے کہ پھل پکنے سے پہلے اور آفات سے محفوظ ہونے سے پہلے نہ بیچے۔

اور آفات سے محفوظ ہونے سے پہلے پھل کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ (۱) یہ بائع کا مال ہے اور اپنا مال وہ بیچ سکتا ہے۔اور کسی نہ کسی کام میں آئے گا تب ہی تو مشتری اس کو خرید رہا ہے۔اس لئے جو پھل کارآمد نہ ہو اس کو بھی بائع بیچ سکتا ہے۔البتہ حدیث کی بنیاد پر اچھا نہیں ہے (۲) بخاری کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ حضور کے سامنے بائع اور مشتری کے بہت سے جھگڑے آئے اس لئے آپؐ نے مشورہ کے طور پر فرمایا کہ پھل کارآمد ہونے سے پہلے مت بیچو تاکہ مشتری کا گھاٹا نہ ہو۔اور پھل کی قیمت دینے میں ٹال مٹول نہ کرے عن زید بن ثابت قال کان الناس فی عهد رسول الله ﷺ یتباعون الثمار فاذا جذ الناس وحضر تقاضیهم قال المبتاع انه اصاب الثمر الدمان اصابه مرض اصابه قشام عاهات یحتجون بها فقال رسول الله ﷺ لما کثرت عنده الخصومة فی ذلک فاما لا فلا تبتاعوا حتی یبدو صلاح الثمرة کالمشورة یشیر بها لکثرة خصومتهم (ب) (بخاری شریف، باب بیع الثمار قبل ان یبد و صلاحھا نمبر ۲۱۹۳) اس حدیث میں تصریح ہے کہ کارآمد ہونے سے پہلے پھل بیچ دیا کرتے تھے پھر اس میں آفت آتی تھی اور پھل برباد ہو جاتے تھے تو مشتری اس کی قیمت دینے میں ٹال مٹول کرتا تھا۔یہ جھگڑے بہت زیادہ حضور کے سامنے آئے تو آپؐ نے مشورہ کے طور پر کہا کہ کارآمد ہونے سے پہلے پھل مت بیچو۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل میں بیچنا جائز ہے۔اور یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

اصول اپنی چیز بائع بیچ سکتا ہے۔

مشتری سے کہا جائے گا کہ فوری طور پر پھل کاٹ لیجئے اور درخت بائع کو حوالے کر دیجئے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے پھل کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یعنی کارآمد نہ ہو جائے، اور روکا بائع کو اور مشتری کو (ب) لوگ حضور کے زمانے میں پھل بیچا کرتے تھے۔پس جب لوگوں کا شور زیادہ ہوا اور ان کا تقاضا آیا، مشتری کہنے لگا کہ پھل کو بیماری لگ گئی۔اس کو مرض لگ گیا، اس کو آفت لگ گئی اور اس سے وہ کم قیمت کروانے کی حجت پکڑتے تھے۔پس جب اس بارے میں جھگڑے بہت ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا اگر جھگڑے سے نہیں رکتے ہو تو مت بیچو جب تک کہ کھجور کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یعنی پکنے کے قریب نہ ہو جائے۔یہ حکم مشورہ کے طور پر تھا جس کی طرف اشارہ کیا ان لوگوں کے جھگڑے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

[۸۴۲](۲۳) ولا یجوز ان یبیع ثمرۃ و یستثنی منھا ارطالا معلومۃ.

وجہ کیونکہ درخت بائع کی ملکیت ہے اور دوسرے کی ملکیت سے بغیر ضمان کے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ پہلے ترمذی کی حدیث نمبر۱۲۳۴، ولا ربح ما لم یضمن گزر چکی ہے۔

اور اگر مشتری نے شرط لگائی کہ یہ پھل درخت پر کچھ دنوں کے لئے رکھوں گا تا کہ پھل مکمل ہو جائے، اس شرط کے ساتھ خریدا تو اس شرط کے لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

وجہ یہ بیع کے ساتھ الگ شرط ہے جس میں مشتری کا فائدہ ہے۔اور بیع کے ساتھ اس قسم کی شرط لگانے سے جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔اوپر ترمذی کی حدیث میں ایسی شرط والی بیع کو ناجائز کہا ہے عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لایحل سلف و بیع،ولا شرطان فی بیع ، ولا ربح مالم یضمن (الف)(ترمذی شریف،باب ماجاء فی کراہیۃ بیع ما لیس عندہ نمبر۱۲۳۴)اس حدیث میں ولا شرطان ہے جس کی تفسیر یہی ہے کہ بیع کے ساتھ فائدہ کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جائے گی (۲)اثر میں اس کو سود کہا ہے۔عن عبد اللہ بن مسعود قال الصفقتان فی الصفقۃ ربا ان یقول ھو بالنسیۃ بکذا و بکذا (مصنف عبد الرزاق،باب بیعتان فی بیعۃ ج ثامن ص ۱۳۸/۱۳۹نمبر ۱۴۶۳۶/۱۴۶۳۳)

نوٹ اگر بیع کے وقت پھل کو درخت پر رکھنے کی شرط نہ لگائے۔البتہ بعد میں بائع کی اجازت سے پھل پکنے کے لئے چھوڑ دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے بلکہ بائع کا احسان ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ پھل کار آمد ہونے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جن میں کار آمد ہونے سے پہلے پھل بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔(بخاری شریف نمبر۲۱۹۸/مسلم شریف نمبر۱۵۳۵)حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

لغت لم یبد صلاحھا : جو پھل کار آمد نہ ہوا ہو،اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو۔

[۸۴۲](۲۳)اور نہیں جائز ہے کہ پھل بیچے اور اس میں سے کچھ متعین رطل مستثنی کرلے۔

تشریح مثلا پانچ درختوں کے پھل بیچ رہا ہے اور معلوم نہیں اس پر کتنے پھل ہیں۔ساتھ کہہ رہا ہے اس میں سے سو کیلو پھل نہیں بیچوں گا تو ایسا استثناء کرنا جس سے باقی بیع مجہول ہو جائے جائز نہیں ہے۔اسی طرح سو درخت کے پھل بیچ رہا ہے لیکن اس میں سے پانچ نہیں بیچ رہا اور نہیں متعین کر رہا کہ کونسے پانچ درخت ہیں۔تو پچانوے مجہول ہو گئے۔بائع پانچ اعلی درخت لینا چاہے گا اور مشتری پانچ ادنی درخت دینا چاہے گا۔تو ایسا استثناء جس سے مبیع مجہول ہو جائے جائز نہیں ہے۔ہاں!استثناء کے بعد مبیع معلوم رہے تو جائز ہے حدیث میں ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن المزابنۃ وعن المحاقلۃ وعن الثنیا الا ان یعلم (ب)(ابوداؤد شریف،باب فی المخابرۃ ص ۱۲۷نمبر۳۴۰۵/ترمذی شریف،باب ماجاء فی النھی عن الثنیاص۲۴۲نمبر۱۲۹۰)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے استثناء کرنے سے منع فرمایا،مگر

حاشیہ : (الف)ادھار بیچنا اور اس میں دوسری بیع کو گھسا دینا،اور ایک ہی بیع میں دو شرطیں لگانا حلال نہیں۔اور جس چیز کا ضمان نہیں لیا جائے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں (ب)حضورؐ نے بیع مزابنہ،بیع محاقلہ سے روکا اور استثناء کرنے سے روکا،مگر یہ کہ استثناء معلوم ہو تو جائز ہے۔

[۸۴۳] (۲۴) ویجوز بیع الحنطة فی سنبلها والباقلیٰ فی قشرها[۸۴۴] (۲۵) ومن باع دارا دخل فی البیع مفاتیح اغلاقها [۸۴۵](۲۶) واجرة الکیال وناقد الثمن علی البائع

استثناء سے مبیع مجہول نہ ہو بلکہ معلوم رہے تو جائز ہے الا ان یعلم کا یہی مطلب ہے۔

اصول استثناء مجہول ہو تو بیع جائز نہیں۔

[۸۴۳] (۲۴) جائز ہے گیہوں کی بیع اس کے خوشے میں، اور مونگ پھلی کی بیع اس کے چھلکے میں۔

تشریح ہر وہ دانہ جو چھلکے میں ہو اور بہت زیادہ چھپا ہوا نہ ہو، تھوڑا بہت چھپا ہوا ہو تو اس کو چھلکے کے ساتھ بیچنے کی اجازت ہے۔

وجہ (۱) تھوڑی بہت جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوگی، عموم بلوا کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے (۲) حدیث میں خوشے میں گیہوں بیچنے کی اجازت ہے **عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع النخل حتی یزھو وعن بیع السنبل حتی یبیض ویأمن العاھة** (الف) (مسلم شریف، باب نہی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۳۵ / ابو داؤد شریف، باب فی بیع الثمار قبل ان یبد وصلاحھا ج ثانی ص ۱۲۲ نمبر ۳۳۶۸ / ترمذی شریف، نمبر ۱۲۲۷) اس حدیث میں خوشے کو بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ پک کر سفید نہ ہو جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ گیہوں کو خوشے میں بیچنا جائز ہے چاہے گیہوں مستور اور چھپا ہوا ہو۔ اور یہی حال مونگ پھلی کا ہوگا اس کے چھلکے کے ساتھ

اصول مبیع چھلکے میں چھپی ہوئی ہو تو بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ چھلکے کی تھوڑی جہالت معاف ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مونگ پھلی کو اس کے چھلکے کے اندر بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مبیع چھلکے میں چھپی ہوئی ہے اس لئے مبیع مجہول ہوگئی اس لئے جائز نہیں۔

لغت سنبل : خوشہ۔ باقلی : مونگ پھلی۔ قشر : چھلکا۔

[۸۴۴] (۲۵) کسی نے گھر بیچا تو بیع میں اس کے تالے کی کنجی داخل ہوگی۔

تشریح وہ تالا جو دروازے کے ساتھ چپکا ہوتا ہے وہ تالا دروازے کا جز ہوگیا۔ اور جز بغیر نام لئے بھی بیع میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے گھر کی بیع میں تالا داخل ہوگا۔ اور کنجی تالے کا حصہ ہے اس لئے کنجی بھی بیع میں داخل ہوگی۔

اصول بیع میں مبیع کا جز بغیر نام لئے بھی داخل ہوگا۔

[۸۴۵] (۲۶) مبیع کے کیل کرنے کی اجرت اور ثمن کو پرکھنے کی اجرت بائع پر ہے۔ اور ثمن کو وزن کرنے کی اجرت مشتری پر ہے۔

تشریح بائع کی ذمہ داری ہے کہ کیلی مبیع کو کیل کر کے مشتری کے حوالے کرے۔ اس لئے بائع کو ہی کیل کروانا ہوگا۔ اس لئے کیل کرنے والے کی اجرت بائع پر ہوگی کیونکہ اسی کے لئے کیل کیا ہے۔ اثر میں ہے **عن بردان ابی النضر قال کنت بعتُ من رجل طعاما فاعطی الرجل اجر الکیال فسألت الشعبی عن ذلک فقال اعطه انت فانما ھو علیک** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۵۰ الرجل یبیع

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے کھجور کی بیع سے روکا جب تک کہ پک نہ جائے اور خوشے کی بیع سے روکا جب تک سفید نہ ہو جائے اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے۔

واجرة وزان الثمن علی المشتری [۸۴۶](۲۷) ومن باع سلعة بثمن قیل للمشتری ادفع الثمن اولا فاذا دفع قیل للبائع سلم المبیع.

الطعام علی من یکون اجر الکیال ج رابع ،ص ۴۴۵ ،نمبر۲۱۹۳۱) اثر میں کیل کرنے والے کی اجرت بائع پر لازم کی ہے۔اسی طرح ثمن کو پرکھوانے کی ضرورت پڑی تو بائع تجربہ کار آدمی کو بلا کر لائے گا کہ میرا ثمن پرکھ دے کہ کھرا ہے یا کھوٹا تو بائع کے لئے ثمن کے کھرے کھوٹے کو پرکھا۔اس لئے ثمن پر کھنے کی اجرت بائع پر ہوگی۔اور ثمن چونکہ مشتری کوادا کرنا ہے اس لئے وہ ثمن کووزن کروائے گا۔لہذا وزن کرنے والے کو اجرت بھی اسی کو دینا ہوگی۔اس لئے کہ وزن کرنے والے نے کام اس کے لئے کیا ہے۔جس کے لئے کام کیا اجرت اسی پر ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عباس قال احتجم النبی ﷺ واعطی الحجام اجره** (الف)(بخاری شریف،باب خراج الحجام ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۸)اس حدیث میں حضور کے لئے حجامت کی تو آپؐ نے ہی حجام کو اس کی اجرت دی۔

اصول جس کے لئے کام کرے گا اجرت اسی پر لازم ہوگی۔

لغت کیال : کیل کرنے والا آدمی۔ ناقد : ثمن، درہم، دنانیر کو پر کھنے والا کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ وزان : گیہوں وغیرہ کووزن کرنے والا۔

[۸۴۶](۲۷)اگر کسی نے سامان کو ثمن کے بدلے بیچا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے ثمن پیش کرے، پس جب مشتری نے ثمن دے دیا تو بائع سے کہا جائے کہ مبیع سپرد کرے۔

تشریح قاعدہ یہ ہے درہم اور دینار جن کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ۔مثلا پانچ کے نوٹ سے بیع کی اور بعد میں پانچ کا سکہ دیا تو بیع درست رہے گی ۔کیونکہ پانچ کے نوٹ اور پانچ کے سکے دونوں کی مالیت برابر ہے۔اور چونکہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے کوئی بھی دے سکتا ہے۔البتہ قبضہ کرنے کے بعد درہم اور دنانیر متعین ہوتے ہیں۔دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ سامان مثلا غلہ ،دانہ متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں۔مثلا پانچ کیلو گیہوں دینا طے پایا تو دوسرا پانچ کیلو گیہوں نہیں دے سکتا۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ گیہوں خراب ہو۔جب یہ دو قاعدے سمجھ گئے تو یہ سمجھیں کہ سامان کو درہم یا دنانیر کے بدلے میں بیچا تو سامان تو پہلے سے متعین ہے اور ثمن یعنی درہم اور دنانیر اور نوٹ پہلے سے متعین نہیں ہیں اس لئے مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے آپ ثمن پیش کر دیں تا کہ درہم ودنانیر قبضہ کرنے سے متعین ہو جائیں اور بائع اور مشتری دونوں کے حق برابر ہو جائیں۔بعد میں بائع سے کہا جائے گا کہ آپ سامان دیں۔

نوٹ یہ فیصلہ جھگڑے کے وقت ہے کہ کون پہلے دے ورنہ رضامندی سے کوئی بھی پہلے دیگا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ درہم اور دنانیر متعین نہ ہونے کی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے **عن عمر قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالفضة ربا الا هاء و هاء ،وفی حدیث آخر یدا بید** (ب)(ابوداؤد شریف،باب الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۸/۳۳۴۹ رترمذی شریف،باب ماجاء فی

حاشیہ : (الف)حضورؐ نے پچھنا لگوایا اور آپؐ نے حجام کو اس کی اجرت دی(ب) آپؐ نے فرمایا سونا چاندی کے بدلے سود ہے مگر ہاتھوں ہاتھ ہو۔

[۸۴۷](۲۸) ومن باع سلعة بسلعة او ثمنا بثمن قيل لهما سلما معا.

الصرف ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۳) اس حدیث میں فرمایا کہ ھاء وھاء لو یعنی ایک ہاتھ سے لو اور دوسرے ہاتھ سے دو یعنی مجلس میں قبضہ کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ درہم اور دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں۔

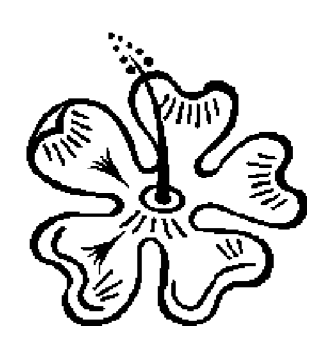
اصول سامان متعین ہوتے ہیں (۲) ثمن یعنی درہم ودنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔

لغت سلعة : سامان۔ ثمن : درہم اور دنانیر کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں۔

[۸۴۷](۲۸) اگر سامان کو سامان کے بدلے میں بیچا، یا ثمن کو ثمن کے بدلے میں بیچا تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو۔

تشریح مبیع بھی سامان کی قسم ہے اور ثمن بھی سامان کی قبیل سے ہے اس لئے دونوں متعین ہیں۔ اس لئے دونوں کے درجے برابر ہیں۔ اس لئے بائع اور مشتری دونوں سے کہا جائے گا ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو۔ ایک کو پہلے اور دوسرے کو بعد میں لینے کا حق نہیں ہے۔ یہی حال ہے جب مبیع بھی درہم یا دنانیر ہیں اور ثمن بھی درہم یا دنانیر ہیں۔ تو دونوں متعین نہیں ہے اس لئے ایک ساتھ لینے اور ایک ساتھ دینے کے لئے کہا جائیگا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن عبادة بن الصامت عن النبی ﷺ قال ... بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدا بيد وبيعوا البر بالتمر كيف شئتم يدا بيد** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الحنطة بالحنطة مثلا بمثل وکراہیة التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰ / ابو داؤد شریف، باب فی الصرف نمبر ۳۳۴۸) اس حدیث میں سونا اور چاندی ایک طرح کے ثمن ہیں، اسی طرح گیہوں اور کھجور ایک طرح کے سامان ہیں تو ایک ہاتھ سے لینے اور دوسرے ہاتھ سے دینے کے لئے کہا۔ اس لئے یدا بید فرمایا گیا۔ چاہے کمی بیشی کے ساتھ بیچے۔



حاشیہ : (الف) نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم سونے کو چاندی کے بدلے میں بیچو جس طرح تم چاہو ہاتھوں ہاتھ اور تم گیہوں کو بیچو کھجور کے بدلے میں جس طرح تم چاہو ہاتھوں ہاتھ۔

﴿باب خیار الشرط﴾

[۸۴۸](۱) خیار الشرط جائز فی البیع للبائع والمشتری[۸۴۹] (۲) ولهما الخیار ثلثة ایام فما دونها ولا یجوز اکثر من ذلک عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقال ابو یوسف و

﴿ باب خیار الشرط ﴾

ضروری نوٹ خیار شرط کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول ہونے کے بعد مجلس میں رہتے ہوئے بائع یا مشتری دونوں یہ کہے کہ ہمیں تین دن کا اختیار دیں اس تین دن میں چاہوں تو مبیع لوں اور چاہوں تو بیع رد کردوں۔ اور سامنے والا اسپر ہاں کہہ دے تو اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔ اب اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بائع جائز قرار دے اور چاہے تو بیع توڑ دے۔ البتہ اگر تین دن تک بیع کو نہیں توڑا تو بیع برقرار رہے گی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ان المتبایعین بالخیار فی بیعهما مالم یتفرقا او یکون البیع خیارا** (الف) (بخاری شریف، باب کم یجوز الخیار ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۷ر مسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ج ثانی ص ۶ نمبر ۱۵۳۱ر ابو داؤد شریف، باب فی خیار المتبایعین ج ثانی ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۴) اس حدیث کے لفظ **او یکون البیع خیارا** سے معلوم ہوا کہ بائع اور مشتری کو خیار شرط ملے گا۔

[۸۴۸] (۱) خیار شرط جائز ہے بیع میں بائع کے لئے اور مشتری کے لئے۔

تشریح ایجاب اور قبول ہونے کے بعد اگر دونوں یا ایک خیار شرط لے لے تو اس کو خیار شرط ملے گا۔

وجہ اوپر حدیث گزر گئی ہے کہ متبایعین یعنی بائع اور مشتری دونوں کو خیار شرط لینے پر خیار شرط ملے گا۔

[۸۴۹] (۲) بائع اور مشتری دونوں کو تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہوگا۔ اور نہیں جائز ہے اس سے زیادہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور کہا امام ابو ابو یوسف اور امام محمد نے کہ جائز ہے جبکہ مدت معلوم متعین کردے۔

تشریح تین دن سے زیادہ کا اختیار لے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین دن سے زیادہ کا اختیار نہیں ملے گا۔

وجہ (۱) تین دن سے زیادہ کا اختیار لینے میں سامنے والے آدمی کو نقصان ہوگا کہ بہت دنوں تک اس کو انتظار کرنا ہوگا کہ بیع ہوئی یا نہیں۔ اس لئے تین دن سے زیادہ اختیار نہیں دیا جائے (۲) حدیث میں تین دن کے ہی اختیار کا ثبوت ہے **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال الخیار ثلاثة ایام** (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۴۸ نمبر ۲۹۹۳ر سنن للبیهقی، باب الدلیل علی ان لا یجوز شرط الخیار فی البیع اکثر من ثلاثة ایام ج خامس ص ۴۵۰، نمبر ۱۰۴۶۱ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی المصراة ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف تین دن کا اختیار ملے گا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ خیار شرط کا معاملہ بائع اور مشتری کے اختیار پر ہے اس لئے اگر وہ دونوں زیادہ دنوں تک اختیار دینے پر راضی ہیں تو کسی

حاشیہ : آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری کو اختیار ہے بیع میں جب تک کہ دونوں جدا نہ ہو جائیں یا بیع میں خیار شرط ہو (ب) آپؐ نے فرمایا خیار شرط تین دن تک ہوتا ہے۔

محمد یجوز اذا سمی مدة معلومة[۸۵۰] (۳) و خیار البائع یمنع خروج المبیع من ملکه [۸۵۱](۴) فان قبضه المشتری فھلک بیدہ فی مدة الخیار ضمنه بالقیمة

کوکوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے بشرطیکہ مدت معلوم ہو کہ کتنے دنوں کا اختیار لینا چاہتے ہیں، مجہول نہ ہو۔ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں تین دن کی قید نہیں ہے مطلقا اختیار دیا گیا ہے۔

[۸۵۰](۳) بائع کا اختیار روکتا ہے مبیع کے نکلنے کو اس کی ملکیت سے۔

تشریح بائع نے خیار شرط لیا تو چاہے مبیع مشتری کے ہاتھ میں جا چکی ہو لیکن ابھی بھی وہ بائع کی ملکیت ہی میں ہے۔اس کی ملکیت سے نکلی نہیں ہے۔

وجہ بائع نے اختیار لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیع کرنے کے باوجود وہ ابھی اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے۔جب وہ بیع نافذ کرے گا تب اس کی ملکیت سے مبیع نکلے گی۔یہی وجہ ہے کہ وہ اس دوران مبیع کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کر سکتا ہے، اور مشتری آزاد کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی ملکیت میں ابھی مبیع نہیں گئی ہے۔

اصول بائع کی پوری رضامندی کے بغیر مبیع اس کے ہاتھ سے نہیں نکلے گی۔حدیث میں اس کا اشارہ ہے **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لا یفترقن عن بیع الا عن تراض** (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی خیار المتبایعین ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۴۸ رابوداؤد شریف، باب خیار المتبایعین ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۸)اس حدیث میں ہے کہ رضامندی کے بغیر بائع اور مشتری جدا نہ ہوں۔اس لئے خیار شرط کی وجہ سے بائع کی ملکیت سے مبیع نہیں نکلے گی۔

[۸۵۱](۴) پس اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا اور مدت خیار میں اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو مشتری قیمت کا ضامن ہوگا۔

تشریح بائع نے تین دن کا خیار شرط لیا تھا اور مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا اور بعد میں مشتری کے ہاتھ میں مبیع ہلاک ہوگئی تو جو ثمن بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوا تھا وہ تو لازم نہیں ہوگا۔لیکن بازار میں اس مبیع کی جو قیمت ہوگی وہ ادا کرنا ہوگا۔

وجہ بائع کا خیار تھا اس لئے بائع کی ملکیت سے وہ چیز نہیں نکلی اور بیع بھی نہیں ہوئی لیکن مشتری نے بھاؤ کے طور پر وہ چیز لی تھی اور ہلاک ہوگئی اس لئے بازار کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ قیمت مشتری پر لازم ہوگی (۲) اس کا ثبوت اثر میں ہے۔حضرت عمر نے ایک آدمی سے گھوڑا خریدا اگر پسند آئے گا تو رکھ لوں گا۔پھر ایک آدمی کو اس پر سوار کیا جس کی وجہ سے گھوڑا عیب دار ہو گیا۔حضرت عمر نے قاضی شریح کو فیصل مانا تو قاضی شریح نے فرمایا کہ آپ نے صحیح سالم لیا تھا اس لئے یا تو صحیح سالم گھوڑا واپس کر دیا اس کی قیمت ادا کریں۔**فقال شریح لعمرؓ اخذته صحیحا سلیما وانت له ضامن حتی تردہ صحیحا سلیما** (ب)(سنن للبیھقی، باب الماخوذ علی طریق السوم و علی بیع شرط فیه الخیار ج خامس ص ۴۵۰، نمبر ۱۰۴۶۳ رمصنف عبد الرزاق، باب الرجل یشتری الشیء علی ان یجربه فیھلک ج ثامن ص ۲۲۴ نمبر ۱۴۹۷۹)اس اثر سے معلوم ہوا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بیع کر کے جدا نہ ہوں مگر رضامندی کے بعد (ب) قاضی شریح نے حضرت عمر سے فرمایا آپ نے صحیح سالم گھوڑا لیا تھا اس لئے آپ اس کی قیمت کے ضامن ہیں یا یہ کہ اس کو صحیح سالم گھوڑا واپس کریں (نوٹ) اور صحیح سالم گھوڑا واپس کر نہیں سکتے تو اس کی قیمت ادا کریں۔

[۸۵۲](۵) وخیار المشتری لا یمنع خروج المبیع من ملک البائع الا ان المشتری لا یملکه عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد یملکه[۸۵۳] (۶) فان هلک بیده هلک بالثمن[۸۵۴] (۷) و کذلک ان دخله عیب.

کہ مشتری کو قیمت دینی ہوگی، کیونکہ اس کے کرتوت سے مبیع ہلاک ہوئی ہے۔

[۸۵۲](۵) مشتری کا خیار شرط نہیں روکتا ہے مبیع کے نکلنے سے بائع کی ملکیت سے، مگر یہ کہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مبیع کا مالک ہوگا۔

تشریح خیار شرط مشتری نے لیا ہے، بائع نے نہیں لیا ہے۔ اس لئے بائع نے تو اپنی جانب سے بیع طے کر دی ہے اس لئے بائع کی ملکیت سے مبیع نکل جائے گی۔ لیکن مشتری نے خیار شرط لیا ہے تو گویا کہ مشتری نے ابھی مکمل بیع طے نہیں کی اس لئے اس کی ملکیت میں مبیع داخل نہیں ہوگی۔ نیز اگر اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے تو مشتری کا نقصان ہے۔ مثلا اگر اپنے بھائی کو خریدا تھا اور خیار شرط لیا اس کے باوجود بھائی اس کی ملکیت میں داخل ہو گیا تو چونکہ وہ ذی رحم محرم ہے اس لئے بھائی آزاد ہو جائے گا۔ اب مشتری کے نہ چاہتے ہوئے بھی بھائی آزاد ہو گیا۔ اس لئے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مشتری کے خیار شرط کے وقت مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

لغت ثمن : وہ ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان قیمت طے ہو۔ قیمت : جو قیمت بازار میں لگ سکتی ہو اس کو قیمت کہتے ہیں۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

وجہ کیونکہ بائع کی ملکیت سے نکل گئی تو مملوک شی کسی نہ کسی کی ملکیت میں داخل ہونی چاہئے ورنہ وہ مملوک کیسے ہوگی۔ اس لئے چاہے مشتری نے خیار لیا ہو پھر بھی اس کی ملکیت میں مبیع داخل ہو جائے گی۔

[۸۵۳](۶) پس اگر مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی تو ثمن کے بدلے میں ہلاک ہوگی۔

تشریح مشتری نے خیار شرط لیا اس لئے اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی تھی لیکن جب مبیع ہلاک ہونے لگی تو ہلاک ہونے سے پہلے وہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو گئی اور بیع مکمل ہو گئی۔ اور جب بیع مکمل ہو گئی تو مشتری پر ثمن لازم ہوگا۔ یعنی وہ قیمت جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوئی تھی۔

اصول بیع مکمل ہو گئی ہو تو ثمن لازم ہوتا ہے۔

[۸۵۴](۷) ایسے ہی اگر مبیع میں عیب پیدا ہو گیا۔

تشریح یعنی مشتری نے خیار لیا تھا اور مبیع پر بھی قبضہ کیا تھا۔ مبیع مشتری کے ہاتھ میں رہتے ہوئے عیب دار ہو گئی تو بیع تام ہو گئی۔ اس لئے مشتری کو ثمن دینا ہوگا جو آپس میں طے ہوا تھا۔ کیونکہ مشتری کے ہاتھ میں رہتے ہوئے مبیع کے عیب دار ہونے سے بیع مکمل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مبیع صحیح سالم لی تھی تو اب عیب دار کیسے واپس کرے گا۔

[۸۵۵] (۸) ومن شرط له الخیار فله ان یسفخ فی مدة الخیار وله ان یجیزه[۸۵٦] (۹) فان اجازه بغیر حضرة صاحبه جاز وان فسخ لم یجز الا ان یکون الآخر حاضرا.

وجہ مسئلہ نمبر ۴ میں قاضی شریح کا جملہ گزرا **فقال شریح لعمر اخذته صحیحا سلیما وانت له ضامن حتی ترده صحیحا سلیما** (الف) (سنن للبیہقی، باب الماخوذ علی طریق السوم وعلی بیع شرط فیہ خیار ج خامس ص ۴۵۰، نمبر ۱۰۴۶۳ ر مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۴۹۷۹) اس سے معلوم ہوا کہ مشتری کے ہاتھ میں مبیع عیب دار ہو جائے تو اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی اور مبیع مشتری کی ہوگی اور بیع تام ہو جائے گی۔

[۸۵۵] (۸) جس نے خیار شرط لیا اس کے لئے جائز ہے کہ مدت خیار میں بیع فسخ کر دے اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو جائز کر دے۔

وجہ چونکہ اس نے بیع جائز قرار دینے اور بیع کے توڑنے کا اختیار لیا ہے اس لئے اس کو دونوں اختیار ہیں۔ چاہے تو تین دن کے اندر بیع توڑ دے، چاہے تو جائز قرار دے۔

[۸۵٦] (۹) پس اگر سامنے والے کی غیر حاضری میں بیع جائز قرار دی تو جائز ہے، اور اگر بیع فسخ کی تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دوسرا حاضر ہو

تشریح مثلا بائع نے خیار شرط لیا تو مشتری سامنے نہ بھی ہو یا اس کو علم نہ بھی ہو تب بھی بیع جائز قرار دینا چاہے تو جائز قرار دے سکتا ہے۔

وجہ کیونکہ بیع جائز قرار دینے میں مشتری کا نقصان نہیں ہے وہ تو چاہ ہی رہا ہے کہ بیع جائز ہو جائے تب ہی تو اس نے خیار شرط نہیں لیا۔ اس لئے مشتری کو علم نہ بھی ہوا ہو تب بھی بیع جائز قرار دے سکتا ہے۔ اور اگر بائع بیع فسخ کرنا چاہتا ہو تو جب تک مشتری کو اس کی خبر نہ دے فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ مشتری کو فسخ کرنے سے نقصان ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بیع جائز کر دیگا لیکن اس نے فسخ کر دیا۔ اب اس نے دوسری مبیع تلاش نہیں کی اور انتظار میں بیٹھا رہا۔ اس لئے اگر فسخ کرنا ہو تو دوسرے فریق کو اس کی اطلاع دینا ضروری ہے۔ تا کہ اس کو نقصان نہ ہو (۲) حدیث میں اس کی تصریح ہے **عن عائشة عن النبی ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار** (ب) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیة والاحکام ج رابع ص ۱۴۶ نمبر ۴۴۹۳ ر ۳۰۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو نقصان دینے سے بچنا چاہئے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے فریق کو اطلاع دیئے بغیر بھی فسخ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

وجہ دوسرے فریق نے اختیار لینے والے کو بیع توڑنے کا بھی اختیار دیا ہے اس لئے وہ جس طرح غائبانہ میں بیع جائز قرار دے سکتا ہے اسی طرح توڑ بھی سکتا ہے۔

لغت **الا ان یکون الحاضر** کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرا فریق حاضر ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ حاضر نہ ہو لیکن اس کو بیع فسخ

حاشیہ : (الف) حضرت قاضی شریح نے حضرت عمر سے فرمایا کہ آپ نے گھوڑے کو صحیح سالم لیا اس لئے آپ ضامن ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو صحیح سالم واپس کریں (ب) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان اٹھانا چاہئے اور نہ نقصان دینا چاہئے

[۸۵۷] (۱۰) فاذا مات من له الخيار بطل خياره ولم ينتقل الى ورثته[۸۵۸](۱۱) ومن

کرنے کی اطلاع دیدی جائے۔

[۸۵۷](۱۰) پس اگر جس کو خیار شرط تھا وہ مر گیا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔ اور یہ اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

تشریح بائع یا مشتری جس نے خیار شرط لیا تھا وہ مر گیا تو اب یہ اختیار اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ اور وارث کو اس بیع کا خیار شرط نہیں ہوگا۔ بلکہ چونکہ پہلے ایجاب اور قبول ہو چکے ہیں اس لئے بیع لازم ہو جائے گی۔

وجہ یہ اختیار، ارادے اور چاہت کا نام ہے کہ بیع جائز قرار دیں یا نہ دیں۔ ورنہ ایجاب اور قبول پہلے ہو چکے ہیں۔ اور ارادے معنوی شی ہیں وہ منتقل نہیں ہوتے اس لئے اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا (۲) حدیث میں اشارہ ہے **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال المتبايعان كل واحد منهما بالخيار على صاحبه مالم يتفرقا الا بيع الخيار** (الف) (بخاری شریف، باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۱۱) اس حدیث میں صرف المتبایعان یعنی بائع اور مشتری کو اختیار دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی اور کو یہ اختیار نہیں ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جسطرح خیار عیب اور خیار تعیین ورثہ کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی طرح خیار شرط بھی ورثہ کی طرف منتقل ہوگا۔ اور اس کو بھی بیع توڑنے اور جائز قرار دینے کا حق ہوگا۔

[۸۵۸](۱۱) کسی نے غلام بیچا یہ کہہ کر کہ یہ روٹی پکانے والا یا کاتب ہے پس اس کو اس کے خلاف پایا تو مشتری کو اس کا اختیار ہے کہ اگر چاہے تو پورا ثمن دے کر لے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔

تشریح غلام بیچا یہ کہہ کر کہ یہ روٹی پکانے والا ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ صفت اس غلام میں نہیں ہے تو اس صفت کے نہ ہونے کی وجہ سے مشتری کو بیع جائز قرار دینے اور بیع کے توڑنے کا اختیار رہوگا۔ کیونکہ وہ صفت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی رغبت کم ہو گئی اور بائع نے خلاف وعدہ کیا اس لئے اس کو توڑنے کا حق ہوگا۔ اور اگر غلام لینا چاہے تو جو قیمت آپس میں طے ہوئی تھی وہی قیمت دے کر لینا ہوگا۔

وجہ روٹی پکانا، کاتب ہونا یہ صفت ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ صفت کے مقابلے میں مستقل قیمت نہیں ہوتی اس لئے اس صفت کی کمی کی وجہ سے قیمت میں کمی نہیں ہوگی۔

نوٹ ہاں! بائع قیمت کم کرنے پر راضی ہو جائے تو گویا کہ الگ صفقہ کے ماتحت کم ہوئی جس کی گنجائش ہے۔ البتہ قانونی طور پر پہلی ہی قیمت میں لینا ہوگا۔ اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے **عن عبد الله بن عمر ان رجلا ذكر للنبى ﷺ انه يخدع فى البيوع فقال اذا بايعت فقل لا خلابة** (ب) (بخاری شریف، باب ما یکرہ من الخداع فی البیع ص ۲۸۴ نمبر ۲۱۱۷ رترمذی شریف، باب ما جاء فیمن یخدع فی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری دونوں کو اپنے صاحب پر اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہو جائے مگر خیار شرط کے بیع میں (ب) آپؐ کے سامنے تذکرہ آیا کہ ایک آدمی بیع میں دھوکہ کھا جاتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ جب آپ بیع کریں تو کہہ دیا کریں کہ دھوکہ نہیں (نوٹ) دوسری حدیث میں آپ کو تین دن کا اختیار لینے کو فرمایا تھا)

باع عبدا علی انه خباز او کاتب فوجده بخلاف ذلک فالمشتری بالخیار ان شاء اخذه بجمیع الثمن وان شاء ترکه.

البیع ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۵۰) اس حدیث میں صحابی بیع میں دھوکہ کھاتے تھے تو اس کو اختیار لینے کے لئے کہا گیا ہے۔اس لئے جو لوگ صفت میں دھوکہ کھا جائے اس کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

اصول صفت مرغوب فیہ کے فوت ہونے سے مشتری کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

لغت خباز : روٹی پکانے والا،خبز کا اسم فاعل ہے۔



﴿باب خیار الرؤیة﴾

[۸۵۹](۱) ومن اشتری مالم یرہ فالبیع جائز [۸۶۰](۲) ولہ الخیار اذا راٰہ ان شاء اخذہ وان شاء ردہ [۸۶۱](۳) ومن باع مالم یرہ فلا خیار لہ.

﴿ باب خیار الرؤیۃ ﴾

ضروری نوٹ کسی چیز کو دیکھے بغیر خرید لے تو اس وقت دیکھنے کے بعد چاہے تو خریدے اور چاہے تو نہ خریدے ایسے اختیار کو خیار رویت کہتے ہیں۔خیار رویت جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ من اشتری شیئا لم یرہ فھو بالخیار اذا راٰہ** (الف) (دار قطنی ، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵ نمبر ۲۷۷۹ رسنن للبیھقی ، باب من قال یجوز بیع العین الغائبۃ ج خامس ص ۴۴۰، نمبر ۱۰۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مبیع کو نہ دیکھا ہو تو دیکھنے کے بعد اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

[۸۵۹](۱) کسی نے خریدا ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں تو بیع جائز ہے۔

وجہ بغیر دیکھے بھی کسی چیز کو بیچنا جائز ہے۔کیونکہ وہ مال ہے اور جھگڑا بھی نہیں ہوگا ، کیونکہ دیکھ لینے کے بعد پسند نہ آئے تو بیع توڑ دے گا (۲) اوپر کی حدیث سے بھی پتہ چلا کہ بغیر دیکھے چیز خرید سکتا ہے۔

[۸۶۰](۲) اور مشتری کو اختیار ہوگا جب مبیع کو دیکھے چاہے تو اس کو لے لے اور چاہے تو اس کو واپس کر دے۔

تشریح دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

وجہ کیونکہ دیکھنے سے پہلے اس کی رغبت کامل نہیں ہے اور نہ وہ اس پر راضی ہے۔اور پہلے گزر گیا کہ رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوگی (۲) اوپر حدیث گزری **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من اشتری شیئا لم یرہ فھو بالخیار اذا راٰہ** (ب) دار قطنی ، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵ نمبر ۲۷۷۹ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲ فی الرجل اشتری ولا ینظر الیہ من قال ھو بالخیار اذا راٰہ ان شاء اخذ وان شاء ترک ، ج رابع ، ص ۲۷۳، نمبر ۱۹۹۶۷) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

[۸۶۱](۳) کسی نے بیچا ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں تو اس کو اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح بائع نے بغیر دیکھے مبیع بیچ دی اور بعد میں خیار رویت لینا چاہتا ہے۔اور دیکھنے کے بعد خیار رویت کے ماتحت بیع توڑنا چاہتا ہے تو اس کو خیار رویت کے ماتحت بیع توڑنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

وجہ (۱) مبیع تو اسی کے پاس تھی۔اس نے بیع سے پہلے کیوں نہیں دیکھی؟ نہ دیکھنا یہ اس کی غلطی تھی اس لئے اس کو خیار رویت نہیں دیا جائے گا (۲) اوپر کی حدیث میں من اشتری شیئا فرمایا ہے کہ جس نے خریدا ، جس سے معلوم ہوا کہ خریدنے والے کو اختیار ہوگا۔من باع نہیں فرمایا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی ایسی چیز کو خریدا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی ایسی چیز کو خریدا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے۔

[۸۶۲] (۴) وان نظر الی وجه الصبرة او الی ظاهر الثوب مطویا او الی وجه الجاریة او الی وجه الدابة و کفلها فلا خیار له [۸۶۳](۵) وان رأی صحن الدار فلا خیار له وان لم

،جس سے معلوم ہوا کہ بیچنے والے کوخیار رویت نہیں ہوگا (۳) اثر سے پتہ چلتا ہے کہ بائع کو خیار رویت نہیں ملے گا عن ابن ابی ملیکة ان عثمان ابتاع من طلحة بن عبید اللہ ارضا بالمدینة ناقله بارض له بالکوفة فلما تباینا ندم عثمان ثم قال بایعتک مالم اره فقال طلحة انما النظر لی انما ابتعت مغیبا و اما انت فقد رایت ما ابتعت فجعلا بینهما حکما فحکما جبیر ابن مطعم فقضی علی عثمان ان البیع جائز وان النظر لطلحة انه ابتاع مغیبا (الف) (سنن للبیہقی ، باب من قال یجوز بیع العین الغائبة ج خامس ص ۴۳۹، نمبر ۱۰۴۲۴) اس اثر میں جبیر بن مطعم نے بائع حضرت عثمان کو خیار رویت نہیں دیا بلکہ مشتری حضرت طلحہ کو خیار رویت دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بائع کو خیار رویت نہیں ملے گا۔

اصول بائع کے لئے خیار رویت نہیں ہے۔

[۸۶۲] (۴) اگر ڈھیر کے اوپر کا حصہ دیکھا یا لپیٹے کپڑے کے ظاہری حصے کو دیکھا یا باندی کا چہرہ دیکھا یا جانور کا چہرہ دیکھا اور اس کا پچھلا حصہ دیکھا تو اس کے لئے خیار رویت نہیں ہے۔

تشریح مبیع کے ہر ہر عضو کو دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ عرف میں جس عضو یا جس حصے کو دیکھنا شمار کیا جاتا ہے اس حصے کو دیکھنا کافی سمجھا جائے گا۔ اور اسی کو دیکھنے سے خیار رویت ختم ہو جائے گا۔ مثلا ڈھیر کے اوپر کے حصے کو دیکھنے سے پورے ڈھیر کی معلومات ہو جاتی ہے۔ اس لئے اوپر کے حصے کو دیکھنا کافی ہوگا۔ اسی طرح باندی کے چہرے کو دیکھنے سے پوری باندی کا علم ہو جاتا ہے اس لئے چہرہ دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ جانور کے چہرے اور سرین کو دیکھنے سے پورا علم ہوتا ہے اور اس لئے انہیں کو دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

اصول جس حصے کے دیکھنے سے پوری مبیع کا علم ہو جائے اس حصے کے دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

لغت مطویا : لپیٹا ہوا۔ کفل : جانور کی سرین۔

[۸۶۳] (۵) اور اگر گھر کے صحن کو دیکھا تو مشتری کو اختیار نہیں ہوگا چاہے اس کے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔

تشریح مصنف کے ملک میں کمرے ایک طرح کے ہوا کرتے تھے اور صحن کو دیکھنے سے کمروں کا اندازہ ہو جاتا تھا اس لئے فرمایا کہ صحن کے دیکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ چاہے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔ لیکن جن ملکوں میں کمرے کے اندر کا حصہ الگ الگ انداز کا ہو ان ملکوں میں کمرے کے اندر دیکھنا ہوگا۔ اس کے بغیر خیار رویت ساقط نہیں ہوگا وجہ اور اصول اوپر گزر گئے۔

حاشیہ : (ب) ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے طلحہ بن عبید اللہ سے مدینہ میں زمین خریدی کوفہ میں زمین کی بدلے میں مال غنیمت میں ملی تھی۔ پس جب دونوں جدا ہوئے تو حضرت عثمان کو ندامت ہوئی پھر فرمایا میں نے ایسی چیز بیچی جو دیکھی نہیں ہے تو حضرت طلحہ نے فرمایا خیار رویت مجھے ہوگی۔ اس لئے کہ میں نے غائبانہ کی چیز خریدی ہے۔ بہر حال آپ نے دیکھا ہے جس کو بیچا ہے۔ تو دونوں نے حضرت جبیر بن مطعم کو حکم بنایا تو انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف فیصلہ فرمایا کہ بیع جائز ہے اور خیار رویت حضرت طلحہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے غیوبت کی چیز خریدی ہے۔

یشاھد بیوتھا [۸۶۴] (۶) وبیع الاعمی وشراؤہ جائز ولہ الخیار اذا اشتری[۸۶۵] (۷) ویسقط خیارہ بان یجس المبیع اذا کان یعرف بالجس او یشمہ اذا کان یعرف بالشم او یذوقہ اذا کان یعرف بالذوق کما فی البصر [۸۶۶](۸) ولا یسقط خیارہ فی العقار حتی یوصف لہ[۸۶۷] (۹) ومن باع ملک غیرہ بغیر امرہ فالمالک بالخیار ان شاء اجاز

---

[۸۶۴] (۶) نابینا کا بیچنا اور اس کا خریدنا جائز ہے لیکن اس کے لئے خیار رویت ہوگا جب خریدے۔

تشریح نابینا کا خریدنا اور بیچنا اس لئے جائز ہے کہ وہ آدمی ہے، عاقل و بالغ ہے۔ انسانی ضرورت اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا خریدنا اور بیچنا دونوں جائز ہیں۔ لیکن چونکہ آنکھ نہ ہونے کی وجہ سے مبیع کو دیکھا نہیں ہے اس لئے اس کو خیار رویت ہوگا۔ اس کے خیار رویت ساقط ہونے کے مختلف طریقے ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۸۶۵] (۷) نابینا کا خیار ساقط ہو جائے گا اس طرح کہ مبیع کو ٹٹولے اگر ٹٹولنے سے معلوم ہو سکتا ہو، یا اس کو سونگھ لے اگر سونگھنے سے معلوم ہو سکتا ہو، یا چکھ لے اگر چکھنے سے معلوم ہو سکتا ہو جیسا کہ دیکھنے والے آدمی میں ہوتا ہے۔

تشریح نابینا مشتری دیکھ نہیں سکتا ہے اس لئے مبیع کی حقیقت کو پہچاننے کے لئے جو دوسرے طریقے ہو سکتے ہیں ان کو استعمال کرنے سے اس کا خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر سونگھ کر مبیع کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اور سونگھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ اور چکھ کر معلوم کی جا سکتی ہو تو چکھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ جس طرح آدمی دیکھنے والا ہوا اور ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر دیکھ لے تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح نابینا بھی ایسا کرلے تو خیار ساقط ہو جائے گا۔ یا پھر مبیع دیکھنے کا کسی کو وکیل بنالے اور وکیل دیکھ لے تو نابینا کا دیکھنا شمار کیا جائے گا اور اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

اصول اصل پر عمل نہ کر سکتا ہو تو اس کے نائب پر عمل کرنا کافی ہوگا۔ جس طرح وضو پر قدرت نہ ہو تو تیمّم کرنا کافی ہوگا۔

لغت یجس : ٹٹول لے، چھو کر دیکھ لے۔ یشم : سونگھ لے۔ البصر : دیکھنے والے۔

[۸۶۶] (۸) اور زمین میں اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا وصف بیان کردے۔

تشریح نابینا نے زمین خریدی اب اس کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر معلوم نہیں کر سکتا اس لئے اس کی خیار کے ساقط کرنے اور مکمل رضامندی کا طریقہ یہ ہے کہ بائع زمین کی پوری حقیقت بیان کرے اور پورا وصف بیان کرے۔ ان کو سن کر نابینا راضی ہو جائے تو خیار رویت ساقط ہو جائے گا۔

لغت العقار : زمین۔

[۸۶۷] (۹) جس نے غیر کی ملکیت کو اس کے حکم کے بغیر بیچا تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو بیع کو جائز قرار دے اور چاہے تو فسخ کردے۔ اور اس کو اجازت دینے کا حق ہے جب تک معقود علیہ یعنی مبیع باقی ہو اور بائع اور مشتری اپنی حالت پر ہوں۔

البیع وان شاء فسخ وله الاجازة اذا کان المعقود علیه باقیا والمتعاقدان بحالهما[۸۶۸] (۱۰) ومن رای احد الثوبین فاشتراهما ثم رای الآخر جاز له ان یردهما.

تشریح کسی نے دوسرے کی چیز اس کے حکم کے بغیر بیچ دی تو اس کا بیچنا جائز ہے۔

وجہ کیونکہ یہ آدمی عاقل و بالغ ہے اور چیز مملوک اور مبیع ہے۔اور خود اپنے لئے نہیں بیچا مالک ہی کے لئے بیچا ہے۔اب مالک چاہے تو اس بیع کو جائز قرار دے اور پسند نہ ہو تو فسخ کردے۔اس بیع کو بیع فضولی کہتے ہیں۔اس بیع کا ثبوت اس حدیث میں ہے **عن عروة ان النبی ﷺ اعطاه دینارا یشتری له به شاة فاشتری له به شاتین فباع احدهما بدینار فجائه بدینار وشاة فدعا له بالبرکة فی بیعه** (الف) (بخاری شریف، کتاب المناقب ص۵۱۴ نمبر۳۶۴۲) اس حدیث میں حضرت عروۃ نے بغیر حضور کے حکم کے ایک دینار سے دو بکریاں خریدی، پھر بغیر حکم ہی کے ایک بکری بیچ دی اور ایک دینار نفع لیکر واپس آئے۔اور آپؐ نے اس پر دعا دی جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو پسند فرما کر اس بیع کو جائز قرار دی۔حالانکہ بغیر حکم کے بیع کرنا فضولی کی بیع تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ فضولی کی بیع جائز ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مالک کو بعد میں بیع بحال رکھنے اور توڑنے کا اختیار ہے۔

اصول فضولی کی بیع جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فضولی کی بیع جائز نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ اس کے پاس مبیع نہیں ہے۔اور حدیث میں ہے کہ جس کے پاس مبیع نہ ہو اس کے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔حدیث میں ہے **ذکر عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع ما لیس عندک** (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ ص۱۳۹ نمبر۳۵۰۴ رترمذی شریف نمبر۱۲۳۲) اس حدیث سے پتہ چلا کہ جو مبیع آدمی کے پاس نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں۔اس لئے فضولی کی بیع جائز نہیں ہے۔

مبیع موجود ہو تب اجازت دے سکتا ہے اس کی قید اس لئے ہے کہ مالک کی اجازت کے بعد بیع ہوگی۔پس اگر مبیع موجود نہ ہو تو بیع کس پر ہوگی؟ اس لئے اجازت کے لئے مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے۔اسی طرح اگر بائع موجود ہوگا اور مشتری موجود ہوگا اور وہ اپنی حالت پر ہوں یعنی اجازت کے وقت عاقل، بالغ اور مالک ہوں تب بیع ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔اسی لئے متعاقدین یعنی بائع اور مشتری کو اپنی حالت پر ہونا ضروری ہے۔مثلا وہ عاقل ہی نہ رہے، مجنون ہو جائے تو اب اس کی جانب سے بیع کیسے ہوگی۔

لغت معقود علیہ : جس پر عقد ہوا ہو یعنی مبیع۔ المتعاقدین : عقد کرنے والے یعنی بائع اور مشتری۔

[۸۶۸] (۱۰) کسی نے دو کپڑوں میں سے ایک کو دیکھا پھر دونوں کو خرید لیا پھر دوسرے کپڑے کو دیکھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ دونوں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت عروہ کو ایک دینار دیا تاکہ اس سے ایک بکری خریدے۔انہوں نے اس ایک دینار سے دو بکریاں خرید لی، پھر ایک بکری کو ایک دینار میں بیچا۔پس حضور کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لے کر آئے۔آپؐ نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعا کی (ب) آپؐ نے فرمایا ادھار بیچنا اور ساتھ ہی بیع کرنا حلال نہیں۔بیع میں مخالف قسم کی دو شرطیں لگانا صحیح نہیں، جب تک ضامن نہ ہو اس سے نفع اٹھانا صحیح نہیں۔اور جو کچھ تمہارے پاس نہ ہو اس کا بیچنا صحیح نہیں۔

[۸۶۹] (۱۱) ومن مات وله خیار الرؤیة بطل خیارہ[۸۷۰] (۱۲) ومن رای شیئا ثم

کپڑوں کو واپس کر دے۔

تشریح صرف ایک کپڑے کو دیکھا تھا اور ایک ہی بیع میں دوسرے کپڑے کو بھی خرید لیا جس کو دیکھا نہیں تھا تو دوسرے کپڑے کے خیار رویت کے ماتحت دونوں کپڑوں کو واپس کر سکتا ہے۔

وجہ دونوں کپڑے مختلف ہیں۔ایک کو دیکھنا دوسرے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے دوسرے کپڑے میں خیار رویت ملے گا اور چونکہ بیع ایک ہی ہے اور ایک کپڑے کو واپس کرے گا تو آدھی مبیع رہ جائے گی اور آدھی واپس ہوگی اس لئے واپس کرے گا تو دونوں اور رکھے گا تو دونوں کپڑے۔اثر میں ہے **عن الشعبی فی رجل اشتری رقیقا جملة فوجد بعضهم عیبا قال یردهم جمیعا او یأخذهم جمیعا** (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یشتری المبیع جملة فیجد فی بعضه عیبا ج ثامن ص ۱۵۶ نمبر ۱۴۶۹۹) اس اثر میں ہے کہ تمام مبیع لے یا تمام چھوڑ دے۔

اصول یہاں یہ اصول جاری ہے کہ مبیع مختلف ہیں اس لئے ایک کو دیکھنا دوسرے کے لئے کافی نہیں۔اس لئے دوسرے میں خیار رویت ملے گا (۲) پوری مبیع واپس ہوگی آدھی نہیں۔

[۸۶۹] (۱۱) کوئی مرا اور اس کے لئے خیار رویت تھا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔

وجہ خیار رویت ایک معنوی چیز ہے اور اختیار اور ارادے کا نام ہے۔اور معنوی چیز دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے۔اس لئے مرنے کے بعد یہ اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔باطل ہو جائے گا۔

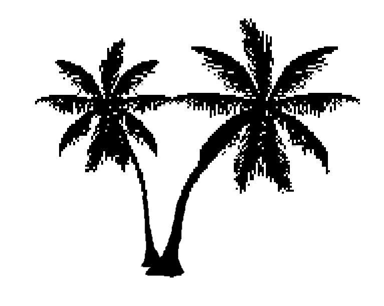
[۸۷۰] (۱۲) کسی نے کوئی چیز دیکھی پھر اس کو ایک مدت کے بعد دیکھا پس اگر اسی صفت پر ہے جیسا دیکھا تھا تو اس کے لئے اختیار نہیں ہے۔اور اگر اس کو بدلا ہوا پایا تو مشتری کے لئے خیار رویت ہے۔

تشریح اس رویت سے خیار رویت ساقط ہوگا جس سے مبیع کی حقیقت کا علم ہو جائے۔اور اگر مبیع کی حقیقت کا علم نہ ہو تو وہ رویت اختیار کے ساقط کرنے کے لئے کافی نہیں۔اب اگر مثلا چھ ماہ پہلے ایک چیز کو دیکھا تھا اور اسی حال پر وہ مبیع موجود ہے تو پہلی رویت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے۔اس لئے مشتری کو خیار رویت نہیں ملے گا۔اس اثر میں اس کا ثبوت ہے **عن ابن سیرین قال اذا ابتاع رجل منک شیئا علی صفة فلم تخالف ما وصفت له فقد وجب علیه البیع** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب البیع علی الصفة وہی غائبة ج ثامن ص ۴۴ نمبر ۱۴۲۲۳) اس اثر میں ہے کہ اسی صفت پر موجود ہے تو خیار رویت نہیں ملے گا۔بیع واجب ہوگی۔اور اگر مبیع کی حالت بدل گئی ہے تو پہلی رویت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔اس لئے مشتری کو خیار رویت ملے گا۔اور اس کے ماتحت مبیع کو واپس کرنے کا حق ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ کوئی آدمی آپ سے کوئی چیز خریدے کسی صفت پر اور جو صفت بیان کی اس کے خلاف نہیں کیا تو اس پر بیع واجب ہو گئی۔

اشتراہ بعد مدۃ فان کان علی الصفۃ التی رآہ فلا خیار لہ وان وجدہ متغیرا فلہ الخیار.

اصول حقیقت کو معلوم کرنے والی رویت خیار رویت ساقط کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے (۲) جو رویت حقیقت کا علم نہ دے وہ خیار رویت ساقط کرنے کے لئے کافی نہیں۔



﴿باب خيار العيب﴾

[۸۷۱](۱) اذا اطلع المشتری علی عیب فی المبیع فهو بالخیار ان شاء اخذه بجمیع الثمن وان شاء رده ولیس له ان یمسکه ویأخذ النقصان.

﴿باب خیارالعیب﴾

ضروری نوٹ مبیع میں عیب ہو جائے جس کے ماتحت مبیع کو واپس کرنے کا اختیار ہو اس کو خیار عیب کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے **عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان یقیم ثم وجد به عیبا فخاصمه الی النبی ﷺ فرده علیه فقال الرجل یا رسول الله قد استغل غلامی فقال رسول الله ﷺ الخراج بالضمان** (الف)(ابوداؤدشریف، باب فیمن اشتری عبدا فاستعمله ثم وجد به عیبا ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۱۰ /ابن ماجہ شریف، باب الخراج بالضمان ص ۳۲۱ نمبر ۲۲۴۳ /سنن للبیھقی، باب المشتری یجد بما اشتراه عیبا وقد استعمله زمانا ج خامس ص ۵۲۶، نمبر ۱۰۷۴۲)اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ غلام میں عیب پایا تو اس کو بائع کی طرف واپس کر دیا۔

[۸۷۱](۱)اگر مشتری مبیع میں عیب پر مطلع ہو گیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن سے اس کو لے اور اگر چاہے تو مبیع کو واپس کردے۔لیکن مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ مبیع کو روک لے اور نقصان لے۔

تشریح مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا یہ سمجھ کر کہ اس میں عیب نہیں ہے بعد میں عیب کا پتہ چلا تو اس کے لئے خیار عیب کے ماتحت یہ اختیار ہے کہ پوری مبیع واپس کر دے۔لیکن یہ نہیں ہوگا کہ مبیع رکھ لے اور عیب کا جو نقصان ہے وہ نقصان بائع سے واپس لے لے۔واپس اس وقت کر سکتا ہے جب خریدتے وقت اس عیب کو دیکھا نہ ہو اور اس عیب پر راضی نہ ہوا ہو۔دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا عیب ہو جس کو تجار عیب کہتے ہیں تب عیب کے ماتحت مبیع واپس کر سکتا ہے۔

وجہ (۱)مبیع واپس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کا حق ضائع ہوا اس لئے مبیع واپس کر کے اپنا پورا حق وصول کرے گا (۲)اوپر حدیث میں تھا کہ عیب کے ماتحت صحابی نے غلام واپس کیا جس سے پتہ چلا کہ عیب کے ماتحت مبیع واپس کر سکتا ہے **عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان یقیم ثم وجد به عیبا فخاصمه الی النبی ﷺ فرده علیه** (ب)(ابوداؤدشریف، باب فیمن اشتری عبدا فاستعمله ثم وجد به عیبا ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۱۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیب کے ماتحت مبیع واپس کر سکتا ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پوری مبیع واپس کرے۔مبیع میں کوئی اضافہ نہ ہوا ہو تو نقصان وصول نہ کرے۔اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوری مبیع واپس کرے گا۔

حاشیہ : (الف)حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔پس اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا پھر اس میں عیب پایا تو حضور کے پاس جھگڑا لے گیا تو غلام کو بائع پر واپس کر دیا گیا۔بائع نے فرمایا حضور اس نے میرے غلام کو قرض میں مبتلا کر دیا تو آپ نے فرمایا ضمان کی وجہ سے خراج لازم ہوتا ہے (ب)حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔پس اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا پھر اس میں عیب پایا تو حضور کے پاس جھگڑا لے گیا تو غلام کو بائع پر واپس کر دیا گیا۔

[۸۷۲](۲) وکل ما اوجب نقصان الثمن فی عادة التجار فھو عیب[۸۷۳] (۳) والاباق والبول فی الفراش والسرقة عیب فی الصغر مالم یبلغ فاذا بلغ فلیس ذلک عیب حتی

عن الشعبی فی رجل اشتری رقیقا جملة فوجد ببعضھم عیبا قال یردھم جمیعا او یأخذھم جمیعا (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یشتری البیع جملة فیجد فی بعضہ عیبا ج ثامن ص ۱۵۶ نمبر ۱۴۶۹۹)اس اثر میں ہے کہ پوری مبیع واپس کرے یا پوری مبیع رکھ لے۔نقصان نہ لے۔نقصان نہ وصول کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عیب ایک صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔اس لئے عیب کے لئے کوئی الگ سے قیمت نہیں دی جائے گی۔

[۸۷۲](۲) ہر وہ عیب جو ثمن کا نقصان واجب کرتا ہو تاجروں کی عادت میں وہ عیب ہے۔

تشریح تاجر جس کو عیب کہتے ہوں اور جس عیب کی وجہ سے قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہو وہ عیب ہے۔

اصول عیب میں وہاں کے محاورے کا اعتبار ہے۔

[۸۷۳](۳) بھاگنا اور چارپائی میں پیشاب کرنا اور بچپنے میں چوری کرنا عیب ہیں جب تک بالغ نہ ہو۔پس جب بالغ ہو جائے تو پہلے والا عیب نہیں ہے جب تک کہ بالغ ہونے کے بعد پھر نہ کرے۔

تشریح یہاں عبارت میں اضطراب ہے۔مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بچپنے میں پیشاب کرنا، بھاگنا اور چوری کرنا کسی اور سبب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔اور بالغ ہونے کے بعد یہ سب کرنا کسی اور سبب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔اس لئے اگر بچپنے میں یہ سب عیب ہوئے اور مشتری نے بچپنے میں خرید لیا پھر بالغ ہونے کے بعد مشتری کے یہاں دوبارہ یہ سب عیب ظاہر ہوئے تو مشتری ان عیبوں کے ماتحت بائع کی طرف غلام واپس نہیں کر سکتا۔کیونکہ مشتری کے یہاں نئے عیب ظاہر ہوئے ہیں۔بائع کے یہاں کے عیوب نہیں ہیں۔ہاں بالغ ہونے کے بعد بائع کے یہاں یہ عیوب ہوتے اور بالغ ہونے کے بعد ہی مشتری نے غلام خریدا اور دوبارہ مشتری کے یہاں یہ عیوب ظاہر ہوتے تو چونکہ بائع کے یہاں ہی یہ عیوب بالغ ہونے کے بعد پیدا ہو چکے تھے اور مشتری کے یہاں وہی عیوب ظاہر ہوئے تو چونکہ دونوں عیب ایک ہی ہیں اس لئے اب مشتری مبیع کو واپس کر سکتا ہے۔چارپائی میں پیشاب کرنا بچپنے میں مثانہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔اور بالغ ہونے کے بعد پیٹ میں بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے۔بچپنے میں بھاگنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کو کھیل سے محبت ہے اور بالغ ہونے کے بعد سمجھدار ہو گیا ہے اب بھاگنا فطری خباثت کی وجہ سے ہے۔بچپنے میں چوری کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کو پرواہ نہیں ہے اور بالغ ہونے کے بعد فطری خباثت کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس لئے بچپنے میں یہ عیوب کوئی اور ہیں اور بالغ ہونے کے بعد یہ عیوب بالکل دوسرے ہیں۔اس لئے بچپنے میں یہ عیوب بائع کے پاس ہوتے تھے اور مشتری کے پاس جانے کے بعد بچپنے میں یہ عیوب ظاہر نہیں ہوئے بلکہ بالغ ہونے کے بعد ظاہر ہوئے تو مشتری عیب کے ماتحت ان غلاموں کو واپس نہیں کر سکتا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کئی غلام خریدے پھر ان کے بعض میں عیب پایا۔حضرت شعبی نے فرمایا سب غلاموں کو واپس کر دیا سب کو لئے رکھو۔

یعاوده بعد البلوغ[۸۷۴] (۴) والبخر والذفر عیب فی الجاریة ولیس بعیب فی الغلام الا ان یکون من داء [۸۷۵](۵) والزنا وولد الزنا عیب فی الجاریة دون الغلام [۸۷۶](۶) واذا حدث عند المشتری عیب ثم اطلع علی عیب کان عند البائع فله ان یرجع بنقصان

وجہ کیونکہ بائع کے پاس سے یہ عیوب آئے ہی نہیں ہیں۔اثر میں ہے عن حماد فی رجل اشتری عبدا فاخبر انه ابق وھو صغیر قال لا یرد من ذلک ،انما یرد من ذلک اذا فعله وھو کبیر (الف)(مصنف عبدالرزاق،باب ھل یرد من العسر والشین والحمق والابق ج ثامن ص۱۶۷نمبر۱۴۷۴۰)اس اثر میں بچپنے میں بھاگنے سے لوٹانے کی اجازت نہیں دی۔

اصول بائع کے یہاں سے عیب نہ آیا ہو تو مشتری واپس نہیں کر سکتا۔

لغت الاباق : بھاگنا۔ السرقة : چوری کرنا۔ یعاوده : دوبارہ ظاہر ہو۔

[۸۷۴](۴) منہ کی بدبو اور بغل کی بدبو عیب ہے باندی میں اور نہیں ہے عیب غلام میں مگر یہ کہ بیماری کی وجہ سے ہو۔

تشریح باندی کے ساتھ مولی رات گزارے گا۔پس اگر باندی میں منہ کی بدبو یا بغل کی بدبو ہو تو رات گزارنا مشکل ہوگا۔اور نفع اٹھانے سے محروم رہے گا اس لئے باندی میں یہ عیب ہے۔ان کی وجہ سے باندی کو واپس کر سکتا ہے۔البتہ غلام کے ساتھ رات گزارنا نہیں ہے اس لئے اس میں بدبو ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ہاں اگر بیماری کی وجہ سے بدبو ہو تو بیماری خود عیب ہے اس لئے بیماری کی وجہ سے غلام واپس کر سکتا ہے

لغت البخر : منہ کی بدبو۔ الذفر : بغل کی بدبو۔ الجاریة: باندی۔ داء : بیماری۔

[۸۷۵](۵) زنا اور ولد الزنا ہونا عیب ہے باندی میں نہ کہ غلام میں۔

وجہ (۱) زنا والی عورت ہوگی تو اس سے جو نسل چلے گی وہ خراب عادت کی ہوگی۔اور باندی سے نسل بڑھانا ہے تو گویا کہ خراب عادت ڈالنے والی عورت آ گئی اس لئے باندی میں زنا کار ہونا عیب ہے۔اسی طرح باندی تو خود زنا کار نہیں ہے لیکن اس کی ماں نے زنا کر کے اس کو پیدا کیا ہے اور یہ باندی حرامی ہے اب اس سے جو نسل ہوگی وہ بھی حرامی اور عیب دار کہلائے گی۔اس لئے باندی میں زنا کار ہونا،حرامی ہونا عیب ہے۔غلام سے نسل نہیں بڑھانا ہے اس لئے اس میں یہ دونوں باتیں عیب نہیں ہیں۔ہاں غلام زنا میں اتنا مشغول ہے کہ خدمت کرنے میں خلل انداز ہوتا ہے تو پھر یہ عیب شمار ہوگا۔اور اس کے ماتحت بائع کو واپس کیا جائے گا(۲) دلیل یہ اثر ہے عن شریح اختصم الیه فی امة زنت فقال الزنا یرد منه (ب)(مصنف عبدالرزاق،باب یرد من الزنا والحبل ،ج ثامن ص۱۶۶نمبر۱۴۷۳۴)اس اثر میں باندی زنا کی وجہ سے لوٹائی گئی۔

[۸۷۶](۶) اگر مشتری کے پاس نیا عیب پیدا ہو جائے پھر اس عیب پر مطلع ہو تو جو بائع کے پاس تھا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ عیب کے

حاشیہ : (الف) حضرت حماد سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا۔پس اس کو خبر دی گئی کہ بچپنے میں وہ بھاگتا تھا۔فرمایا اس کی وجہ سے لوٹایا نہیں جائے گا۔لوٹایا جائے گا اس وجہ سے جب وہ بڑے ہونے کی حالت میں بھاگا ہو(ب) حضرت قاضی شریح کے سامنے ایک فیصلہ آیا۔ایک باندی نے زنا کی تھی،زنا کی وجہ سے بائع کی طرف واپس کی جائے گی۔

العیب ولا یرد المبیع الا ان یرضی البائع ان یأخذه بعیبه[۸۷۷] (۷) وان قطع المشتری

نقصان کا رجوع کرے اور مبیع واپس نہ لوٹائے مگر یہ بائع راضی ہو کہ اس کو بعینہ واپس لے لے۔

تشریح مشتری نے مبیع خریدی، پھر اس کے یہاں نیا عیب پیدا ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ بائع کے یہاں بھی ایک عیب تھا۔ اب مبیع واپس کرتے ہیں تو نئے عیب والی مبیع واپس کرنا ہوگی۔ اور نہیں کرتے ہیں تو مشتری کا حق ضائع ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ صحیح سالم مبیع اور عیب دار مبیع کے درمیان جو فرق ہے وہ فرق بائع سے وصول کرے اور مبیع اپنے پاس رکھ لے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بائع راضی ہو تو نئے عیب کے باوجود مبیع کو واپس کر دے۔ لیکن اس صورت میں اس عیب دار مبیع کو لینے کے لئے بائع کا راضی ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مشتری کے یہاں بھی ایک عیب پیدا ہو چکا ہے۔

وجہ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابراهیم فی الرجل یشتری عبدا به عیب فیحدث عند المشتری عیبا،قال یرد الداء بدائه،واذا حدث به حدث فهو من مال المشتری ویرد البائع فضل ما بین الصحة والداء** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب العیب یحدث عند المشتری وکیف ان کان یعرف انه قدیم ج خامس ص ۱۵۷ نمبر ۱۴۷۰۳) اس اثر میں ہے کہ مشتری عیب کا نقصان وصول کرسکتا ہے۔ عبارت میں **یرد الداء بدائه** ہے اس لئے بائع راضی ہو تو مبیع واپس کرسکتا ہے (۲) عیب دار لینا بائع کا اپنا حق ہے اس لئے وہ اپنا حق ساقط کرسکتا ہے۔ یہ مسئلہ اس بات پر متفرع ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ اثر میں ہے **عن شریح قال عهدة السلم وان لم یشترط لا داء ولا غائلة ولا خبث ولا شین** (مصنف ابن ابی شیبة ۴۲ فی الرجل یشتری السلعة ولا تبرأ الیه ج خامس ص ۵، نمبر ۲۳۱۶۸) اس اثر میں ہے کہ چاہے شرط بھی نہ لگائے تب بھی مسلمان دوسرے کو نہ بیماری والی مبیع دے نہ ہلاکت والی دے نہ خباثت والی دے اور نہ عیب دار مبیع دے (۳) ایک اور حدیث میں ہے کہ دھوکہ دینا ٹھیک نہیں **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ مر علی صبرة من طعام فادخل یده فیها فنالت اصابعه بللا فقال یا صاحب الطعام ما هذا ؟ قال اصابته السماء یا رسول الله قال افلا جعلته فوق الطعام حتی یراه الناس ثم قال من غش فلیس منا** (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراهیة الغش فی البیوع ص ۲۴۵ نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اندر جو عیب ہو اس کو ظاہر کر دینا چاہئے اور کسی کو دھوکہ نہ دینا چاہئے۔ اس لئے بائع یا مشتری کسی کو نقصان ہوا ہو تو حتی الامکان اس نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اصول حتی الامکان نقصان ادا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۸۷۷] (۷) اگر مشتری نے کپڑا کاٹا اور اس کو سی لیا یا کپڑے کو رنگ دیا یا ستو کو گھی میں ملا دیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے نقصان کا رجوع

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ ایک نے غلام خریدا اس میں عیب تھا۔ پھر مشتری کے پاس دوسرا عیب پیدا ہوا۔ فرمایا عیب دار کو پہلے عیب کے ماتحت لوٹایا جاتا، لیکن جب اس میں نیا عیب پیدا ہوا تو مبیع مشتری کا مال ہے اور بائع وہ فرق واپس کرے گا جو صحیح سالم مبیع اور عیب دار کے درمیان ہے (ب) آپؐ غلے کے ایک ڈھیر پر سے گزرے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا تو آپ کی انگلیوں پر اس کی تری لگی۔ آپؐ نے پوچھا غلہ والے یہ کیا ہے؟ فرمایا یا رسول اللہ بارش ہو گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تر غلہ کو اوپر کیوں نہ کر دیا؟ تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا جو دھوکہ دے، ہم میں سے نہیں ہے۔

الثوب وخاطه او صبغه او لتَّ السویق بسمن ثم اطلع علی عیب رجع بنقصانه ولیس للبائع ان یأخذه بعینه [۸۷۸](۸) ومن اشتری عبدا فاعتقه او مات عنده ثم اطلع علی

کرے گا۔اور بائع کے لئے جائز نہیں ہے کہ بعینہ مبیع کو لے لے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری کے پاس جانے کے بعد مبیع میں ایسی زیادتی ہوگئی کہ مبیع سے الگ نہیں ہوسکتی۔اب اگر مبیع کو واپس کرتے ہیں تو زیادتی کے ساتھ واپس ہوتی ہے۔اس صورت میں سود کا شائبہ ہیکہ بائع نے سود لیا۔اس لئے یہی ایک صورت ہے کہ صحیح اور عیب دار مبیع میں جو فرق ہے وہ وصول کرے۔

وجہ (۱)اثر میں اس کا ثبوت ہے **عن علی فی رجل اشتری جاریة فوطئها فوجد بها عیبا قال لزمته ویرد البائع ما بین الصحة والداء وان لم یکن وطئها ردها** (الف)(سنن للبیہقی، باب ما جاء فیمن اشتری جاریة فاصابھا ثم وجد بھا عیبا ج خامس ص ۵۲۶، نمبر ۱۰۷۴۵ رمصنف عبدالرزاق، باب الذی یشتری الامة فیقع علیھا ج ثامن ص ۱۵۲ نمبر ۱۴۶۸۴)اس اثر میں باندی سے وطی کرنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تو باندی کو واپس نہیں کر سکتا بلکہ نقصان واپس لینے کا حکم دیا۔اسی طرح کپڑا کاٹ کر سی لیا تو کپڑے میں زیادتی ہوگئی۔یا رنگ دیا تو زیادتی ہوگئی یا ستو کو گھی میں ملا لیا تو ستو میں ایسی زیادتی ہوگئی کہ الگ نہیں ہوسکتی۔اس لئے نقصان کا رجوع کرے گا۔اور بائع اس مبیع کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا کیونکہ اس مبیع میں زیادتی ہوگئی۔اب اگر اس کو واپس لیگا تو زیادتی ہونے کی وجہ سے ربوا اور سود کا شائبہ ہوگا۔اس لئے اس مبیع کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔

اصول مبیع میں زیادتی ہوجائے پھر عیب دیکھے تو رجوع بالنقصان کرے گا۔

[۸۷۸](۸)کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا مشتری کے پاس مر گیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

تشریح کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا اس کے پاس مر گیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

تشریح غلام مر گیا اس کے بعد عیب کی اطلاع ہوئی تو غلام کو واپس نہیں کر سکتا لیکن مشتری کا حق بائع کے پاس رہ گیا جس کو واپس کرنا ہے تو یہی ہوسکتا ہے کہ نقصان کا رجوع کرے۔یہ بھی نہیں ہے کہ مشتری نے جان کر مارا ہے کہ یہ کہہ سکے کہ مشتری اس عیب پر راضی تھا بلکہ یہ قدرتی طور پر مرا ہے اس لئے رجوع بالنقصان کرے گا۔اثر میں ہے **عن الزهری فی العهدة بعد الموت قال ینقص عنه بقدر العیب** (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب العھدة بعد الموت والعتق ج ثامن ص ۱۶۳ نمبر ۱۴۷۲۴)اس اثر میں ہے کہ مرنے کے بعد عیب کی مقدار نقصان کا رجوع کرے گا۔اس طرح غلام آزاد کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

وجہ (۱) آزاد ہونا انسان کا انسانی حق ہے اس لئے مولی نے آزاد کیا تو اس کو اس کا انسانی حق دیا تو جو ہونا چاہئے وہی کیا تو آزاد کرنا غلام کے

حاشیہ : (الف)حضرت علی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے باندی خریدی اور اس سے وطی کی۔پھر اس میں عیب پایا تو فرمایا کہ باندی مشتری کو لازم ہوگئی۔اور بائع تندرست اور عیب کے درمیان جو فرق ہے وہ واپس کرے۔اور اگر باندی سے وطی نہ کی ہوتی تو باندی واپس کر سکتا تھا(ب) حضرت زہری سے غلام کی موت کے بعد عہدے کے بارے میں یہ ہے،فرمایا عیب کی مقدار اس سے کم کر دیا جائے گا۔

عیب رجع بنقصانه [۸۷۹](۹) فان قتل المشتری العبد او کان طعاما فاکله ثم اطلع علی عیبه لم یرجع علیه بشیء فی قول ابی حنیفة رحمه الله وقالا یرجع بنقصان العیب[۸۸۰] (۱۰) ومن باع عبدا فباعه المشتری ثم رُدَّ علیه بعیب فان قبله بقضاء القاضی فله ان یرده

خود بخود مرنے کی طرح ہو گیا اس لئے اس صورت میں بھی نقصان وصول کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے عن الشعبی ان رجلا ابتاع عبدا فاعتقه ووجد به عیبا فقال یرد علی صاحبه فضل ما بینهما ویجعل ما رد علیه فی رقاب لانه قد کان وجهه (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب العهدة بعد الموت والعتق ج ثامن ص ۱۶۴ نمبر ۱۴۷۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تو نقصان وصول کرے گا۔

اصول خود بخود مبیع ہلاک ہو جائے اور بعد میں عیب کا پتہ چلے تو چونکہ یہ شائبہ نہیں ہے کہ مشتری اس عیب سے راضی تھا اس لئے بائع سے نقصان وصول کرے گا۔

[۸۷۹] (۹) پس اگر مشتری نے غلام کو قتل کر دیا یا کھانا تھا تو اس کو کھا لیا پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا تو امام ابو حنیفہ کے قول میں بائع پر کچھ بھی رجوع نہیں کرے گا۔ اور صاحبین نے فرمایا نقصان وصول کرے گا۔

تشریح مشتری نے غلام کو قتل کر دیا، یا مبیع کھانا تھی اس کو کھا لیا پھر پتہ چلا کہ اس میں عیب ہے تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بائع سے نقصان وصول نہیں کرے گا۔

وجہ کیونکہ جب خود قتل کر دیا اور کھا لیا تو اب اگر بائع اس مبیع کو واپس مانگے تو مشتری نہیں دے سکے گا۔ اور یہ مشتری کے کرتوت سے ہوا تو گویا کہ مشتری کا عمل نے مبیع کو واپس نہیں ہونے دیا۔ اس لئے مشتری کو نقصان لینے کا حق نہیں ہوگا (۲) قتل کرنا اس بات پر دلیل ہو سکتا ہے کہ وہ اس عیب سے راضی تھا۔ اس لئے بھی نقصان نہیں لے سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نقصان لے گا۔

وجہ کیونکہ مشتری کو کیا پتہ کہ مبیع میں عیب تھا اس لئے وہ عیب سے راضی نہیں تھا۔ اور مشتری کا حق عیب بائع کے یہاں محبوس ہے۔ اس لئے وہ عیب کا نقصان بائع سے لے گا (۲) صاحبین کی دلیل اوپر حضرت علی کا اثر ہے کہ عیب کا نقصان لے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری نے خود مبیع کو ہلاک کیا ہو پھر عیب دیکھے تو نقصان لیگا یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں لے گا، صاحبین کے نزدیک لے گا۔

[۸۸۰] (۱۰) کسی نے غلام بیچا۔ پھر اس غلام کو مشتری نے دوسرے کے پاس بیچ دیا۔ پھر عیب کے ماتحت غلام مشتری پر واپس کر دیا گیا۔ پس اگر مشتری نے اس غلام کو قاضی کے فیصلہ سے قبول کیا تو اس کو حق ہے کہ اس غلام کو بائع اول کو واپس کر دے۔ اور اگر اس کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر قبول کیا تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو بائع اول پر واپس کرے۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی سے منقول ہے کہ کسی آدمی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا۔ بعد میں اس میں عیب پایا۔ فرمایا بائع پر دونوں کے درمیان فرق لوٹایا جائے گا (یعنی صحیح اور عیب دار کے درمیان قیمت کا جو فرق ہو وہ بائع سے لیا جائے گا) پھر جو کچھ لوٹایا وہ غلام کی گردن پر ڈالا جائے گا۔ اس لئے کہ وہی اس کا سبب بنا۔

علی بائعه الاول وان قبله بغیر قضاء القاضی فلیس له ان یردہ علی بائعه الاول[۸۸۱]

(۱۱) ومن اشتری عبدا و شرط البائع البراء ة من کل عیب فلیس له ان یردہ بعیب وان

تشریح مثلا زید مشتری نے غلام خریدا، پھر اس کو دوسرے کے پاس بیچا، پھر مشتری ثانی خالد نے اسی عیب کے ماتحت جو پہلے بائع کے پاس تھا مشتری اول زید کو واپس کر دیا، تو زید بائع اول رحیم کے پاس واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ زید نے عیب کا انکار کیا پھر قاضی نے عیب کے ماتحت غلام کو واپس کرنے کا فیصلہ دیا جس سے مجبور ہو کر زید نے غلام کو قبول کیا تو اس صورت میں زید کو حق ہے کہ اس عیب کی وجہ سے غلام کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کر دے۔

وجہ قاضی نے جب غلام واپس کرنے کا فیصلہ دیا تو زید اور خالد کے درمیان کی بیع بالکل ختم ہوگئی گویا کہ کوئی بیع ہوئی ہی نہیں۔ اور مشتری نے گویا کہ کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے مبیع بائع اول رحیم کی طرف لوٹانا متعذر ہو۔ قاعدہ یہ ہے کہ مشتری کوئی ایسا کام کرے جس سے مبیع بائع کی طرف لوٹانا متعذر ہو جائے تو پھر مشتری عیب کی وجہ سے بائع کی طرف نہیں لوٹا سکتا۔ یہاں تو قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے دوسری بیع نسیا منسیا ہوگئی۔ اس لئے مشتری نے گویا کہ کوئی ایسا کام کیا ہی نہیں جس کی وجہ سے مبیع کا واپس ہونا متعذر ہو۔ اس لئے مشتری زید بائع اول رحیم کی طرف مبیع واپس کر دے گا۔

اور قاضی کے فیصلہ کے بغیر مشتری زید نے خالد سے مبیع واپس لے لی تو زید اور خالد کی درمیان کی بیع بالکل ختم نہیں ہوئی۔ اس کے اثرات باقی ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ زید کے بیچنے کی وجہ سے مبیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کرنا متعذر ہو گیا۔ اور قاعدہ گزر گیا کہ مشتری کے عمل سے مبیع کو بائع کی طرف واپس کرنا متعذر ہو جائے تو مشتری مبیع کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا۔ اور اس صورت میں یہی ہوا کہ مشتری زید کے بیچنے کی وجہ سے مبیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس کرنا متعذر ہو گیا۔ اور قاضی کا فیصلہ بھی نہیں ہے کہ بیع نسیا منسیا ہو جائے۔ اس لئے زید مبیع کو بائع اول رحیم کی طرف واپس نہیں کر سکتا

نوٹ اگر عیب دیکھنے کے بعد بیچا ہو تو مبیع واپس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عیب دیکھنے کے بعد بیچنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس عیب پر راضی ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن عامر فی الرجل یشتری السلعة فیری بها العیب ثم یعرضها علی البیع لیس له ان یردها** (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۲۷۵ فی الرجل یشتری السلعة فیجد بھا عیبا ج خامس ص ۱۱، نمبر ۲۳۲۳۱) اس اثر میں ہے کہ عیب دیکھنے کے بعد سامان کو بیچنے کے لئے پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عیب سے راضی ہے۔ اس لئے اب اس کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا۔

اصول اگر مشتری کے عمل سے مبیع کو واپس کرنا متعذر ہو گیا تو مبیع کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا۔

[۸۸۱] (۱۱) کسی نے غلام خریدا اور بائع نے ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگائی تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ عیب کے ماتحت اس کو واپس کرے۔ چاہے تمام عیوب کا نام نہ لیا ہو اور نہ ان کو گنوایا ہو۔

تشریح بائع نے مبیع بیچی اور کہا کہ مبیع دیکھ لیں اور خرید لیں۔ میں تمام عیوب سے بری ہوں۔ پھر واپس نہیں کروں گا۔ تو چاہے ہر ہر عیب کو نہ

حاشیہ : (الف) حضرت عامر کا اثر ہے کہ ایک آدمی نے سامان خریدا، پس اس میں عیب دیکھا پھر اس کو بیع پر پیش کیا تو اس کے لئے مبیع کو لوٹانے کا حق نہیں ہے۔

لم یسم جملة العیوب و لم یعدھا .

گنایا ہواور نہ تمام عیوب کا نام لیا ہو پھر بھی وہ تمام عیوب سے بری ہوگا۔اور مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے بائع کے پاس واپس نہیں کر سکے گا

وجہ (۱) عیب سے براءت کے ساتھ خریدنے کی دلیل یہ حدیث ہے **قال لی العداء بن خالد بن ھوذة الا اقرئک کتابا کتبه لی رسول الله ﷺ؟ قال قلت بلی! فاخرج لی کتابا ،ھذاما اشتری العداء بن خالد بن ھوذة من محمد رسول الله ﷺ اشتری منی عبدا او امة لا داء و لا غائلة و لا خبثة بیع المسلم المسلم** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کتابۃ الشروط ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۶) اس حدیث میں آپؐ نے **لا داء و لا غائلة و لا خبثة** کی براءت لکھ کر صحابی کو دی ہے کہ یہ عیوب نہیں ہوں گے۔جس سے معلوم ہوا کہ عیب سے براءت کی شرط کے ساتھ بیع کی جا سکتی ہے۔اور چاہے تمام عیوب نہ گنوائے ہوتب بھی تمام عیوب سے بری ہو جائے گا۔بشرطیکہ عیب کو جانتے ہوئے جھوٹ نہ بولا ہو۔اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **ان عبد الله بن عمر باع غلاما له بثمانی مائة درھم فباعه بالبراء ة فقال الذی ابتاعه لعبد الله بن عمر بالغلام داء لم تسمه لی فاختصما الی عثمان بن عفان فقال الرجل باعنی عبدا و به داء لم یسمه لی وقال عبد الله بعته بالبراء ةفقضی عثمان علی عبد الله بن عمر ان یحلف له لقد باعه العبد و ما به داء یعلمه فابی عبد الله ان یحلف و ارتجع العبد** (ب) (موطا امام مالک، باب العیب فی الرقیق ص ۵۷۱) اس اثر میں حضرت عبداللہ بن عمر نے تمام عیوب سے براءت کی شرط سے غلام بیچا تھا اور ہر ہر عیب کا نام نہیں گنوایا تھا۔اس لئے حضرت عثمان نے اس کو مان لیا۔صرف یہ قسم کھلائی کہ آپ کو بیچتے وقت اس عیب کا علم نہیں تھا اس پر قسم کھائیں۔تاہم حضرت عبداللہ نے اس پر بھی قسم نہیں کھائی جس کی وجہ سے غلام حضرت عبداللہ کی طرف واپس کر دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام عیوب سے براءت کا نام لیا اور ہر ہر عیب کا نام نہیں لیا تب بھی تمام عیوب سے براءت ہو جائے گی (۳) یہ اثر بھی اس کی دلیل ہے **عن عبد الله بن عامر عن زید بن ثابت انه کان یری البراء ة من کل عیب جائزا** (سنن للبیھقی، باب بیع البراءة ج خامس ص ۵۳۶، نمبر ۱۰۷۸۴) اس اثر میں حضرت عبداللہ تمام عیوب سے براءت کو جائز سمجھتے تھے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عیب سے بری ہونا گویا کہ اچھی مبیع کا مالک بنانا ہے اس لئے اس میں جہالت نہیں چلے گی۔اس لئے جن جن عیوب کا نام لے گا انہیں عیوب سے بری ہوگا۔اور جن عیوب کا نام نہیں لے گا ان عیوب سے بائع بری نہیں ہوگا۔ان عیوب کی وجہ سے مشتری کو مبیع لوٹانے کا حق ہوگا۔

حاشیہ : (الف) خالد بن ھوذہ نے مجھ سے کہا، کیا میں ایسا خط پڑھوں جو مجھ کو حضورؐ نے لکھوا کر دیا ہے؟ میں نے کہا ہاں! تو میرے لئے ایک خط نکالا۔یہ وہ ہے کہ عداء بن خالد بن ھوذہ نے محمد رسول اللہ سے خریدا ہے غلام یا باندی۔نہ اس میں بیماری ہو، نہ ہلاکت کی ہو اور نہ خباثت ہو،مسلمان کی بیع مسلمان سے ہے (ب) عبد اللہ بن عمر نے غلام بیچا آٹھ سو درہم میں تو بیچا اس کو براءت کے ساتھ۔جس نے خریدا تھا اس نے عبداللہ بن عمر سے کہا غلام میں بیماری ہے جس کی آپ نے اطلاع نہیں دی۔دونوں عثمان کے پاس جھگڑا لے گئے۔آدمی نے کہا مجھ سے غلام بیچا اور اس میں بیماری ہے۔جس کی اطلاع نہیں دی۔حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے اس کو براءت کے ساتھ بیچا ہے۔حضرت عثمان نے عبداللہ بن عمر پر فیصلہ کیا کہ وہ قسم کھائیں کہ غلام کو بیچا ہے اور اس کو بیماری کا علم نہیں تھا۔حضرت عبداللہ بن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا تو ان کو غلام واپس لوٹا دیا گیا۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابراھیم النخعی فی الرجل یبیع السلعة ویبرأ من الداء قال ھو بری مما سمی (الف) (سنن للبیھقی، باب بیع البراءۃ ج خامس ص ۵۳۷، نمبر ۱۰۷۸۸) اس اثر میں ہے کہ جن جن عیوب کا نام لے گا انہیں سے براءت ہوگی باقی سے نہیں۔



حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا جو آدمی سامان بیچتا ہو اور بیماری سے براءت لی ہو تو جن جن کا نام لیا ہو ان عیوب سے بری ہوگا۔

﴿باب البیع الفاسد﴾

[۸۸۲](۱)اذا کان احد العوضین او کلاھما محرما فالبیع فاسد کالبیع بالمیتة او بالدم او بالخمر او بالخنزیر[۸۸۳](۲) و کذلک اذا کان المبیع غیر مملوک کالحر وبیع ام

﴿ باب البیع الفاسد ﴾

ضروری نوٹ اس باب میں بیع باطل اور بیع فاسد دونوں کو بیان کیا ہے۔اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

بیع باطل جس بیع میں مبیع مال ہی نہ ہو یا ثمن مال نہ ہوتو وہ بیع باطل ہے۔یعنی اس بیع کا وجود ہی نہیں ہے۔جیسے کوئی آزاد کو بیچ دے تو آزاد مال نہیں ہے اس لئے یہ بیع ہوگی ہی نہیں۔اس کا حکم یہ ہے کہ نہ بائع اس ثمن کا مالک ہوگا جو مشتری سے لیا ہے،اور نہ مشتری مبیع کا مالک ہوگا۔کیونکہ یہ بیع سرے سے ہے ہی نہیں۔

بیع فاسد جس بیع میں مبیع مال ہو اور ثمن بھی مال ہو لیکن کسی غلط شرط لگانے کی وجہ سے بیع خراب ہوئی ہو تو اس کو بیع فاسد کہتے ہیں۔جیسے گھر بیچے اور کہے کہ دو ماہ تک میں اس میں رہوں گا تو یہ بیع شرط فاسد لگانے کی وجہ سے فاسد ہوگی۔اس کا حکم یہ ہے کہ حتی الامکان اس بیع کو توڑ دینا چاہئے۔لیکن بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا اور بیع کو بحال رکھا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا تو کراہیت کے ساتھ اس بیع کو جائز قرار دیں گے۔اور مبیع مشتری کا مالک بن جائے گا اور بائع ثمن کا مالک ہو جائے گا۔بیع باطل اور بیع فاسد کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر بن عبد اللہ انه سمع رسول اللہ ﷺ یقول عام الفتح وھو بمکة ان اللہ و رسول اللہ ﷺ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام** (الف) (مسلم شریف، باب تحریم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام ص ۲۳ نمبر ۱۵۸۱ر بخاری شریف، باب بیع المیتة والاصنام، ص ۲۹۸، نمبر ۲۲۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب، مردہ، سور اور بت کی بیع حرام ہے اور باطل ہے۔

[۸۸۲](۱) جب دونوں عوض میں سے ایک یا دونوں حرام ہوں تو بیع فاسد ہے جیسے مردے کی بیع یا خون کی بیع یا شراب کی بیع یا سور کی بیع

تشریح مردہ اور خون اور شراب اور سور شریعت کے نزدیک مال نہیں ہے اس لئے ان چیزوں کی بیع باطل ہے۔اگر درہم، دنانیر یا روپے کے عوض بیچا تو مشتری ان چیزوں کا مالک نہیں ہوگا۔کیونکہ جو چیزیں مال نہیں ہیں ان کو بیچنے سے بیع باطل ہوتی ہے۔ان چیزوں کے مال نہ ہونے کی دلیل اوپر مسلم شریف کی حدیث گزر چکی ہے۔

[۸۸۳](۲) ایسے ہی بیع باطل ہے اگر مبیع مملوک نہ ہو جیسے آزاد کی بیع، ام ولد اور مدبر اور مکاتب کی بیع فاسد ہے۔

تشریح آزاد آدمی کی بیع کرے تو آزاد آدمی مملوک ہی نہیں ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال اللہ ثلاثا انا خصمھم یوم القیامة رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنه** (الف)

حاشیہ : (الف) آپؐ سے سنا اس حال میں کہ وہ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں تھے کہ آپؐ نے شراب، مردار، سور اور بت کو بیچنے کو حرام فرمایا (ب) آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے کہا قیامت کے دن تین آدمیوں کا خصم ہوں گا۔ایک آدمی جس نے مجھے عہد دیا اور دھوکہ دیا۔دوسرا جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔

الولد والمدبر والمکاتب فاسد.

(بخاری شریف، باب اثم من باع حرا ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد آدمی کو بیچنا حرام ہے۔اور اس کا ثمن کھانا بھی حرام ہے۔ بلکہ آزاد آدمی تو مال ہی نہیں ہے۔ام ولد اور مدبر اور مکاتب کے بارے میں اختلاف ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک ان کا بیچنا جائز ہے۔اس لئے کہ ان کے یہاں یہ مال ہیں۔اس لئے اس کی بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ جائز ہوگی۔حنفیہ کے نزدیک یہ مال نہیں ہیں۔اس لئے ان کی بیع باطل ہے۔

وجہ (۱) ام ولد میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے وہ مولی کے مرتے ہی آزاد ہو جائے گی۔اب اگر اس کو بیچنا جائز قرار دیں تو بکنے کے بعد اس کی آزادگی کا شائبہ ختم ہو جائے گا۔حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس غلام یا باندی میں آزادگی کا شائبہ آجائے وہ ختم نہیں ہوتا۔اس لئے ام ولد یا مدبر کا بیچنا جائز نہیں ہے۔وہ گویا کہ مال ہی نہیں ہے۔ام ولد کے لئے حدیث یہ ہے **عن ابن عباس قال قال رسول الله ایما رجل ولدت امتہ منہ فھی معتقۃ عن دبر منہ** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب امہات الاولاد ص ۳۶۱ نمبر ۲۵۱۵ رابوداؤد شریف، باب عتق امہات الاولاد ج ثانی ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام ولد مولی کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔اس لئے اس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔اور آزاد عورت مال ہی نہیں ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہوگی (۲) دوسری حدیث میں اس کی بیع کو منع فرمایا ہے۔حدیث میں ہے **عن ابن عمر ان النبی ﷺ نھی عن بیع امہات الاولاد وقال لا یبعن ولا یوھبن ولا یورثن یستمتع بھا سیدھا مادام حیا فاذا مات فھی حرۃ** (ب) (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۵۷ نمبر ۴۲۰۳) اس حدیث میں ام ولد کو بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔مدبر کی بیع ممنوع ہونے کی۔

وجہ (۱) یہ ہے کہ وہ بھی مولی کے مرنے کے بعد آزاد ہے۔اس لئے اس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔اس لئے اس کی بیع باطل ہوگی (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال المدبر لا یباع ولا یوھب وھو حر من الثلث** (ج) (دار قطنی، کتاب المکاتب ج رابع ص ۷۸ نمبر ۴۲۲۰ رموطا امام مالک، باب بیع المدبر ص ۵۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بیچا نہیں جائے گا۔کیونکہ مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگا۔

نوٹ اگر مدبر مقید ہے مثلا مولی نے یوں کہا کہ اس بیماری میں مر گیا تو تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے تو یہ مدبر مقید ہے۔ایسا مدبر حنفیہ کے نزدیک بیچا جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مدبر غلام بیچا جا سکتا ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**سمعت جابر بن عبد الله قال اعتق رجل منا عبدا لہ عن دبر فدعا النبی ﷺ فباعہ** (الف) (بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۲۹۷ نمبر ۲۵۳۴ رابوداؤد شریف، باب فی بیع المدبر ج

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی بھی آدمی اس سے اس کی باندی بچہ جنے تو وہ باندی اس کے مرنے کے بعد آزاد ہے (ب) آپؐ نے ام ولد کو بیچنے سے منع فرمایا اور فرمایا نہ وہ بیچی جا سکتی ہے، نہ ہبہ کی جا سکتی ہے، اور نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے۔اس کا مولی اس سے فائدہ اٹھائے گا جب تک وہ زندہ رہے۔پس جب مولی مر جائے تو ام ولد آزاد ہوگی (ج) آپؐ نے فرمایا مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔وہ تہائی مال سے آزاد ہوگا (د) ایک آدمی نے مدبر غلام (باقی اگلے صفحہ پر)

[۸۸۴](۳) ولا يجوز بيع السمک فی الماء قبل ان يصطاده ولا بيع الطائر فی الهواء.

ثانی ص ۱۹۵ نمبر ۳۹۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بیچا جا سکتا ہے کیونکہ حضورؐ نے بیچا ہے۔
مکاتب کو بھی بیچنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں بھی آزادگی کا شائبہ آ چکا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے کچھ روپیہ مال کتابت ادا کر کے مولی سے اپنے آزاد ہونے کا پروانہ اور عہد لے لیا ہے۔ اب اگر اس کو بیچ دیا جائے تو عہد کے خلاف ہوگا اور آزادگی کا شائبہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے مکاتب کو بیچنا جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ خود راضی ہو کہ مجھے بیچ دیا جائے اور مکاتبت توڑ دیا جائے تو ایسا ہوگا کہ وہ گویا کہ مکمل غلامیت کی طرف لوٹ رہا ہے اور اپنی مرضی سے بکنے پر راضی ہے۔ چنانچہ حضرت بریرہؓ مکاتبہ تھی۔ اور اپنی مرضی سے بکنے پر راضی ہوئی تھی۔ اور حضرت عائشہ نے ان کو خریدا تھا۔ حدیث میں ہے **دخلت بريرة وهي مكاتبة فقال اشتريني فاعتقيني قالت (عائشة) نعم** (الف) (بخاری شریف، باب اذا قال المکاتب اشترنی واعتقنی فاشتراه لذلک ص ۳۴۹ نمبر ۲۵۶۵ / ابوداؤد شریف، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ ج ثانی ص ۱۹۲ نمبر ۳۹۲۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مکاتب خود بکنے پر راضی ہو جائے اور مکاتب توڑ دے تو اس کو بیچا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

اصول جو چیز مال نہ ہو اس کی بیع باطل ہے۔

[۸۸۴] (۳) نہیں جائز ہے مچھلی کی بیع پانی میں اس کو شکار کرنے سے پہلے اور نہ پرندے کی بیع ہوا میں۔

تشریح مبیع اگر چہ مال ہو لیکن قبضہ میں نہ ہو کہ فورا مشتری کے حوالے کر سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو حوالے کرنا مشکل ہے۔ اسی قاعدے پر مچھلی پانی میں ہو ابھی اس کو شکار نہ کیا ہو۔ اسی طرح پرندہ ہوا میں ہو اس کو شکار نہ کیا ہو یا وہ قبضہ میں نہ ہو تو اس کی بیع کرنا فاسد ہے (۲) اس حدیث میں قبضہ سے پہلے مبیع کو بیچنا منع فرمایا ہے۔ **سمعت ابن عباس يقول اما الذى نهى عنه النبى ﷺ فهو الطعام ان يباع حتى يقبض، قال ابن عباس ولا احسب كل شيء الا مثله** (ب) (بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵ / مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵ / ۳۸۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مبیع قبضہ میں نہ ہو اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔ **عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لاتشتروا السمک فی الماء فانه غرر** (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی النہی عن بیع السمک فی الماء ج خامس ص ۵۵۵، نمبر ۱۰۸۵۹) اس حدیث سے پانی میں مچھلی بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

نوٹ چونکہ مچھلی اور پرندہ مال ہیں اس لئے بیع فاسد ہوگی۔ لیکن اگر اس پر قبضہ کر کے بعد میں مشتری کے حوالے کر دیا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور مشتری نے قبول کر لیا تو بیع پلٹ کر جائز ہو جائے گی۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بیچا تو حضورؐ نے اس کو بلایا اور اس کو بیچا (الف) حضرت بریرہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ وہ مکاتبہ تھی۔ فرمایا مجھے خرید لیں اور آزاد کر دیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ہاں (ب) جس سے حضور نے روکا ہے وہ غلہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا میرا گمان ہے کہ ہر چیز کا حال ایسے ہی ہے (ج) آپؐ نے فرمایا مچھلی کو پانی میں مت خریدو اس لئے کہ یہ دھوکہ ہے۔

[۸۸۵](۴)ولا یجوز بیع الحمل فی البطن ولا النتاج [۸۸۶](۵) ولا الصوف علی ظهر الغنم [۸۸۷](۶) ولا بیع اللبن فی الضرع.

اصول جو مبیع قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع فاسد ہے۔

لغت السمک : مچھلی۔ یصطاد : شکار کرے۔

[۸۸۵](۴)اور نہیں جائز ہے حمل کی بیع پیٹ میں اور نہ حمل کے حمل کی بیع۔

تشریح ابھی حمل پیٹ میں ہو اور اس کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے۔اسی طرح حمل میں جو بچہ ہے اس بچہ کے بچے کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) یہ مبیع بالکل مجہول ہے۔ پتہ ہی نہیں ہے کہ مبیع کیسی ہے۔اس لئے بیع جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع مجہول ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے کہ اہل عرب حمل کا جو بچہ ہے اس کے بچے کی بیع کرتے تھے اس لئے آپؐ نے منع فرمایا **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ نهی عن بیع حبل الحبلة،وکان بیعا یتبایعه اهل الجاهلیة کان الرجل یبتاع الجزور الی ان تنتج الناقة ثم تنتج التی فی بطنها** (الف)(بخاری شریف،باب بیع الغرور وحبل الحبلۃ ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۳ر مسلم شریف،باب تحریم بیع حبل الحبلۃ ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۴)اس حدیث میں حمل اور حمل کے بچے کو بیچنا ناجائز قرار دیا ہے۔

اصول مجہول مبیع کی بیع فاسد ہے۔

لغت النتاج : حمل کا جو بچہ ہو اس کو النتاج کہتے ہیں۔

[۸۸۶](۵)اور نہیں جائز ہے اون کا بیچنا بکری کی پیٹھ پر۔

تشریح بکری یا بھیڑ کی پیٹھ پر اون موجود ہے ابھی کاٹا نہیں،اسی حال میں اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ کتنا کاٹے گا اور کتنا نہیں کاٹے گا اس کا اندازہ نہیں ہے۔کمی بیشی ہو سکتی ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع کے حدود متعین نہ ہوں تو بیچنا جائز نہیں ہے(۲) حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے **عن ابن عباس قال نهی رسول اللہ ﷺ ان تباع الثمرۃ حتی یبدو صلاحها او یباع صوف علی ظهر او سمن فی لبن او لبن فی ضرع** (ب)(سنن للبیہقی،باب ماجاء فی النہی عن بیع الصوف علی ظہر الغنم واللبن فی ضروع الغنم والسمن فی اللبن ج خامس ص ۵۵۵،نمبر ۱۰۸۵۷ر دار قطنی،کتاب البیوع ج ثالث ص ۱۱ نمبر ۲۸۱۱)اس حدیث میں اون کو بکری کی پیٹھ پر بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

[۸۸۷](۶)اور نہیں جائز ہے دودھ کی بیع تھن میں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حمل کے بچے کی بیع سے روکا،جاہلیت کے لوگ ایسی بیع کیا کرتے تھے۔لوگ اس طرح بیع کرتے تھے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ جب بچہ جنے اس کی بیع کرتا ہوں(ب) آپؐ نے روکا کہ پھل کو اس کے کارآمد ہونے سے پہلے بیچے یا اون کو پیٹھ پر بیچے یا گھی کو دودھ میں بیچے یا دودھ کو تھن مین بیچے۔

[۸۸۸] (۷) ولا یجوز بیع ذراع من ثوب ولا بیع جذع من سقف [۸۸۹](۸) وضربة

وجہ تھن میں دودھ ہے، ابھی اس کو نکالا نہیں ہے اور بیچ رہا ہے تو دودھ مجہول ہے اور مبیع مستور ہے اس لئے اس کی بیع جائز نہیں۔ البتہ اگر اس کو نکال دے اور دوبارہ سکوتی طور پر ایجاب وقبول کر لے یعنی بائع دے اور مشتری لے لے تو بیع پلٹ کر جائز ہو جائے گی (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۵ میں گزر چکی ہے او لبن فی الضرع (دار قطنی نمبر ۲۸۱۱، سنن للبیہقی، نمبر ۱۰۸۵۷)

اصول مجہول مبیع کی بیع جائز نہیں ہے۔

لغت الضرع : تھن

[۸۸۸] (۷) اور نہیں جائز ہے گز کی بیع تھان میں سے اور نہ شہتیر کی بیع چھت میں سے۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع بائع کے مال کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس لئے مبیع کو اس سے الگ کرنے میں بائع کے مال کا نقصان ہوتا ہو۔ اب اس مبیع میں بائع کے مال کا بلا وجہ نقصان ہے اس لئے یہ بیع فاسد ہے۔ مثلا ایک گز کو تھان سے کاٹنے میں باقی تھان کا نقصان ہے کیونکہ وہ کسی کام کا نہیں رہے گا تو تھان میں سے ایک گز کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ لیکن اگر گز کو الگ کرنے سے تھان کا نقصان نہیں ہے جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے تو ایک دو گز کی بیع جائز ہوگی۔ اسی طرح شہتیر چھت میں لگا ہوا ہے اس کو نکالنے سے پوری چھت کے گرنے کا یا کمزور ہونے کا خطرہ ہے تو ایسے شہتیر کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

وجہ حدیث میں لا ضرر ولا ضرار ہے۔ (دار قطنی نمبر ۳۰۶۰) اس میں ہے کہ نہ نقصان دو اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ۔ اور اس بیع میں بائع کا نقصان ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

لغت جذع : شہتیر جو چھت میں لگی ہوتی ہے اور ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے۔ سقف : چھت۔

[۸۸۹] (۸) اور نہیں جائز ہے جال کا ایک پھینک۔

تشریح یوں کہا کہ ایک مرتبہ پانی میں جال پھینکتا ہوں اس میں جتنی مچھلی آجائے اس کی قیمت مثلا پانچ پونڈ ہوگی تو اس طرح کی بیع جائز نہیں ہے۔

وجہ اس میں مبیع مجہول ہے معلوم نہیں کتنی مچھلی آئے گی اور نہیں آئے گی۔ اور یہ بھی یہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی سی مچھلی آئے اور مفت میں پانچ پونڈ دینا پڑے اس لئے یہ بیع جائز نہیں عن ابی هریرة قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع الغرر وبیع الحصاة (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ بیع الغرر ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دھوکے کی بیع جائز نہیں ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال رسول الله ﷺ ... وعن شراء ضربة الغائص (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۱۲ نمبر ۲۸۱۵) اس حدیث میں ضربۃ الغائص کو باضابطہ منع فرمایا ہے۔

اصول جس بیع میں دھوکہ ہو وہ جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے دھوکہ کی بیع سے روکا اور کنکری مارنے کی بیع سے روکا۔

الغائض [۸۹۰](۹) ولا بیع المزابنة وھو بیع التمر علی النخل بخرصة تمرا.

لغت الغائص : غوطہ لگانے والا۔

[۸۹۰](۹)اورنہیں جائز ہے بیع مزابنہ ،وہ یہ ہے کہ کھجور کی بیع کھجور کے درخت پرٹوٹے ہوئے کھجور سے اندازہ کر کے۔

تشریح کھجور کے درخت پر کھجور لگا ہوا ہو اس کوٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے میں بیچے تو یہ بیع فاسد ہے۔

وجہ (۱)ادھر بھی کھجور ہے اور درخت پر بھی کھجور ہے لیکن درخت پر کھجور کتنا ہے اس کا اندازہ نہیں ہے اس لئے کھجور کے بدلے میں کھجور کی بیشی ہوگی تو ربوا اور سود ہو جائے گا اس لئے جائز نہیں ہے(۲)مزابنہ کے ناجائز ہونے کی یہ دلیل یہ حدث ہے **عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ نھی عن المزابنة والمحاقلة ،والمزابنة اشتراء التمر بالتمر علی رؤوس النخل** (الف)(بخاری شریف، بیع المزابنة وھی بیع التمر بالثمر ص۲۹۱ نمبر۲۱۸۶ رمسلم شریف، باب النھی عن المحاقلة والمزابنة ج ثانی ص۱۰ نمبر۱۵۳۹)اس حدیث میں مزانبہ کو حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں جائز ہے۔

وجہ کیونکہ عرایا میں حضورؐ نے اجازت دی ہے۔اور عرایا کی شکل یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے درخت پر لگے ہوئے کھجور کو خریدے۔ حدیث میں ہے **عن ابی ھریرة ان النبی ﷺ رخص فی بیع العرایا فی خمسة اوسق او دون خمسة اوسق قال نعم** (ب)(بخاری شریف، باب بیع التمر علی رؤوس النخل بالذھب والفضة ص۲۹۱ نمبر۲۱۹۰ رمسلم شریف، باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا ص۸ نمبر۱۵۴۱)اس حدیث میں آپؐ نے عرایا کی بیع کرنے کی اجازت دی اگر پانچ وسق سے کم ہو،اور بعض حدیث میں ہے کہ ایک دو درخت ہوتو جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عرایا اصل میں درخت کے مالک کی جانب سے ہدیہ ہے بیع نہیں ہے۔صرف بیع کی صورت ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب مساکین کو ایک دو درخت کھانے کے لئے ہدیہ دے دیا کرتے تھے۔لیکن غربت کی وجہ سے وہ کھجور پکنے تک صبر نہیں کر پاتے تو اس درخت کے کھجور کے بدلے مالک درخت سے کٹے ہوئے کھجور دے دیا کرتے تھے۔ جوصورت میں بیع ہے لیکن حقیقت میں پہلے والا ہدیہ ہی کٹے ہوئے کھجور کی صورت میں دینا ہے۔خود امام بخاریؒ نے سفیان بن حسین کے واسطے سے عرایا کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔عبارت یہ ہے **عن سفیان بن حسین العرایا نخل کانت توھب للمساکین فلا یستطیعون ان ینتظروا بھا فرخص لھم ان یبیعوا ھابما شاء وا من التمر** (ج)(بخاری شریف، باب تفسیر العرایا ص۲۹۲ نمبر۲۱۹۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہدیہ کے بدلے درخت کا مالک ہدیہ دے رہا ہے یہی عرایا ہے۔اور اس کی گنجائش ہمارے یہاں بھی ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مزانبہ اور محاقلہ کی بیع سے روکا،مزابنہ کی تفسیر یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر کھجور ہو اس کے بدلے میں کھجور خریدے(ب) آپؐ نے عرایا کی بیع میں رخصت دی پانچ وسق یا اس سے کم میں فرمایا ہاں(ج) سفیان بن حسین نے فرمایا عرایا کھجور کا درخت ہوتا ہے۔اس کو مساکین کو ہبہ کر دے پھر وہ انتظار نہ کر سکے تو ان مسکینوں کے لئے رخصت ہے کہ اس کو جتنے کھجور میں چاہے بیچے۔

[۸۹۱](۱۰) ولا یجوز البیع بالقاء الحجر والملامسة[۸۹۲](۱۱) ولا یجوز بیع ثوب

نوٹ امام ابوحنیفہ کی نظر اس بات کی طرف گئی ہے کہ اٹکل سے کھجور کے بدلے کھجور بیچنا سود ہے اس لئے پانچ وسق سے کم میں بھی جائز نہیں ہے۔حدیث میں ہے فقال له معمر لم فعلت ذلک انطلق فرده ولا تأخذن الا مثلا بمثل فانی کنت اسمع رسول الله ﷺ یقول الطعام بالطعام مثلا بمثل (الف)(مسلم شریف، باب بیع الطعام مثلا بمثل ص ۲۶ نمبر ۱۵۹۲ر بخاری شریف، باب بیع الشعیر بالشعیر ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۷۴) اس حدیث میں ایک جنس کی کوئی چیز کیلی یا وزنی ہو ان کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا منع فرمایا ہے۔اس لئے ٹوٹے ہوئے کھجور کے بدلے لگے ہوئے کھجور کو کمی زیادتی کے ساتھ خریدنا جائز نہیں ہوگا۔چاہے پانچ وسق سے کم ہو یا چاہے عرایا کی دوسری شکل ہو۔ **اصول** کیلی اور وزنی چیزوں کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ درخت پر لگے ہوئے کھجور کو کھجور کے علاوہ کسی اور چیز سے خریدے تو جائز ہے۔کیونکہ خلاف جنس ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہوگا۔

لغت خرص : اندازہ کرکے، اٹکل سے

[۸۹۱](۱۰) نہیں جائز ہے پتھر ڈالنے کی بیع اور چھونے کی بیع۔

تشریح یہ سب بیع زمانہ جاہلیت کی تھیں۔کسی جگہ مبیع رکھی ہوئی ہے، مشتری نے پتھر پھینکا اور ایک مبیع پر لگ گیا، جس مبیع پر پتھر لگا وہ مشتری کی ہوگئی اور گویا کہ ایجاب وقبول ہوگئے۔یہ القائے حجر کی بیع ہے۔اور ملامسہ کی صورت یہ ہے کہ کئی قسم کی مبیع رکھی ہوئی ہیں مشتری نے ایک کو چھو دیا تو وہ مبیع مشتری کی ہوگئی۔یا کئی مشتری کھڑے ہیں بائع نے ایک مشتری کو چھولیا تو اس مشتری کو مبیع کا لینا ضروری ہوگیا یہ ملامسہ کی بیع ہوئی۔یہ دونوں بیع ناجائز ہیں۔

وجہ ان دونوں بیوع میں دھوکہ ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ دھوکہ کی بیع جائز نہیں (۲) حدیث میں ان دونوں بیعوں سے منع فرمایا ہے۔ان ابا سعید اخبره ان رسول الله نهی عن المنابذة وهی طرح الرجل ثوبه بالبیع الی رجل قبل ان یقلبه او ینظر الیه ونهی عن الملامسة، والملامسة لمس الثوب لا ینظر الیه (ب) (بخاری شریف، باب بیع الملامسة ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۴ر مسلم شریف، باب ابطال بیع الملامسة والمنابذة ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۱۲) اس حدیث میں ملامسہ اور منابذہ کی تفسیر کی گئی ہے۔اور دونوں بیعوں سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

اصول جہاں دھوکہ ہو کہ کون سی مبیع ہے اور کیسی ہے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

نوٹ جوا میں یہی ساری شکلیں ہوتی ہیں اس لئے جوا حرام ہے۔

[۸۹۲](۱۱) اور نہیں جائز ہے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع۔

حاشیہ : (الف) معمر نے اس سے کہا کیوں کیا یہ؟ جاؤ اس کو لوٹا دو اور مت لو مگر برابر سرابر اس لئے کہ میں حضورؐ سے سنا کرتا تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ غلہ غلے کے بدلے میں بیچو برابر سرابر (ب) آپؐ نے منع فرمایا بیع منابذہ سے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کپڑا بیع کے لئے پھینکے آدمی کی طرف اس سے پہلے کہ اس کو پلٹے یا اس کو دیکھے۔اور منع فرمایا بیع ملامسہ سے اور ملامسہ یہ ہے کہ کپڑا چھوئے اور اس کو دیکھے نہیں اور بیع لازم ہوجائے۔

من ثوبین[۸۹۳](۱۲) ومن باع عبدا علی ان یعتقه المشتری او یدبره او یکاتبه او باع

تشریح دو کپڑے مختلف انداز کے ہیں اور ایجاب کرتے وقت یہ نہیں بتا رہا ہے کہ دونوں میں سے کس کپڑے کی بیع ہو رہی ہے، صرف یوں کہہ رہا ہے کہ دونوں کپڑوں میں سے ایک کی بیع ہو رہی ہے تو چونکہ مبیع مجہول ہے بعد میں کپڑا سپرد کرنے میں جھگڑا ہوگا اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی۔ حدیث گزر چکی ہے۔

نوٹ مجلس ختم ہونے سے پہلے ایک کپڑے کی تعیین ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

اصول مجہول مبیع کی بیع فاسد ہے۔

[۸۹۳](۱۲) کسی نے غلام بیچا اس شرط پر کہ مشتری اس کو آزاد کرے گا یا اس کو مدبر بنائے گا یا اس کو مکاتب بنائے گا یا باندی بیچی اس شرط پر کہ اس کو ام ولد بنائے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے تو وہ بیع فاسد ہو جائے گی۔ شرط لگانے کی چار صورتیں ہیں (۱) ایسی شرط جو خود بیع کے موافق ہے، مثلا بیع اس لئے کرتا ہوں کہ مشتری کا قبضہ ہو جائے تو شرط خود بیع کا مقتضاء ہے اس لئے اس سے بیع فاسد نہیں ہوگی (۲) ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے البتہ بائع کا فائدہ ہے، مثلا اس شرط پر گھر بیچتا ہوں کہ دو ماہ تک اس میں رہوں گا۔ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی (۳) اس شرط پر بیع کرے کہ مشتری کا فائدہ ہو مثلا اس شرط پر خریدتا ہوں کہ مجھے مزید قرض دیں گے۔ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی (۴) اور شرط کی چوتھی صورت یہ ہے کہ ایسی شرط لگائے جس میں خود مبیع کا فائدہ ہو اور مبیع غلام یا باندی ہو جو قاضی کے قضا تک پہنچ سکتا ہو۔ اس صورت میں مبیع کا فائدہ ہے اور مبیع جھگڑا کر سکتا ہے اس لئے اس صورت میں بھی بیع فاسد ہوگی۔ اوپر کا مسئلہ اسی چوتھی قسم کی شرط پر متفرع ہے۔ کیونکہ غلام کو آزاد کرنے، اس کو مدبر بنانے اور اس کو مکاتب بنانے میں خود مبیع کا فائدہ ہے اور مبیع انسان ہے اس لئے جھگڑا بھی کر سکتا ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

وجہ شریعت کے خلاف شرط لگانے سے حدیث میں منع فرمایا **عن عائشة قالت ... ثم قال ﷺ اما بعد ما بال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب الله ؟ ما کان من شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل وان کان مائة شرط قضاء الله احق وشرط الله اوثق** (الف) (بخاری شریف، باب اذا اشترط فی البیع شروطا لاتحل ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۶۸ مسلم شریف، باب بیان ان الولاء لمن اعتق ج اول ص ۴۹۳ نمبر ۱۵۰۴/۳۷۷۷) اس حدیث میں بتایا گیا ہے شریعت کے خلاف جو بھی شرط لگائے اس کا اعتبار نہیں ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے **عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع** (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی الرجل یبیع مالیس عنده ج ثانی ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴) اس حدیث میں ہے کہ دو شرطیں لگانا ممنوع ہے۔ اور خاص طور پر جس شرط لگانے سے جھگڑے کا خطرہ ہو اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا امابعد! لوگوں کو کیا ہوا کہ شرط لگاتے ہیں ایسی شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو وہ باطل ہے اگر چہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ حقدار ہے اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (ب) آپ نے فرمایا نہیں حلال ہے ادھار بیچنا اور بیع کرنا اور نہ دو شرطیں ایک بیع میں۔

امة علی ان یستولدھا فالبیع فاسد[۸۹۴] (۱۳)وکذلک لو باع عبدا علی ان یستخدمه البائع شھرا او دارا علی ان یسکنھا البائع مدة معلومة او علی ان یقرضه المشتری درھما

اصول ایسی شرط جو بیع کے مخالف ہواور بائع یا مشتری یا مبیع کا فائدہ ہواور مبیع انسان ہوتو اس سے بیع فاسد ہوجائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں انسان کا فطری فائدہ ہے اس لئے ایسی شرط لگا کر بیچنا جائز ہے۔کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کو آزاد کرنے کی شرط سے خریدا تھا جیسا کہ اوپر حدیث گزری (بخاری شریف،نمبر ۲۱۶۸ مسلم شریف نمبر ۱۵۰۴)

لغت یدبرہ : مدبر بنادے،مولی غلام سے کہے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔ یکاتبہ : مکاتب بنائے،مولی غلام سے کہے کہ اتنے روپے ادا کروتو تم آزاد ہوجاؤگے اس کو مکاتب بنانا کہتے ہیں۔ لیستولدھا : ام ولد بنائے،باندی سے وطی کرے پھر اس سے مولی کا بچہ پیدا ہوتو اس کی ماں یعنی باندی ام ولد ہوجاتی ہے۔اور مولی کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوجائے گی۔ایسی باندی کو ام ولد کہتے ہیں۔

[۸۹۴] (۱۳)ایسے ہی غلام بیچا اس شرط پر کہ اس سے بائع ایک ماہ تک خدمت لے گا یا گھر بیچا اس شرط پر کہ اس میں بائع ایک مدت معلوم تک ٹھہرے گا یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو کچھ درہم قرض دے گا یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو ہدیہ دے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح اس عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔اور چاروں بیوع کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بائع بیع کے خلاف شرطیں لگا رہا ہے جس میں بائع کا فائدہ ہے اور پہلے اصول گزر چکا ہے کہ بیع کے خلاف شرط ہواور بائع یا مشتری کا فائدہ ہوتو بیع فاسد ہوجاتی ہے۔مثلا بائع نے غلام بیچا اس شرط پر کہ غلام ایک ماہ تک بائع کی خدمت کرے گا تو بیع فاسد ہوگی۔کیونکہ غلام تو بکتے ہی مشتری کا ہوجائے گا تو بائع کی خدمت کیوں کرے؟ یا اس شرط پر گھر بیچا کہ بائع اس میں ایک مدت معلوم مثلا ایک ماہ تک مقیم رہے گا۔یا اس شرط پر بیچا کہ مشتری بائع کو کچھ پونڈ قرض دے گا یا ہدیہ دیگا تو یہ شرطیں فاسد ہیں اس لئے ان سے بیع فاسد ہوجائے گی۔اس اثر سے بھی خدمت کی شرط لگانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے **ان عمر ابن الخطاب اعطی امرأة عبد اللہ بن مسعود جاریة من الخمس فباعتھا من عبد اللہ بن مسعود بالف درھم واشترطت علیھا خدمتھا فبلغ عمر بن خطاب فقال یا ابا عبد الرحمن اشتریت جاریة امرأتک فاشترطت علیک خدمتھا فقال نعم فقال لا تشترھا وفیھا مثنویة** (سنن للبیھقی،باب من باع حیوانا اوغیرہ واستثنی منافعہ مدة ج خامس ص ۵۴۹،نمبر ۱۰۸۳۵) حدیث اور اصول پہلے گزر چکے ہیں۔اس مسئلہ میں بائع کے فائدے کی شرط ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

فائدہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ایسی شرط پر بائع اور مشتری راضی ہوجائیں تو جائز ہے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جابر بن عبد اللہ سے اونٹ خریدا اور حضرت نے شرط لگائی کہ گھر تک اس پر سوار ہوکر جاؤں گا پھر اونٹ آپ کے حوالے کروں گا۔**حدثنی جابر بن عبد اللہ انه کان یسیر علی جمل له قد اعیا ... ثم قال بعنیه فبعته بوقیة و استثنیت علیه حملانه الی اھلی فلما بلغت اتیته بالجمل فنقدنی ثمنه (الف)** (مسلم شریف،باب البعیر واستثناء رکوبہ ج ثانی

حاشیہ : (الف) حضرت جابر بیان فرماتے ہیں کہ وہ ایک اونٹ پر سوار تھے جو تھک چکا تھا...پھر آپؐ نے فرمایا اس اونٹ کو میرے ہاتھ بیچ دو۔حضرت فرماتے ہیں کہ چالیس درہم میں میں نے اس کو بیچ دیا اور میرے اہل یعنی مدینہ تک اس پر سوار ہونا مستثنی کرلیا۔پس جب مدینہ پہنچا تو اونٹ لیکر آپ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

او علی ان یھدی لہ[۸۹۵] (۱۴) ومن باع عینا علی ان یسلمھا الی رأس الشھر فالبیع فاسد[۸۹۶] (۱۵) ومن باع جاریة او دابة الا حملھا فسد البیع [۸۹۷] (۱۶) ومن

نمبر ۱۶۰۰/۴۰۹۸) اس حدیث میں حضرت جابر نے اونٹ بیچا اور اس کی خدمت مدینہ تک سوار ہونے کی اپنے لئے مخصوص کی۔ اور حضورؐ نے جائز کیا اس لئے بائع اور مشتری راضی ہو جائیں تو ایسی شرط سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔

[۸۹۵] (۱۴) کسی نے کوئی عینی چیز بیچی اس شرط پر کہ اس کو ایک مہینے میں سپرد کرے گا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح ایک ہے بیع سلم اس میں مبیع مہینوں کے بعد دی جاتی ہے لیکن یہ فوری بیع ہے۔ مبیع سامنے موجود ہے جس کو بیع عین کہتے ہیں۔ اس میں جیسے ہی بیع ہوئی مشتری مبیع کا مالک بن گیا۔ اس لئے اب یہ شرط لگانا کہ ایک مہینے کے بعد مبیع سپرد کریں گے شرط فاسد ہے اور بائع کا اس میں فائدہ ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔ اس حدیث میں اس کی ممانعت ہے **عن جابر بن عبد اللہ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن المحاقلة ... وقال آخر بیع السنین ثم اتفقوا وعن الثنیا** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۴)

لغت عین : بیع سلم کے خلاف فوری بیع۔ رأس الشھر : مہینے کے شروع میں یا ایک مہینہ پر۔

[۸۹۶] (۱۵) کسی نے باندی بیچی یا جانور بیچا مگر ان کا حمل تو بیع فاسد ہے۔

تشریح باندی بیچی اور کہا کہ مگر اس کا حمل نہیں بیچتا ہوں، اس کو بیع سے استثناء کر دیا۔ اسی طرح جانور بیچا لیکن اس کے حمل بیع سے استثناء کر دیا تو بیع فاسد ہوگی۔

وجہ (۱) بچہ جب تک پیدا نہیں ہوا ہے ماں کے عضو کی طرح جز ہے۔ اس لئے جب ماں کی بیع ہوگی تو عضو اور جز کی بھی بیع ہوگی۔ اس لئے یہ شرط لگانا کہ ماں کی بیع کرتا ہوں اور اس کے حمل کی بیع نہیں کرتا ہوں شرط فاسد ہے۔ اس لئے بیع فاسد ہوگی (۲) حدیث میں گزرا **عن جابر بن عبد اللہ قال نھی رسول اللہ ﷺ ... وعن الثنیا ورخص فی العرایا** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة ج ثانی ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۴ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النھی عن الثنیا ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلاف شریعت استثناء کرنا صحیح نہیں ہے اس سے بیع فاسد ہوگی۔

نوٹ وراثت اور وصیت میں باندی کا حمل الگ جز شمار کیا جاتا ہے۔

[۸۹۷] (۱۶) کسی نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ بائع اس کو کاٹ دیگا اور اس کا قمیص سی دے گا یا قبا سی دے گا، یا چپل خریدی اس شرط پر کہ اس کو برابر کر دے گا یا پٹی لگا دے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح کپڑا خریدا اور یہ بھی شرط لگائی کہ بائع اس کو کاٹ کر قمیص سی دیگا یا قبا سی دیگا تو خریدنے کے علاوہ یہ الگ شرط ہے جس میں مشتری کا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پاس آیا تو آپؐ نے مجھے اس کی نقد قیمت دی (الف) آپؐ نے محاقلہ کی بیع سے منع فرمایا۔ اور دوسرے راوی نے فرمایا کئی سال کی مدت پر بیع کرنے سے منع فرمایا۔ پھر راوی متفق ہیں کہ مبیع کے استثناء کرنے سے منع فرمایا (ب) آپؐ نے بیع میں استثناء کرنے سے منع فرمایا اور عرایا میں رخصت دی۔

اشتری ثوبا علی ان یقطعه البائع ویخیطه قمیصا او قباء او نعلا علی ان یحذوها او یشر کها فالبیع فاسد [۸۹۸](۱۷) والبیع الی النیروز والمهرجان وصوم النصاری وفطر

فائدہ ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ بیع کے خلاف ایسی شرط لگائی جس میں کسی کا فائدہ ہوتو بیع فاسد ہوجائے گی۔یہاں مشتری کا فائدہ ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

وجہ اس صورت میں ایک تو بیع ہوئی اور الگ سے کاٹنے اور سینے کی شرط لگائی تو یہ اجارہ ہوا اور ایک ہی بیع میں دو معاملہ کرنا ممنوع ہے۔یہ تو ایک بیع میں دو بیع کرنے کی طرح ہوا۔اور حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من باع بیعتین فی بیعة فله اوکسهما او الربا** (الف)(ابوداؤد، باب فیمن باع بیعتین فی بیعۃ ص۱۳۴ نمبر ۳۴۶۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ ص۲۳۳ نمبر ۱۲۳۱) اس حدیث میں ایک بیع دو بیوع گھسانے سے منع فرمایا گیا ہے۔اس لئے بیع کے ساتھ اجارہ کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجائے گی۔

نوٹ اس مسئلہ کی شرط میں مشتری کا فائدہ ہے اور ایک بیع کے ساتھ دوسری بیع یعنی اجارہ کی شرط لگائی ہے اس لئے بیع فاسد ہوئی۔

فائدہ کچھ ملکوں میں یہ رواج ہے کہ چپل کو برابر کرکے اور تسمہ لگا کر ہی دیتے ہیں۔اور یہ عام متعارف ہے کہ دکان سے چپل یا جوتا اسی وقت خریدے گا جب وہ بنا کر اور تسمہ لگا کر دے اس لئے ان ملکوں میں عام تعارف کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔اس کو بیٹھ بنوانا کہتے ہیں۔

لغت نعل : جوتا یا چپل۔ یحذو : ایک چپل کو دوسرے چپل کے برابر کاٹنے کو یحذو کہتے ہیں۔ یشرک : چپل میں پٹی لگانا یا چپل کو گانٹھنا۔

[۸۹۸](۱۷) اور بیچنا نیروز کے دن تک اور مہرجان کے دن تک اور نصاری کے روزے کے دن تک اور یہودی کے افطار کے دن تک جبکہ بائع اور مشتری ان دونوں کو نہ جانتے ہوں تو بیع فاسد ہے۔

تشریح یوں کہا کہ میں نیروز کے دن بیع کرتا ہوں، شمسی سال کے پہلے دن کو نیروز کہتے ہیں۔اور پارسیوں کے عید کے دن کو مہرجان کہتے ہیں۔اب ان دنوں میں بیع کیا اور بائع اور مشتری کو یہ معلوم نہیں ہے کہ نیروز کس دن ہے اور مہرجان کس دن ہے تو وقت مجہول ہوگیا اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

وجہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ بیع میں اجل معلوم ہونا چاہئے۔**عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون فی الثمار السنتین والثلاث فقال اسلفوا فی الثمار فی کیل معلوم الی اجل معلوم** (ب)(بخاری شریف، باب السلم الی اجل معلوم ص۳۰۰ نمبر ۲۲۵۳ رمسلم شریف، باب السلم ص۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع میں اجل معلوم ہوتب بیع جائز ہوگی۔ورنہ مشتری جلدی مانگے گا اور بائع مبیع دیر کرکے دے گا۔اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بیع میں دو بیع کی تو اس کے لئے کم درجہ والی ہے یا سود کی شکل والی ہے (ب) آپؐ مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ دو سال تین سالوں کے لئے پھلوں کی بیع کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا پھلوں میں بیع کرو، کیل معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

الیھود اذا لم یعرف المتبایعان ذلک فاسد[۸۹۹] (۱۸) ولا یجوز البیع الی الحصاد والدیاس والقطاف وقدوم الحاج فان تراضیا باسقاط الاجل قبل ان یأخذ الناس فی الحصاد والدیاس وقبل قدوم الحاج جاز البیع [۹۰۰](۱۹) واذا قبض المشتری المبیع

اصول اجل مجہول ہوتو بیع فاسد ہوگی۔

نوٹ اگر بائع یا مشتری کو نیروز اور مہرجان یا صوم نصاری یا افطار یہود کا وقت اور تاریخ معلوم ہو تو اجل معلوم ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہوگی۔

[۸۹۹](۱۸) نہیں جائز ہے بیع کھیتی کٹنے تک اور گاہنے تک اور پھل توڑنے تک اور حاجی کے آنے تک، پس اگر ان مدتوں کے ساقط کرنے پر بائع اور مشتری راضی ہو جائیں لوگوں کے کٹنے میں لگنے سے پہلے اور گاہنے میں لگنے سے پہلے اور حاجی کے آنے سے پہلے تو بیع جائز ہو جائیگی۔

تشریح کسی نے یوں کہا کہ کھیتی کٹنے کے دن مبیع دوں گا، یا کھتی کٹنے کے دن بیع کروں گا یا گیہوں گاہنے کے دن مبیع دونگا یا گیہوں گاہنے کے دن بیع کروں گا یا پھل توڑنے کے دن بیع کروں گا یا مبیع دوں گا یا حاجی آنے کے دن بیع کروں گا یا مبیع دوں گا تو یہ دن متعین نہیں ہیں۔ پہلے بھی ہو سکتے ہیں اور بعد میں بھی۔ کس دن کھیتی کاٹے گا معلوم نہیں۔ اس لئے اجل اور مدت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے۔ اگر یہ دن متعین ہو جائے تو جائز ہو جائے گی۔ ہاں! اگر یہ دن آنے سے قبل ان مدتوں کو ساقط کر دے تو فساد شامل ہونے سے پہلے ساقط ہو گیا اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔ اصل قاعدہ یہ ہے کہ مدت میں جہالت ہوگی تو بیع فاسد ہوگی اور جھگڑا ہونے سے پہلے یا فساد کے گھسنے سے پہلے جہالت ساقط ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔ مسئلہ نمبر ۱۷ کی حدیث (بخاری شریف نمبر ۲۲۵۳ رمسلم شریف نمبر ۱۶۰۴) کے علاوہ یہ اثر بھی ہے۔ عن ابن عباس قال لا سلف الی العطاء ولا الی الحصاد ولا الی الاندر (الف) (سنن للبیھقی، باب لا یجوز السلف حتی یکون بثمن معلوم فی کیل اووزن معلوم الی اجل ج سادس، ص ۴۱، نمبر ۱۱۱۱۵) اس اثر میں ہے کہ کاٹنے تک اور گاہنے تک کی بیع صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ متعین نہیں ہے کہ کس دن کھیتی کاٹے گا اور کس دن گاہے گا۔

نوٹ ان شرطوں میں اجل مجہول تو ہے لیکن کم مجہول ہے اس لئے اگر وقت سے پہلے جہالت ساقط کر دے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

لغت الحصاد : کھیتی کاٹنا۔ دیاس : کھیتی کو گاہنا۔ قطاف : پھل توڑنا۔

﴿ حکم البیع الفاسد ﴾

[۹۰۰](۱۹) اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع کے حکم سے مبیع پر قبضہ کر لیا اور عقد میں دونوں عوض مال ہیں تو مشتری بیع کا مالک ہو جائے گا۔ اور اس پر مبیع کی قیمت لازم ہوگی۔ اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ کہ بیع کو فسخ کر دے۔ پس اگر مشتری نے مبیع کو بیچ دیا تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا عطیہ ملنے تک بیع نہ کریں نہ کھیتی کٹنے تک اور نہ گاہنے تک۔ الاندر : کاشت کو گاہنا۔

فی البیع الفاسد بامر البائع وفی العقد عوضان کل واحد منھما مال ملک المبیع ولزمته قیمته ولکل واحد من المتعاقدین فسخه فان باعه المشتری نفذ بیعه[۱۹۰](۲۰) ومن

تشریح تین شرطیں پائی جائیں تو بیع فاسد میں مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے(۱) مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا ہو(۲) بائع کی رضامندی سے قبضہ کیا۔ ہو(۳) مبیع اور ثمن دونوں ہی مال ہوں۔ یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے۔ اور اس پر مبیع کی بازاری قیمت لازم ہوگی

وجہ (۱) بیع فاسد میں صلب عقد اور اصل عقد میں خامی نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں جانب مال ہیں۔ اس لئے مالک ہو جائیں گے۔ یہاں خامی تو شرط میں ہے کہ کہیں مدت مجہول ہے۔ کسی بیع میں بائع کا فائدہ تو کسی بیع میں مشتری کا فائدہ ہے۔ اور کسی بیع میں مبیع بائع کی ملکیت سے علیحدہ نہیں ہے جس کی وجہ سے بیع فاسد کی گئی ہے۔ کیونکہ کسی میں دھوکہ ہے اور کہیں جھگڑا ہونے کا خطرہ ہے۔ اس کی پیش بندی کی وجہ سے بیع فاسد کی گئی۔ لیکن اگر جھگڑا نہیں ہوا اور آخر مشتری نے قبضہ کر ہی لیا تو آخر بیع جائز قرار دیدی جائے گی (۲) اس کا ثبوت حدیث میں ہے کہ آپؐ جنازے سے واپس آ رہے تھے۔ ایک عورت نے دعوت کی۔ انہوں نے بکری خریدنے کے لئے آدمی بھیجا لیکن نہیں ملی۔ آخر ایک عورت نے اپنے شوہر کی بکری بغیر اس کی اجازت کے بیچ دی۔ اور دعوت کرنے والی نے ذبح کر کے حضور کو کھلانے کے لئے پیش کی۔ آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس بکری کے خریدنے میں خامی ہے۔ عورت کو پوچھنے پر معلوم ہوا مالک کی اجازت کے بغیر بکری دی گئی ہے۔ اور بیع فاسد ہے۔ لیکن آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ عورت کی ملکیت نہیں ہوئی بلکہ یوں فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ قبضہ کے بعد عورت کی ملکیت تو ہوگئی اس لئے قیدیوں کو کھلا دو۔ لیکن اس میں کراہیت ضرور ہے اس لئے خود آپؐ نے نوش نہیں فرمایا۔ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازة ... فارسلت الی امرأته فارسلت الی بھا فقال رسول اللہ ﷺ اطعمیه الاساری (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی اجتناب الشبہات ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۳۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد مشتری مبیع کا مالک بن جائے گا۔

بیع فاسد میں مشتری نے قبضہ کی ہوئی مبیع کو دوسرے کے ہاتھ میں بیچ دیا تو دوسری بیع نافذ ہوگئی۔ کیونکہ پہلی بیع کے اصل عقد میں خامی نہیں تھی۔ صرف اس کے وصف اور شرط میں خامی تھی اور وہ بھی جھگڑا اٹھے بغیر نمٹ گئی تو پہلی بیع بھی نافذ ہوگئی (۲) پہلی بیع کی خامی میں شریعت کا حق تھا اور دوسری بیع میں بندے کا حق ہے۔ اور بندے کا حق مقدم ہے اس لئے بندے کے حق کی وجہ سے شریعت کا چھوٹا موٹا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے مشتری کی بیع نافذ ہو جائے گی۔

نوٹ اور صلب عقد اور اصل عقد میں خامی ہو تو بیع باطل ہوگی۔ اس صورت میں بائع اور مشتری کی رضامندی کے باوجود بھی مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوگا۔ بلکہ بیع ہوئی ہی نہیں۔

[۱۹۰] (۲۰) کسی نے بیع میں آزاد اور غلام کو جمع کیا یا ذبح شدہ بکری اور مردہ بکری کو جمع کیا تو بیع دونوں میں باطل ہے۔

حاشیہ : (الف) فرمایا ہم حضور کے ساتھ ایک جنازے میں نکلے ... میں نے اس کی بیوی کے پاس خبر بھیجی کہ بکری دے دو تو انہوں نے بکری میرے پاس بھیج دی۔ پس آپؐ نے فرمایا یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔

جمع بین حر و عبد او شاۃ ذکیۃ و میتۃ بطل البیع فیھما[۹۰۲](۲۱) ومن جمع بین عبد ومدبر او بین عبدہ وعبد غیرہ صح البیع فی العبد بحصتہ من الثمن.

وجہ آزاد مبیع ہی نہیں ہے۔اسی طرح مردہ بکری مبیع ہی نہیں ہے اس لئے ان کی بیع ہی نہیں ہوئی۔اور عقد ایک ہے اس لئے اس کا اثر دوسری مبیع یعنی غلام اور ذبح شدہ بکری پر بھی پڑے گا اور ان کی بیع بھی نہیں ہوگی (۲) آزاد اور مردہ بکری کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے غلام اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت آگئی اس لئے غلام اور ذبح شدہ بکری کی بیع بھی نہیں ہوگی۔

اصول یہاں یہ اصول ہے کہ آزاد اور مردہ بکری کی بیع ہوئی ہی نہیں اس لئے ان کے اثر سے غلام اور ذبح شدہ بکری کی بیع بھی فاسد ہوگی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت الگ بیان کی ہو اور آزاد کی قیمت الگ بیان کی ہو تو غلام کی بیع ہو جائے گی چاہے دونوں ایک عقد میں بکے ہوں۔

وجہ کیونکہ دونوں کی قیمت الگ الگ ہونے کی وجہ سے آزاد کی بیع نہیں ہوئی تو غلام کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے غلام کی بیع فاسد نہیں ہوگی۔اسی طرح ذبح شدہ بکری کی کی قیمت الگ بیان کی گئی ہو تو مردہ بکری کی بیع نہیں ہوئی تب بھی ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے ذبح شدہ بکری کی بیع ہا جائے گی۔

لغت ذکیۃ : ذبح کی ہوئی۔

[۹۰۲](۲۱) کسی نے غلام اور مدبر کو جمع کیا یا اپنے غلام اور غیر کے غلام کو بیع میں جمع کیا تو غلام میں بیع صحیح ہوگی اس کی قیمت کے حصے کے ساتھ۔

تشریح غلام اور مدبر غلام دونوں کو ایک بیع میں جمع کر دیا۔یا اپنے غلام کو اور دوسرے کے غلام کو بغیر اس کی اجازت کے ایک بیع میں جمع کر دیا تو مدبر کی بیع تو نہیں ہوگی لیکن خالص غلام کی بیع ہو جائے گی۔اور جو قیمت اس کے حصے کی ہوگی وہ لازم ہوگی۔مثلا دو ہزار کے غلام اور مدبر تھے تو خالص غلام کی قیمت ایک ہزار رہ گئی تو ایک ہزار لازم ہوں گے۔اسی طرح دوسرے کا غلام اس کی اجازت کے بغیر بیع میں داخل نہیں ہوگا۔لیکن اپنے غلام کی بیع ہو جائے گی۔اور جو اس کے حصے کی قیمت ہے وہ مشتری پر لازم ہوگی۔

وجہ مدبر کسی نہ کسی امام کے نزدیک غلام کی طرح بکنے کے قابل ہے اس لئے وہ مال ہے۔حدیث میں ہے **عن جابر قال باع النبی ﷺ المدبر** (الف) (بخاری شریف، باب بیع المدبر ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام بکنے کے قابل ہے۔اس لئے اس کو خالص غلام کے ساتھ ملایا تو بیع ہوگئی۔اب بعد میں مدبر کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت الگ ہوگی اور کم ہوگی۔اس لئے غلام کی بیع ہوگئی۔یہی حال اپنے غلام اور دوسرے غلام کو ملانے کا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مبیع کے ساتھ دوسری مبیع مال ہے اور بکنے کے قابل ہے۔اس لئے دونوں مبیع بکی لیکن کسی وجہ سے دوسری مبیع نہ بک سکی تو پہلی مبیع بیع میں داخل ہوگی۔اور اس کی قیمت اس کے حصے کے مطابق لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آپؐ نے مدبر غلام کو بیچا ہے۔

[۹۰۳](۲۲) ونھی رسول اللہ ﷺ عن النجش [۹۰۴] (۲۳) وعن السوم علی سوم

نوٹ مسئلہ نمبر۲۰ کا اصول یہ تھا کہ از سرنو آزاد کی بیع ہی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کے ساتھ غلام کی بیع فاسد ہوئی۔اور یہاں یہ ہے کہ مدبر من وجہ مال ہونے کی وجہ سے بیع ہوگئی اور بعد میں قیمت کی تقسیم ہوئی۔

[۹۰۳](۲۲)اور روکا حضورؐ نے نجش کرنے سے۔

تشریح نجش کا مطلب یہ ہے کہ خود کو خریدنا نہیں ہے لیکن قیمت لگا کر خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا رہا ہے تاکہ دوسرا آدمی مہنگا خریدے۔اس کو دلالی کرنا کہتے ہیں ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ (۱)اس میں دوسرے کو نقصان دینا ہے اس لئے مکروہ ہے (۲) حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے **عن ابن عمر قال نھی النبی ﷺ عن النجش** (الف)(بخاری شریف، باب النجش ومن قال لا یجوز ذلک البیع ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۲ر مسلم شریف، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ وسومہ علی سومہ وتحریم النجش وتحریم التصریۃ ص ۳ نمبر ۱۵۱۶ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ النجش ص ۲۴۴ نمبر ۱۳۰۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دلالی کرنا ممنوع ہے تاہم بیع ہو جائے گی۔کیونکہ صلب عقد میں خامی نہیں ہے۔

[۹۰۴](۲۳)اور روکا دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے۔

تشریح دوسرا آدمی بیع کے لئے بھاؤ کر رہا ہے۔اب وہ خریدنے کے قریب ہے کہ آپ نے بھاؤ کر دیا یہ مکروہ ہے۔

وجہ پہلے بھاؤ کرنے والے کو متوحش کرنا ہے اور نقصان دینا ہے اس لئے مکروہ ہے (۲) حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔**عن ابی ھریرۃ قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یبیع حاضر لباد ولا تناجشوا ولا یبیع الرجل علی بیع اخیہ** (ب)(بخاری شریف، باب لا یبیع علی بیع اخیہ ولا یسوم علی سوم اخیہ حتی یأذن لہ او یترک ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۴۰ر مسلم شریف، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ وسومہ علی سومہ ص ۳ نمبر ۱۵۱۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھاؤ کر رہا ہو اور مائل ہو چکا ہو تو اس پر بھاؤ کرنا مکروہ ہے۔

نوٹ اگر ابھی مائل نہ ہوا ہو تو دوسرا آدمی بھاؤ کر سکتا ہے۔اس لئے کہ یہ بیع من یزید ہے۔اور حدیث میں اس کی اجازت ہے۔**عن انس بن مالک ان رسول اللہ باع حلسا وقدحا وقال من یشتری ھذا الحلس والقدح فقال رجل اخذ تھما بدرھم فقال النبی ﷺ من یزید علی درھم ؟من یزید علی درھم ؟ فاعطاہ رجل درھمین فباعھما منہ** (ج)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع من یزید ص ۲۳۰ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث میں آپؐ نے بیع من یزید کی اور کئی آدمیوں نے بھاؤ پر بھاؤ کئے لیکن چونکہ کوئی آدمی بالکل خریدلینے پر مائل نہیں تھا اس لئے دوسرے کے لئے بھاؤ کرنا جائز تھا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے نجش یعنی دلالی کرنے سے منع فرمایا (ب) آپؐ نے منع فرمایا اس بات سے کہ شہر والے دیہات والے سے بیچے اور نہ دلالی کرے۔اور نہ آدمی بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرے (ج) آپؐ نے جھول اور پیالہ بیچا اور فرمایا اس جھول اور پیالے کو کون خریدے گا ؟ ایک آدمی نے کہا میں نے ان دونوں کو ایک درہم میں لیا۔آپؐ نے پھر فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا ؟ ایک درہم سے زیادہ کون دے گا ؟ تو ایک آدمی نے آپ کو دو درہم دیئے تو آپؐ نے ان دونوں کو اس آدمی سے بیچ دیا۔

غیرہ[۹۰۵] (۲۴) وعن تلقی الجلب[۹۰۶] (۲۵) وعن بیع الحاضر للبادی.

اصول کسی کونقصان دینایامتوحش کرنامکروہ ہے۔ حدیث لاضرر ولا ضرار گزر چکی ہے۔

لغت السوم : بھاؤ کرنا۔

[۹۰۵](۲۴)اورروکا آپؐ نے سوداگروں سے مل جانے سے۔

تشریح تلقی کا ترجمہ ہے آگے بڑھ کرکسی سے ملنا۔اور جلب کا ترجمہ ہے کھینچنا یامنفعت کوکھینچنا۔ یہاں تلقی الجلب کا مطلب یہ ہے کہ باہر سے سوداگرسامان بیچنے آئے توشہر سے باہر جاکران سے ملاقات کرے اورکم داموں میں تمام سامان خرید لے۔تاکہ بعد میں وہ سامان شہر والوں کو مہنگی قیمت میں بیچے۔اس کو 'تلقی الجلب' کہتے ہیں۔اس کے مکروہ ہونے کی۔

وجہ (۱) کبھی سوداگرکودھوکہ دیاجاتا ہے کہ شہرکی صحیح قیمت سے آگاہ نہیں کیاجاتا اورسوداگرسے مال سستاخریدلیتا ہے۔اس میں سوداگروں کا نقصان ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے مکروہ ہے (۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ شہروالوں کومثلاغلوں کی سخت ضرورت ہے، باہر سے آیاہواغلہ کچھ مخصوص تاجروں نے خریدلیااب شہروالوں کوغلہ نہیں ملے گایابہت مہنگاملے گا۔اس صورت میں شہروالوں کا نقصان ہوگا۔اس لئے بھی تلقی الجلب مکروہ ہے(۳)حدیث میں تلقی الجلب سے منع فرمایا گیا ہے۔**عن ابی ھریرۃ قال نھی النبی ﷺ عن التلقی وان یبیع حاضر لباد** (الف)(بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص۲۸۹ نمبر۲۱۶۲رمسلم شریف، باب تحریم تلقی الجلب ص۴ نمبر۱۵۱۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے تلقی الجلب سے منع فرمایا ہے۔

اصول اہل شہرکونقصان ہوتو یہ بیع مکروہ ہے۔

نوٹ اگراہل شہرکواس غلے کی ضرورت نہیں اورآنے والے قافلے کوبھی قیمت بتانے میں دھوکہ نہیں دیا توپھرتلقی الجلب مکروہ نہیں ہے۔

[۹۰۶](۲۵)اورآپؐ نے منع فرمایا شہروالوں کی بیع دیہات والوں سے۔

تشریح شہروالوں کومثلاغلوں کی سخت ضرورت ہےاس کے باوجودتاجردیہات سے آنے والے لوگوں سے زیادہ قیمت میں غلہ بیچ رہے ہیں تو یہ مکروہ ہے۔

وجہ کیونکہ اس سے شہروالوں کونقصان ہوگا۔وہ محتاج ہیں اوران کازیادہ حق ہے(۲)حدیث میں منع فرمایا گیا ہے **عن ابی ھریرۃ قال نھی النبی ﷺ عن التلقی وان یبیع حاضر لباد**(ب)(بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص۲۸۹ نمبر۲۱۶۲رمسلم شریف، باب تحریم بیع الحاضرللبادی ص۴ نمبر۱۵۲۰)اس حدیث میں منع فرمایا گیا ہے کہ شہروالے دیہات والوں سے ضرورت کے وقت سامان فروخت کرے۔اورشہروالوں کوضرورت نہ ہوتو دیہات والوں سے بیچ سکتا ہے۔اس کی دلیل یہ اثر ہے **سألت ابن عباس ما معنی قولہ لا یبیعن حاضر لباد؟ قال لا یکون لہ سمسار** (ج)(بخاری شریف، باب النھی عن تلقی الرکبان ص۲۸۹ نمبر۲۱۶۳رمسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف)آپؐ نے تلقی بالجلب سے روکا اوراس سے بھی کہ شہروالے دیہات والے سے بیچے(ب) آپؐ نے تلقی بالجلب سے روکا اوراس سے بھی کہ شہر والے دیہات والے سے بیچے(ج)حضرت عبداللہ بن عباس سے لایبیعن حاضرلباد کا مطلب پوچھا تو فرمایا کہ ان کے لئے دلال نہ بنے،سمسار دلال کو کہتے ہیں۔

[۹۰۷] (۲۶) والبیع عند اذان الجمعة[۹۰۸] (۲۷) وکل ذلک یکرہ ولا یفسد به البیع[۹۰۹] (۲۸) ومن ملک مملوکین صغیرین احدھما ذو رحم محرم من الآخر لم

تحریم بیع الحاضر للبادی ص ۴ نمبر ۱۵۲۱) اس اثر میں عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ بیچنے والا تاجر دلال نہ بنے کہ زیادہ قیمت میں بیچے، پس اگر دلال نہیں بنتا ہے تو شہر والے دیہات والوں سے سامان بیچے تو جائز ہوگا مکروہ نہیں ہوگا۔

لغت حاضر : شہر والے جو حاضر رہتے ہیں۔ باد : دیہات والے۔

[۹۰۷] (۲۶) اور منع کیا جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنے سے۔

تشریح جمعہ کی اذان ہوگئی ہو اس وقت بیع کرنا مکروہ ہے۔

وجہ آیت میں کہا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت بیع چھوڑ دینا چاہئے اور جمعہ کی طرف دوڑ پڑنا چاہئے۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع (الف) (آیت ۹ سورة الجمعة ۶۲) اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت بیع چھوڑ دے۔ اس لئے اسوقت بیع مکروہ ہے۔

[۹۰۸] (۲۷) یہ سب مکروہ ہیں لیکن ان سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح اوپر پانچ صورتیں بیان کی گئی ہیں جن سے بیع مکروہ ہوگی لیکن بیع فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ اوپر کی پانچوں صورتوں میں خامی صلب عقد اور اصل عقد میں نہیں ہے بلکہ شرائط اور دیگر چیزوں میں ہے اس لئے بیع فاسد نہیں ہوگی بلکہ صرف مکروہ ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشتری مبیع پر قبضہ کر لے تو مشتری مبیع کا مالک ہو جائے گا البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے نہیں کرنا چاہئے۔ ہر ایک مسئلے کی وجہ اور تشریح گزر چکی ہے۔

[۹۰۹] (۲۸) کوئی دو چھوٹے مملوک کا مالک بنا، ان میں سے ایک دوسرے کا ذی رحم محرم ہے تو دونوں کے درمیان تفریق نہ کی جائے۔ ایسے ہی جبکہ ان میں سے ایک بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا ہو۔ پس اگر دونوں کو علیحدہ کیا تو یہ مکروہ ہے۔ اور بیع جائز ہوگی۔ اور دونوں بڑے ہوں تو دونوں کو جدا کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

تشریح دونوں مملوک چھوٹے ہوں، یا ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا ہو اور دونوں ذی رحم محرم ہوں تو ان کو بیچ کر یا ہبہ کر کے جدا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ (۱) چھوٹا دوسرے سے انسیت حاصل کرتا ہے مثلا ماں اور بیٹا ہے تو ماں کو بیٹے سے انسیت ہوتی ہے اور پرورش کرتی ہے، اب اگر جدا کر دیں تو دونوں پریشان ہوں گے اور پرورش میں بھی کمی آئے گی۔ اس لئے دونوں کو جدا کرنا مکروہ ہے، تاہم دونوں مولی کے مملوک ہیں اس لئے بیچا اور ہبہ کیا تو جائز ہو جائے گا (۲) اس میں مملوک کو ضرر ہے اس لئے مکروہ ہے (۳) حدیث میں ہے عن ابی ایوب قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من فرق بین الوالدة وولدھا فرق الله بینه وبین احبته یوم القیامة (نمبر ۱۲۸۳) دوسری حدیث میں ہے عن علی قال وھب لی رسول الله ﷺ غلامین اخوین فبعت احدھما فقال لی رسول الله ﷺ یا علی ما فعل

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور بیع چھوڑ دو۔

یفرق بینهما وکذلک اذاکان احدهما کبیرا والآخر صغیرا فان فرق بینهما کره ذلک وجاز البیع وان کانا کبیرین فلا بأس بالتفریق بینهما.

غلامک فاخبرته فقال رده رده (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الفرق بین الاخوین او بین الوالدۃ وولدھا فی البیع ص ۲۴۱ نمبر ۱۲۸۴) اس حدیث میں والدہ اور بھائی کو جدا کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے چھوٹے مملوک کے درمیان جدائیگی کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر دونوں غلام بڑے ہوں تو جدا کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

❋❋❋

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے کہتے سنا، جس نے والدہ اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کی اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان قیامت میں تفریق کرے گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے دو غلام دیئے جو دونوں بھائی تھے۔ پس میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا۔ حضورؐ نے مجھے کہا اے علی! اپنے غلام کو کیا کیا؟ میں نے ان کو بیچنے کی خبر دی، آپؐ نے فرمایا اس کو واپس کرلو اس کو واپس کرلو۔

﴿ باب الاقالة ﴾

[۹۱۰](۱)الاقالة جائزة فی البیع للبائع والمشتری بمثل الثمن الاول[۹۱۱] (۲) فان

﴿ باب الاقالۃ ﴾

ضروری نوٹ اقالہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع بیچنے کے بعد نادم ہو جائے کہ میں نے غلط بیچ دیا، پھر مشتری سے کہے کہ مجھے مبیع واپس کر دیں اور ثمن واپس لے لیں اور مشتری ایسا کر دے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں۔ یا مشتری خریدنے پر نادم ہو جائے اور بائع سے کہے کہ مبیع واپس لے لیں اور ثمن دے دیں اور بائع ایسا کرے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔ حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله من اقال مسلما اقاله الله عثرته** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی فضل الاقالۃ ج ثانی ص ۱۳۴ نمبر ۳۴۶۰/ ابن ماجہ شریف، باب الاقالۃ ص ۳۱۵ نمبر ۲۱۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقالہ کرنا جائز ہے بلکہ سامنے والے کی مجبوری ہو تو اقالہ یعنی مبیع واپس کرنے میں ثواب ملے گا۔

[۹۱۰] (۱) اقالہ جائز ہے بیع میں بائع کے لئے اور مشتری کے لئے ثمن اول کے مثل سے۔

تشریح بائع اور مشتری دونوں کے لئے اقالہ جائز ہے۔ لیکن جس قیمت میں بیع ہوئی تھی بائع اتنی ہی قیمت واپس کریگا، کم بھی نہیں اور زیادہ بھی نہیں۔ بائع نے جتنی قیمت پہلے لی ہے وہی قیمت واپس کرے، اسی کو بمثل الثمن الاول کہا ہے۔

وجہ (۱) بائع اور مشتری کے درمیان کوئی نئی بیع نہیں ہے کہ قیمت زیادہ لے یا کم لے بلکہ اقالہ کا مطلب ہے۔ پہلے ہی بیع کو توڑنا ہے اس لئے پہلی ہی قیمت واپس کرے گا (۲) **عن ابن عباس انه کره ان یبتاع البیع ثم یرده ویرد معه دراهم وفی هذا دلالة علی ان الاقالة فسخ فلا تجوز الا برأس المال** (ب) (سنن للبیھقی، باب من اقال المسلم الیہ بعض المسلم وقبض بعضا ج سادس ص ۴۵، نمبر ۱۱۱۳۳) **عن الاسود انه کره ان یردها و یرد معها شیئا** (ج) (مصنف عبد الرزاق ج ثامن ص ۱۹ نمبر ۱۴۱۳۱) اس اثر میں حضرت عبد اللہ بن عباس نے ثمن کے ساتھ مزید کچھ دینے سے کراہیت کا اظہار کیا ہے۔

اصول اقالہ بیع اول کا فسخ ہے۔

[۹۱۱] (۲) پس اگر پہلی قیمت سے زیادہ کی شرط لگائی یا اس سے کم کی تو شرط باطل ہے، اور ثمن اول ہی لوٹایا جائے گا۔

تشریح مثلا چار سو میں مبیع خریدی تھی اور مشتری نے اقالہ کے لئے پانچ سو درہم مانگے یا بائع نے کہا کہ اقالہ کے لئے تین سو دوں گا تو یہ کمی زیادتی کی شرط باطل ہے۔ البتہ اس میں شرط لگانے سے اقالہ باطل نہیں ہوگا بلکہ ثمن اول ہی پر اقالہ ہوگا۔

وجہ اوپر ابن عباس کا اثر گزر چکا ہے کہ زیادہ دینا وہ مکروہ سمجھتے تھے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے مسلمان سے اقالہ کیا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا (ب) حضرت عبد اللہ ابن عباس ناپسند کرتے تھے کہ آدمی بیع کرے پھر اس کو واپس لوٹائے اور اس کے ساتھ کچھ درہم لوٹائے۔ اس قول میں اس بات پر دلالت ہے کہ اقالہ کرنا بیع کو فسخ کرنا ہے۔ اس لئے نہیں جائز ہے مگر رأس المال یعنی پہلی قیمت کے ساتھ (ج) حضرت اسود ناپسند فرماتے تھے کہ مبیع واپس کرے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی واپس کرے۔

شرط اکثر منه فالشرط باطل ویرد بمثل الثمن الاول[۹۱۲] (۳) وهی فسخ فی حق المتعاقدین بیع جدید فی حق غیرهما فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۹۱۳] (۴) وهلاک الثمن لا یمنع صحة الاقالة وهلاک المبیع یمنع صحتها[۹۱۴] (۵) وان

نوٹ ثمن پراس وقت اقالہ ہوگا جبکہ مبیع میں کوئی عیب نہ ہوا ہو۔اگر مبیع میں عیب ہوگیا تو مشتری کم قیمت واپس کرسکتا ہے۔

[۹۱۲] (۳) اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ ہے اوران دونوں کے علاوہ کے حق میں بیع جدید ہے امام ابوحنیفہ کے قول میں۔

تشریح جب اقالہ کیا تو بائع اور مشتری کے درمیان پہلے ہی بیع کا فسخ ہے۔وہی بیع ٹوٹی ہے لیکن ان دونوں کے علاوہ جولوگ ہیں ان کے حق میں بیع جدید ہے۔گویا کہ مشتری بائع سے نئی بیع کررہا ہے۔کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ مبیع مشتری کے ہاتھ سے نکل کر بائع کے ہاتھ میں جارہی ہے اور ایجاب اور قبول بھی ہورہے ہیں۔اس لئے تیسرے آدمی کے حق میں بیع جدید ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر کوئی حق شفعہ کا دعوی کرے ناچاہے تو کرسکتا ہے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے کہ متعاقدین کے حق میں فسخ ہے **عن ابن عباس انه کره ان یبتاع البیع ثم یرده و یردمعه دراهم وفی هذا دلالة علی ان الاقالة فسخ فلا تجوز الا برأس المال** (الف)(سنن للبیھقی، باب من اقال المسلم الیہ بعض المسلم وقبض بعضا ج سادس ص ۴۵، نمبر ۱۱۱۳۳)اس اثر میں ہے کہ اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ ہے۔البتہ تیسرے کے حق میں بیع جدید ہوگی۔

[۹۱۳] (۴) اور ثمن کا ہلاک ہونا اقالہ کے صحیح ہونے کونہیں روکتا اور مبیع کا ہلاک ہونا اس کے صحیح ہونے کوروکتا ہے۔

تشریح ثمن ہلاک ہوجائے، بائع کے پاس نہ رہے تب بھی اقالہ ہوسکتا ہے۔لیکن مشتری کے پاس مبیع ہلاک ہوجائے تو اقالہ نہیں ہوسکے گا۔

وجہ (۱)اصل واپسی مبیع کی ہے۔وہی متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے۔قیمت اور روپیہ تو کوئی سا بھی دے گا۔اس لئے اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو کس چیز کو واپس کرے گا؟ اس لئے مبیع ہلاک ہونے کے بعد اقالہ نہیں ہوسکے گا۔اور ثمن ہلاک ہوجائے تو یہ پونڈ نہیں دوسرے پونڈ بائع واپس کردے گا۔اس لئے ثمن کے ہلاک ہونے کے باوجود اقالہ ہوسکتا ہے۔

اصول اقالہ میں اصل واپسی مبیع کی ہوتی ہے۔

[۹۱۴] (۵) اگر بعض مبیع ہلاک ہوجائے تو باقی میں اقالہ جائز ہے۔

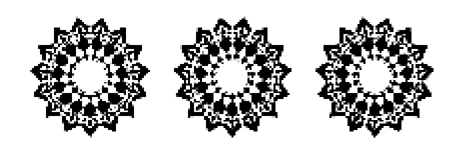
وجہ مثلا چھ کیلو گیہوں دس روپے میں خریدے تھے۔پھر تین کیلو گیہوں ہلاک ہوگئے تو باقی ماندہ تین کیلو گیہوں واپس کرسکتا ہے اور پانچ روپے واپس لے سکتا ہے۔

وجہ اقالہ اتنے ہی میں ہورہا ہے جتنی مبیع موجود ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ ابن عباس ناپسند کرتے تھے کہ آدمی بیع کرے پھر اس کو واپس لوٹائے اور اس کے ساتھ کچھ درہم لوٹائے۔اور اس میں اشارہ ہے اس بات کا کہ اقالہ فسخ بیع ہے۔اس لئے نہیں جائز ہے اقالہ مگر رأس المال یعنی پہلی قیمت کے ساتھ۔

هلک بعض المبیع جازت الاقالة فی باقیه.

نوٹ اگر دونوں طرف سامان ہی تھا مثلا مبیع گیہوں اور ثمن میں جو تھا تو چونکہ دونوں مبیع بن سکتے ہیں۔اور دونوں متعین ہوتے ہیں اس لئے اگر مبیع مثلا گیہوں ہلاک ہوگیا تو جو مبیع بن سکتا ہے اس لئے اس صورت میں بھی اقالہ صحیح ہو سکے گا۔



﴿باب المرابحة والتولية﴾

[٩١٥](١) المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول مع زيادة ربح[٩١٦] (٢) والتولية نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول من غير زيادة ربح.

﴿ باب المرابحة والتولية ﴾

ضروری نوٹ مرابحہ : کا مطلب یہ ہے کہ جتنے میں خریدا بائع مشتری کو صاف بتائے کہ میں نے مثلا دس پونڈ میں یہ مبیع خریدی ہے اور دو پونڈ نفع لیکر بارہ پونڈ میں آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں۔اس میں دو پونڈ نفع لیا اس لئے اس کو مرابحہ کہتے ہیں۔اگر بائع نفع لے لیکن مشتری کو یہ نہ بتائے کہ کتنے میں خریدا ہے تو یہ عام بیع ہے۔اس کو مرابحہ نہیں کہیں گے۔مرابحہ میں پہلی قیمت بتانا ضروری ہے۔یہ اس لئے ہوتا ہے تا کہ مشتری کو اعتماد ہو اور دھوکہ نہ ہو۔اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔**رایت علی علیؓ ازارا غلیظا قال اشتریت بخمسة دراهم فمن اربحنی فیه درهما بعته ایاه** (سنن للبیھقی ، باب المرابحۃ ج خامس ص ۵۳۸ ،نمبر ۱۰۷۹۴)اس اثر میں پانچ درہم میں ازار خریدی تھی اور ایک درہم مرابحہ پر حضرت علی بیچنا چاہتے تھے۔جس سے بیع مرابحہ کا ثبوت ہوا۔

تولیہ : کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کو بتائے کہ میں نے مثلا دس پونڈ میں یہ مبیع خریدی ہے اور دس ہی پونڈ میں بیچتا ہوں۔ جتنے میں خریدی اتنے ہی میں مبیع کا ولی بنا دینے کو تولیہ کہتے ہیں۔اگر نہیں بتایا کہ کتنے میں خریدی تو یہ تولیہ نہیں ہے،عام بیع ہے۔اس بیع کا ثبوت اس حدیث میں ہے **قالت عائشة فبینما نحن یوما جلوس فی بیت ابی بکر ... قال ابو بکر فخذ بابی انت یا رسول الله احدی راحلتی هاتین قال رسول الله بالثمن** (الف)(بخاری شریف،باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ ص ۵۵۳ نمبر ۳۹۰۵ ر بخاری شریف، باب اذا اشتری متاعا او دابۃ فوضعہ عند البائع ص ۲۸۷ نمبر ۲۱۳۸)اس حدیث میں حضورؐ نے ابو بکر سے فرمایا کہ جتنے میں اونٹنی خریدی ہے اتنے ہی میں دیدے۔اس لئے آپؐ نے فرمایا بالثمن ،یعنی **بالثمن الاول**،اس لئے اس سے بیع تولیہ کا ثبوت ہوا۔

[۹۱۵](۱) بیع مرابحہ منتقل کرنا ہے جس چیز کا مالک بنا عقد اول میں ثمن اول سے نفع کی زیادتی کے ساتھ۔

تشریح پہلی بیع میں جس مبیع کا جتنی قیمت سے مالک بنا ہے اسی قیمت پر کچھ نفع لیکر بیچنے کو مرابحہ کہتے ہیں۔

وجہ مرابحہ ربح سے مشتق ہے۔جس کے معنی نفع لینا ہے۔اس لئے پہلی قیمت پر نفع لے گا۔اس لئے اس کو مرابحہ کہتے ہیں۔

[۹۱۶](۲)اور بیع تولیہ وہ منتقل کرنا ہے جس کا مالک بنا عقد اول سے ثمن اول کے ساتھ بغیر نفع کی زیادتی کے۔

تشریح جتنے میں پہلی بیع میں خریدا ہے اتنی قیمت میں بیچ دینے کو تولیہ کہتے ہیں۔

وجہ چونکہ پہلی ہی قیمت میں مشتری کو مبیع کا ولی بنانا ہے اور اس پر کچھ نفع نہیں لینا ہے اس لئے اس بیع کو تولیہ کہتے ہیں (۲) مرابحہ اور تولیہ دونوں بیوع کی دلیل ضروری نوٹ میں گزر گئی (بخاری شریف نمبر ۳۹۰۵ ر سنن بیہقی ،نمبر ۱۰۷۹۴)

حاشیہ : (الف) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں۔آپؐ نے فرمایا پہلی قیمت سے لوں گا۔

[۹۱۷](۳) ولا تصح المرابحة والتولية حتى يكون العوض مما له مثل[۹۱۸] (۴) ويجوز ان يضيف الى رأس المال اجرة القصار والصباغ والطراز والفتل واجرة حمل

---

[۹۱۷](۳) نہیں صحیح ہے مرابحہ اور تولیہ یہاں تک عوض اس میں سے ہو جس کی مثل ہو۔

تشریح مرابحہ اور تولیہ اسی وقت ہوگا جبکہ اس کا ثمن مثلی ہو۔ اگر ثمن مثلی نہ ہو تو مرابحہ اور تولیہ نہیں ہو سکے گا۔ مثلا گیہوں، چاول، درہم اور دنانیر ہوں جو دنیا میں اس جیسا دوسرا مل سکتا ہو۔ گائے، بھینس وغیرہ نہ ہو کہ اس جیسا دنیا میں نہیں مل سکتا ہو، بڑا چھوٹا ضرور رہتا ہے۔

وجہ اس جیسا دوسرا مل سکتا ہو تب ہی اگلا مشتری اس جیسا ثمن دیکر مبیع خریدے گا۔ اور اگر اس جیسا نہیں مل سکتا ہو تو اگلا مشتری کیا دیکر خریدے گا اور کیسے اس پر نفع دیگا یا وہی قیمت دے گا؟ اس لئے مرابحہ اور تولیہ کے لئے ضروری ہے کہ مثلی ثمن سے مبیع خریدی ہو۔

[۹۱۸](۴) جائز ہے کہ رأس المال میں جمع کرے دھوبی کی اجرت، رنگنے والے کی اجرت، کشیدہ کرنے والے کی اجرت، باٹنے والے کی اجرت اور کھانا اٹھانے والے کی اجرت۔

تشریح جتنے میں مبیع خریدی ہے اس کے لئے جن جن کاموں سے مبیع میں بڑھوتری ہوگی اس کی اجرت بھی ثمن اور قیمت میں شامل کی جائے گی۔ اور مرابحہ کرتے وقت کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ مبیع اتنے میں پڑی ہے۔ مثلا دس پونڈ میں کپڑا خریدا، دو پونڈ اس کی دھلائی کے دیئے تو اب ثمن بارہ پونڈ ہو گئے۔ مرابحہ یا تولیہ کرتے وقت کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ کپڑا بارہ پونڈ میں پڑا ہے۔ اور تولیہ میں بارہ پونڈ میں دوں گا اور مرابحہ میں بارہ پونڈ پر تین پونڈ نفع لیکر مثلا پندرہ پونڈ میں دوں گا۔

نوٹ دھوبی کی دھلائی سے کپڑے کی چمک زیادہ ہوتی ہے جس سے گویا کہ کپڑے میں بڑھوتری ہوئی۔ اسی طرح رنگریز کی رنگائی سے، نقش و نگار کرنے والے کی نقش ونگار کرنے سے، اور رسی کو باٹنے سے ان کی قیمت میں زیادتی ہوتی ہے۔ اسی طرح غلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے مثلا اس شہر میں پانچ پونڈ کیلو ہے تو دوسرے شہر میں چھ پونڈ کیلو ہے۔ اس لئے غلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے کی اجرت بھی اصل ثمن میں ملائی جائے گی۔ اثر میں اس کا ثبوت ہے **قلت لابراهيم انا نشترى المتاع ثم نزيد عليه القصارة والكراء ثم نبيعه بدينار زياده قال لا بأس** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ فی النفقۃ تضم الی رأس المال ج رابع، ص ۳۰۸، نمبر ۲۰۴۰۴) اس اثر میں فرمایا کہ دھلائی اور کرایہ کو اصل میں شامل کر سکتا ہے۔

اصول جن کاموں سے قیمت میں بڑھوتری ہوتی ہے ان کی اجرت ثمن میں شامل کی جائے گی۔

لغت القصار : دھوبی۔ الصباغ : رنگریز۔ الطراز ، نقش ونگار بنانے والا۔ الفتل : رسی باٹنا۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت ابراہیم سے کہا ہم سامان خریدتے ہیں۔ پھر اس پر دھلائی کی قیمت اور کرایہ لگاتے ہیں پھر اس کو ایک دینار زیادہ سے بیچتے ہیں تو حضرت ابراہیم نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

الطعام[٩١٩] (٥) ویقول قام علی بکذا ولا یقول اشتریته بکذا[٩٢٠] (٦) فان اطلع المشتری علی خیانة فی المرابحة فھو بالخیار عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ.

[٩١٩] (٥) اور کہے گا مجھکو اتنے میں پڑی ہے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اس کو اتنے میں خریدی ہے۔

تشریح اجرت وغیرہ جو کچھ اصل ثمن میں شامل کی جائے گی اس کو شامل کرنے کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے۔ کیونکہ یہ تو جھوٹ ہوگا اتنے میں تو اس نے خریدی نہیں ہے۔ اس لئے یوں کہے کہ مجھے یہ مبیع اتنے میں پڑی ہے۔

اصول آدمی ہر حال میں سچ بولے۔ تاکہ اعتماد بحال رہے۔

لغت قام علی کذا : مجھ کو اتنی میں پڑی ہے۔

[٩٢٠] (٦) پس اگر مشتری بیع مرابحہ میں خیانت پر مطلع ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے تو پوری قیمت سے لے چاہے تو اس کو رد کر دے۔

تشریح مثلا دس پونڈ میں کپڑا خریدا تھا اور اس نے خیانت کی اور کہا کہ بارہ پونڈ میں خریدا ہے۔ اور تین پونڈ نفع لیکر پندرہ پونڈ میں بیچتا ہوں۔ مشتری نے اعتماد کر کے خرید لیا بعد میں پتہ چلا کہ بائع نے جھوٹ بولا ہے۔ اس نے دس پونڈ ہی میں خریدا تھا اور مجھ سے تین پونڈ نہیں پانچ پونڈ نفع لیا ہے۔ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے کہ لے یا رد کر دے۔ لیکن لے گا تو پندرہ پونڈ میں لے گا۔ دس پر تین پونڈ نفع ملا کر تیرہ پونڈ میں قانونی طور پر نہیں لے سکے گا۔

وجہ تیرہ پونڈ میں لے تب بھی مرابحہ ہوگا اور پندرہ پونڈ میں لے تب بھی مرابحہ ہے۔ دونوں صورتوں میں مرابحہ ہی ہے۔ اور بائع نے لفظ مرابحہ بولا ہے جس میں وہ سچ ہے اس لئے خریدے تو پندرہ میں خریدے۔ البتہ دو پونڈ کا جھوٹ بولا ہے اس لئے مشتری کو اختیار ہے لے یا نہ لے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بائع جو لفظ مرابحہ بولا ہے اس میں وہ سچ ہے۔ جھوٹ بولنے پر مشتری کو رد کرنے کا خیار ہوگا۔ اس کا اشارہ اس حدیث میں ہے **عن ابی ذر عن النبی ﷺ قال ثلاثة لا ینظر الله الیھم یوم القیامة ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم. قلنا من ھم یا رسول الله؟ فقد خابوا وخسروا فقال المنان والمسبل ازارہ والمنفق سلعته بالحلف الکاذب** (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن حلف علی سلعة کاذبا ص ٢٣٠ نمبر ١٢١١) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کا بھاؤ بڑھائے اس پر اللہ کا عذاب ہے۔

نوٹ اگر دونوں جھوٹ کے تین پونڈ کم کر کے لینے دینے پر راضی ہو جائیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ البتہ قانونی طور پر بائع کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں کو اللہ قیامت کے روز نہیں دیکھے گا اور نہ ان کو پاک صاف کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول خائب وخاسر ہو جائیں وہ کون ہیں؟ پس آپؐ نے فرمایا احسان جتانے والا، ازار لٹکانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔

[۹۲۱](۷) وان اطلع علی خیانة فی التولية اسقطها من الثمن[۹۲۲] (۸) وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی یحط فیهما وقال محمد رحمه الله تعالی لا یحط فیهما لكن یخیر فیهما [۹۲۳](۹) ومن اشتری شیئا مما ینقل ویحول لم یجز له بیعه حتی یقبضه

---

[۹۲۱](۷) اور اگر خیانت پر مطلع ہوا بیع تولیہ میں تو ثمن میں سے اتنا کم کرے گا۔

تشریح مثلا دس پونڈ میں کپڑا خریدا تھا اور جھوٹ بولا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا ہوں اور تیرہ پونڈ ہی پر تولیہ کرتا ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں تین پونڈ کم کر کے دس پونڈ ہی میں لے گا۔

وجہ تولیہ کہتے ہیں اس بیع کو کہ جتنے میں خریدا ہے اتنے میں ہی دوں گا اور حقیقت میں دس پونڈ ہی میں خریدا تھا۔ جھوٹ بولا تھا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا تھا۔ اس لئے جتنے میں خریدا تھا اتنے ہی میں مشتری لے گا۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو لفظ تولیہ بولا ہے اسی کی حقیقت پر فیصلہ کیا جائے گا اور اسی قیمت پر مشتری کو لینے کا حق ہوگا۔ اور وہ ہے کم قیمت یعنی دس پونڈ۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

اصول بیع مرابحہ اور تولیہ کا مدار ان کے الفاظ پر ہوگا۔

[۹۲۲](۸) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں کم کیا جائے گا، اور امام محمدؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں کم نہیں کیا جائے گا لیکن دونوں کو اختیار دیا جائے گا۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تولیہ اور مرابحہ دونوں صورتوں میں جتنی قیمت جھوٹ بول کر لی ہے اتنی قیمت کم کر کے مشتری کو لینے کا اختیار ہوگا۔ مثلا مثال مذکور میں دس پونڈ میں خریدا تھا اور جھوٹ بولا تھا کہ تیرہ پونڈ میں خریدا ہے تو تین پونڈ جھوٹ بول کر لئے تھے اس لئے مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں تین پونڈ کم کر کے لے گا۔ اس لئے مرابحہ کی شکل میں پندرہ کی بجائے بارہ پونڈ دے گا اور تولیہ کی شکل میں دس پونڈ ہی دے گا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں کم نہیں کیا جائے گا۔

وجہ بائع نے ترغیب دینے کے لئے مرابحہ اور تولیہ کی بات کی ہے۔ اصل مقصود تو وہ قیمت ہے جس پر بات طے ہوئی ہے۔ بائع مرابحہ میں مثلا پندرہ پونڈ اور تولیہ میں مثلا تیرہ پونڈ سے کم پر دینے کے لئے راضی نہیں ہے۔ اور اسی پر بات بھی طے ہوئی ہے اس لئے اس سے کم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ چونکہ بائع جھوٹ بولا ہے اس لئے مشتری کو لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا۔ انکا اصول یہ ہے کہ جس قیمت پر بات طے ہوئی ہے وہی لازم ہوگی۔ مرابحہ اور تولیہ کا لفظ ترغیب کے لئے ہے۔

لغت یحط : کم کیا جائے گا، مشتق ہے حط سے کم کرنا۔

[۹۲۳](۹) کسی نے کوئی ایسی چیز خریدی جو منتقل ہو سکتی ہے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے۔

وجہ منتقل ہونے والی چیز پر قبضہ کرے تب اس کو آگے بیچے۔ کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ چیز ضائع ہو جائے اور اس کے پاس نہ آئے تو کیسے بیچے گا (۲) پہلے حدیث گزر چکی ہے جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کو نہ بیچو، لاتبع مالیس عندک (ابوداؤد شریف

[۹۲۴](۱۰)ویجوز بیع العقار قبل القبض عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله تعالی لا یجوز [۹۲۵](۱۱) ومن اشتری مکیلا مکایلة او موزونا موازنة فاکتاله او اتزنه ثم باعه مکایلة او موازنة لم یجز للمشتری منه ان یبیعه ولا ان یأکله حتی یعید الکیل والوزن.

،نمبر۳۵۰۳)(۳)حدیث میں ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے مت بیچو عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبیعه حتی لیستوفیه زاد اسمعیل فلا یبعه حتی یقبضه(الف)(بخاری شریف، بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص۲۸۶نمبر ۲۱۳۶رمسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص۵نمبر۱۵۲۵رابوداؤد شریف، نمبر۳۴۹۲)اس حدیث میں ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کومت بیچو،اس لئے منقولی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

[۹۲۴](۱۰)اور جائز ہے زمین کو بیچنا قبضہ کرنے سے پہلے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا جائز نہیں۔

وجہ زمین منقولی چیز نہیں ہے۔اس لئے اس میں ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے اس لئے اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دیا تو جایز ہے(۲)حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ قبضہ کرنے کی شرط غلہ وغیرہ میں ہے۔جس سے اندازہ ہوا کہ زمین وغیرہ پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز ہے سمعت ابن عباس یقول اما الذی نهی عنه النبی فهو الطعام ان یباع حتی یقبض (ب)(بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص۲۸۶نمبر۲۱۳۵)اس اثر میں ہے کہ غلے کے بارے میں ہے قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین وغیرہ کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ سکتا ہے(۲)اثر میں ہے۔عن ابن سیرین قال لا بأس ان یشتری شیئا لا یکال ولا یوزن بنقدثم یبیعه قبل ان یقبضه (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یشتری الشیء مما لایکال ولایوزن ھل یبیعہ قبل ان یقبضہ، ج ثامن،ص۴۳،نمبر۱۴۲۳۰)امام محمد فرماتے ہیں کہ زمین کو بھی قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

وجہ ان کی دلیل پہلی والی حدیث ہے جس میں مطلقا قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے۔

[۹۲۵](۱۱)کسی نے کیلی چیز کیل کرکے خریدی یا وزنی چیز وزن کرکے خریدی پھر اس کو کیل کیا یا وزن کیا پھر اس کو کیل سے یا وزن سے بیچا تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو بیچے اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کو کھائے یہاں تک کہ دوبارہ کیل یا وزن کرلے۔

تشریح کیلی چیز مثلا گیہوں چاول اور وزنی چیز مثلا درہم اور دنانیر کیل اور وزن سے خریدا۔اور کیل یا وزن کرکے بائع سے لیا۔اب اس کو دوبارہ کیل کرکے یا وزن کرکے بیچنا چاہتا ہے اٹکل سے نہیں تو پہلا کیل کیا ہوا یا وزن کیا ہوا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اگلے مشتری کے سامنے دوبارہ کیل کرنا ہوگا۔یا وزنی چیز ہے تو وزن کرنا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے غلہ بیچا تو اس کو نہ بیچے یہاں تک کہ اس کو پورا لے لے،راوی اسمعیل نے یہ بھی فرمایا کہ اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے(ب) بہر حال جس سے حضورؐ نے روکا ہے وہ غلہ جات ہیں کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچا جائے(ج) حضرت ابن سیرین نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی کوئی ایسی چیز خریدے جو نہ کیل کی جاتی ہو اور نہ وزن کی جاتی ہو نقد کے ذریعہ پھر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچے۔

[٩٢٦](١٢) والتصرف فی الثمن قبل القبض جائز.

وجہ (١) پہلا کیل کرنا یا وزن کرنا پہلے مشتری کو حوالے کرنے کے لئے تھا۔ یہ وزن اگلے مشتری کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر کیل یا وزن سے اس نے خریدا ہے تو اس کے سامنے دوبارہ کیل یا وزن کرنا ہوگا۔ تا کہ اس کو اطمینان ہو۔ اور کمی زیادتی نہ ہونے پائے (٢) آیت میں اس کی تاکید ہے الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون (الف) (آیت ٢،٣ سورۃ المطففین ٨٣) اس آیت میں کیل اور وزن پورا دینے کی تاکید ہے (٣) حدیث میں ہے عن عثمان ان النبی ﷺ قال اذا بعت فکِل واذا ابتعت فاکتل (ب) (بخاری شریف، باب الکیل علی البائع والمعطی ص ٢٨٥ نمبر ٢١٢٦ رمسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ٥ نمبر ١٥٢٨) (٣) ابن ماجہ شریف میں ہے عن جابر قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الطعام حتی یجری فیه الصاعان صاع البائع وصاع المشتری (ج) ابن ماجہ شریف، باب النھی عن بیع الطعام قبل مالم یقبض ص ٣١٩ نمبر ٢٢٢٨) اس حدیث میں ہے کہ مشتری جب تک دوبارہ کیل نہ کرے اگلے مشتری کو نہ بیچے۔

نوٹ اس حدیث کی بنیاد پر کھانے کے وقت دوبارہ کیل کرنا استحبابی ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ غلہ زیادہ آگیا ہو تو بائع کو واپس کر سکے، یا کم آیا ہو تو اس سے لے سکے۔

نوٹ اگر کیل یا وزن کر کے نہ بیچے بلکہ اٹکل سے بیچے تو دوبارہ کیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اصول کسی کو مال پورا دینا چاہئے اور پورا لینا چاہئے۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

[٩٢٦](١٢) اور تصرف کرنا ثمن میں قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے۔

تشریح بائع نے بیچنے کی ابھی بات کی ہے اور مبیع دی تھی لیکن مشتری نے ابھی ثمن نہیں دیا ہے اور نہ بائع نے اس پر قبضہ کیا ہے۔ اس سے پہلے اس ثمن کے ذریعہ کوئی چیز خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے۔ یا ثمن کو ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کر سکتا ہے۔

وجہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے یہ ثمن نہیں دے سکے گا تو اپنی طرف سے کوئی دوسرا پونڈ یا روپیہ دے دے گا۔ یہی ثمن دینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس ثمن کی تعیین تو بائع کو بھروسہ دینے کے لئے کی ہے۔ اثر میں ہے کہ ثمن کے بدلے کوئی اور چیز بھی لے سکتا ہے۔ عن ابن سیرین قال اذا بعت شیئا بدینار فحل الاجل فخذ بالدینار ما شئت من ذلک النوع و غیرہ (د) (مصنف عبد الرزاق، باب السلعۃ یسلفھا فی دینار ھل یأخذ غیر الدینار ج ثامن ص ١٦ نمبر ١٤١١٦) اس اثر میں ہے کہ ثمن دینار ہو تو اس کے بدلے کوئی اور چیز لے سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کو قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کر سکتا ہے۔

نوٹ ثمن اگر سامان ہے جو متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچ نہیں سکتا۔ دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

حاشیہ : (الف) وہ لوگ جو لوگوں سے کیل کر کے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب کیل کر کے دیتے ہیں یا وزن کر کے دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا جب بیچو تو کیل کر کے بیچو اور جب خریدو تو کیل کرو (ج) آپؐ نے غلوں کو بیچنے سے روکا یہاں تک کہ اس میں دو صاع جاری ہوں، بائع کا صاع اور مشتری کا صاع (د) ابن سیرین نے فرمایا اگر آپ نے کسی چیز کو دینار کے بدلے بیچا پس وقت آیا تو دینار کے بدلے جو چاہے لو اسی قسم میں سے یا اس کے علاوہ۔

[۹۲۷](۱۳) ویجوز للمشتری ان یزید البائع فی الثمن[۹۲۸] (۱۴) ویجوز للبائع ان یزید فی المبیع ویجوز ان یحط من الثمن[۹۲۹] (۱۵) ویتعلق الاستحقاق بجمیع

[۹۲۷](۱۳)اور مشتری کے لئے جائز ہے کہ بائع کو ثمن میں زیادہ دے۔

تشریح مثلا دس پونڈ میں کپڑا خریدا ہے اب مشتری خوش ہو کر بارہ پونڈ دینا چاہتا ہے تو دے سکتا ہے۔

وجہ یہ مشتری کی ملکیت ہے اس کو جیسا چاہے خرچ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں قیمت زیادہ دی گئی ہے۔ **عن ابی رافع قال استسلف رسول اللہ بکرا فجائتہ ابل من الصدقۃ فامر نی ان اقضی الرجل بکرہٗ فقلت لم اجد فی الابل الا جملا خیارا رباعیا فقال النبی ﷺ اعطہ ایاہ فان خیار الناس احسنھم قضاء** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی حسن القضاء ص۱۱۹ نمبر ۳۳۴۶) اس حدیث میں جوان اونٹ لیا تھا اور اس کے بدلے اچھے قسم کا اونٹ واپس دیا اور فرمایا کہ حسن ادا کرنے والا اچھا آدمی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مشتری زیادہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

[۹۲۸](۱۴)اور بائع کے لئے جائز ہے کہ مبیع میں زیادہ کردے اور جائز ہے کہ ثمن میں کمی کردے۔

تشریح بائع کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ جتنی مبیع طے ہوئی ہے اس سے زیادہ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ جتنا ثمن طے ہوا ہیں اس سے کم لے۔

وجہ اس کی ملکیت ہے وہ ایسا کر سکتا ہے (۲) مبیع زیادہ دینے کی ترغیب حدیث میں ہے۔ **حدثنا سوید بن قیس ... وثم رجل یزن بالاجر فقال لہ رسول اللہ ﷺ زن وارجح** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجحان فی الوزن ص۱۱۸ نمبر ۳۳۳۶) اس حدیث میں ہے کہ بائع کو چاہئے کہ مبیع کو وزن میں کچھ زیادہ ہی دینا چاہئے۔

[۹۲۹](۱۵)اور استحقاق ان تمام کے ساتھ متعلق ہونگے۔

تشریح مشتری نے دس پونڈ قیمت کی تھی اس کے بجائے بارہ پونڈ دیئے تو اب مرابحہ اور تولیہ جو کرے گا وہ بارہ پونڈ پر کرے گا۔ اسی طرح بائع نے ایک مبیع کے بجائے دو مبیع دس پونڈ میں دیدی تو اب یوں کہے گا کہ دو مبیع دس پونڈ میں لی ہیں۔ یوں نہیں کہے گا کہ ایک مبیع دس پونڈ میں لی ہے۔ اسی طرح بائع نے دس پونڈ کے بجائے آٹھ پونڈ لئے تو لینے والا یوں کہے گا کہ آٹھ پونڈ میں مبیع خریدی ہے۔ اور اسی آٹھ پونڈ پر مرابحہ اور تولیہ کرے گا۔ اب دس پونڈ پر مرابحہ یا تولیہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح جو آدمی شفعہ کا دعوی کرے گا وہ اب موجودہ قیمت اور موجودہ مبیع پر شفعہ کا دعوی کرے گا۔

وجہ کیونکہ اب یہی قیمت اصل بن گئی اور زیادہ دی ہوئی قیمت یا بائع کی جانب سے کم کی ہوئی قیمت ہی اصل بن گئی۔ اس لئے اب تمام حقوق اسی پر منحصر ہونگے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے جوان اونٹ کا سودا کیا پھر آپ کے پاس صدقہ کا اونٹ آیا تو مجھے حضورؐ نے حکم دیا کہ جوان اونٹ ادا کردوں تو میں اونٹ میں نہیں پایا مگر اس سے اچھا اونٹ چار دانت والا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا اونٹ اس کو دیدو۔ اچھے لوگ وہ ہیں جو اچھے انداز سے ادا کرے (ب) وہاں ایک آدمی تھا جو اجرت پر وزن کرتا تھا تو آپؐ نے فرمایا جھکا کر تولا کرو۔

ذلک [۹۳۰](۱۶) ومن باع بثمن حال ثم اجله اجلا معلوما صار مؤجلا [۹۳۱](۱۷) وکل دین حال اذا اجله صاحبه صار مؤجلا الا القرض فان تأجیله لایصح.

اصول زیادہ دی ہوئی قیمت یا کم کی ہوئی قیمت یا زیادہ دی ہوئی مبیع اصل کے ساتھ لاحق ہو کر اب یہ اصل بن جائیگی (۲) اب تمام حقوق ان ہی کے ساتھ متعلق ہونگے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ شروع میں جو قیمت یا مبیع طے ہوئی تھی وہی اصل ہے۔اسی کے ساتھ تمام حقوق متعلق ہوں گے۔اور بعد میں جو مبیع زیادہ کی یا ثمن زیادہ کئے وہ بعد کا ہدیہ اور ہبہ ہے اس کا تعلق اصل مبیع اور ثمن کے ساتھ نہیں ہے۔اس لئے اس زیادتی کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہونگے۔

[۹۳۰](۱۶) کسی نے فوری ثمن کے ساتھ بیچا پھر اس کو مؤخر کر دیا اجل معلوم کے ساتھ تو مؤجل ہو جائے گا۔

تشریح کسی نے اس طرح بیع کی کہ ابھی قیمت دے گا لیکن بعد میں متعین تاریخ کے ساتھ مؤخر کر دیا تو اب مؤخر ہو جائے گا۔اور متعین تاریخ پر قیمت دینی ہوگی۔

وجہ حدیث میں قیمت مؤخر کرنے کی ترغیب ہے۔ان حذیفةؓ قال قال النبی ﷺ تلقت الملائکة روح رجل ممن قبلکم فقالوا اعملت من الخیر شیئا؟ قال کنت آمر فتیانی ان ینظروا ویتجاوزوا عن الموسر قال فتجاوزوا عنه (الف) (بخاری شریف، باب من انظر موسرا ص ۲۷۹ نمبر ۲۰۷۷) اس حدیث میں پچھلے زمانے کے ایک آدمی کو اس بنا پر اللہ نے معاف کر دیا کہ وہ قیمت لینے میں مہلت دیا کرتا تھا۔اس لئے قیمت لینے میں مہلت دینا جائز ہے۔بشرطیکہ تاریخ معلوم ہو ورنہ جھگڑا ہوگا (۲) تاخیر دینا بائع کا اپنا اختیار ہے اس لئے وہ استعمال کر سکتا ہے۔

لغت حال : ابھی فوری۔ اجلا : تاخیر کے ساتھ۔

[۹۳۱](۱۷) ہر وہ دین جو فوری ہوا گر اس کو مؤخر کر دیا جائے تو مؤخر ہو جائے گا مگر قرض کہ اس کی تاخیر صحیح نہیں ہے۔

تشریح مثلا مبیع کی قیمت مشتری پر فوری ہو اس کو مؤخر کر دیا تو وہ مؤخر ہو جائے گی۔اب بائع تاریخ سے پہلے لینا چاہے تو نہیں لے سکے گا۔

وجہ تاخیر کرنے میں مبیع کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے تاخیر کی بھی قیمت ہوئی اس لئے اس کو تاریخ سے پہلے نہیں لے سکتا۔لیکن قرض تو شروع سے تبرع اور احسان ہے اس لئے جب چاہے قرض دینے والا واپس لے سکتا ہے۔تاریخ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگی۔قانونی طور پر پہلے بھی لے سکتا ہے۔البتہ تاریخ پر لے تو بہتر ہے۔اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابراهیم قال والقرض حال وان کان الی اجل (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۶۴ من قال القرض حال وان کان الی اجل، ج رابع ص ۳۲۴، نمبر ۲۰۵۷۸)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم سے پہلی قوم میں ایک آدمی کی روح فرشتہ نے قبضہ کرنا چاہا تو انہوں نے کہا تم نے کوئی خیر کا کام کیا ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ میں نوجوان کو حکم دیتا تھا کہ تنگدستوں کو مہلت دیں اور درگذر کریں۔حضورؐ نے فرمایا تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا (ب) قرض فوری ہوتا ہے چاہے مؤخر کر کے لینے کا وعدہ ہو۔

﴿ باب الربوا ﴾

[۹۳۲](۱)الربوا محرم فی کل مکیل او موزون اذا بیع بجنسه متفاضلا [۹۳۳](۲)

﴿ باب الربوا ﴾

ضروری نوٹ ایسی زیادتی جوعوض سے خالی ہواس کو ربوا کہتے ہیں۔ یہاں مخصوص زیادتی کو ربوا اور سود کہا ہے جوحرام ہے۔اس کے حرام ہونے کی دلیل یہ آیت ہے واحل اللہ البیع وحرم الربوا (آیت ۲۷۵ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں سودکوحرام کہا گیاہے۔اوراس کا اصول اس حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او استزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیہ سواء (الف)(مسلم شریف، باب الصرف وبیع الذھب بالورق ص ۲۴ نمبر ۴۰۶۴/۱۵۸۷ / بخاری شریف، باب بیع الفضۃ بالفضۃ ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۷۶ / ۲۱۷۷/ابوداؤد شریف، باب فی الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۹/ترمذی شریف، باب ماجاء ان الحنطۃ بالحنطۃ مثلا بمثل وکراہیۃ التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰)ان احادیث میں ایک جنس کی چیز ہواور کیلی یا وزنی ہوتو کمی بیشی کر کے بیچنا حرام قرار دیا ہے۔

[۹۳۲](۱) ربوا حرام ہے کیلی یا وزنی چیز میں جبکہ بیچا جائے اسی جنس سے کمی بیشی کر کے۔

تشریح کیلی چیز وہ ہے جو پچھلے زمانے میں کیلی اور صاع میں رکھ کر بیچتے تھے۔جیسے گیہوں، چاول اور غلہ وغیرہ۔اور وزنی جو ترازو سے وزن کیا جاتا ہے جیسے درہم اور دنانیر اور لوہا وغیرہ۔پس کیلی چیز ہواور مبیع اور ثمن ایک جنس کے ہو مثلا دونوں طرف گیہوں ہو کہ گیہوں کے بدلے گیہوں لے رہا ہو یا چاول کے بدلے چاول لے رہا ہو یا درہم کے بدلے درہم لے رہا ہو یا دینار کے بدلے دینار لے رہا ہوتو چونکہ ان بیوع میں دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے اس لئے برابر سرابر لینا ہوگا۔کمی بیشی کرے گا تو سود ہوگا اور حرام ہوگا۔اور نقد قبضہ کرنا ہوگا۔دونوں میں سے ایک بھی ادھار ہوگا تو سود ہو جائے گا۔حرام ہونے کی وجہ اوپر کی حدیث ہے۔

لغت بجنسہ : ایک ہی قسم کی چیز دونوں طرف ہوں، مثلا مبیع میں بھی گیہوں اور ثمن بھی گیہوں ہو۔

[۹۳۳](۲) پس علت ربوا میں کیل ہے جنس کے ساتھ اور وزن ہے جنس کے ساتھ۔

تشریح ربوا ہونے کے لئے دو علتیں ہیں(۱) دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہوتب کمی بیشی حرام ہے پس اگر ایک طرف گیہوں ہواور دوسری طرف چاول ہوتو کمی بیشی جائز ہے۔ایک کیلو گیہوں دیکر دو کیلو چاول لے سکتا ہے(۲) اور دوسری علت یہ ہے کہ وہ چیز کیل سے ناپی جاتی ہو جیسے تمام غلے کہ پچھلے زمانے میں ان کو کیل سے ناپتے تھے۔اس زمانے مین ان کو ترازو سے وزن کرتے ہیں۔یا وزن کئے جاتے ہوں جیسے درہم اور دنانیر۔پس اگر ایسی چیز ہو جو نہ کیل کی جاتی ہے اور نہ وزن کی جاتی ہو مثلا عددی ہو یا ذراعی ہو کہ ہاتھ سے ناپی جاتی ہوتو ایک ہاتھ کپڑا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا(۱) سونا سونے کے بدلے میں (۲) چاندی چاندی کے بدلے میں (۳) گیہوں گیہوں کے بدلے میں (۴) جو جو کے بدلے میں (۵) کھجور کھجور کے بدلے میں (۶) اور نمک نمک کے بدلے برابر سرابر، ہاتھوں ہاتھ، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو تو سود لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہے۔

فالعلة فیه الکیل مع الجنس والوزن مع الجنس[۹۳۴] (۳) فاذا بیع المکیل بجنسه او الموزون بجنسه مثلا بمثل جاز البیع وان تفاضلا لم یجز.

دے کر دو ہاتھ کپڑا لے سکتا ہے۔ یا ایک اخروٹ دے کر دو اخروٹ لے سکتا ہے۔ اس لئے کہ احادیث میں عددی یا ذراعی کے ربوا کے سلسلے میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے۔ اوپر جو ابو سعید خدری کی حدیث گزری اس میں درہم و دنانیر کا ذکر ہے جو وزنی ہیں اور گیہوں، جو، کھجور اور نمک کو برابر سرابر لینے کا تذکرہ ہے جو کیلی ہیں۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک چیز یا وزنی ہو یا کیل ہو تب سود ہوگا۔

وجہ (۱) وزن کو علت بنانے کی وجہ اس حدیث کا اشارہ بھی ہے۔ **عن فضالة بن عبید قال کنا مع رسول الله یوم خیبر نبایع الیهود الاوقیة الذهب بالدینارین والثلاثة فقال رسول الله لا تبیعوا الذهب بالذهب الا وزنا بوزن** (الف) (مسلم شریف، باب بیع القلادة فیها خرز وذهب ص ۲۵ نمبر ۱۵۹۱/۴۰۷۸) اس حدیث میں ہے وزنا بوزن، اس سے بھی اس علت کا اشارہ ملتا ہے کہ چیز وزنی ہو تب سود ہوگا (۲) دار قطنی کی حدیث میں وزنی اور کیلی چیزیں سود ہونے کی صراحت ہے۔ **عن سعید بن المسیب ان رسول الله ﷺ قال لا ربوا الا فی ذهب او فضة او مما یکال او یوزن و یؤکل و یشرب** (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۱۱، نمبر ۲۸۱۰) اس حدیث مرسل میں صراحت ہے کہ سونا، چاندی یا کیلی اور وزنی چیزیں سود ہیں جو کھائی اور پی جاتی ہوں۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک سود کی علت کیلی اور وزنی نہیں ہے بلکہ ایک جنس ہو اور ثمنیت ہو یا کھانے کی چیز ہو تو اس میں ربوا ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ضروری نوٹ میں حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں سونا اور چاندی ہیں جن میں ثمنیت ہے یعنی ثمن اور قیمت بننے کی صلاحیت ہے۔ اور گیہوں، جو، کھجور اور نمک کھانے کی چیزیں ہیں اس لئے ثمنیت اور کھانا سود کی علت ہوگی (۲) دار قطنی کی حدیث جو اوپر گزری اس میں سونا اور چاندی کے ساتھ یؤکل و یشرب کی تصریح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کھانا سود کی علت ہے۔ اس لئے ان کے یہاں مبیع اور ثمن ایک ہی چیز ہوں اور وہ چیز یا ثمن میں سے ہو یا کھانے میں سے ہو تب سود ہوگا۔ اس لئے چونا اور لوہے میں ان کے یہاں سود نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ نہ ثمن ہیں اور نہ کھائے جاتے ہیں۔

اصول سود کی علت (۱) جنس ایک ہو (۲) اور ثمن بننے کی یا کھانے کی چیز ہو۔

[۹۳۴] (۳) پس اگر کیلی چیز اس کے جنس کے ساتھ بیچی جائے، یا وزنی چیز اس کے جنس کے ساتھ بیچی جائے برابر سرابر تو بیع جائز ہے اور اگر کمی بیشی کرے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح مبیع او ثمن دونوں ایک قسم کی چیزیں ہوں مثلا دونوں طرف گیہوں ہوں یا دونوں طرف وزنی چیز سونا ہوں تو دونوں کو برابر سرابر بیچے تو جائز ہے اور کمی بیشی سے بیچے تو جائز نہیں ہے۔ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او**

حاشیہ : (الف) ہم حضور کے ساتھ خیبر میں تھے، یہود کے ساتھ بیع کرتے تھے سونے کو دو دو دینار اور تین دینار کے بدلے تو حضورؐ نے فرمایا مت بیچو سونے کو سونے کے بدلے مگر برابر سرابر وزن کر کے (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں ربوا ہے مگر سونے میں اور چاندی میں یا جو کیل کیا جاتا ہو یا وزن کیا جاتا ہے یا کھایا جاتا ہو یا پیا جاتا ہو۔

[۹۳۵] (۴) ولا یجوز بیع الجید بالردی مما فیہ الربوا الا مثلا بمثل[۹۳۶](۵) واذا

استزاد فقد اربی الاخذ والمعطی فیه سواء (الف) مسلم شریف، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقداص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ر ترمذی شریف، باب ماجاء ان الحنطة بالحنطة مثلا بمثل وکراہیة التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰ر ابوداؤد شریف، باب فی الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۹) اس حدیث میں ہے کہ برابر سرابر بیچو تو ٹھیک ہے اور جائز ہے۔اور کمی بیشی کی تو جائز نہیں ہے۔اسی طرح نقد ہو تو جائز ہے اور ادھار ہو تو جائز نہیں ہے۔

[۹۳۵] (۴) اور نہیں ہے عمدہ کی بیع ردی کے ساتھ جس میں ربوا ہے مگر برابر سرابر۔

تشریح جن چیزوں میں ربوا جاری ہوتا ہے مثلا گیہوں تو چاہے عمدہ گیہوں کو گھٹیا گیہوں کے بدلے میں بیچے پھر بھی برابر سرابر ہی بیچنا پڑے گا ورنہ سود ہو جائے گا۔

وجہ ان چیزوں میں عمدہ اور گھٹیا تو ہوتا ہی ہے۔اسی لئے تو بیع کرتا ہے۔پس اگر کمی بیشی جائز قرار دیدے تو ربوا کا دروازہ کھل جائے گا۔اس لئے ان میں صفت کے اعلی اور ادنی کا اعتبار نہیں ہے۔برابر سرابر ہی بیچنا پڑے گا۔اور اگر برابر سرابر نہیں بیچنا چاہتا ہے تو یوں کرے کہ مثلا گھٹیا کھجور ایک پونڈ کے دو کیلو مشتری کے ہاتھ بیچ دے اور اسی مشتری سے ایک پونڈ کا ایک کیلو عمدہ کھجور خرید لے۔اس صورت میں کھجور کھجور کے بدلے میں نہیں ہوا بلکہ دو کیلو گھٹیا کھجور کے بدلے ایک پونڈ آیا اور ایک کیلو عمدہ کھجور ایک پونڈ کے بدلے لیا گیا۔اس لئے پونڈ سے کھجور کی قیمت لگی اس لئے جائز ہو جائے گی (۲) حدیث میں عمدہ کھجور کو گھٹیا کھجور کے بدلے کمی بیشی کر کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔اور کھجور کو درہم کے بدلے بیچنے کی صورت بتلائی ہے۔عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجائہ بتمر جنیب فقال رسول اللہ اکل تمر خیبر ھکذا؟ قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لنأخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال رسول اللہ لا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا (ب) (بخاری شریف، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۱ر مسلم شریف، باب بیع الطعام مثلا بمثل ص ۲۴ نمبر ۱۵۹۳ر ۴۰۸۲) اس حدیث میں خیبر کے جنیب کھجور کو جمع کھجور کے بدلے کمی بیشی کر کے خریدا اور حضور کے سامنے لایا تو آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ کھجور کو درہم کے بدلے بیچو پھر اس درہم سے عمدہ کھجور خرید لو۔چاہے اسی مشتری سے کیوں نہ خریدو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ربوی چیزوں میں عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔برابر سرابر ہی بیچنا ہوگا ورنہ سود ہوگا۔

[۹۳۶] (۵) اگر دونوں وصف نہ ہوں یعنی جنس اور وہ معنی جو اس کے ساتھ ملائی گئی ہو تو کمی بیشی حلال ہے اور ادھار بھی حلال ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے برابر سرابر ہاتھوں ہاتھ، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو ربوا کا کام کیا۔لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہیں (ب) آپؐ نے ایک آدمی کو خیبر کا عامل بنایا پس وہ عمدہ کھجور لے کر آیا۔پس آپؐ نے فرمایا کیا خیبر کے تمام کھجور ایسے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! خدا کی قسم یا رسول اللہ! لیکن ہم لوگ ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں لیتے ہیں۔اور دو صاع کو تین صاع کے بدلے میں۔آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔جمع کھجور کو درہم کے بدلے بیچو پھر درہم کے بدلے جنیب کھجور خریدو۔

عدم الوصفان الجنس والمعنی المضموم الیہ حل اتفاضل والنَّساء [۹۳۷](۶) و اذا وجدا حرم التفاضل والنساء [۹۳۸](۷) واذا وجد احدھما وعدم الآخر حل التفاضل

تشریح سود کی دو علتیں تھیں۔یہ دونوں علتیں نہ ہوں تو کمی بیشی بھی حلال ہوگی اور ادھار لینا بھی حلال ہوگا۔مجلس میں مبیع اور ثمن پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔سود کی ایک علت تھی کہ دونوں مبیع اور ثمن ایک ہی چیز ہوں،مثلا دونوں گیہوں ہوں یا دونوں چاول ہوں۔اور دوسری علت تھی کہ دونوں کیلی ہوں یا دونوں وزنی ہوں۔پس اگر گیہوں کو جو کے بدلے بیچے تو کمی زیادتی کر کے بیچ سکتا ہے۔اسی طرح سونا کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کر کے بیچ سکتا ہے۔حدیث میں ہے **عن ابی بکرۃ قال نھی النبی ﷺ عن الفضة بالفضة والذھب بالذھب الا سواء بسواء وامرنا ان نبتاع الذھب بالفضة کیف شئنا والفضة فی الذھب کیف شئنا** (الف)(بخاری شریف،باب بیع الذھب بالورق یدا بید ص۲۹۱نمبر۲۱۸۲)مسلم شریف میں یہ جملہ زیادہ ہے **فاذا اختلفت ھذہ الاوصاف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید** (ب)(مسلم شریف،باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا ص۲۴نمبر۱۵۸۷رترمذی شریف،باب ماجاء ان الحنطة بالحنطة مثلا بمثل ص۲۳۵نمبر۱۲۴۰)اس حدیث میں ہے کہ جنس بدل جائے یعنی دونوں ایک ہی قسم کی چیز نہ ہوں اور کیلی اور وزنی بھی نہ ہوں تو ادھار بھی جائز ہے۔

[۹۳۷](۶)اور اگر دونوں علتیں پائی جائیں تو کمی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام۔

تشریح دونوں ایک جنس کے ہوں اور دونوں کیلی اور وزنی ہوں تو کمی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام ہوگا۔دلیل اوپر گزر چکی ہے۔**مثلا بمثل اور یدا بید**۔

[۹۳۸](۷)اور اگر دو علتوں میں سے ایک پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو کمی بیشی حلال ہے اور ادھار حرام ہے۔

تشریح مثلا مبیع اور ثمن دونوں ایک جنس کے نہیں ہیں لیکن دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی ہیں۔مثلا گیہوں کے بدلے چاول ہے یا سونے کے بدلے چاندی ہے تو کمی بیشی حلال ہے لیکن ادھار حرام ہوگا۔دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔

وجہ حدیث میں ہے،**عن عبادة بن سامت قال قال رسول اللہ ﷺ ... فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید** (ج)(مسلم شریف،باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا،ص۴۴نمبر۱۵۸۷/۴۰۶۳رترمذی شریف،نمبر۱۲۴۰)بخاری شریف میں ہے **نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الذھب بالورق دینا** (د)(بخاری شریف،باب بیع الورق بالذھب نسیئة ص۲۹۱نمبر۲۱۸۰)اس حدیث میں سونا اور چاندی دونوں وزنی ہیں اس لئے ادھار حرام قرار دیا گیا ہے۔اگرچہ کمی زیادت کو جائز قرار دیا۔

اور اگر بیع اور ثمن کیلی اور وزنی نہ ہوں البتہ ایک ہی قسم کی دونوں چیزیں ہوں تو کمی زیادتی جائز ہے۔لیکن اس صورت میں ادھار حرام ہوگا۔مثلا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے روکا بیچنے سے چاندی کو چاندی کے بدلے،سونا کو سونا کے بدلے مگر برابر سرابر اور حکم دیا کہ ہم بیچیں سونے کو چاندی کے بدلے جیسا چاہیں،اور چاندی کو سونے کے بدلے جیسا چاہیں (ب) پس جب یہ صنف الگ الگ ہو جائیں تو بیچو جیسے تم چاہو جبکہ ہاتھوں ہاتھ ہو (ج) آپؐ نے فرمایا...پس جب یہ صنف الگ الگ ہو جائیں تو بیچو جیسے چاہو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو (ج) آپؐ نے سونا کو چاندی کے بدلے ادھار بیچنے سے روکا۔

وحرم النساء[۹۳۹] (۸) وكل شيء نص رسول الله صلى الله عليه وسلم على تحريم التفاضل فيه كيلا فهو مكيل ابدا وان ترك الناس فيه الكيل مثل الحنطة والشعير والتمر

اخروٹ کے بدلے میں اخروٹ خریدے تو اخروٹ عددی ہے اس لئے ایک اخروٹ دیکر دو اخروٹ لے سکتا ہے۔لیکن ادھار جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ مجلس میں قبضہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ دونوں طرف جنس ایک ہے۔حدیث میں ہے۔**عن جابر قال جاء عبد فبايع النبی ﷺ على الهجرة ولم يشعر انه عبد فجاء سيده يريده فقال له النبی ﷺ بعنيه فاشتراه بعبدين اسودين** (الف)(مسلم شریف ،باب جواز بیع الحیوان بالحیوان من جنسہ متفاضلا ص ۳۰ نمبر ۱۶۰۲ / بخاری شریف ، باب بیع العبد والحیوان نسیئۃ ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۸)اس حدیث میں ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں خریدا ہے۔اورادھار حرام ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن سمرة بن جندب عن النبی ﷺ انه نهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة** (ب)(سنن للبیھقی ، باب ماجاء فی النھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ، ج خامس ،ص ۴۷۲، نمبر ۱۰۵۳۲)اس حدیث میں عددی چیزوں کی جنس ایک ہوتو ادھار بیچنا حرام قرار دیا۔

لغت النساء : ادھار۔

[۹۳۹](۸) ہر وہ چیز جس میں حضور ﷺ نے تصریح کی کمی بیشی کے حرام ہونے پر کیل کے اعتبار سے وہ چیز ہمیشہ کیلی ہے اگر چہ لوگ اس کو کیل کرنا چھوڑ دے۔مثلا گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔اور ہر وہ چیز کہ تصریح کی اس میں کمی بیشی کے حرام ہونے پر وزن کے اعتبار سے تو وہ ہمیشہ وزنی ہے اگر چہ لوگ اس کو وزن کرنا چھوڑ دے۔جیسے سونا اور چاندی۔

تشریح حضور کے زمانے میں جو چیزیں کیلی تھیں وہ قیامت تک کیلی ہی رہیں گی۔اور کمی بیشی کا اعتبار کیل کے اعتبار سے ہوگا۔چاہے بعد میں لوگوں نے ان چیزوں کو کیل کرنا چھوڑ دیا ہو۔مثلا گیہوں، جو، کھجور اور نمک وغیرہ حضور کے زمانے میں کیل سے بیچے جاتے تھے اور حضورؐ نے تصریح کی ہے کہ یہ کیلی ہیں اس لئے وہ ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی۔چاہے آج کل لوگوں نے ان چیزوں کو وزن کر کے بیچنا شروع کر دیا ہے۔اور جو چیزیں حضور کے زمانے میں وزنی تھیں اور آپؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہیں تو وہ قیامت تک وزنی ہی کے اعتبار سے سود کا اعتبار ہوگا۔مثلا سونا اور چاندی حضور کے زمانے میں وزنی تھے اور آپؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہیں اس لئے قیامت تک وزنی رہیں گے

وجہ آپ کی حدیث قیامت تک کے لئے ہے اور آپ کا دین قیامت تک کے لئے ہے اس لئے آپ کی تصریح کا اعتبار بھی قیامت تک رہے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔**عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الوزن وزن اهل مكة والمكيال مكيال اهل المدينة** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی قول النبی ﷺ المکیال مکیال المدینۃ ص ۱۱۸ نمبر ۳۳۴۰)اس حدیث میں اشارہ ہے کہ وزن میں اہل مکہ کا اعتبار ہے اور کیل میں اہل مدینہ کا اعتبار ہے۔اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس معیار اور قدر کا کیل اہل مدینہ کا ہے اسی کا

حاشیہ : (الف) ایک غلام آیا اور حضورؐ نے اس سے ہجرت کرنے پر بیعت کی اور معلوم نہیں تھا کہ وہ غلام ہے۔پھر اس کا مالک آکر مانگنے لگا تو آپؐ نے فرمایا اس کو بیچ دو۔تو آپؐ نے اس کو دو کالے غلام کے بدلے خریدا (ب) آپؐ نے حیوان کو حیوان کے بدلے میں ادھار بیچنے سے روکا (ج) آپؐ نے فرمایا وزن میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار ہے اور کیل میں اہل مدینہ کے کیل کا اعتبار ہے۔

والملح وكل شيء نص على تحريم التفاضل فيه وزنا فهو موزون ابدا وان ترك الناس الوزن فيه مثل الذهب والفضة [۹۴۰](۹) ومالم ينص فهو محمول على عادات الناس [۹۴۱](۱۰) وعقد الصرف ما وقع على جنس الاثمان يعتبر فيه قبض عوضيه في

اعتبار ہوگا۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اہل مدنیہ کیلی قرار دے وہ کیلی ہے۔اور جس چیز کو اہل مکہ وزنی قرار دے وہ وزنی ہے۔اور مکہ میں بھی آپ کا ہی حکم چلتا تھا اس لئے گویا کہ آپؐ نے جس چیز کو وزنی قرار دیا وہ وزنی ہے اور جس چیز کو کیلی قرار دیا وہ کیلی ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عادت بدل گئی ہو تو اب عادت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔مثلا لوگ اب گیہوں کو کیل کے بجائے کیلو سے بیچنے لگے ہیں تو اب سود کا مدار کیلو پر ہوگا کیل پر نہیں ہوگا۔

وجہ حضور کے زمانے میں لوگوں کی عادت کے مطابق فیصلہ کیا گیا تھا۔اس لئے اب عادت بدل گئی تو فیصلہ بدل جائے گا۔

[۹۴۰](۹)اور جس پر تصریح نہیں ہے تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہے۔

تشریح جن چیزوں کے بارے میں شریعت کی تصریح نہیں ہے کہ وہ کیلی ہیں یا وزنی ہیں تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہونگے۔وہ اس کو کیلی طور پر استعمال کرتے ہیں تو کیلی ہوگی اور وزنی طور پر استعمال کرتے ہیں تو وزنی ہوگی۔

[۹۴۱](۱۰)عقد صرف جو ثمن کے جنس پر واقع ہو تو اس میں اعتبار ہے مجلس میں دونوں عوض کے قبضے کا۔اور جو اس کے علاوہ ہے جن میں ربوا ہے ان میں اعتبار کیا جائے گا تعین کا اور نہیں اعتبار کیا جائے گا قبضے کا۔

تشریح جن جن صورتوں میں سود ہوتا ہے ان صورتوں میں دونوں طرف سونا ہو یا چاندی ہو یا ایک طرف سونا ہو اور دوسری طرف چاندی ہو تو مسئلہ گزرا کہ ادھار جائز نہیں ہے۔نقد ضروری ہے۔اور نقد میں بھی یہ ہے کہ مجلس میں دونوں پر قبضہ کر لے،صرف تعین کرنا کافی نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ ثمن یعنی سونا چاندی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں جب تک کہ قبضہ نہ کر لیا جائے۔سود اور ادھار سے بچنے کے لئے ان دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

ان کے علاوہ جو غلہ جات ہیں جن میں سود ہوتا ہے ادھار سے بچنے کے لئے ان پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔مجلس میں صرف متعین ہو جائے کہ یہ گیہوں یا یہ کھجور دینا ہے اتنا ہی کافی ہے۔

وجہ (۱) غلہ جات متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔اور نقد بیچنے کے لئے اتنا کافی ہے۔مثلا گیہوں کے بدلے میں گیہوں بیچے تو برابر سرابر کے ساتھ یہ متعین کرلے کہ یہ گیہوں دینا ہے اور یہ گیہوں لینا ہے۔بس اتنا کافی ہے باضابطہ قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے **فبلغ عبادة بن صامت فقام فقال انی سمعت رسول الله ينهى عن بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح الا سواء بسواء عينا بعين** (الف)(مسلم شریف،

حاشیہ : (الف)حضورؐ نے روکا سونا سونے کے بدلے،چاندی چاندی کے بدلے،گیہوں گیہوں کے بدلے،جو جو کے بدلے،کھجور کھجور کے بدلے،نمک نمک کے بدلے مگر برابر سرابر متعین کر کے۔

المجلس وماسواه مما فيه الربوا يعتبر فيه التعيين ولا يعتبر فيه التقابض [۹۴۲](۱۱) ولا يجوز بيع الحنطة بالدقيق ولا بالسويق وكذلك الدقيق بالسويق.

باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقداص۲۴نمبر۱۵۸۷)اس حدیث میں **یدا بید** کے بجائے **عینا بعین** ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز متعین ہو جائے اور عین شی ہو جائے۔اس لئے حنفیہ اس حدیث کو غلہ جات پر محمول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ غلہ جات میں صرف تعین ہو جائے تو ادھار سے بچنے کے لئے کافی ہے۔اور **یدا بید** کو ثمن پر محمول کرتے ہیں۔

فائدہ امام شافعیؒ غلہ جات میں بھی ادھار سے بچنے کے لئے قبضہ کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ان کی دلیل احادیث **یدا بید** والی ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ کرنا ضروری ہے۔

اصول اثمان یعنی درہم اور دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے جب تک کہ قبضہ نہ کر لئے جائیں (۲) غلہ جات اور سامان متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔

[۹۴۲](۱۱)اور نہیں جائز ہے گیہوں کی بیع آٹے سے اور نہ ستو سے اور ایسے ہی آٹے کی بیع ستو سے۔

تشریح گیہوں کو گیہوں کے آٹے کے بدلے میں بیچے یا اس کے ستو کے بدلے میں بیچے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ کسی برتن میں ناپنے کے لئے گیہوں ڈالے گا تو مثلا ایک کیلو گیہوں آئے لیکن اسی برتن میں اس کا آٹا ڈالے گا تو سوا کیلو آئے گا۔کیونکہ گیہوں ہلکے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے دانے ہوتے ہیں۔اور آٹا باریک ہونے کی وجہ سے دب جائے گا اور زیادہ آئے گا۔تو برتن کے بھرنے کے اعتبار سے برابر ہے لیکن وزن کے اعتبار سے بہت فرق ہوگا۔اس لئے مساوات نہیں ہوئی اور دونوں ایک ہی قسم کی چیز اور جنس ہیں اس لئے مساوات اور برابری ضروری تھی اور وہ ہوئی نہیں اس لئے گیہوں کو آٹے کے بدلے یا ستو کے بدلے بیچنا جائز نہیں ہے۔بیچنا ہی ہو تو درہم اور پونڈ کے بدلے بیچے (۲) حدیث میں ایسی بیع سے منع فرمایا ہے **قال سعد سمعت رسول الله سئل عمن اشترى التمر بالرطب فقال اينقص الرطب اذا يبس فقالوا نعم فهى عن ذلك** (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص۴۴ نمبر۲۹۷۶/ سنن للبیھقی، باب ماجاء فی النھی عن بیع الرطب بالتمر ج خامس ص۲۹۴)اس حدیث میں تر کھجور اور خشک کھجور ایک جنس ہیں لیکن صاع اور برتن میں تر کھجور کم آئے گا اور اسی برتن میں خشک کھجور زیادہ آئے گا۔اس لئے کیلو کے اعتبار سے مساوات نہیں ہوگی اس لئے آپؐ نے منع فرمایا۔بلکہ پوچھا کیا تر کھجور بعد میں کم ہو جائے گا ؟ تو صحابہ نے فرمایا کہ ہاں ! بعد میں کم ہوگا تو آپؐ نے تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنے کو منع فرمایا۔یہی حال گیہوں اور اس کے آٹے کا اور گیہوں اور اس کے ستو کا ہے (۲) اثر میں ہے۔**عن سعيد بن مسيب فى البر بالدقيق قال هو ربا** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲ فی السویق بالحنطۃ واشباھہ من اجازہ ج خامس ص۳۴)

گیہوں کا آٹا ہو اور گیہوں ہی کا ستو ہو تو بھی دونوں کو بیچنا جائز نہیں۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو تر کھجور کے بدلے میں خریدا، فرمایا کیا تر کھجور کم ہو جاتا ہے جب خشک ہو جاتا ہے؟ لوگوں نے فرمایا ہاں! پس آپ نے اس بیع سے روکا (ب) حضرت سعید بن مسیّب سے گیہوں کو آٹے کے بدلے میں بیچنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ ربوا ہے۔

[۹۴۳](۱۲) ویجوز بیع اللحم بالحیوان عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی وقال محمد لا یجوز الا علی وجه الاعتبار حتی یکون اللحم اکثر مما فی الحیوان فیکون اللحم بمثل والزیادة بالسقط.

وجہ ستو بھننے کے بعد ہلکا ہو جاتا ہے وہ برتن میں کم آئے گا اور آٹا بھونا ہوا نہیں ہوتا ہے اس لئے اس میں دباؤ ہوتا ہے اور وزنی ہوتا ہے۔اس لئے ان دونوں میں بھی مساوات نہیں ہوگی، اور جنس ایک ہے۔اس لئے بیع جائز نہیں ہوگی۔

اصول جنس ایک ہو اور وزن میں برابری نہ ہو پاتی ہو تب بھی جائز نہیں ہوگی کیونکہ مثلا بمثل نہیں ہوا۔

نوٹ ایک اگر جنس بدل جائے۔مثلا گیہوں کا آٹا ہو اور جو کے ستو ہو تو جائز ہوگا کیونکہ جنس بدل گئی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک ستو اور آٹا دو جنس ہیں۔ایک کا مقصد روٹی پکانا ہے اور دوسرے کا مقصد گھول کر کھانا ہے اس لئے ستو کو آٹے کے بدلے بیچنا جائز ہے۔

لغت الدقیق : آٹا۔ السویق : ستو۔

[۹۴۳](۱۲) جائز ہے گوشت کی بیع حیوان کے بدلے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے نہیں ضائز ہے مگر اس اعتبار سے کہ گوشت زیادہ ہو اس سے جو حیوان میں ہے تو گوشت گوشت کے بدلے میں اور زیادہ سقط کے بدلے میں۔

تشریح مثلا گائے کا گوشت ہو اور زندہ گائے کے بدلے میں بیچنا چاہتا ہے تو شیخین کے نزدیک جائز ہے چاہے گائے میں گوشت ساٹھ کیلو ہو اور کٹا ہوا گوشت تیس کیلو ہو۔

وجہ گوشت وزنی ہے اس کو وزن سے ناپتے ہیں اور گائے عددی ہے اس کو وزن سے نہیں ناپتے ہیں بلکہ عدد سے بیچتے ہیں۔تو یہ دو جنس ہوئے ایک جنس نہیں ہوئے اس لئے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو کٹا ہوا گوشت ہے وہ اس گوشت سے زیادہ ہونا چاہئے جو زندہ گائے میں ہے تب بیچنا جائز ہوگا۔مثلا زندہ گائے میں گوشت ساٹھ کیلو ہے تو کٹا ہوا گوشت ستر کیلو ہونا چاہئے۔تاکہ ساٹھ کیلو ساٹھ کیلو کے برابر ہو جائے اور دس کیلو کٹا ہوا گوشت گائے کی کلیجی، گردہ اور سقط کے بدلے ہو جائے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ گائے کا کٹا ہوا گوشت اور زندہ گائے دونوں ایک جنس ہیں اس لئے مساوات اور برابری ضروری ہے (۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سهل بن سعید قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع اللحم بالحیوان (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۹ نمبر ۳۰۳۷ رسنن للبیهقی، باب بیع اللحم بالحیوان، ج خامس ص ۴۸۳، نمبر ۱۰۵۶۹) اس حدیث میں گوشت کو حیوان کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا گیا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ دونوں ایک جنس ہیں۔تاہم گوشت زیادہ ہو اور مساوات کا اعتبار کریں تو جائز ہو جائیگی۔

لغت السقط : ناکارہ چیز جیسے ہڈی اور سینگ وغیرہ۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا گوشت کو حیوان کے بدلے بیچنے سے۔

[۹۴۴] (۱۳) ویجوز بیع الرطب بالتمر مثلا بمثل عند ابی حنیفة و کذلک العنب بالزبیب [۹۴۵] (۱۴) ولا یجوز بیع الزیتون بالزیت والسمسم بالشیرج حتی یکون

[۹۴۴] (۱۳) جائز ہے تر کھجور کی بیع خشک کھجور کے بدلے برابر سرابر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور ایسے ہی انگور کی بیع کشمش کے بدلے۔

تشریح تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز ہے بشرطیکہ دونوں کو صاع کے اعتبار سے برابر سرابر بیچے۔

وجہ دونوں ہی کھجور ہیں اس لئے ایک جنس ہیں۔ اس لئے برتن میں بھر کر دونوں کو برابر کر کے بیچے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ حدیث گزر چکی ہے مثلا بمثل۔ اسی طرح انگور اور اس سے خشک ہو کر کشمش ایک ہی جنس ہیں اس لئے دونوں کو برتن میں بھر کر برابر کر دے اور بیچے تو جائز ہے۔ اور اگر دو جنس مان لیں تو کمی بیشی کر کے بھی بیچنا جائز ہوگا۔

فائدہ صاحبین اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز نہیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ دونوں کی جنس ایک ہے اور برتن میں بھر کر بیچیں گے تو ابھی تو دونوں برابر ہو جائیں گے لیکن بعد میں تر کھجور خشک ہوگا تو اس کی مقدار کم ہو جائے گی تو بعد میں مساوات باقی نہیں رہے گی۔ اس لئے یہ مثلا بمثل نہیں ہوئی۔ اس لئے تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنا جائز نہیں (۲) حدیث میں بھی منع فرمایا۔ **وقال سعد سمعت رسول الله سئل عمن اشتری التمر بالرطب فقال اینقص الرطب اذا یبس؟ فقالوا نعم فنهی عن ذلک (الف)** (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۴۴ نمبر ۲۹۷۶ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی النھی عن بیع الرطب بالتمر، ج خامس، ص ۴۸۰، نمبر ۱۰۵۵۶) اس حدیث میں آپؐ نے پوچھا کہ کیا تر کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتا ہے؟ تو لوگوں نے کہا ہاں! پس آپ نے تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ اس لئے صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنا ممنوع ہے۔

لغت الرطب : تر کھجور۔ العنب : انگور۔ الزبیب : کشمش، سوکھے ہوئے انگور کو کشمش کہتے ہیں۔

[۹۴۵] (۱۴) اور نہیں جائز ہے زیتون کی بیع زیتون کے تیل کے ساتھ اور تل کی بیع تل کے تیل کے ساتھ یہاں تک کہ زیتون کا تیل اور تل کا تیل زیادہ ہو اس سے جو زیتون اور تل میں ہے۔ تا کہ تیل اس کے مثل کے بدلے ہو جائے اور زیادہ تیل کھلی کے بدلے میں ہو جائے۔

تشریح مثلا دو کیلو زیتون کا خالص تیل ہے اس کو چھ کیلو زیتون پھل کے بدلے میں بیچنا چاہتا ہے۔ اور چھ کیلو زیتون میں ڈیڑھ کیلو تیل موجود ہے تو بیع جائز ہوگی۔

وجہ کیونکہ نکالا ہوا ڈیڑھ کیلو تیل اس تیل کے برابر ہو جائے گا جو زیتون کے پھل میں ڈیڑھ کیلو تیل ہے۔ اور باقی آدھا کیلو تیل زیتون کی کھلی کے مقابلے میں ہو جائے گا۔ اس طرح ڈیڑھ کیلو تیل ڈیڑھ کیلو تیل کے مقابلے میں ہو گیا اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے مساوات اور برابری ہو گئی اس لئے جائز ہو گیا۔ اور اگر زیتون کے پھل میں جتنا تیل ہے، نکالا ہوا تیل اس سے کم ہو تو بیع جائز نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو تر کھجور کے بدلے میں خریدا، فرمایا کیا تر کھجور کم ہو جاتا ہے جب خشک ہو جاتا ہے؟ لوگوں نے فرمایا ہاں! پس آپ نے اس بیع سے روکا۔

الزیت والشیرج اکثر مما فی الزیتون والسمسم فیکون الدھن بمثلہ والزیادۃ بالثجیر[۹۴۶] (۱۵) ویجوز بیع اللحمان المختلفۃ بعضھا ببعض متفاضلا[۹۴۷] (۱۶) وکذلک البان الابل والبقر والغنم بعضھا ببعض متفاضل.

وجہ تقریباً ایک جنس ہے اس لئے مثلاً بمثل کے بغیر جائز نہیں (۲) حدیث میں اشارہ موجود ہے۔عن سھل بن سعید قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع اللحم بالحیوان (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ص۵۹ نمبر ۳۰۴۳ ۲۷ سنن للبیھقی، باب بیع اللحم بالحیوان، ج خامس ص۴۸۳، نمبر ۱۰۵۶۹) اس حدیث میں گوشت کے حیوان کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔کیونکہ دونوں ایک ہی جنس ہیں۔اسی طرح زیتون کا تیل اور زیتون کا پھل ایک ہی جنس ہیں اس لئے جائز نہیں جب تک کہ تیل زیتون کے اندر کے تیل سے زیادہ نہ ہو۔

اصول ایک جنس ہوں تو مبیع اور ثمن کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے ورنہ ربوا ہو جائے گا۔

لغت الزیت : زیتون کا تیل۔ السمسم : تل۔ الشیرج : تل کا تل۔ الدھن : تیل۔ الثجیر : کھلی۔

[۹۴۶] (۱۵) جائز ہے بیع مختلف گوشت کی بعض کو بعض کے ساتھ کمی بیشی کر کے۔

تشریح مثلاً بکری کا گوشت گائے کے گوشت کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کر کے بیچنا بھی جائز ہے۔

وجہ (۱) بکری الگ جنس ہے اور گائے الگ جنس ہے۔اور بکری کا گوشت بکری کی جنس سے ہوگا اسی طرح گائے کا گوشت گائے کی جنس سے ہوگا۔اس لئے بکری کا گوشت گائے کے گوشت کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا جائز ہوگا۔کیونکہ دو الگ الگ جنس ہوئے (۲) اثر میں ہے قال مالک ولا بأس بلحم الحیتان بلحم الابل والبقر والغنم وما اشبہ ذلک من الوحوش کلھا اثنین بواحد واکثر من ذلک یدا بید فان دخل فی ذلک الاجل فلا خیر فیہ (ب) (موطا امام مالک، باب بیع اللحم باللحم ص۵۹۳) اس اثر میں مچھلی کے گوشت کو بکری گائے کے گوشت کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا جائز قرار دیا بشرطیکہ نقد ہو ادھار نہ ہو اس لئے کہ دونوں وزنی ہیں۔

اصول مختلف جنس ہوں تو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

لغت اللحمان : لحم کی جمع ہے گوشت۔

[۹۴۷] (۱۶) ایسے ہی اونٹنی کا دودھ، گائے کا دودھ اور بکری کا دودھ بعض کا بعض کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا جائز ہے۔

تشریح اونٹنی کا دودھ اونٹنی کی جنس ہے اس لئے بکری کے دودھ کے ساتھ کمی بیشی کر کے بیچنا جائز ہے۔کیونکہ بکری کا دودھ بکری کے جنس سے ہے اور اونٹنی کے دعدھ سے الگ ہے۔اس لئے جائز ہوگا۔

وجہ اوپر موطا امام مالک کا اثر گزر چکا اور حدیث بھی گزر چکی۔وبیعوا الشعیر بالتمر کیف شئتم یدا بید (ج) (ترمذی شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے گوشت کو حیوان کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا (ب) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ مچھلی کے گوشت کو اونٹ، گائے اور بکری کے گوشت کے بدلے بیچے یا جو اس کے مشابہ ہو وحشی جانور میں سے دو ایک کے بدلے میں یا اس سے زیادہ بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔پس اگر اس میں مدت آجائے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا جو کو کھجور کے بدلے میں بیچو جیسے چاہو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔

[۹۴۸]ا(۱۷) وخل الدقل بخل العنب متفاضلا[۹۴۹] (۱۸) ویجوز بیع الخبز بالحنطة والدقیق متفاضلا [۹۵۰](۱۹) ولا ربوا بین المولی وعبده [۹۵۱](۲۰) ولا

ماجاءان الحنطة بالحنطة مثلا بمثل وکراہیة التفاضل فیہ ص ۲۳۵ نمبر ۱۲۴۰) اس حدیث میں ہے کہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی کر کے جیسے چاہو بیچو۔

[۹۴۸](۱۷) اور جائز ہے کھجور کا سرکہ انگور کے سرکہ کے ساتھ کمی بیشی کر کے۔

وجہ کھجور کا سرکہ الگ جنس ہے اور انگور کا سرکہ الگ جنس ہے۔ کیونکہ دونوں الگ الگ جنس سے نکلے ہیں اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ اگرچہ دونوں کا نام سرکہ ہے۔

[۹۴۹](۱۸) اور جائز ہے روٹی کی بیع گیہوں سے اور آٹے سے کمی بیشی کر کے۔

وجہ روٹی اگرچہ گیہوں کے آٹے کی ہو پھر بھی اس کو الگ جنس قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ روٹی عدد سے گن کر بکتی ہے اور گیہوں اور آٹا کیلی ہیں۔ اسی طرح روٹی کا مصرف الگ ہے اور گیہوں کا مصرف الگ ہے۔ اس لئے دونوں دو جنس ہو گئے۔ اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہو گیا

لغت الخبز : روٹی۔ الدقیق : آٹا۔

[۹۵۰](۱۹) مولی اور اس کے غلام کے درمیان ربوا نہیں ہے۔

تشریح مولی اپنے غلام سے سود لے ایک درہم کے بدلے دو درہم لے تو یہ سود نہیں ہے۔ لے سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ غلام پر قرض نہ ہو۔ کیونکہ غلام پر قرض ہوگا تو غلام کا روپیہ صرف غلام کا نہیں ہے بلکہ قرض دینے والے کا ہے۔

وجہ (۱) غلام کے پاس جو روپیہ ہے وہ سب مولی کا ہے۔ اس لئے ایک درہم دیکر دو درہم لے تو گویا کہ مولی نے اپنا ہی روپیہ لیا اس لئے یہ سود ہی نہیں ہوا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ کان ابن عباس یبیع عبدا له الثمرة قبل ان یبدو صلاحها و کان یقول لیس بین العبد و سیده ربا (الف) مصنف عبد الرزاق، باب لیس بین عبد و سیدہ والمکاتب و سیدہ ربا، ج ثامن، ص ۷۶ نمبر ۱۴۳۷۸ رمصنف ابن ابی شیبة ۸ من قال لیس بین العبد و سیدہ ربا، ج رابع، ص ۲۷۸، نمبر ۲۰۰۳۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی اور اس کے غلام کے درمیان سود نہیں ہوتا۔

[۹۵۱](۲۰) اور نہیں ہے سود مسلمان اور حربی کے درمیاں دار الحرب میں۔

تشریح دار الحرب میں جو حربی ہیں مسلمان اس کے مال کو سودی کاروبار کر کے لیلے تو یہ سود نہیں ہے۔

وجہ (۱) حربی کا مال مال غنیمت کے درجہ میں ہے۔ اور مال غنیمت کا لینا جائز ہے۔ اس لئے حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا بدرجہ اولی جائز ہوگا (۲) اس کے لئے ایک حدیث مرسل بھی ہے۔ عن مکحول ان رسول الله ﷺ قال لا ربوا بین اهل الحرب واظنه قال و بین اهل الاسلام (ب) درایة ص ۱۸۷ اعلاء السنن، باب فی الربا فی دار الحرب بین المسلم والحربی ج اربع عشر ص ۳۸۶ نمبر ۴۷۴۴)

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عباس اپنے غلام سے پھل کارآمد ہونے سے پہلے بیع کرتے اور فرماتے کہ غلام اور اس کے سید کے درمیان سود نہیں ہے (ب) تابعی مکحول سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اہل حرب کے درمیان ربوا نہیں اور گمان ہے کہ یوں بھی فرمایا اور اہل اسلام کے درمیان۔ یعنی حربی اور (باقی اگلی صفحہ پر)

بین المسلم والحربی فی دار الحرب.

اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ حربی اور مسلمان کے درمیان سود نہیں ہے۔امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے۔

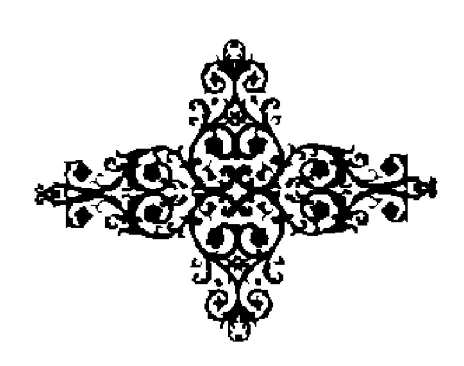
نوٹ مجھے یہ حدیث تلاش بسیار کے بعد کہیں نہیں ملی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حربی اور مسلمان کے درمیان بھی سود جائز نہیں ہے۔

وجہ قرآن میں علی الاطلاق سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔آیت ہے یا ایھا الذین آمنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین (الف) (آیت ۲۷۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فرمایا کہ جو سود باقی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو اور یہ علی الاطلاق ہے۔اس لئے حربی سے سود لینا حرام ہوگا

(۳) حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے سود ختم کرنے کا اعلان فرمایا تھا اور حضرت عباس کا سود جو لوگوں پر تھا اس کو معاف کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔حالانکہ وہ سود کافروں پر بھی تھا۔جس سے معلوم ہوا کہ سود حربی سے بھی لینا حرام ہے۔قال دخلنا علی جابر بن عبد الله فسأل عن القوم ... واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فانه موضوع کله (ب) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث میں آپؐ نے علی الاطلاق سود منع فرمایا ہے۔بلکہ ابوداؤد میں یہ جملہ ہے وربا الجاھلیۃ موضوع جس کا مطلب یہ ہے کہ حربیوں کے سود بھی ختم کئے جاتے ہیں۔اس لئے حربی سے بھی سود لینا حرام ہوگا

نوٹ فتوی امام یوسف کے مسلک پر ہے۔خصوصا دار الامن میں سود لینا بالکل جائز نہیں ہے۔



حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) مسلمان کے درمیان سود واقع نہیں ہوتا (الف) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو (ب) سب سے پہلا ربوا جو ختم کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا ربوا ہے۔پس وہ تمام کے تمام ختم کئے جاتے ہیں۔

﴿ باب السلم ﴾

[۹۵۲](۱) السلم جائز فی المکیلات والموزونات والمعدودات التی لا یتفاوت

﴿ باب السلم ﴾

ضروری نوٹ بیع سلم کا مطلب یہ ہے کہ قیمت ابھی لے اور مبیع کچھ دنوں کے بعد دے۔ اس بیع کو بیع سلم کہتے ہیں۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو۔ کیونکہ حدیث میں گزر رہا ہے کہ جو مبیع تمہارے پاس نہ ہو اس کو نہ بیچو **ولا بیع ما لیس عندک** (الف) (ابوداؤد شریف نمبر ۳۵۰۴ / ترمذی شریف نمبر ۱۲۳۲) لیکن غرباء کے لئے یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ مالداروں سے قیمت ابھی لیں اور اس قیمت سے خرید و فروخت کرتے رہیں اور نفع کماتے رہیں۔ پھر جب مبیع دینے کا وقت آئے مبیع خرید کر مشتری کے حوالے کر دیں۔ چونکہ مبیع سامنے موجود نہیں ہے اس لئے مبیع کو مکمل متعین کرنے کے لئے سات شرطیں ہوں تو بیع سلم جائز ہوگی۔ ان شرطوں سے مبیع کا خاکہ سامنے آجاتا ہے اور جھگڑا کرنے کا موقع نہیں رہتا۔ ان شرطوں کی تفصیل آگے آئے گی۔ بیع سلم جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ **یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ** (ب) (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں فرمایا کہ کسی دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور بیع سلم میں بھی دین کا معاملہ ہے اس لئے اس کا جواز بھی اس آیت میں شامل ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینۃ وھم یسلفون بالثمر السنتین والثلاث فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** (ج) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ / مسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع سلم جائز ہے اور تین شرطوں کا بھی علم ہوا کہ مبیع کی کیل، وزن اور مدت معلوم ہوں۔

نوٹ باب السلم میں بائع کو مسلم الیہ، مشتری کو رب السلم، مبیع کو مسلم فیہ اور ثمن کو رأس المال کہتے ہیں۔

[۹۵۲](۱) سلم جائز ہے کیلی چیزیں، وزنی چیزیں اور اس عددی چیزوں میں جس کے افراد میں تفاوت نہ ہو۔ جیسے اخروٹ اور انڈے اور ہاتھ سے ناپنے والی چیزوں میں۔

تشریح جو چیز کیلی ہو یعنی کیل سے ناپ کر بیچی جاتی ہو جیسے گیہوں۔ چاول تو اس میں بیع سلم جائز ہے۔ اسی طرح جو چیزیں وزنی ہوں یا جو چیزیں عدد سے گنی جاتی ہوں لیکن ان کے افراد میں زیادہ تفاوت اور فرق نہ ہو جیسے اخروٹ اور انڈے ہیں کہ اس کے افراد میں زیادہ فرق نہیں ہے اس کے چھوٹے بڑے دینے سے جھگڑا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو چیزیں ہاتھ سے اور گز سے ناپ کر بیچتے ہیں جیسے کپڑا وغیرہ تو اس کو بیع سلم کے ذریعہ بیچ سکتے ہیں۔

وجہ کیلی، وزنی، عددی اور ذراعی میں بیع سلم کرنا اس لئے جائز ہے کہ ان کی صفات اور وزن متعین کر دیئے جائیں تو کافی حد تک تعین ہو جاتا ہے اور جھگڑا نہیں ہوگا اس لئے انہیں چیزوں میں سلم جائز ہے۔ اور جن چیزوں کو صفات کے ذریعہ متعین کرنا ناممکن ہو ان کی بیع سلم جائز نہیں

حاشیہ : (الف) مت بیچو وہ چیز جو تمہارے پاس نہ ہو (ب) اے ایمان والو جب تم متعین مدت تک دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو (ج) آپ مدینہ تشریف لائے اور لوگ پھل میں دو سال اور تین سال کے لئے بیع سلم کرتے تو آپ نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

کالجوز والبیض والمذروعات[۹۵۳] (۲) ولا یجوز السلم فی الحیوان ولا فی اطرافه

ہے۔حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عباس ...فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** (الف) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰) اس حدیث میں کیل معلوم سے پتہ چلا کہ چیز کیلی ہو، اور وزن معلوم سے پتہ چلا کہ چیز وزنی ہو۔ اور کپڑے کے بیع سلم کے لئے یہ اثر ہے۔ **عن ابن عباس فی السلف فی الکرابیس قال اذا کان ذراع معلوم الی اجل معلوم فلا بأس** (ب) (سنن للبیھقی، باب السلف فی الحنطۃ والشعیر والزبیب والزیت والثیاب وجمیع مایضبط بالصفۃ ج سادس ص ۴۲، نمبر ۱۱۱۲۳ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۳۱۷ فی السلم بالثیاب، ج رابع، ص ۳۹۸، نمبر ۲۱۴۰۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کپڑا جو ہاتھ سے ناپا جاتا ہے اس کی بیع سلم ہو سکتی ہے۔ اور اسی پر عددی چیزوں کو قیاس کر لیں۔ عددی میں بیع سلم جائز ہونے کے لئے یہ حدیث ہے۔ **فکان یأخذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقۃ** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی ذلک یعنی باب فی الحیوان بالحیوان نسیئۃ ص ۱۲۱ نمبر ۳۳۵۷) اس حدیث میں آپؐ نے ایک اونٹ کو دو اونٹ کے بدلے لیا ہے۔ جس سے عددی چیزوں میں بیع سلم کا پتہ چلتا ہے۔

نوٹ وزنی میں درہم اور دنانیر بھی ہیں۔ ان کی بیع سلم جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے صفات متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔ اس لئے وزنی سے وہ چیزیں مراد ہیں جو وزن کی جاتی ہوں لیکن درہم اور دنانیر نہ ہوں۔ جیسے لوہا وغیرہ۔

اصول صفات متعین کرنے کے ذریعہ جو چیزیں متعین کی جاتی ہو اس کی بیع سلم جائز ہے۔

لغت الجوز : اخروٹ۔ البیض : انڈا۔ المذروعات : ذراع سے مشتق ہے، جو چیز ہاتھ سے ناپی جاتی ہو یا گز سے ناپی جاتی ہو جیسے کپڑا۔

[۹۵۳] (۲) اور نہیں جائز ہے سلم حیوان میں اور نہ اس کے اطراف میں اور نہ کھال میں گن کر۔

تشریح قیمت ابھی ادا کرے اور حیوان کی ساری صفات متعین کر کے اس کو مثلا مہینہ بعد میں لے اور اس میں بیع سلم کرے۔ اسی طرح حیوان کے مثلا سر، پاؤں وغیرہ کی بیع سلم کرے یعنی اس کے صفات ابھی متعین کرے اور مہینہ بعد دینے کی بیع کرے یا اس کی کھال میں بیع سلم کرے تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ دو حیوانوں کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ ظاہری طور پر دو گائے ایک جیسی ہو جائے گی لیکن ایک گائے زیادہ دودھ دے گی اور دوسری کم، ایک زیادہ بچے دے گی اور دوسری کم، اس اعتبار سے معنوی طور پر دو گائے میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ اس لئے جانور میں صفت متعین کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح دو گایوں کے سر اور پاؤں میں بھی بہت فرق رہتا ہے۔ اور اس کی کھال کے بڑے چھوٹے ہونے میں فرق

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو (ب) حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ سوت کے کپڑے میں سلم کے بارے میں، فرمایا اگر گز معلوم ہو اور مدت معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ج) آپؐ نے ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں لیتے صدقہ کے اونٹ آنے تک۔

ولا فی الجلود عددا[۹۵۴] (۳) ولا فی الحطب حزما ولا فی الرطبة جرزا [۹۵۵](۴)

ہوتا ہے۔اورنزاع کا خطرہ رہتا ہے۔اس لئے جانور،اس کے اعضاءاوراس کی کھال میں بیع سلم جائز نہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن سمرة ان النبی ﷺ نهی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیة بیع الحیوان بالحیوان نسیئة ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۷ /ابوداؤد شریف، باب الحیوان بالحیوان نسیئة ص ۱۲۱ نمبر ۳۳۵۶)اس حدیث میں حیوان کوادھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔اور بیع سلم ادھار ہوتی ہے اس لئے بیع سلم حیوان میں جائز نہیں ہے۔چونکہ اس کے اعضاءاوراس کی کھال بھی حیوان کے اجزاء ہیں اس لئے ان میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

اصول جن چیزوں کوصفات کے ذریعہ متعین نہیں کر سکتے ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جانور کی بیع سلم جائز ہے۔

وجہ (۱) وہ فرماتے ہیں کہ جانور کی تمام صفات اور عمر وغیرہ متعین کر دی جائیں تو کافی حد تک متعین ہو جاتا ہے۔اس لئے جانور،اس کے اعضاءاور کھال کی بیع سلم جائز ہے(۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن عبد الله بن عمر ان رسول الله امره ان یجهز جیشا فنفدت الابل فامره ان یأخذ فی قلاص الصدقة فکان یأخذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقة(ب)(ابوداؤد شریف، باب فی الرخصة فی ذلک (ای فی بیع الحیوان بالحیوان نسیئة) ص ۱۲۱، نمبر ۳۳۵۷ /ابوداؤد، باب فی حسن القضاء ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۶)اس حدیث میں آپؐ نے ایک اونٹ کے بدلے دواونٹ دیکرادھار خریدا ہے جو بیع سلم کی شکل ہے اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز ہے

لغت اطراف : طرف کی جمع ہے اعضاء۔ جلود : جلد کی جمع ہے کھال۔ عددا : گن کر۔

[۹۵۴](۳)اورنہیں جائز ہے بیع سلم لکڑی کی گٹھر کے اعتبار سے اور نہ سبزیوں میں گڈیوں کے اعتبار سے۔

تشریح ایندھن کی لکڑیوں کا گٹھر بناتے ہیں اور بیچتے ہیں،بعض گٹھر میں زیادہ لکڑی ہوتی ہے اور بعض میں کم۔بالکل ایک طرح کا گٹھر نہیں بن پاتا اس لئے اس کی بیع سلم جائز نہیں۔اسی طرح سبزیاں اور ساگ کا گڈا بناتے ہیں اس میں بھی سبزی کسی میں کم آتی ہے کسی میں زیادہ اس لئے اس کی بھی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

نوٹ اگر مشین سے ایک طرح کی لکڑی کاٹی جائے اوراس کی بیع سلم کرے تو جائز ہے۔ کیونکہ صفات کی تعیین ہوگئی۔اصول اور دلائل اوپر گزر گئے۔حدیث میں تھا کہ کیل معلوم ، وزن معلوم (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰)اور یہاں مقدار معلوم نہیں ہے کتنا ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

لغت الحطب : ایندھن کی لکڑی۔ حزما : گٹھر۔ الرطبة : سبزی۔ حرز : جمع ہے حرزة کی گڈی۔

[۹۵۵](۴)اورنہیں جائز ہے سلم یہاں تک کہ مسلم فیہ موجود ہو عقد کے وقت سے دینے کے وقت تک۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے روکا حیوان کو حیوان کی بیع سے ادھار (ب) آپؐ نے حکم دیا کہ لشکر تیار کرے۔پس اونٹ ختم ہو گئے تو آپؐ نے حکم دیا کہ صدقہ کے جوان اونٹ لے لیں تو ایک اونٹ کو دو اونٹ کے بدلے لئے صدقہ کے اونٹ آنے تک۔

ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی حین المحل[۹۵۶] (۵) ولا یصح السلم الا مؤجلا ولا یجوز الا باجل معلوم.

تشریح یہاں سے بیع سلم صحیح ہونے کے لئے اس کے شرائط کا بیان ہے۔اس میں ایک شرط یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع سلم جائز ہے جو عقد کے وقت سے جس دن مبیع مشتری کو دینا ہے اس وقت تک بازار میں موجود ہو اور ملتی ہو۔اگر وہ چیز بازار میں بھی نہیں ملتی ہو تو بیع سلم جائز نہیں ہے۔ یا دینے کے دنوں ملے گی لیکن ابھی بازار میں نہیں ہے۔درمیان میں بازر سے غائب ہونے کا قوی امکان ہے تب بھی بیع سلم جائز نہیں ہوگی۔

وجہ جو چیز بازار میں ملتی نہیں ہے اس کی بیع سلم کرلیں تو وقت آنے پر مشتری کو کیا چیز دیں گے۔اور کیسے اس کے روپے حلال کریں گے۔اس لئے منع فرمایا (۲) حدیث میں ایسی چیز کی بیع سلم سے منع فرمایا جو ابھی بازار میں نہیں ملتی ہو۔**عن ابن عمر ان رجلا اسلف رجلا فی نخل فلم تخرج تلک السنة شیئا فاختصما الی النبی ﷺ فقال بما تستحل ماله اردد علیه ماله ثم قال لا تسلفوا فی النخل حتی یبدو صلاحه** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی السلم فی ثمرة بعینها ص ۱۳۵ نمبر ۳۴۶۷ر بخاری شریف، باب السلم الی من لیس عنده اصل ص ۲۹۹ نمبر ۲۲۴۶ر ابن ماجہ شریف، باب اذا اسلم فی نخل بعینه لم یطلع ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۴) اس حدیث میں فرمایا کہ بازار میں بھی اصل موجود نہ ہو تو کیسے بیع کروگے؟ اور کیسے مشتری کے مال کو حلال کروگے؟ اس لئے مال کا بازار میں ہونا ضروری ہے۔

اصول مال کم از کم بازار میں ملتا ہو تو بیع سلم جائز ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دینے کے وقت مبیع بازار میں ملتی ہو تب بھی بیع سلم جائز ہے۔

وجہ دینے کے وقت مبیع موجود ہے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ اسی وقت مبیع کی ضرورت پڑے گی۔

لغت المسلم فیہ : مبیع۔ المحل : مدت حلول ہونے کا وقت، مبیع دینے کا وقت۔

[۹۵۶](۵) اور نہیں جائز ہے سلم مگر مؤخر کرکے اور نہیں جائز ہے مگر معلوم مدت کے ساتھ۔

تشریح بیع سلم کہتے ہی ہیں اس کو جس میں مبیع بعد میں دی جائے۔اور اگر مبیع فوری دینے کی بات ہو تو اس کو بیع سلم نہیں کہیں گے۔اس کو عام بیع اور بیع عین کہیں گے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر سلم کے الفاظ سے بیع کی ہو تو اس کو بھی بیع سلم کہہ سکتے ہیں۔بیع سلم میں یہ بھی ضروری ہے کہ مدت معلوم ہو۔

وجہ (۱) ورنہ تو مشتری پہلے لینا چاہے گا اور بائع بعد میں دینا چاہے گا۔اور جھگڑا ہوگا اس لئے مبیع دینے کی تاریخ طے ہونا ضروری ہے (۲) حدیث میں گزرا الی اجل معلوم (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰ر مسلم شریف نمبر ۱۶۰۴) اس لئے مدت متعین ہونا ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کھجور کے درخت کے بارے میں بیع سلم کی۔لیکن اس سال کوئی پھل نہیں آیا۔تو دونوں حضور کے پاس جھگڑا لیکر آئے۔آپؐ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال کروگے؟ اس کے مال کو واپس کرو۔پھر آپؐ نے فرمایا کھجور کے بارے میں بیع سلم نہ کرو جب تک کہ کار آمد نہ ہو جائے۔

[۹۵۷](۶) ولا یجوز السلم بمکیال رجل بعینه ولا بذراع رجل بعینه[۹۵۸] (۷) ولا فی طعام قریة بعینها ولا فی ثمرة نخلة بعینها.

---

[۹۵۷](۶) کسی آدمی کے متعین مکیال سے بیع سلم جائز نہیں اور نہ کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے۔

تشریح ایک آدمی کا متعین برتن ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ کتنا کیلو اس میں آتا ہے۔ اب اس برتن کی ناپ سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ مبیع مہینوں بعد ادا کرنا ہے اس لئے اگر وہ برتن گم ہو جائے تو کس برتن سے ناپیں گے۔ اس کی مقدار تو معلوم نہیں ہے اس لئے کسی آدمی کے متعین برتن سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح متعین آدمی کے ہاتھ سے بیع سلم کی اور وہ آدمی مر گیا یا کہیں چلا گیا تو کس آدمی کے ہاتھ سے کپڑا ناپیں گے۔ اس لئے کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں حدیث آگے آ رہی ہے۔

[۹۵۸](۷) اور نہیں جائز ہے بیع سلم کسی متعین گاؤں کے کھانے میں اور نہ متعین درخت کے پھل میں۔

تشریح کوئی یوں طے کرے کہ فلاں متعین گاؤں کے گیہوں کی بیع سلم کرتا ہوں یا متعین آدمی مثلا زید کے فلاں درخت کے پھل کی بیع سلم کرتا ہوں تو یہ بیع سلم صحیح نہیں ہے۔

وجہ (۱) اگر اس گاؤں میں گیہوں کی پیداوار نہ ہو تو کون سا گیہوں دے گا؟ اور اس قسم کے گیہوں کہاں سے لائے گا؟ اسی طرح متعین درخت میں پھل نہیں آئے تو کون سا پھل دے گا؟ اس لئے متعین گاؤں یا متعین درخت کے پھل میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ ہاں کہیں کا بھی گیہوں ہو تو جائز ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عمر ان رجلا اسلف رجلا فی نخل فلم تخرج تلک السنة شیئا فاختصما الی النبی ﷺ فقال بما تستحل ماله اردد علیه ماله ثم قال لا تسلفو فی النخل حتی یبدو صلاحه** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی السلم فی ثمرة بعینها ص ۱۳۵ نمبر ۳۴۶۷ / ابن ماجہ شریف، باب اذا اسلم فی نخل بعینہ لم یطلع ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک خاص درخت کے پھل میں بیع سلم کی اور اس میں اس سال پھل نہیں آئے تو آپؐ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال کرو گے؟ مال واپس کرو۔ اس لئے متعین گاؤں اور متعین درخت کی بیع سلم جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **قال عبد الله بن سلام ... فقال زید بن سعنه یا محمد هل لک ان تبیعنی تمرا معلوما الی اجل معلوم من حائط بنی فلان قال لا یا یهودی ولکنی ابیعک تمرا معلوما الی کذا وکذا من الاجل ولا اسمی من حائط بنی فلان فقلت نعم** (ب) (سنن للبیهقی،

حاشیہ : (الف) حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کھجور کے درخت کے بارے میں بیع سلم کی۔ لیکن اس سال کوئی پھل نہیں آئے۔ تو دونوں حضور کے پاس جھگڑا لیکر آئیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کے مال کو کیسے حلال کرو گے؟ اس کا مال کو واپس کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کھجور کے بارے میں بیع سلم نہ کرو جب تک کہ کار آمد نہ ہو جائے (ب) زید بن سعنہ نے کہا اے محمد! کیا آپؐ چاہتے ہیں کہ بنی فلاں کے باغ کا کھجور مجھے بیچے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اے یہودی۔ لیکن میں تم سے بیچتا ہوں معلوم کھجور اتنی اتنی مدت تک، بنی فلاں کے باغ کو متعین نہیں کرتا۔ میں نے کہا ہاں۔ یعنی میں بنی فلاں کے باغ کو متعین نہیں کرتا۔ البتہ کوئی بھی کھجور کی بیع سلم کر سکتا ہوں۔

[٩٥٩](٨) ولا يصح السلم عند ابی حنيفة رحمه الله الا بسبع شرائط تذكر فی العقد جنس معلوم ونوع معلوم وصفة معلومة و مقدار معلوم واجل معلوم ومعرفة مقدار رأس

باب لا يجوز السلف حتی يکون بصفة معلومة لا تتعلق بعين، ج سادس، ص ۴۰، نمبر ۱۱۱۱۴) اس حدیث میں زید بن سعنہ نے خاص فلاں کے باغ کے کھجور کی بیع سلم کرنا چاہا تھا لیکن آپؐ نے انکار فرمایا۔اور فرمایا کسی باغ کے کھجور کی بیع کروں گا۔خاص بنی فلاں کے باغ کے کھجور کی بیع سلم نہیں کرتا۔جس سے معلوم ہوا کہ خاص باغ یا خاص درخت کے پھل کی بیع سلم جائز نہیں۔

اصول جس مبیع کے نہ ملنے کا خطرہ ہو اس کی بیع سلم جائز نہیں۔

[۹۵۹](۸) اور نہیں صحیح ہے سلم امام ابوحنیفہ کے نزدیک مگر سات شرطوں کے ساتھ جو ذکر کی جائے عقد میں (۱) جنس معلوم ہو (۲) نوع معلوم ہو (۳) صفت معلوم ہو (۴) مبیع کی مقدار معلوم ہو (۵) مدت معلوم ہو (۶) ثمن کی مقدار معلوم ہو اگر ثمن اس میں سے ہو کہ اگر تعلق رکھتا ہو اس کی مقدار پر جیسے کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو (۷) اور اس جگہ کا متعین کرنا جس میں مبیع سپرد کرے گا اگر مبیع کو اٹھانے کی زحمت ہو اور اجرت لگتی ہو۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ سات شرطیں پائی جائیں تو بیع سلم درست ہوگی ورنہ نہیں۔

وجہ سلم میں مبیع بعد میں دیگا اس لئے یہ چیزیں ابھی سے متعین ہو جائے تو نزاع نہیں ہوگا۔اور مبیع کافی حد تک متعین ہو جائے گی۔

نوٹ یہ ساری شرطیں کچھ تو حدیث من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (الف) (بخاری شریف نمبر ۲۲۴۰) سے مستنبط ہے اور کچھ شرطیں اس لئے لگائی گئی ہیں تا کہ مبیع میں دھوکہ نہ رہے۔عن ابی هريرة قال نهی رسول الله ﷺ عن بيع الغرر وبيع الحصاة (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع الغرر ص ۲۳۲ نمبر ۱۲۳۰) اور حدیث فقال رسول الله ﷺ ليس منا من غش (ج) (ابوداؤد شریف، باب النہی عن الغش ص ۱۳۳ نمبر ۳۴۵۲) کا خلاصہ ہے۔تا کہ بائع کو اور مشتری کو کسی قسم کا دھوکہ نہ رہے۔اس لئے یہ سات شرطیں لگائی گئی ہیں۔اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ بیع خلاف قیاس ہے اس لئے بھی کچھ شرطیں لگی ہیں۔ ہر شرط کی تفصیل اس طرح ہے۔

شرط ۱ جنس معلوم ہو : یعنی یہ معلوم ہو کہ کس چیز کی بیع کر رہا ہے۔گیہوں کی، چاول کی یا کھجور کی۔اس سے چیز کا پتہ چلے گا کہ کیا چیز ہے؟ اثر میں اس کا اشارہ ہے۔فقال (ابن ابی اوفی) انا كنا نسلف علی عهد رسول الله ﷺ وابی بكر وعمر فی الحنطة والشعير والزبيب والتمر وسألت ابن ابزی فقال مثل ذلک (د) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۲) اس اثر میں گیہوں، جو، کشمش اور کھجور الگ الگ جنس کا نام لیا ہے کہ ہم لوگ ان میں بیع سلم کرتے تھے۔اس لئے جنس معلوم ہونا ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور اجل معلوم ہو (ب) حضورؐ نے روکا دھوکے کی بیع سے اور کنکری والی بیع سے (ج) آپؐ نے فرمایا ہم میں سے وہ نہیں ہے جو دھوکہ دیتا ہو (د) ابن ابی اوفی نے فرمایا ہم حضور کے زمانے میں بیع سلم کرتے تھے اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں گیہوں میں، جو میں، کشمش میں اور کھجور میں۔اور ابن ابزی سے پوچھا تو انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا۔

المال اذا کان مما یتعلق العقد علی قدرہ کالمکیل والموزون والمعدود وتسمیۃ المکان

شرط ۲ نوع معلوم ہو : کیونکہ گیہوں بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔اس لئے یہ طے کرنا ہوگا کہ کس قسم کے گیہوں چاہئے یا کس قسم کے چاول چاہئے۔اس کو نوع معلوم کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔**عن عامر قال اذا اسلم فی ثوب یعرف ذرعہ ورقعۃ فلا بأس** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷ افی السلم بالثیاب، ج رابع ،ص ۳۹۸،نمبر ۲۱۴۰۱) اس اثر میں ہے ورقعۃ یعنی کس قسم کا کپڑا ہو۔یہ معلوم ہو تو کپڑے میں بیع سلم جائز ہے۔

شرط ۳ صفت معلوم ہو : یعنی یہ بھی طے ہو کہ عمدہ قسم کے گیہوں ہو یا ردی قسم کے۔ورنہ مشتری عمدہ لینا چاہے گا اور بائع ردی دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔اس لئے صفت کا طے ہونا ضروری ہے۔

شرط ۴ مبیع کی مقدار معلوم ہو: یعنی مبیع کتنے کیلو ہوگی یا کتنے صاع ہوگی۔تا کہ یہ نہ ہو کہ بیس کیلو پر بات طے ہوئی تھی یا تیس کیلو پر؟ حدیث گزر چکی ہے **ففی کیل معلوم ووزن معلوم**۔

شرط ۵ مدت معلوم ہو : یعنی کب مبیع دو گے۔تا کہ یہ نہ ہو کہ بائع دیر کر کے دے اور مشتری جلدی مانگے جس سے نزاع ہو۔حدیث گزر چکی ہے **الی اجل معلوم** (بخاری شریف،نمبر ۲۲۴۱)

شرط ۶ رأس المال یعنی ثمن کی مقدار معلوم ہو : یعنی وہ کتنے کیلو یا کتنے صاع یا کتنے عدد ہیں۔

وجہ کیونکہ مثلا مبیع نہیں دے سکا اور ثمن کو لوٹانے کی ضرورت پڑی تو اگر ثمن کی مقدار معلوم نہیں تو کیسے لوٹائے گا۔یا مثلا ثمن میں کھوٹا پن ہے اور اس کو لوٹانے کی ضرورت پڑی تو کیسے لوٹائے گا۔اس لئے اگر ثمن کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو تو ثمن کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے۔ چاہے ثمن کی طرف اشارہ کر کے بیع سلم طے کی ہو۔ہاں اگر ثمن ذراعی ہو مثلا کپڑا ہو تو کپڑوں میں ذراع صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے ذراعی کی شکل میں کپڑا سامنے ہو تو کتنا گز ہے اس کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ اثر ہے **وقال ابن عمر لابأس فی الطعام الموصوف بسعر معلوم الی اجل معلوم** (ب) (بخاری شریف، باب السلم الی اجل معلوم ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۳) اس اثر میں ہے کہ بھاؤ معلوم ہو یعنی رأس المال ثمن کی مقدار معلوم ہو۔

شرط ۷ سپرد کرنے کی جگہ معلوم ہو : مسلم فیہ یعنی مبیع کو اٹھا کر لے جانے کا کرایہ لگتا ہو تو مبیع کو کس مقام پر مشتری کو دے گا اس جگہ کا تعین بھی ضروری ہے۔کیونکہ اگر جگہ متعین نہ ہو تو بائع اپنے قریب مبیع دینا چاہے گا اور مشتری اپنے قریب لینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔اس لئے مبیع دینے کی جگہ کا متعین ہونا ضروری ہے۔ہاں اگر مبیع کے اٹھانے کا کرایہ نہ ہو تو کسی جگہ بھی دیگا تو صحیح ہو جائے گا۔اس صورت میں جگہ کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اصول مبیع سامنے نہ ہو تو اتنی شرطیں لگائی جائیں کہ مبیع کافی حد تک موجود کے درجے میں ہو جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عامر نے فرمایا اگر کپڑے میں بیع سلم کرے تو اس کا گز اور اس کی قسم معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے سلم کرنے میں صفات بیان کئے ہوئے کھانے میں بھاؤ معلوم ہو مدت معلوم ہو۔

الـذی یـوفیه اذا کان له حمل و مؤنة[۹۶۰] (۹) وقال ابو یسف و محمد رحمهما الله لا یـحتـاج الـی تسـمـیة رأس الـمـال اذا کان معینا ولا الی مکان التسلیم ویسلمه فی موضع الـعقد[۹۶۱] (۱۰) ولا یصح السلم حتی یقبض رأس المال قبل ان یفارقه[۹۶۲] (۱۱)

لغت حمل ومؤنۃ : اٹھانااوراس کی اجرت۔

[۹۶۰](۹)اورامام ابو یوسف اورامام محمد نے فرمایا کہ رأس المال کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر وہ معین ہواور نہ سپرد کرنے کی جگہ متعین کرنے کی ضرورت ہے۔اور مبیع کو سپرد کرے گا عقد کی جگہ میں۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ رأس المال یعنی ثمن سامنے ہے تو عام بیوع میں اس کی مقدار معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔صرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہوجاتا ہے۔اس لئے بیع سلم میں بھی صرف اس کی طرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہوجائے گا۔اس کی تعداد یعنی کتنے کیلو ہیں یا کتنے صاع ہیں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اسی طرح مبیع ادا کرنے کی جگہ متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ جس جگہ بیع کی بات ہوئی وہی جگہ مبیع دینے کے لئے خود بخود متعین ہوجائے گی۔اس لئے الگ سے جگہ متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔البتہ کرلے تو اچھا ہے۔

لغت موضع العقد : عقد کرنے کی جگہ۔

[۹۶۱](۱۰)اور نہیں صحیح ہے سلم یہاں تک کہ رأس المال پر قبضہ کرے جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح بیع سلم طے ہونے کے بعد بائع اور مشتری کے جدا ہونے سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔اگر ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں تو حدیث میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔عام بیوع میں مجلس میں مبیع پر قبضہ ہوجاتا ہے اس لئے ثمن پر قبضہ نہ بھی ہو تو چل جائے گا۔لیکن بیع سلم میں مبیع لازمی طور پر بعد میں دے گا اس لئے کم از کم ثمن پر قبضہ ضروری ہے۔ورنہ تو مبیع بھی ادھار ہوگی اور ثمن بھی ادھار ہوگا۔حالانکہ دونوں ہی شرطیہ طور پر ادھار ہوں تو حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔**عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه نهی عن بیع الکالی بالکالی قال اللغویون هو النسیئة بالنسیئة** (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۰ نمبر ۳۰۴۲ سنن للبیہقی، باب ماجاء عن بیع الدین بالدین، ج خامس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۰۵۳۶) اس حدیث میں ادھار کی بیع ادھار سے منع فرمایا ہے۔اس لئے امام حنفیہ کے نزدیک بیع سلم میں مجلس میں رأس المال پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

[۹۶۲](۱۱)اور نہیں جائز ہے رأس المال میں تصرف کرنا اور نہ مسلم فیہ میں تصرف کرنا قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح بیع سلم میں ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔اسی طرح اس کی مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ کرنے سے منع فرمایا۔لغویوں نے کہا کہ کالی بالکالی کا ترجمہ ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ ہے۔

ولا یجوز التصرف فی رأس المال ولا فی المسلم فیه قبل القبض[۹۶۳] (۱۲) ولا یجوز الشرکة ولا التولیة فی المسلم فیه قبل قبضه[۹۶۴] (۱۳) ویصح السلم فی الثیاب اذا سمی طولا و عرضا ورقعة.

نہیں۔رأس المال سے مراد ثمن اور مسلم فیہ سے مراد مبیع ہے۔

وجہ حدیث میں پہلے گزر چکا ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔مثلا اس کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔اور سلم میں رأس المال مبیع کے درجے میں ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں (۲) حدیث میں ہے **سمعت ابن عباس یقول اما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام ان یباع حتی یقبض قال ابن عباس ولا احسب کل شیء الا مثلـه** (الف) (بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع ما لیس عندک ص ۲۸۶ نمبر ۲۱۳۵ر مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص ۵ نمبر ۱۵۲۵/۳۸۳۸ر ابو داؤد شریف نمبر ۳۴۹۲) اس حدیث میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔اور چونکہ بیع سلم میں رأس المال مبیع کے درجے میں ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اور مسلم فیہ تو مبیع ہے ہی اس لئے اس پر بھی قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

[۹۶۳] (۱۲) اور نہیں جائز ہے شرکت اور نہ تولیہ مسلم فیہ میں اس کے قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح مسلم فیہ یعنی مبیع پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس میں بیع تولیہ کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا۔اسی طرح اس میں کسی کو شریک کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا۔

وجہ بیع تولیہ کرنا یا کسی کو شریک کرنا اس میں تصرف کرنا ہے۔اور ابھی گزر چکا ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اس لئے مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں بیع تولیہ کرنا یا کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔

[۹۶۴] (۱۳) اور صحیح ہے بیع سلم کرنا کپڑے میں جبکہ متعین کی جائے لمبائی۔چوڑائی اور اصل جوہر۔

تشریح رقعۃ کے معنی ہیں پیوند، کپڑے کا ٹکڑا، یہاں اس کا مطلب ہے کہ کپڑے کا جوہر اور حقیقت کیا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے، تو مطلب یہ نکلا کہ کپڑے کی لمبائی کہ کتنے گز ہیں اور چوڑائی کہ کتنا انچ چوڑا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے یہ سب متعین ہو جائے تو کپڑے میں بھی بیع سلم جائز ہے۔اس دور میں مشین ایک ہی قسم کے ہزاروں گز کپڑا بناتی ہے۔اس لئے بیع سلم جائز ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن عامر قال اذا اسلم فی ثوب یعرف ذرعه ورقعه فلا بأس** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷۳

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے سنا وہ فرماتے تھے بہر حال جس سے حضورؐ نے روکا ہے وہ غلہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچا جائے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نہیں گمان کرتا ہوں مگر ہر چیز اسی کی مثل ہے۔یعنی تمام غلوں کو قبضہ کرنے کے بعد ہی بیچا جائے۔اس سے پہلے نہیں (ب) حضرت عامر سے مروی ہے کہ اگر کپڑے میں بیع سلم کرے اور اس کے گز اور قسم معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

[۹۶۵](۱۴) ولا یجوز السلم فی الجواهر ولا فی الحرز[۹۶۶](۱۵) ولا بأس بالسلم فی اللبن والآجر اذا سمی ملبنا معلوما[۹۶۷] (۱۶) وکل ما امکن ضبط صفته ومعرفة مقداره جاز السلم فیه وما لا یمکن ضبط صفته ومعرفة مقداره لا یجوز السلم فیه.

فی السلم بالثیاب، ج رابع، ص ۳۹۸ رسنن للبیھقی، باب السلف فی الحطۃ والشعیر والزبیب والزیت والثیاب وجمیع ما یضبط بالصفۃ، ج سادس، ص ۴۲، نمبر ۱۱۱۲۳) اس اثر میں موجود ہے کہ کپڑے کی لمبائی چوڑائی اور کس قسم کا ہے وہ متعین ہو جائے تو بیع سلم جائز ہے۔

نوٹ پچھلے زمانے میں کپڑا ہاتھ سے بنتے تھے اور ہر گز الگ الگ انداز کا ہوتا تھا اس لئے کپڑے کی صفات متعین کرنا مشکل تھا اس لئے بیع سلم کے جواز میں اندیشہ تھا۔ لیکن اس مشینی دور میں یہ بات نہیں ہے۔

[۹۶۵] (۱۴) اور نہیں جائز ہے سلم جواہر میں اور نہ موتیوں میں۔

وجہ جواہر اور موتی بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور ان میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ اور وزن سے نہیں بکتے بلکہ گن کر بکتے ہیں اس لئے ان کی صفات کو منضبط نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان میں بیع سلم جائز نہیں۔

اصول جن چیزوں کے صفات منضبط نہیں کر سکتے ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

لغت الجواہر : جمع ہے جوھر کی۔ الخرز : خرزۃ کی جمع ہے سوراخ دار چیز، موتی۔

[۹۶۶] (۱۵) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے سلم کرنے میں کچی اینٹ میں اور پکی اینٹ میں جبکہ متعین کیا جائے اس کا سانچہ۔

تشریح اینٹ بنانے کا سانچہ متعین ہو تو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کتنی بڑی اینٹ ہے۔ اس سے اس کی مقدار کی معلومات ہو جائے گی۔ اس لئے سانچہ متعین ہو جائے چاہے پکی اینٹ ہو یا کچی اینٹ ہو تو ان کا بیع سلم کرنا جائز ہے۔

لغت اللبن : کچی اینٹ۔ الاجر : پکی اینٹ۔ ملبنا : اینٹ بنانے کا سانچہ، فرما، لبن سے اسم آلہ ہے۔

[۹۶۷] (۱۶) ہر وہ چیز جس کی صفت منضبط کرنا ممکن ہو اور اس کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے۔ اور ہر وہ چیز جس کی صفت ضبط کرنا ممکن نہ ہو اور اس کی مقدار معلوم کرنا ممکن نہ ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں۔

تشریح اس مسئلہ میں مصنف علیہ الرحمۃ نے بیع سلم کا قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ جن چیزوں کو صفات متعین کرنے کے ذریعہ اور مقدار متعین کرنے کے ذریعہ منضبط کر سکتا ہو ان کی بیع سلم جائز ہے۔ اور جن چیزوں کو صفات متعین کرنے کے ذریعہ اور مقدار متعین کرنے کے ذریعہ منضبط نہ کر سکتا ہو ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون بالثمر السنین وثلاث فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم (الف) (بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ رمسلم شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور لوگ دو سال اور تین سال کے لئے پھلوں کی بیع کرتے تھے۔ پس آپ نے فرمایا جو کسی چیز کی بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

[۹۶۸](۱۷) ویجوز بیع الکلب والفهد والسباع[۹۶۹] (۱۸) ولا یجوز بیع الخمر

السلم ص ۱۳۱ نمبر ۱۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلم فیہ کی کیل، وزن اور اجل معلوم کی جا سکتی ہو اور متعین کی جا سکتی ہو تو بیع سلم جائز ہوگی (۲) سنن بیہقی نے انہیں احادیث کے لئے یہ باب باندھا ہے باب السلف فی الحنطة والشعیر والزبیب والزیت والثیاب وجمیع ما یضبط بالصفة (ج سادس، ص ۴۲، نمبر ۱۱۱۲۲) جس سے معلوم ہوا کہ جن کی صفات منضبط کی جا سکتی ہوں ان کی بیع سلم جائز ہے۔

[۹۶۸](۱۷) اور جائز ہے کتے کی بیع اور چیتے کی بیع اور پھاڑ کھانے والے کی بیع۔

تشریح یہ جانور پھاڑ کھانے والے ہیں۔ ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔ اس لئے امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ ان کی بیع جائز نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ان کی بیع جائز ہے۔

وجہ یہ جانور کھانے کے لئے نہیں ہیں لیکن کسی نہ کسی کام کے ہیں۔ اور نجس العین نہیں ہیں اس لئے ان کی بیع جائز ہے۔ مثلا کتا شکار کے کام کا ہے۔ چیتے کی کھال کام کی ہے۔ پھاڑ کھانے والے جانور کی کھال دباغت کے بعد کام آتی ہے اس لئے اس کی بیع جائز ہوگی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ عن جابر ان النبی ﷺ نھی عن ثمن السنور والکلب الا کلب صید (الف) (نسائی شریف، باب الرخصة فی ثمن کلب الصید ج ثانی ص ۲۰۱ نمبر ۴۳۰۰ / ترمذی شریف، باب الرخصة فی ثمن کلب الصید ص ۲۴۱ نمبر ۱۲۸۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے بلی اور کتے کے ثمن سے منع فرمایا۔ لیکن شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے۔ اسی لئے تو اس کے ثمن کی اجازت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتے کی بیع جائز نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ حدیث میں ہے عن ابی مسعود الانصاری ان رسول الله ﷺ نھی عن ثمن الکلب ومھر البغی وحلوان الکاھن (ب) (بخاری شریف، باب ثمن الکلب ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۳۷ / مسلم شریف، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاہن ص ۱۹ نمبر ۱۵۶۷ / ترمذی شریف نمبر ۱۲۸۱) اس حدیث میں کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کی بیع بھی جائز نہیں ہوگی (۲) ان کے یہاں کتا نجس العین ہے اور نجس العین کی بیع جائز نہیں اس لئے کتے کی بھی بیع جائز نہیں ہے۔

اصول چیز نجس العین نہ ہو اور فائدہ مند ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔

لغت الفھد : چیتا۔ سباع : سبع کی جمع ہے۔ پھاڑ کھانے والے جانور۔

[۹۶۹](۱۸) اور نہیں جائز ہے شراب کی بیع اور سور کی بیع۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے کتے اور بلی کی بیع سے منع فرمایا مگر شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی (ب) آپؐ نے منع فرمایا کتے کی قیمت، زنا کی اجرت اور کاہن کے پاس آنے سے۔

والخنزیر [۹۷۰](۱۹) ولا یجوز بیع دود القز الا ان یکون مع القز ولا النحل الا مع

وجہ (۱) شراب اور سور نجس العین ہیں اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ نجس العین ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ **انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان** (الف) (آیت ۹۰ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں خمر کو رجس اور ناپاک کہا گیا ہے (۲) حدیث میں شراب بیچنے کی ممانعت ہے۔ **عن عائشة مما نزلت آیات** سورۃ البقرۃ ۲ آیت ۲۱۹ **عن آخرھا خرج النبی** ﷺ **فقال حرمت التجارة فی الخمر** (ب) (بخاری شریف، باب تحریم التجارۃ فی الخمر ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۶ ر مسلم شریف، باب تحریم الخمر ص ۲۲ نمبر ۱۵۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب کی تجارت حرام ہے (۳) ابو داؤد شریف میں یہ بھی ہے کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے تو اس کا ثمن بھی حرام ہے۔ **عن ابن عباس قال رایت رسول اللہ** ﷺ **جالسا عند الرکن قال فرفع بصره الی السماء فضحک فقال لعن اللہ الیھود ثلاثا ان اللہ تعالی حرم علیھم الشحوم فباعوھا واکلوا اثمانھا وان اللہ تعالی اذا حرم علی قوم اکل شیء حرم علیھم ثمنه** (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی ثمن الخمر والمیتۃ ص ۱۳۶ نمبر ۳۴۸۸) اس حدیث میں ہے کہ کسی چیز کا کھانا حرام ہو تو اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ اس لئے شراب کی قیمت حرام ہوگی اور اس کا بیچنا حرام ہوگا۔ اور خنزیر کے حرام ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ **الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اھل لغیر اللہ به** (د) (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں لحم خنزیر کو رجس اور ناپاک کہا گیا ہے اس لئے اس کا بیچنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد اللہ انه سمع رسول اللہ** ﷺ **یقول عام الفتح وھو بمکة ان اللہ ورسوله حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام** (ہ) (مسلم شریف، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام ص ۲۳ نمبر ۱۵۸۱) اس حدیث میں شراب، مردار اور سور اور بتوں کے بیچنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے سور کی بیع بھی جائز نہیں ہے (۳) شراب اور سور مسلمانوں کے لئے مال ہی نہیں ہیں اس لئے اس کو بیچیں گے کیسے؟

[۹۷۰](۱۹) اور نہیں جائز ہے ریشم کے کیڑے کی بیع مگر ریشم کے ساتھ اور نہ شہد کی مکھی کی بیع مگر چھتوں کے ساتھ۔

تشریح ریشم کی بیع جائز ہے مگر تنہا ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں۔ ہاں ریشم کے ساتھ کیڑے ہوں تو ریشم کے ساتھ کیڑوں کی بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ ریشم کا کیڑا مال نہیں ہے اس لئے تنہا اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ البتہ ریشم کے تابع کر کے اس کی بیع جائز ہوگی۔ اسی طرح شہد کی مکھی مال نہیں ہے اس لئے تنہا اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ البتہ شہد کے چھتے کے ساتھ تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہوگی۔

حاشیہ : (الف) شراب، جوا، بت پرستی اور تیر سے فال نکالنا ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی تو حضور ؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا شراب کی تجارت حرام کر دی گئی ہے (ج) میں نے حضور کو رکن کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا فرمایا آپ ؐ نے اپنی نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور مسکرائے پھر تین مرتبہ فرمایا، اللہ یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کی تھی پھر بھی اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی حالانکہ اللہ تعالی کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کرتے ہیں (د) مگر یہ کہ مردہ ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو۔ پس خنزیر کا گوشت ناپاک ہے یا فسق ہے کہ اللہ کے علاوہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (ہ) حضور کو فتح مکہ کے دن فرماتے ہوئے سنا دراں حالیکہ آپ ؐ مکہ میں تھے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کو بیچنا حرام کر دیا ہے۔

الکورات[۱۷۱](۲۰) واھل الذمة فی البیاعات کالمسلمین الا فی الخمر والخنزیر خاصة فان عقدھم علی الخمر کعقد المسلم علی العصیر وعقدھم علی الخنزیر کعقد

اصول جو چیز مال نہ ہواور نجس العین نہ ہوتو دوسروں کے تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہوگی۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ریشم کے کیڑوں کی بیع تنہا بھی جائز ہے۔اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بیع تنہا بھی جائز ہے۔

وجہ یہ کیڑے منتفع بہ ہیں۔ان سے ریشم اور شہد نکلتے ہیں اس لئے یہ مال کے درجے میں ہوئے۔اس لئے تنہا ان کی بیع بھی جائز ہوگی۔

لغت دود القز : ریشم کے کیڑے۔ النحل : شہد کی مکھی۔ الکورات : شہد کی مکھیوں کے چھتے۔

[۱۷۱](۲۰) اہل ذمہ بیوع میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگر شراب میں اور سور میں خاص طور پر۔اس لئے کہ ان کا عقد شراب پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمان کا عقد شربت پر،اور ان کا عقد سور پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمان کا عقد بکری پر۔

تشریح وہ کافر جو ٹیکس دے کر دار الاسلام میں رہتے ہیں ان کو ذمی کہتے ہیں۔ان لوگوں کے حقوق مسلمانوں کی طرح ہیں۔اس لئے جس طرح مسلمان خرید وفروخت کرتے ہیں اسی طرح ذمی بھی خرید وفروخت کریں گے۔

وجہ حضورؐ نے خود کفار سے خرید وفروخت کیا ہے۔**عن عبد الرحمن بن ابی بکر قال کنا مع النبی ﷺ ثم جاء رجل مشرک مشعان طویل بغنم یسوقھا فقال النبی ﷺ ابیعا ام عطیة ؟ او قال ام ھبة ؟ قال لا بل بیع فاشتری منه شاة** (الف) (بخاری شریف، باب الشراء والبیع مع المشرکین واہل الحرب ص ۲۹۵ نمبر ۲۲۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے مشرک سے بیع کی ہے۔اس لئے مشرک کو بیع کرنے کی اجازت ہوگی تو ذمیوں کو بدرجہ اولی بیع وشراء کرنے کی اجازت ہوگی۔کیونکہ وہ دار الاسلام کو ٹیکس دیکر تمام حقوق حاصل کر لئے ہیں۔

البتہ ذمیوں کو اپنے طور پر شراب اور سور بیچنے کی اجازت ہوگی کیونکہ ان کے اعتقاد میں وہ مال ہیں۔اس لئے جس طرح مسلمان شربت کی خرید وفروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں شراب کی خرید وفروخت کریں گے۔اور ہم جس طرح بکری کی خرید وفروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں سور کی خرید وفروخت کریں گے۔

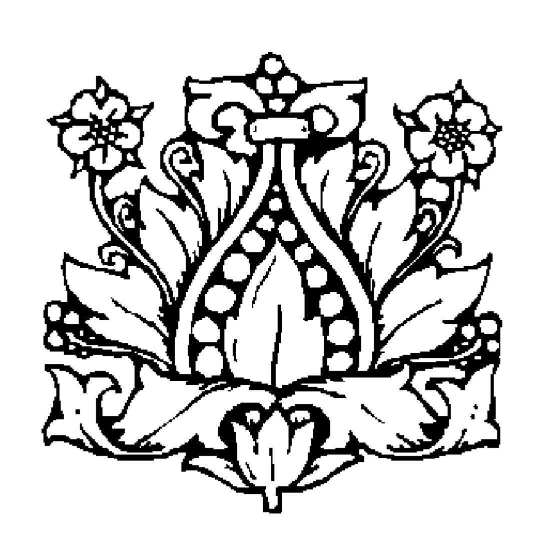
وجہ اثر میں اس کی اجازت موجود ہے۔**سمع ابن عباس یقول دخلت علی عمر ... قال سفیان یقول لا تأخذوا فی جزیتھم الخمر والخنازیر ولکن خلوا بینھم وبین بیعھا فاذا باعواھا فخذوا اثمانھا فی جزیتھم** (ب) (سنن للبیہقی ،باب لا یأخذ منھم فی الجزیة خمرا ولا خنزیرا، ج تاسع، ص ۳۴۶، نمبر ۱۸۷۳۸) اس اثر میں ہے کہ ذمیوں کو شراب اور سور کی بیع کرنے دو اور اس

حاشیہ : (الف) ہم حضور کے ساتھ تھے کہ ایک مشرک آدمی آیا جو مضبوط اور لمبا تھا۔بکری ہانکتے ہوئے تو حضورؐ نے پوچھا، بیچنے کی ہے یا عطیہ دینے کی؟ یا آپؐ نے فرمایا ہبہ کرنے کی؟ مشرک آدمی کہنے لگا نہیں! بلکہ بیچنے کے لئے۔پس آپؐ نے اس سے ایک بکری خریدی (ب) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے پاس آیا...حضرت سفیان نے فرمایا کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے ذمیوں کے جزیہ میں شراب اور سور مت لو۔لیکن ان کو سور اور شراب کی خرید وفروخت کرنے کے لئے چھوڑ دو۔اور ان کی قیمت میں جزیہ لو۔

المسلم علی الشاة.

کے ثمن میں جزیہ لو۔

 اھل الذمۃ : جو کافر دارالاسلام میں ٹیکس دیکر رہتے ہین ان کو اہل الذمۃ کہتے ہیں۔



﴿ باب الصرف ﴾

[۹۷۲](۱)الصرف هو البیع اذاکان کل واحد من عوضیه من جنس الاثمان[۹۷۳] (۲) فان باع فضة بفضة او ذهبا بذهب لم یجز الا مثلا بمثل وان اختلفا فی الجودة والصیاغة

﴿ باب الصرف ﴾

ضروری نوٹ صرف کے معنی زیادتی اور پلٹنے کے ہیں۔ چونکہ درہم اور دنانیر کے ادھر ادھر کرنے میں نفع کی زیادتی ہے اس لئے سونا کو سونا کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو چاندی کے بدلے بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔ سونا اور چاندی کو اثمان بھی کہتے ہیں۔ اثمان ہمہ وقت الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں اس لئے ان کی بیع صرف کہتے ہیں۔ بیع صرف کی دلیل اور سونا کو سونے کے بدلے کمی زیادتی کرکے نہ بیچے، اسی طرح چاندی کو چاندی کے بدلے کمی زیادتی کرکے نہ بیچے اور ہاتھوں ہاتھ لے، ادھار نہ کرے ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او استزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیه سواء (الف)** (مسلم شریف، باب الصرف و بیع الذهب بالورق نقدا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ / بخاری شریف، باب بیع الفضة بالفضة ص ۲۹۰ نمبر ۲۱۷۶، باب بیع الذهب بالورق یدا بید ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲ / ابو داؤد شریف، باب فی الصرف ص ۱۱۹ نمبر ۳۳۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاندی کو چاندی کے بدلے برابر سرابر بیچے۔ سونے کو سونے کے بدلے برابر سرابر بیچے۔ کمی زیادتی کرنے میں سود ہوگا جو حرم الربوا کے تحت حرام ہے۔ اور دونوں ثمنوں پر مجلس میں قبضہ کرے، کیونکہ ادھار میں بھی سود ہے۔ حدیث میں یدا بید کے ہاتھوں ہاتھ لو، ادھار نہیں۔ اس حدیث سے بیع صرف کا بھی ثبوت ہوا۔

[۹۷۲](۱) صرف وہ بیع ہے جبکہ ہو دونوں عوض ثمنوں کی جنس سے۔

تشریح دونوں طرف سونا ہو، دونوں طرف چاندی ہو، یا ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو تو ان صورتوں کو بیع صرف کہتے ہیں۔

نوٹ خالص چاندی یا سونا ہو، ملاوٹ والے ہوں، چاندی اور سونے کے برتن ہوں، یا سونے اور چاندی کے سکے ہوں سب چاندی کے حکم میں ہیں۔ البتہ ملاوٹ زیادہ ہو اور سونا یا چاندی کم ہوں تو ملاوٹ کو الگ کرکے جو چاندی یا سونا نکل سکتے ہوں ان کا حساب کیا جائے گا۔ اور ان کے بارے میں بیع صرف کا اطلاق ہوگا۔

لغت الاثمان : ثمن کی جمع ہے، سونا اور چاندی کو اثمان کہتے ہیں۔

[۹۷۳](۲) پس اگر بیچا چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے تو نہیں جائز ہے مگر برابر سرابر، اگر چہ عمدگی اور گھڑائی میں مختلف ہوں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، اور نمک نمک کے بدلے برابر سرابر، ہاتھوں ہاتھ لو، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو ربوا کا کام کیا۔ لینے والے اور دینے والے سب برابر ہیں۔

[۹۷۴](۳) ولا بد من قبض العوضين قبل الافتراق.

تشریح چاندی کو چاندی کے بدلے میں بیچے یا سونے کو سونے کے بدلے بیچے تو برابر سرابر ہوں کمی بیشی حرام ہے۔ چاہے ایک زیادہ عمدہ ہو اور دوسرا ردی ہو۔ یا ایک میں گھڑائی اچھی ہو اور دوسرے میں گھڑائی خراب ہو جس کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو۔ پھر بھی وزن کے اعتبار سے دونوں کو برابر کر کے بیچنا ہوگا۔ کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ اور کمی بیشی کرنا ہو تو سونے کی قیمت چاندی سے لگائے پھر اس چاندی سے سونا زیادہ خریدے۔ اسی طرح چاندی کی قیمت سونے سے لگائے اور اس سونے سے چاندی زیادہ خریدے۔ یہی صورت اختیار کرے۔ البتہ چاندی کو چاندی کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ نہ بیچے۔

وجہ اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزر چکی ہے مثلا بمثل (مسلم شریف نمبر ۱۵۸۷) اور ربوا والی چیزوں میں عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے اس کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ استعمل رجلا علی خيبر فجائه بتمر جنيب فقال رسول الله اكل تمر خيبر هكذا ؟ قال لا والله يا رسول الله ! انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاث فقال رسول الله ﷺ لا تفعل، بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا (الف) (بخاری شریف، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۱ رمسلم شریف، باب بیع الطعام مثلا بمثل ص ۲۴ نمبر ۱۵۹۳) اس حدیث میں جنیب اور جمع دونوں کھجور ہیں۔ جنیب عمدہ ہے اور جمع ردی کھجور ہے۔ پھر بھی ایک صاع کو دو صاع کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ اور مسلم کی حدیث میں فرمایا کہ برابر سرابر بیچو اور کمی بیشی کر کے بیچنا ہی ہو تو کھجور کی قیمت درہم سے لگاؤ۔ اور اس درہم سے پھر اچھا کھجور خرید لو۔ یہی حال سونا اور چاندی میں ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی اموال ربوا میں سے ہیں۔ اس لئے عمدہ ہو یا گھٹیا برابر سرابر ہی بیچنا ہوگا۔

اصول اموال ربویہ میں مبیع اور ثمن ایک جنس ہوں تو عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت الجودة : عمدہ۔ الصياغة : گھڑائی، رنگ و روغن۔

[۹۷۴] (۳) اور ضروری ہے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح چونکہ یہ اثمان ہیں اس لئے جدا ہونے سے پہلے مبیع اور ثمن پر قبضہ کر لے۔

وجہ ضروری نوٹ والی حدیث میں گزرا کہ یدا بید ہو یعنی ہاتھوں ہاتھ ہو (۲) سالت براء بن عازب و زيد بن ارقم عن الصرف فكل واحد منهما يقول هذا خير مني فكلاهما يقول نهى رسول الله ﷺ عن الذهب بالورق دينا (ب) (بخاری شریف، باب بیع الورق بالذھب نسیئۃ ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۰ رمسلم شریف، باب النہی عن بیع الورق بالذھب دینا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۹ ر۴۰۷۲) اس حدیث

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک آدمی کو خیبر پر عامل بنایا تو وہ عمدہ کھجور لے کر آیا۔ پس آپؐ نے فرمایا کیا خیبر کے تمام کھجور ایسے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! یا رسول اللہ، ہم ان میں سے ایک صاع دو صاع کے بدلے لیتے ہیں یا دو صاع تین صاع کے بدلے میں۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ ردی کھجور درہم کے بدلے میں بیچیں پھر اس درہم سے عمدہ کھجور خریدیں۔ (ب) براء بن عازب اور زید بن ارقم سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا، ہر ایک فرماتے تھے کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ پھر دونوں ہی نے فرمایا حضورؐ نے سونے کو چاندی کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔

[۹۷۵](۴)واذا باع الذهب بالفضة جاز التفاضل ووجب التقابض[۹۷۶] (۵) وان افترقا فی الصرف قبل قبض العوضین او احدهما بطل العقد.

میں فرمایا کہ سونا کو چاندی کے بدلے بیچو تو دو جنس ہو گئے اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچ سکتے ہیں۔لیکن چونکہ دونوں وزنی ہیں اس لئے دین اور ادھار جائز نہیں ہے۔دونوں پر مجلس میں ہی قبضہ کرنا ہوگا (۳) ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے۔اس لئے بغیر قبضہ کئے ہوئے جدا ہوں گے تو بیع الکالی بالکالی ہو جائے گی (دار قطنی نمبر ۳۰۴۲) جس سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔اور ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے پر قبضہ نہ کرے تو ایک کی بلا وجہ ترجیح ہوگی اس لئے دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

اصول اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

لغت العوضین : سے مراد مبیع اور ثمن ہیں۔

[۹۷۵] (۴) اگر سونے کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی جائز ہے۔لیکن قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

وجہ (۱) سونا اور چاندی دونوں دو جنس ہیں۔اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا۔لیکن چونکہ دونوں وزنی ہیں اس لئے مجلس میں دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی بکرة قال نهى النبى ﷺ عن الفضة بالفضة والذهب بالذهب الا سواء بسواء وامرنا ان نبتاع الذهب بالفضة كيف شئنا والفضة فى الذهب كيف شئنا (الف) (بخاری شریف، باب بیع الذہب بالورق یدا بید ص ۲۹۱ نمبر ۲۱۸۲ رمسلم شریف، باب الصرف وبیع الذہب بالورق نقدا ص ۲۴ نمبر ۱۵۸۷ / ۴۰۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کے ساتھ بیچ سکتا ہے بشرطیکہ نقد ہو۔مسلم کی اسی حدیث کے آگے اذا کان یدا بید کا لفظ موجود ہے۔ **اصول** جنس بدل جائے تو کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

لغت التفاضل : کمی بیشی۔

[۹۷۶] (۵) اگر بائع اور مشتری بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنے سے پہلے یا دونوں میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہو گئے تو عقد باطل ہو جائے گا۔

تشریح بائع اور مشتری نے بیع صرف کی اور مبیع اور ثمن دونوں پر قبضہ نہیں کیا یا ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے پر نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو بیع صرف باطل ہو جائے گی۔

وجہ اوپر کی حدیث کی بنیاد پر دونوں پر قبضہ کرنا ضروری تھا اور اس نے قبضہ نہیں کیا، حدیث کے خلاف کیا اس لئے عقد باطل ہو جائے گا۔

نوٹ اسی عقد کو برقرار رکھتے ہوئے بعد میں بائع نے ثمن پر اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ بیع تعاطی کے طور پر دونوں میں بیع جدید ہوئی اور اس کی بنیاد پر مبیع اور ثمن پر قبضہ ہوا اور بیع صرف ہوئی۔

(ب) حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے منع فرمایا کہ چاندی چاندی کے بدلے اور سونا سونے کے بدلے بیچے مگر برابر سرابر کر کے، اور ہمیں حکم دیا کہ سونے کو چاندی کے بدلے میں بیچیں جیسے چاہیں (یعنی کمی زیادتی کر کے بیچ سکتے ہیں) کیونکہ جنس الگ الگ ہو گئی۔

[۹۷۷](٦) ولا یجوز التصرف فی ثمن الصرف قبل قبضه[۹۷۸] (۷) ویجوز بیع الذهب بالفضة مجازفة [۹۷۹](۸) ومن باع سیفا محلی بمائة درهم وحلیته خمسون

[۹۷۷](٦)اورنہیں جائز ہے صرف ثمن میں تصرف کرنااس پر قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح بیع صرف کے ثمن پرابھی قبضہ نہیں کیا ہے اوراس کے ذریعہ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے اوراس میں تصرف کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) بیع صرف میں دونوں جانب ثمن ہیں۔اس لئے کسی ایک کوترجیح دیئے بغیر دونوں مبیع کے درجے میں ہیں۔اور قبضہ کرنے سے پہلے مبیع کو بیچنا جائز نہیں اس لئے بیع صرف میں جس کو بھی ثمن قرار دیں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن ابن عباس قال قال رسول اللہ من ابتاع طعاما فلا یبیعه حتی یقبضه (الف) (مسلم شریف، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض ص۵ نمبر۱۵۲۵/۳۸۳۸/بخاری شریف، باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک ص۲۸٦ نمبر۲۱۳۵/ابوداؤد شریف، نمبر۳۴۹۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اور یہاں دونوں مبیع ہیں اس لئے ان پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔

فائدہ امام زفر کی رائے ہے کہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے بیع صرف کے ثمن پر قبضہ نہ ہو سکے گا تو اپنی طرف سے دوسرے درہم یا دنانیر دے دیگا اس لئے بیع صرف کے ثمن سے کوئی چیز خریدی تو بیع جائز ہوگی۔

[۹۷۸](۷)سونے کی بیع چاندی کے بدلے اٹکل سے جائز ہے۔

وجہ سونے کو چاندی کے بدلے اٹکل سے بیچے گا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کمی زیادتی ہوگی۔اور سونے کو چاندی کے بدلے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔کیونکہ دو جنس ہو گئے اس لئے سونے کو چاندی کے بدلے اٹکل سے بیچنا جائز ہے۔حدیث اوپر گزر گئی فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید (ب)(مسلم شریف، باب الصرف وبیع الذهب بالورق نقدا ص۲۴ نمبر ۱۵۸۷/۴۰۶۳/بخاری شریف، باب بیع الذهب بالورق یدا بید ص۲۹۱ نمبر۲۱۸۲) کہ سونا چاندی کے بدلے ہو تو جیسے چاہے بیچو۔اس لئے اٹکل سے بیچنا جائز ہوگا۔

اصول دو جنس ہوں تو اٹکل سے بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اس میں ربو نہیں ہے۔

لغت مجازفة : اٹکل۔

[۹۷۹](۸) کسی نے زیوردار تلوار بیچی سو درہم کے بدلے اور اس کا زیور پچاس درہم کا ہے۔پس اس کی قیمت میں سے پچاس درہم دیئے تو بیع جائز ہوگی اور رقم قبضہ کی وہ چاندی کے حصہ میں سے ہوگی اگر چہ اس کی تصریح نہیں کی۔اور ایسے ہی جائز ہوگی بیع اگر کہا یہ پچاس دونوں کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے غلہ خریدا تو اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرے (ب) جب اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو جبکہ ہاتوں ہاتھ ہو (یعنی کمی زیادتی کر کے بیچ سکتے ہو۔

درهما فدفع من ثمنه خمسين درهما جاز البيع وكان المقبوض من حصة الفضة وان لم يبين ذلك وكذلك ان قال خذ هذه الخمسين من ثمنها[۹۸۰] (۹) فان لم يتقابضا

قیمت سے لو۔

تشریح لوہے کی تلوار بیچی اس میں پچاس درہم کا زیور لگا ہوا تھا۔اور پچاس درہم نقد دیا اور باقی پچاس ادھار کیا تو پوری تلوار اور زیور کی بیع جائز ہوگی۔

وجہ زیور کی قیمت مجلس میں دینا ضروری تھا کیونکہ وہ چاندی ہے اور ثمن ہے اور چاندی کی بیع چاندی سے ہو رہی ہے اس لئے برابر سرابر بھی ضروری ہے۔اب جو پچاس درہم دیئے وہ پچاس درہم کے برابر زیور کے بدلے میں ہوئے اور باقی پچاس لوہے کی تلوار کے بدلے میں ہے جو ادھار رہے۔اس لئے مجلس میں جو پچاس دیئے وہ زیور کے بدلے میں سمجھا جائے گا تا کہ بیع صحیح ہو،اور اگر پچاس میں سے آدھا تلوار کے بدلے کریں تو زیور کے بدلے پر مجلس میں قبضہ نہیں ہوگا اور پورے کی بیع فاسد ہو جائے گی۔اس لئے یہ پچاس جو دیئے وہ زیور کے بدلے قرار دیئے جائے۔

نوٹ یہ بھی ضروری ہے کہ جتنا زیوار تلوار میں ہے اس سے زیادہ قیمت میں تلوار بکے تا کہ زیور کی چاندی کے بدلے میں برابر سرابر چاندی ہو جائے اور جو مزید قیمت دی وہ تلوار کے بدلے میں ہو جائے۔مثال مذکور میں پچاس درہم پچاس درہم کے مطابق زیور کے بدلے ہوئے اور باقی پچاس درہم تلوار کے بدلے ہوئے۔

وجہ (۱) حدیث میں اس کی تشریح ہے۔ سمعت فضالة بن عبيد الانصاري يقول اتى رسول الله وهو بخيبر بقلادة فيها خرز و ذهب وهي من المغانم تباع فامر رسول الله بالذهب الذي في القلادة فنزع وحده ثم قال لهم رسول الله ﷺ الذهب بالذهب وزنا بوزن (الف) (مسلم شریف، باب بیع القلادۃ فیھا خرز وذھب ص ۲۵ نمبر ۱۵۹۱/ابوداؤد شریف، باب فی حلیۃ السیف تباع بالدراھم ج ثانی ص ۱۲۰ نمبر ۳۳۵۱/ترمذی شریف، باب ماجاء فی شراء القلادۃ وفیھا ذھب وخرز ص ۲۳۸ نمبر ۱۲۵۵) اس حدیث میں ہے کہ ہار میں بارہ دینار سے زیادہ کا سونا تھا۔اور بارہ دینار میں خریدا تھا تو آپؐ نے فرمایا اس کو جدا کر کے دیکھو اور دونوں کا وزن برابر کر کے بیچو۔اسی لئے فرمایا وزنا بوزن یعنی دونوں کے وزن برابر ہوں۔

اصول سونا یا چاندی دوسری دھات کے ساتھ شامل ہوں تب بھی حقیقی سونا اور چاندی کو برابر کر کے بیچنا ہوگا تا کہ ربوا نہ ہو۔

[۹۸۰] (۹) پس اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے تو زیور میں عقد باطل ہو جائے گا،اور اگر بغیر ضرر کے زیور الگ ہو سکتا ہے تو تلوار میں بیع جائز ہوگی اور زیور میں باطل ہوگی۔

تشریح بائع کو زیور کی قیمت پچاس درہم پر قبضہ کرنا چاہئے تھا لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو اگر زیور تلوار کو نقصان دیئے بغیر الگ ہو سکتا

حاشیہ : (الف) حضورؐ خیبر میں تھے،آپؐ کے سامنے ایک ہار لایا گیا جس میں پتھر کے نگ اور سونا تھا۔وہ مال غنیمت میں سے تھا۔وہ بیچا جارہا تھا تو حضورؐ نے سونے کے بارے میں حکم دیا جو ہار میں تھا کہ ان کو الگ نکالا جائے (یعنی اس کی قیمت الگ لگے) پھر آپؐ نے ان سے فرمایا سونا سونے کے بدلے وزن میں برابر ہوں۔

حتی افترقا بطل العقد فی الحلیة و ان کان یتخلص بغیر ضرر جاز البیع فی السیف وبطل فی الحلیة[۹۸۱] (۱۰)ومن باع اناء فضة ثم افترقا وقد قبض بعض ثمنه بطل العقد فیما لم یقبض وصح فیما قبض وکان الاناء مشترکا بینهما[۹۸۲] (۱۱) وان استحق بعض الاناء کان المشتری بالخیار ان شاء اخذ الباقی بحصته من الثمن وان شاء رده

ہوتو تلوار کی بیع ہو جائے گی۔ کیونکہ تلوار کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔اور زیور کی بیع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا اور نہ ربوا ہوگا۔ ربوا ہونے کی دلیل اوپر حدیث گزر چکی ہے۔

نوٹ اگر زیور تلوار سے نقصان دیئے بغیر الگ نہ ہوسکتا ہوتو زیور کی بیع نہیں ہوگی اور اس کی وجہ سے تلوار کی بیع بھی نہیں ہوگی۔

لغت الحلیۃ : زیور، خوبصورتی کی کوئی چیز۔

[۹۸۱](۱۰) کسی نے چاندی کا برتن بیچا پھر دونوں جدا ہو گئے حالانکہ بعض ثمن پر قبضہ کیا تو عقد باطل ہو جائے گا جس میں قبضہ نہیں کیا تھا اور صحیح ہوگا جتنے پر قبضہ کیا تھا اور برتن دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

تشریح مثلا سو درہم کا برتن تھا۔ پچاس درہم مجلس میں دیئے اور پچاس درہم نہیں دیئے۔ تو جتنے دیئے اس کی بیع ہوگی اور جتنے نہیں دیئے اس کی بیع باطل ہوگی۔

وجہ کیونکہ دونوں جانب چاندی ہیں اس لئے دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا۔ اور یہاں آدھے پر مجلس میں قبضہ ہوا اس لئے آدھے کی بیع ہوگی اور آدھے کی بیع نہیں ہوگی۔ اس صورت میں مبیع برتن ہے اس لئے آدھا برتن الگ تو نہیں ہوسکتا اس لئے آدھے برتن کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے پورے برتن کی بیع فاسد ہونی چاہئے لیکن فاسد اس لئے نہیں کریں گے کہ پہلے بیع پورے برتن کی ہوئی ہے اور بعد میں فساد آیا ہے اس لئے آدھے کا فساد پورے میں سرایت نہیں کرے گا۔ اس لئے آدھے برتن کی بیع ہوگی اور آدھے برتن کی بیع نہیں ہوگی۔ اور برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فساد شروع سے نہ ہو بلکہ بعد میں طاری ہوا ہو تو باقی مبیع میں سرایت نہیں کرے گا۔

[۹۸۲](۱۱) اگر بعض برتن کا مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو باقی کو اس کے ثمن کے حصے کے ساتھ لے اور اگر چاہے تو رد کر دے۔

تشریح مثلا چاندی کا کوئی برتن سو درہم میں بیچا۔ بیع طے ہونے کے بعد کسی دوسرے نے کہا کہ اس برتن میں آدھا میرا حق ہے۔ اور دلائل کے ذریعہ اپنا حق ثابت کر دیا تو گویا کہ آدھا تیسرے آدمی کا ہوگا اور آدھا برتن مشتری کا ہوگا۔ اور برتن میں شرکت عیب ہے اس لئے مشتری کو اختیار ہوگا کہ برتن کا جتنا حصہ اس کے حق میں آتا ہے اتنی قیمت دے کر لے لے اور چاہے تو پورے کی بیع فسخ کر دے۔

اصول شرکت عیب ہے اس لئے لینے اور فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

[۹۸۳](۱۲) ومن باع قطعة نقرة فاستحق بعضها اخذ ما بقی بحصته ولا خیار له [۹۸۴](۱۳) ومن باع درھمین ودینارا بدینارین ودرھم جاز البیع وجعل کل واحد من الجنسین بدلا من جنس الآخر[۹۸۵](۱۴) ومن باع احد عشر درھما بعشرة دراھم

---

[۹۸۳](۱۲) کسی نے چاندی کا ٹکڑا بیچا۔ پس اس کے بعض کا مستحق نکل آیا تو لے گا جو باقی ہے اس کے حصے کے ثمن کے بدلے اور مشتری کو اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح مثلا سو درہم کی چاندی کی ڈلی تھی اس کو خریدا، بعد میں آدھے کا مستحق کوئی اور آدمی نکل آیا تو آدھی قیمت یعنی پچاس درہم دیکر مشتری آدھا لے لے۔ اور اس صورت میں مشتری کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

وجہ چاندی کی ڈلی ٹکڑا ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس میں شرکت نہیں ہوگی جو عیب ہے۔ اس لئے مشتری کو لینا ہی پڑے گا اور اس کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ البتہ جتنا حصہ مشتری کے حق میں آئے گا اتنی ہی قیمت دینی ہوگی زیادہ نہیں۔ کیونکہ اتنا ہی حق اس کو ملا ہے۔

لغت نقرۃ : چاندی کی ڈلی۔

[۹۸۴](۱۳) کسی نے دو درہم اور ایک دینار، دو دینار اور ایک درہم کے بدلے میں بیچا تو بیع جائز ہے اور دونوں جنسوں میں سے ہر ایک کو دوسری جنس کے بدلے میں کر دی جائے گی۔

تشریح ایک طرف دو درہم اور ایک دینار ہیں اور دوسری طرف دو دینار اور ایک درہم ہیں۔ اس لئے اگر دو درہم کو ایک درہم کے بدلے اور ایک دینار کو دو دینار کے بدلے کر دیں تو بیع فاسد ہوگی اور سود ہوگا۔ لیکن دو درہم کو ایک دینار کے بدلے کر دیں اور اسی طرح دو دینار کو ایک درہم کے بدلے کر دیں تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی جائز ہوگی اور بیع جائز ہو جائے گی۔ حتی الامکان بیع جائز کرنے کے لئے یہی دوسری صورت اختیار کی جائے گی۔

اصول یہاں اصول یہ ہے کہ چاہے ایک صفقہ ہو لیکن خلاف جنس کر کے ربوا سے بچنے کی کوئی صورت موجود ہو تو اس کو اختیار کیا جائے گا اور انسانی سہولت ملحوظ رکھی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ یہاں مجموعے کا مقابلہ مجموعے کے ساتھ ہے اس لئے دو درہم ایک درہم کے بدلے ہو جائیں گے اور ایک دینار دو دینار کے بدلے ہو جائے گا اور ایک ہی جنس میں کمی زیادتی ہو جائے گی اور ربوا ہوگا اس لئے یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔

[۹۸۵](۱۴) کسی نے گیارہ درہم دس درہم اور ایک دینار کے بدلے بیچے تو بیع جائز ہے، دس درہم دس درہم کے برابر ہو جائیں گے اور ایک دینار ایک درہم کے بدلے ہو جائے گا۔

تشریح یہاں بھی اوپر کا اصول کارگر ہوگا کہ گیارہ درہم کو دس درہم اور ایک دینار کے بدلے بیچا تو دس درہم کو دس درہم کے بدلے کر دیں گے اور جو ایک درہم بچا اس کو ایک دینار کے بدلے کر دیا جائے گا۔ تو چونکہ خلاف جنس ہے اس لئے کمی زیادتی جائز ہوگی اور بیع جائز ہو جائے گی۔

ودینار جاز البیع وکانت العشرة بمثلها والدینار بدرهم[۹۸۶] (۱۵) ویجوز بیع درهمین صحیحین ودرهم غلة بدرهم صحیح ودرهمین غلة[۹۸۷] (۱۶)وان کان الغالب علی الدراهم الفضة فهی فی حکم الفضة وان کان الغالب علی الدنانیر الذهب فهی فی حکم الذهب فیعتبر فیهما من تحریم التفاضل ما یعتبر فی الجیاد[۹۸۸](۱۷) وان کان الغالب علیهما الغش فلیسا فی حکم الدراهم والدنانیر فهما فی حکم العروض.

---

[۹۸۶](۱۵)اور جائز ہے بیع دو صحیح درہم اور ایک کھوٹے درہم کی، بدلے میں ایک صحیح درہم اور دو کھوٹے درہم کے۔

تشریح ایک طرف دو صحیح درہم اور ایک کھوٹا درہم ہے۔ دوسری طرف ایک صحیح اور دو کھوٹے درہم ہیں تو بیع جائز ہوگی۔

وجہ چونکہ دونوں طرف تین تین درہم ہیں اس لئے وزن میں دونوں برابر ہونگے۔ البتہ ایک طرف دو کھوٹے ہیں اور دوسری طرف صرف ایک کھوٹا ہے اس لئے قیمت میں کمی بیشی ہوگی۔ لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ اموال ربوا میں وزن میں دونوں برابر ہوں اس کا اعتبار ہے۔ عمدہ اور ردی اور قیمت میں کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے دونوں طرف وزن کے برابر ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہوگی۔

اصول اموال ربویہ میں وزن اور کیل میں دونوں طرف برابر ہونا ضروری ہے، عمدہ اور ردی کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت غلة : وہ درہم جس میں کھوٹ شامل ہو اور تاجر اس کو قبول کرتا ہو لیکن بیت المال اس کو قبول نہ کرتا ہو۔

[۹۸۷](۱۶) اگر درہم پر غالب چاندی ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر دینار پر غالب سونا ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہے۔ تو اعتبار کیا جائے گا ان دونوں میں کمی بیشی کے حرام ہونے کا جو اعتبار کیا جاتا ہے عمدہ میں۔

تشریح خالص سونے کا سکہ نہیں بن سکتا، اسی طرح خالص چاندی کا سکہ نہیں بن سکتا ہے۔ ان میں کچھ نہ کچھ دوسری دھات ملانی پڑتی ہے۔ اس لئے تھوڑی بہت ملاوٹ کا اعتبار نہیں ہے۔ وہ جید اور عمدہ کے حکم میں ہے۔ اس میں کمی زیادتی ایسے ہی حرام ہے جیسے جید اور اچھے میں۔ البتہ آدھے سے زیادہ ملاوٹ ہو تو چونکہ غالب دوسری دھات ہوگئی اس لئے اب یہ خالص سونے چاندی کے حکم میں نہیں رہی۔ بلکہ سامان کے حکم میں ہوگئی۔ یہاں اصول یہ ہے کہ اعتبار غالب اور اکثر کا ہے۔ اکثر چاندی یا سونا ہے تو وہ سونے اور چاندی کے حکم میں ہیں۔ اور اگر اکثر دوسری دھات ہے تو وہ دوسری دھات اور سامان کے حکم میں ہے۔ مشہور قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل۔

اصول اکثر اور غالب کا اعتبار ہے۔

[۹۸۸](۱۷) اور اگر دونوں پر غالب کھوٹ ہے تو وہ دونوں درہم اور دنانیر کے حکم میں نہیں ہیں۔ پس وہ دونوں سامان کے حکم میں ہیں

تشریح درہم میں چاندی غالب نہیں ہے بلکہ کھوٹ غالب ہے تو چونکہ اکثر کھوٹ ہے اس لئے اس کا حکم سامان کا حکم ہے۔ اسی طرح دینار میں کھوٹ غالب ہے تو وہ اب سونے کے حکم میں نہیں ہے بلکہ سامان کے حکم میں ہے۔ قاعدہ گزر چکا ہے۔

[٩٨٩](١٨) فاذا بیعت بجنسها متفاضلا جاز البیع [٩٩٠](١٩) وان اشتری بها سلعة ثم کسدت فترک الناس المعاملة بها قبل القبض بطل البیع عند ابی حنیفة وقال ابو

---

[٩٨٩](١٨) پس اگر اس کی جنس کے ساتھ بیچی جائے کمی بیشی کر کے تو جائز ہے۔

تشریح مثلا چھ سکے بیچ رہا ہے، جن میں کھوٹ غالب ہے۔ان چھ سکوں میں عمدہ دو سکوں کے برابر چاندی ہے اور چار سکوں کے برابر کھوٹ ہے۔پس ان چھ سکوں کو عمدہ تین سکوں کے بدلے بیچے تو جائز ہے۔

وجہ چھ سکوں میں دو سکوں کے برابر چاندی ہے وہ عمدہ دو سکوں کے بدلے ہو گئے اور برابر ہو گئے اور باقی چار کھوٹ والے سکے ایک عمدہ سکے کے بدلے ہو گئے۔اس طرح خالص چاندی خالص چاندی کے برابر اور مزید چاندی کھوٹ کے بدلے ہو گئی اور بیع جائز ہو گئی۔حدیث مثلا بمثل کی رو سے کوشش کی جائے گی کہ چاندی چاندی کے برابر ہو کمی زیادتی نہ ہو۔اور کھوٹ کے بدلے مزید چاندی ہو جائے تا کہ بیع جائز ہو جائے۔اس قسم کے مسئلے مسئلہ نمبر ۱۸ اور مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزر گئے۔

نوٹ یہ مسئلے ان تین اصولوں سے مستنبط ہیں (۱) سونا سونے کے برابر ہو، چاندی چاندی کے برابر ہو (۲) اثمان ہوں تو مجلس میں قبضہ ہو (۳) اور چاندی اور سونا مشترک ہو تو اس میں کوشش کی جائے کہ خلاف جنس کے بدلے ہو کر بیع جائز ہو جائے۔

[٩٩٠](١٩) اگر کھوٹے درہم کے بدلے سامان خریدا پھر اس کا رواج نہ رہا پس لوگوں نے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے معاملہ چھوڑ دیا تو بیع باطل ہو جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔اور فرمایا امام ابو یوسف نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے بیع کے دن کی۔اور فرمایا امام محمد نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے آخری دن کی جب لوگ اس سکے کا معاملہ کرتے تھے۔

تشریح کھوٹے سکے کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک لوگوں میں اس کا رواج ہو اس وقت تک وہ سکے کے درجے میں ہے، اور جس دن رواج ختم ہوا اس دن سے وہ سامان کے درجے میں ہے۔اب مثلا دس کھوٹے سکے کے بدلے کوئی چیز خریدی۔ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ لوگوں میں ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بیع باطل ہو گئی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سکے کھوٹے تھے اس لئے لوگوں کے تعامل سے سکے تھے۔اور جب لوگوں نے تعامل چھوڑ دیا تو وہ سامان بن گئے۔اور ان کی ثمنیت ختم ہو گئی۔اس لئے مبیع بغیر ثمن کے باقی رہی۔اور بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے۔اس لئے یہ بیع فاسد ہو جائے گی۔اور چونکہ مبیع پر مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے مبیع بائع کے پاس ہی رہے گی اور مشتری کو کچھ نہیں دینا ہوگا۔

اصول بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ بیع کرتے وقت سکوں کی ثمنیت تھی یہ تو بعد میں ان کی ثمنیت ختم ہوئی ہے۔اس لئے ان سکوں کی قیمت دی جائے گی۔وہ فرماتے ہیں کہ بیع کرتے وقت ان سکوں کی قیمت درہم سے کیا تھی وہ دی جائے گی۔کیونکہ بائع اور مشتری کے ذہن میں اسی وقت کی قیمت ملحوظ ہے۔اسی وقت کی قیمت ملحوظ رکھ کر بائع مبیع بیچنے پر راضی ہوا ہے۔اس لئے بیچنے کے وقت ان سکوں کی جو قیمت تھی وہی مشتری پر لازم ہوگی۔

یوسف رحمه الله تعالی علیه قیمتها یوم البیع وقال محمد رحمه الله تعالی علیه قیمتها آخر ما یتعامل الناس[۹۹۱] (۲۰) ویجوز البیع بالفلوس النافقة وان لم یعین [۹۹۲](۲۱) وان کانت کاسدة لم یجز البیع بها حتی یعینها[۹۹۳] (۲۲) واذا باع بالفلوس النافقة ثم کسدت قبل القبض بطل البیع عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی

اصول بیع کے دن کی قیمت ملحوظ ہوگی۔

امام محمد کے نزدیک بھی بیع صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آخری دن جس میں لوگوں نے ان سکوں کو لینا دینا چھوڑا اس دن ان دس سکوں کی کیا قیمت تھی وہ دلوائی جائے گی۔

وجہ جب تک سکے رائج تھے اس وقت تک سکے دینے ہی کے مجاز تھے۔ البتہ جس دن ان کا لینا دینا چھوڑا اس دن سکے سے ان کی قیمت کی طرف منتقل ہوا اس لئے اس دن ان مثلا دس سکوں کی جو قیمت ہو مشتری پر وہ قیمت لازم ہوگی۔ اور وہی قیمت ادا کر کے مبیع لے لیگا۔

اصول سکے سے قیمت کی طرف جس دن منتقل ہوا اس دن کی قیمت ملحوظ ہوگی۔

لغت ما یتعامل الناس : لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہوں، لوگوں میں اس کا رواج ہو۔

[۹۹۱] (۲۰) جائز ہے بیع رائج پیسوں سے اگرچہ متعین نہ کرے۔

تشریح فلوس چاندی اور سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں کے سکے بنتے ہیں۔ اس لئے جب تک ان کا رواج رہے گا اس وقت تک ان کا حکم درہم اور دنانیر کی طرح ہوگا۔ یعنی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگا۔ اس قیمت کے کوئی بھی فلوس دیدے کافی ہو جائیں گے۔ اور جس دن سے ان کا رواج ختم ہو جائے اس دن سے وہ سامان کی طرح ہیں۔ یعنی وہ متعین کرنے سے متعین ہوں گے۔ اس اصول کی بنیاد پر مروج پیسوں سے کوئی چیز خریدے گا تو جائز ہے۔ چاہے ان پیسوں کو متعین نہ کیا ہو اور اس قیمت کے کوئی پیسے دیدے کافی ہو جائیں گے۔

لغت الفلوس النافقة : مروج پیسے۔ النافقة : جسکا رواج ہو۔

[۹۹۲] (۲۱) اور اگر سکے رائج نہ ہوں تو نہیں جائز ہے بیع یہاں تک کہ ان کو متعین کرے۔

وجہ جو سکے رائج نہیں ہیں ان سے مبیع خریدا تو چونکہ وہ سکے سامان کے درجے میں ہیں اس لئے ان کو متعین کئے بغیر بیع جائز نہیں ہوگی۔ جس طرح سامان کو متعین کئے بغیر بیع جائز نہیں ہوتی ہے۔

لغت کاسدة : وہ سکے جن کا رواج نہ ہو۔

[۹۹۳] (۲۲) اگر مروج پیسوں سے بیچا پھر رواج ختم ہو گیا مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تو بیع باطل ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح مروج پیسوں سے کوئی مبیع خریدی۔ ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی۔

[۹۹۴](۲۳) ومن اشتری شیئا بنصف درهم من فلوس جاز البیع وعلیه ما یباع بنصف درهم من فلوس[۹۹۵] (۲۴) ومن اعطی صیرفیا درهما فقال اعطنی بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا الا حبة فسد البیع فی الجمیع عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی [۹۹۶](۲۵)وقالا جاز البیع فی الفلوس وبطل البیع فیما بقی.

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ پیسوں کا رواج ختم ہونے کے بعد وہ عام سامان ہو گئے اور مبیع بغیر ثمن کے باقی رہی اس لئے بیع فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ صاحبین کے نزدیک بیع صحیح ہوگی اور فلوس کی قیمت دیکر مشتری مبیع لیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کی قیمت اور امام محمد کے نزدیک اس آخری دن کی قیمت جس دن فلوس نافقہ کا رواج بند ہوا ہے۔ تفصیل اور قاعدہ مسئلہ نمبر ۱۹ میں گزر چکے ہیں۔

[۹۹۴](۲۳) کسی نے کوئی چیز خریدی آدھے درہم کے پیسے کے بدلے تو بیع جائز ہے اور مشتری پر اتنے پیسے لازم ہوں گے جو آدھے درہم میں بیچے جاتے ہیں۔

تشریح کسی نے یوں کہا کہ مثلا یہ کپڑا آدھے درہم کے جتنے پیسے آتے ہیں ان کے بدلے خریدتا ہوں تو یہ بیع جائز ہوگی۔ اور آدھے درہم کے جتنے پیسے اس ملک میں ہوتے ہیں اتنے پیسے مشتری پر لازم ہوں گے۔

وجہ آدھے درہم کے کتنے پیسے ہوتے ہیں یہ تھوڑی سی جہالت ہے لیکن اس ملک میں آدھے درہم کے کتنے پیسے ملتے ہیں تاجروں کے یہاں یہ مشہور و معروف ہوتے ہیں اس لئے یہ جہالت رفع ہو جائے گی۔ اور ثمن مجہول نہیں رہے گا۔ اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔

فائدہ امام زفر کے نزدیک یہ تھوڑی سی جہالت ہے اس لئے ان کے یہاں بیع فاسد ہوگی۔

لغت فلوس : پیسہ، سونے اور چاندی کے علاوہ کا سکہ۔

[۹۹۵](۲۴) کسی نے صراف کو ایک درہم دیا اور کہا آدھے درہم کے پیسے دو اور آدھے درہم کا درہم دو مگر ایک رتی کم دو تو تمام میں بیع فاسد ہو جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح ایک آدمی نے درہم بھنانے والے کو ایک درہم دیا اور یوں کہا کہ آدھے درہم کے جو پیسے ہوتے ہیں وہ دو اور باقی درہم ہی دو مگر اس میں ایک رتی چاندی کم دو تو پوری بیع فاسد ہوگی۔

وجہ یہاں آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم سے ہے اور اس میں ایک رتی کم ہے تو ربوا ہو گیا اس لئے اس آدھے درہم کی بیع فاسد ہوگئی۔ اور چونکہ فساد قوی ہے اور شروع سے ہے اس لئے یہ سرایت کر کے درہم کے بدلے فلوس کی جو بیع تھی وہ بھی فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ پوری بیع ایک ہی ہے۔ جس کو کہتے ہیں کہ صفقہ ایک ہے۔

[۹۹۶](۲۵) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ پیسے میں بیع جائز ہے اور باقی میں بیع باطل ہے۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اندرونی طور پر دو بیع ہیں ایک بیع سے آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے اور دوسری بیع

[٩٩٧](٢٦) ولو قال اعطنى نصف درهم فلوسا ونصفا الا حبة جاز البيع [٩٩٨](٢٧) ولو قال اعطنى درهما صغيرا وزنه نصف درهم الا حبة والباقى فلوسا جاز البيع وكان النصف الا حبة بازاء الدرهم الصغير والباقى بازاء الفلوس.

ہے آدھے درہم کا مقابلہ درہم کے ساتھ مگر ایک رتی کم۔اس لئے جس آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے وہ بیع جائز ہوگی۔کیونکہ اس میں کوئی ربوا نہیں ہے۔اور جس آدھے درہم کا مقابلہ درہم کے ساتھ ہے مگر ایک رتی کم وہ بیع فاسد ہوگی۔کیونکہ اس میں دونوں طرف چاندی ہیں اور آدھے درہم کے مقابلے میں پورا آدھا درہم نہیں ہے بلکہ ایک رتی کم ہے اس لئے سود ہوگیا اس لئے یہ دوسری بیع فاسد ہوگی۔اور ایک کا فساد دوسرے میں سرایت نہیں کرے گا اور حتی الامکان بیع جائز ہونے کی صورت نکالی جائے گی۔

نوٹ یہ سب مسئلے اوپر کے اصول پر متفرع ہیں۔

[٩٩٧](٢٦) اور اگر کہا مجھے آدھے درہم کے فلوس دو اور آدھے مگر ایک رتی کم درہم دو تو سب کے نزدیک بیع جائز ہوگی۔

تشریح یہاں اندرونی طور پر دو بیع نہیں ہیں بلکہ ایک ہی بیع ہے۔اور صورت یوں ہے کہ ایک طرف ایک درہم ہے اور دوسری طرف پیسے ہیں اور آدھے درہم میں سے ایک رتی کم ہے۔اس لئے رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھا درہم کے مقابلے میں ہو جائے گا۔اور باقی ایک رتی زیادہ اور آدھے درہم کے مقابلے میں پیسے ہو جائیں گے۔اس لئے سود نہیں ہوگا۔اس لئے پوری بیع جائز ہوگی۔

لغت حبۃ : دانہ، رتی، چھوٹا پیسہ۔

[٩٩٨](٢٧) اور اگر کہا مجھ کو چھوٹا درہم دو جس کا وزن آدھے درہم سے ایک رتی کم ہو اور باقی کے پیسے دو تو بیع جائز ہوگی اور آدھے درہم سے رتی کم چھوٹے درہم کے مقابلے پر ہوگا اور باقی پیسے کے مقابلے پر۔

تشریح چھوٹا درہم جس کا وزن رتی کم آدھا درہم ہے، اب کسی نے صراف کو ایک درہم دینے کے بعد یوں کہا کہ اس درہم میں سے رتی کم آدھا درہم دو (یعنی چھوٹا درہم دو) اور باقی رتی زیادہ آدھا درہم جو رہا اس کے بدلے پیسے دو تو بیع جائز ہو جائے گی۔

وجہ رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھا درہم کے مقابلے پر ہو جائے گا۔اور رتی زیادہ آدھا درہم کے مقابلے پر پیسے ہو جائیں گے۔اس لئے خلاف جنس ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہوگا۔اس لئے پوری بیع جائز ہوگی۔

اصول ایک ہی بیع میں دو قسم کی چیزیں ہوں۔ایک قسم کی چیز اپنے ہم جنس کے ساتھ برابر سرابر ہو اور دوسری قسم کی چیز خلاف جنس کے ساتھ کمی زیادتی ہو جائے تو چونکہ سود کا وقوع نہیں ہوا اس لئے بیع جائز ہوگی۔اور اوپر کے تینوں مسئلے اسی اصول پر متفرع ہیں۔اور اصول کے لئے حدیث وہی ہے **مثلا بمثل یدا بید.**

لغت بازاء : مقابلے میں، بدلے میں۔

﴿کتاب الرھن﴾

[۹۹۹](۱) الرھن ینعقد بالایجاب والقبول ویتم بالقبض فاذا قبض المرتھن الرھن

﴿کتاب الرہن﴾

ضروری نوٹ کوئی آدمی کسی سے کچھ پونڈ قرض لے اور وثیقہ اور اعتماد کے لئے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس رہن رکھے تو اس معاملے کو رہن کہتے ہیں۔اس میں غریب جس نے اپنا مال رہن پر رکھا اس کو راہن کہتے ہیں، اور جس کے پاس رہن رکھا اس کو مرتہن کہتے ہیں، اور جو چیز رہن رکھی گئی اس کو شیء مرہون کہتے ہیں۔رہن رکھنے کا ثبات اس آیت سے ہے۔**وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ** (الف) (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں رہن رکھنے کا ذکر ہے۔اور حدیث میں ہے۔**عن عائشۃ ان النبی ﷺ اشتری من یھودی طعاما الی اجل ورھنہ درعہ** (ب) (بخاری شریف، باب من رھن درعہ ص ۳۴۱ نمبر ۲۵۰۹ رمسلم شریف، باب الرھن وجوازہ فی الحضر کالسفر ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رہن رکھنا جائز ہے۔اور حضورؐ نے رہن رکھا ہے۔

[۹۹۹](۱) رہن منعقد ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے اور پورا ہوتا ہے قبضہ سے۔پس جبکہ مرتہن نے رہن پر قبضہ کر لیا محوز، مفرغ اور ممیز ہونے کی حالت میں تو اس میں عقد پورا ہو گیا۔

تشریح رہن ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتا ہے۔اور اس پر مرتہن کے قبضہ کرنے سے پورا ہوتا ہے۔

وجہ رہن معاملہ ہے اور پیچھے گزر چکا ہے کہ معاملہ ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے۔اس لئے رہن ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے۔لیکن چونکہ قرض کے بدلے رہن رکھنا ضروری نہیں ہے۔بہت مرتبہ لوگ قرض دیتے ہیں اور اس کے بدلے رہن نہیں رکھتے ہیں۔اس لئے رہن رکھنا تبرع ہے۔اس لئے جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہیں کرے گا رہن مکمل نہیں ہوگا۔ایجاب اور قبول کے بعد بھی راہن رکھنے سے پھرنا چاہے تو پھر سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ قبضہ کرنے سے رہن مکمل ہوگا۔آیت میں ہے۔فرھان مقبوضۃ (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس میں مقبوضۃ سے اشارہ ہے کہ قبضہ کرنے سے رہن مکمل ہوگا۔

نوٹ مرتہن کے قبضہ ہونے کے لئے بھی رہن کا تین باتوں سے خالی ہونا ضروری ہے (۱) محوز ہو یعنی رہن کی چیز دوسروں کی شرکت میں نہ ہو۔دوسروں کی شرکت سے تقسیم ہو کر الگ ہو چکی ہو۔مثلا دو آدمیوں کے درمیان میں گھر مشترک تھا تو دونوں شریکوں نے گھر تقسیم کر کے الگ الگ کر چکا ہو۔اب جو راہن کا حصہ ہے اس پر مرتہن قبضہ کرے (۲) مفرغ ہو یعنی راہن کے مال و سامان سے شیء مرہون فارغ اور خالی ہو۔مثلا گھر رہن پر رکھنا ہے تو گھر میں رہن رکھنے والے کا کوئی سامان نہ ہو تا کہ راہن کے آنے جانے کا تعلق نہ رہے۔ایسے گھر پر مرتہن قبضہ کرے تب قبضہ مکمل ہوگا (۳) اور تیسری شرط یہ ہے کہ شیء مرہون ممیز ہو یعنی تخلیقی طور پر راہن کے سامان کے ساتھ متصل نہ ہو۔جیسے درخت پر لگا ہوا پھل رہن پر رکھے تو اس پر مرتہن کا قبضہ مکمل نہیں ہوگا۔کیونکہ پھل قدرتی اور تخلیقی طور پر راہن کے درخت سے چپکا ہوا ہے اور اس سے

حاشیہ : (الف) اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضہ کیا ہوا رہن لے لو (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لئے کھانا خریدا اور اس کی وجہ سے زرہ رہن پر رکھی۔

محوزا مفرغا مميزا تم العقد فيه[١٠٠٠] (٢) وما لم يقبضه فالراهن بالخيار ان شاء سلمه اليه وان شاء رجع عن الرهن[١٠٠١] (٣) فاذا سلمه اليه فقبضه دخل في

متمیز نہیں ہے۔اس لئے پھل کو درخت سے جدا کرے اور متمیز کر کے مرتہن کو قبضہ دے تب رہن پر مکمل قبضہ شمار ہوگا مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز کی دلیل یہ اثر ہے۔ **کتب عمر بن عبد العزیز انه لا یجوز من النحل الا ما عزل و اخرد و اعلم** (مصنف عبدالرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) ہبہ میں مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز کی ضرورت ہے تو رہن میں بھی مکمل قبضہ کرنے کے لئے محوز اور مفرغ کی ضرورت ہوگی۔

اصول مکمل قبضہ کرنے کے لئے شیء مرہون راہن کے مال سے بالکل الگ تھلگ ہو۔

[۱۰۰۰] (۲) اور جب تک مرتہن مرہون پر قبضہ نہ کرے تو راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو سپرد کرے اور چاہے تو رہن سے رجوع کر جائے **تشریح** اوپر بتایا کہ رہن رکھنا تبرع ہے اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے رہن مکمل نہیں ہوا۔اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے رہن رکھنے والا رہن رکھنے سے مکر جائے اور رجوع کر جائے تو رجوع کر سکتا ہے۔

لغت راہن : رہن رکھنے والا۔

[۱۰۰۱] (۳) پس جبکہ مرتہن کو سپرد کر دیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی۔

تشریح رہن رکھنے والے نے شیء مرہون کو مرتہن کے حوالے کر دیا اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی۔اب اگر ہلاک ہوگی تو اس کے پیسے مرتہن کے قرض میں سے کاٹے جائیں گے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ اگر شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے مال میں سے جائے گی۔ **سمعت عطاء یحدث ان رجلا رهن فرسا فنفق فی یده فقال رسول الله ﷺ للمرتهن ذهب حقه** (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال الرهن مضمون، ج سادس، ص ۶۸، نمبر ۱۱۲۲۵) اس حدیث مرسل میں ہے کہ اگر شیء مرہون ہلاک ہوئی تو مرتہن کا مال گیا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن انس عن النبی ﷺ قال الرهن بما فيه** (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۴ رسنن للبیہقی، باب من قال الرهن مضمون، ج سادس، ص ۶۸، نمبر ۱۱۲۲۳) اس حدیث میں ہے کہ جس چیز کے لئے رہن رکھا گیا ہے اسی چیز کے لئے رہن جائے گا۔یعنی اگر شیء مرہون ضائع ہوگئی تو قرض میں اس کو کاٹ لیا جائے گا۔اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ شیء مرہون پر قبضہ کے بعد مرتہن کے ضمان میں داخل ہوگئی۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک شیء مرہون مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔اگر مرتہن کی بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے قرض میں سے کچھ نہیں کاٹا جائے گا۔یہ مال راہن کا ہلاک ہوا۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا یغلق الرهن له غنمه و علیه غرمه** (ج) (دار قطنی

حاشیہ : (الف) عطاء بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے گھوڑا رہن پر رکھا، پس مرتہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو آپؐ نے مرتہن کے لئے کہا اس کا حق چلا گیا (ب) آپؐ نے فرمایا شیء مرہون اس کے بدلے میں ہے جس کے لئے رکھی گئی (ج) آپؐ نے فرمایا رہن رکھنے سے راہن کا حق بند نہیں ہوگا۔راہن کو (باقی اگلے صفحہ پر)

ضمانه[۱۰۰۲] (۴) ولا یصح الرهن الا بدین مضمون [۱۰۰۳](۵) وهو مضمون بالاقل من قیمته ومن الدین فاذا هلک الرهن فی ید المرتهن وقیمته والدین سواء صار المرتهن مستوفیا لدینه حکما.

، کتاب البیوع، ج ثالث، ص۲۹، نمبر ۲۸۹۶ رسنن للبیھقی، باب الرھن غیر مضمون، ج سادس، ص۶۶، نمبر ۱۱۲۱۹) اس حدیث میں ہے کہ رہن رکھنے کی وجہ سے راہن کا حق ختم نہیں ہوگا۔ رہن رکھنے والے کو اس کا فائدہ بھی ملے گا۔ اور اگر شیء مرہون میں کوئی نقصان ہوا تو راہن ہی کا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہلاک ہو جائے تو مرتہن پر اس کا ضمان نہیں ہے۔

[۱۰۰۲] (۴) نہیں صحیح ہے رہن مگر دین مضمون کی وجہ سے۔

تشریح وہ دین جو انسان پر ادا کرنا واجب ہو اس کی وجہ سے رہن رکھے تو صحیح ہے۔ اور جو دین ادا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ تبرع کے طور پر اپنے اوپر لازم کیا ہے اس دین کے بدلے رہن رکھنا صحیح نہیں۔ مثلا مکاتب اپنے اوپر مال کتابت واجب کرتا ہے لیکن اس کا ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔ جب عاجزی کا اظہار کرے اور مال کتابت ساقط کر کے دوبارہ غلام بننا چاہے تو بن سکتا ہے۔ اس لئے مال کتابت کی وجہ سے مکاتب کوئی چیز رہن رکھے تو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے فرمایا کہ دین واجب کی وجہ سے رہن رکھنا صحیح ہے۔

وجہ رہن تو وثیقہ اور اعتماد کی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے قرض دینے والے کو یقین ہوتا ہے کہ میرا قرض ضرور واپس ملے گا۔ اور اگر قرض واپس نہیں دیا تو شیء مرہون کو بیچ کر اپنا قرض وصول کروں گا۔ لیکن جب قرض ہی نہیں دیا ہے بلکہ راہن نے تبرع کے طور پر اپنے اوپر قرض لازم کیا ہے تو وثیقہ کیوں دے۔ اور رہن رکھنا کیوں صحیح ہو۔

[۱۰۰۳] (۵) شیء مرہون مضمون ہوگی اس کی قیمت اور دین سے کم میں۔ پس جبکہ ہلاک ہو جائے شیء مرہون مرتہن کے ہاتھ میں اور اس کی قیمت اور قرض برابر ہیں تو حکما مرتہن اپنے قرض کو وصول کرنے والا ہو گیا۔

تشریح شیء مرہون کا ضمان مرتہن پر لازم ہے لیکن اتنا ہی ضمان لازم ہوگا جتنا اس کا دین ہے اور اس سے زیادہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگی۔ مثلا ایک سو پونڈ مرتہن پر قرض تھا اور ڈیڑھ سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھ دی تو شیء مرہون کے ہلاک ہونے پر ایک سو پونڈ کا ضمان مرتہن پر لازم ہوگا اور اس کا اتنا پونڈ ختم ہو جائے گا۔ اور باقی پچاس پونڈ جو قرض سے زیادہ تھے وہ مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھے۔ اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو صاحب مال کو واپس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ صاحب مال کا مال ہلاک ہوا۔ اس اصول پر مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ مثلا ایک سو پونڈ مرتہن کا راہن پر قرض تھا۔ اور راہن نے ایک سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھ دی۔ بعد میں وہ چیز مرتہن کے یہاں ہلاک ہو گئی تو مرتہن کے سو پونڈ گئے اور گویا کہ مرتہن نے اپنے سو پونڈ وصول کر لئے۔

وجہ مرتہن اپنے قرض کے مطابق شیء مرہون کا ضامن تھا، اور شیء مرہون ہلاک ہوئی جو اس کے قرض کے برابر تھی تو گویا کہ اس نے اپنا قرض راہن سے وصول کر لیا۔ اب راہن سے کچھ وصول نہیں کر سکے گا۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فائدہ بھی ملے گا اور اس پر شیء مرہون کا خرچ بھی لازم ہوگا۔

[۱۰۰۴](۶) وان کانت قیمة الرھن اکثر من الدین فالفضل امانة[۱۰۰۵](۷) وان کانت قیمة الرھن اقل من ذلک سقط من الدین بقدرھا ورجع المرتھن بالفضل [۱۰۰۶](۸) ولا یجوز رھن المشاع.

[۱۰۰۴](۶) اور اگر شیء مرہون کی قیمت قرض سے زیادہ ہے تو زیادہ امانت ہے۔

تشریح مثلا دین سو پونڈ ہے اور شیء مرہون ڈیڑھ سو پونڈ کی ہے تو مرتہن سو پونڈ کا ذمہ دار ہے۔اور باقی پچاس پونڈ مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔یعنی اگر شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے سو پونڈ ساقط ہو جائیں گے۔اور باقی پچاس پونڈ بھی راہن کی طرف دینے کی ضرورت نہیں۔کیونکہ وہ امانت تھی۔اور امانت بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس کو ادا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے **ان عمر بن الخطاب قال فی الرجل یرتھن فیضیع قال ان کان اقل مما فیه رد علیه تمام حقه وان کان اکثر فھو امین** (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۰ رسنن للبیھقی، باب من قال الرھن مضمون، ج سادس، ص ۷۱، نمبر ۱۱۲۲۸) اس اثر میں ہے کہ اگر شیء مرہون دین سے کم قیمت کی تھی اور ہلاک ہوئی تو جو زیادہ پونڈ ہونے چاہئے وہ مرتہن راہن سے وصول کرے گا۔اور شیء مرہون دین سے زیادہ قیمت کی تھی تو وہ زیادہ قیمت اور فضل مرتہن کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔

اصول مرتہن اتنا ہی کا ضامن ہوتا ہے جتنا اس کا دین ہے۔باقی شیء مرہون اس کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔

[۱۰۰۵](۷) اور اگر رہن کی قیمت کم ہے دین سے تو ساقط ہو جائے گا دین اس کی مقدار اور وصول کرے گا مرتہن زیادتی۔

تشریح مثلا سو پونڈ دین تھا اور راہن نے اسی پونڈ کا رہن رکھا اور وہ ہلاک ہو گیا تو گویا کہ مرتہن نے اسی پونڈ وصول کر لئے۔اب بیس پونڈ جو باقی ہے وہ راہن سے وصول کرے گا۔

وجہ اثر اوپر گزر گیا ہے **ان عمر بن الخطاب قال فی الرجل یرتھن فیضیع قال ان کان اقل مما فیه رد علیه تمام حقه** (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۸، نمبر ۲۸۹۰ رسنن للبیھقی، باب من قال الرھن مضمون، ج سادس، ص ۷۱، نمبر ۱۱۲۲۸) اس اثر میں ہے کہ اگر رہن کی قیمت کم ہو تو جو زیادہ قرض ہے وہ اس پر لوٹایا جائے گا یعنی راہن سے وصول کرے گا (۲) مرتہن کا حق باقی ہے اس لئے وہ راہن سے وصول کرے گا۔کیونکہ اس کا اتنا ہی ساقط ہوا جتنا رہن ہلاک ہوا۔اور باقی قرض اس نے وصول نہیں کیا ہے اس لئے باقی قرض راہن سے وصول کرے گا۔

لغت الفضل : جو زیادہ ہو، جو باقی بچے۔

[۱۰۰۶](۸) نہیں جائز ہے مشترک چیز کو رہن رکھنا۔

حاشیہ : (الف) حضرت عمر نے اس بارے میں فرمایا جو رہن رکھے پھر ضائع ہو جائے۔اگر اس قرض سے کم ہے تو مرتہن کا پورا حق دیا جائے گا اور اگر قرض سے زیادہ ہے تو وہ زیادہ کے بارے میں امانت دار ہے (ب) حضرت عمر نے اس بارے میں فرمایا جو رہن رکھے پھر ضائع ہو جائے۔اگر اس قرض سے کم ہے تو مرتہن کا پورا حق دیا جائے گا۔

[۱۰۰۷](۹) ولا رھن ثمرۃ علی رؤس النخل دون النخل ولا زرع فی الارض دون الارض [۱۰۰۸](۱۰) ولا یجوز رھن النخل والارض دونھما.

تشریح جو چیز راہن اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی ہے اس کو رہن پر رکھنا جائز نہیں ہے۔

وجہ آیت فرھان مقبوضۃ سے پتہ چلا کہ شیء مرہون پر مرتہن کا مکمل قبضہ ہو اور یہ اسی وقت ہوگا جب وہ چیز مشترک نہ ہو بلکہ تقسیم ہو کر خالص راہن کی ملکیت ہو چکی ہو۔

لغت المشاع : مشترک، غیر تقسیم شدہ۔

[۱۰۰۷](۹) نہیں جائز ہے پھل کا رہن رکھنا درخت کے اوپر بغیر درخت کے اور نہ کھیتی کا رہن رکھنا زمین میں بغیر زمین کے۔

تشریح پھل درخت پر لگے ہوئے ہیں ایسی صورت میں پھل رہن رکھ رہا ہے اور درخت رہن پر نہیں رکھ رہا ہے تو یہ جائز نہیں۔

وجہ پھل درخت کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں اس لئے شیء مرہون درخت سے متمیز نہیں ہوئی اور الگ نہیں ہوئی اس لئے مرتہن کا پورا قبضہ نہیں ہو سکے گا اور آیت کی رو سے پہلے گزر چکا ہے کہ مرتہن کا رہن پر پورا قبضہ ہونا چاہئے۔ اس لئے پھل کو درخت پر رہتے ہوئے رہن رکھے تو یہ رہن صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح کاشت زمین میں لگی ہوئی ہے اور صرف کاشت رہن پر رکھے اور زمین رہن پر نہ رکھے تو جائز نہیں۔

وجہ کاشت زمین کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے اس لئے متمیز نہیں ہوئی جس کی وجہ سے مرتہن کا مکمل قبضہ شیء مرہون پر نہیں ہوگا جو آیت کی رو سے ضروری تھا۔

لغت زرع : کھیتی، کاشت۔

[۱۰۰۸](۱۰) اور نہیں جائز ہے درخت کو اور زمین کو رہن پر رکھنا بغیر پھل اور کھیتی کے۔

تشریح درخت پر پھل لگے ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں درخت رہن پر رکھتا ہے اور پھل رہن پر نہیں رکھتا تو جائز نہیں۔ اسی طرح کاشت زمین میں لگی ہوئی ہے اور زمین رہن پر رکھتا ہے اور کاشت رہن پر نہیں رکھتا تو جائز نہیں۔

وجہ یہاں بھی درخت اور زمین پھل اور کھیتی کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں۔ پھل اور کھیتی سے متمیز نہیں ہے۔ اس لئے ان کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

اصول شیء مرہون دوسروں کی ملکیت سے بالکل الگ تھلگ ہو تب رہن پر رکھنا جائز ہوگا اور مرتہن کا مکمل قبضہ شمار ہوگا۔ کیونکہ آیت میں ہے **فرھان مقبوضۃ** (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ)

فائدہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک مشترک چیز کو رہن پر رکھ سکتے ہیں۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مشترک اور مشاع چیز کو بیچ سکتے ہیں اسی طرح اس کو رہن پر بھی رکھ سکتے ہیں (۲) ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ قال **فی کتاب معاذ بن جبل من ارتھن ارضا فھو یحسب ثمرھا لصاحب الرھن** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ما یحل

حاشیہ (الف) حضرت معاذ بن جبل کے خط میں ہے کسی نے زمین رہن پر رکھی تو اس کا پھل رہن رکھنے والے کے لئے شمار کیا جائے گا۔

[۱۰۰۹] (۱۱) ولا یصح الرهن بالامانات کالودائع والعواری والمضاربات ومال الشرکة[۱۰۱۰] (۱۲) ویصح الرهن برأس مال السلم وثمن الصرف والمسلم فیه.

للمرتھن من الرھن، ج ثامن، ص ۲۴۵، نمبر ۱۵۰۲۷) اس اثر میں ہے کہ کوئی زمین رہن پر رکھے تو اس کا پھل راہن کا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ غیر متمیز زمین بھی رہن پر رکھ سکتا ہے۔

لغت دونھما : سے مراد پھل اور کھیتی ہیں۔

[۱۰۰۹] (۱۱) اور نہیں صحیح ہے رہن پر رکھنا امانتوں کو جیسے امانت کی چیزیں اور مانگی ہوئی چیزیں اور مضاربت کا مال اور شرکت کا مال۔

تشریح وہ مال جو کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے اس کو رہن پر رکھنا جائز نہیں۔ مثلا امانت رکھی ہوئی چیز ہے یا کسی سے عاریت پر چیز لایا ہے یا مال مضاربت ہے تو ان مالوں کو رہن پر نہیں رکھ سکتے۔

وجہ رہن پر ان مالوں کو رکھتے ہیں جو مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کو ان کا ضمان دینا پڑے۔ اور امانت کے اموال ایسے ہیں کہ یہ بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو ان کا ضمان نہیں دینا پڑتا ہے۔ اس لئے امانت اور رہن کے موضوع الگ الگ ہیں اس لئے امانت کے اموال رہن پر نہیں رکھ سکتے (۲) رہن پر وہ مال رکھ سکتے ہیں جو خود راہن کا ہو اور یہ اموال دوسرے کے ہیں جو راہن کے پاس امانت ہیں اس لئے ان کو رہن پر کیسے رکھ سکتے ہیں۔

اصول دوسرے کے اموال بغیر اجازت کے رہن نہیں رکھ سکتے۔

لغت الودائع ودیعۃ کی جمع ہے مال امانت۔ العواری : عاریۃ کی جمع ہے مانگی ہوئی چیز۔ المضاربات : وہ مال جو بیع مضاربت کرنے کے لئے لیا ہو۔ مال الشرکۃ : شرکت کا مال، اس میں آدھا دوسرے کی امانت ہوتی ہے اور آدھا یا چوتھائی اپنا مال ہوتا ہے۔ اس کو بھی رہن پر نہیں رکھ سکتے۔

[۱۰۱۰] (۱۲) صحیح ہے رہن رکھنا سلم کے رأس المال کے بدلے، صرف کے ثمن کے بدلے اور مسلم فیہ کے بدلے۔

تشریح بیع سلم کی اور مشتری نے بائع کو ثمن یعنی رأس المال دیا اور رأس المال کے بدلے بائع نے کوئی چیز رہن پر رکھی تو رہن رکھنا جائز ہے

وجہ سلم کا رأس المال مضمون ہے اس لئے اس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح بیع صرف میں جو ثمن ہے وہ مال مضمون ہے اس لئے اس کے لئے رہن رکھے تو جائز ہے اگر چہ بیع صرف میں ثمن پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے تاہم اس کے بدلے رہن رکھے تو جائز ہے کیونکہ وہ مال مضمون ہے۔ بیع سلم میں جو مبیع ہے جس کو مسلم فیہ کہتے ہیں اس کے بدلے رہن رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی مال مضمون ہے۔

اصول جو مال مال مضمون ہو اس کے لئے رہن رکھنا جائز ہے۔



[۱۰۱۱](۱۳) فان هلک فی مجلس العقد تم الصرف والسلم وصار المرتهن مستوفیا لحقه حکما[۱۰۱۲](۱۴) واذا اتفقا علی وضع الرهن علی یدی عدل جاز ولیس

[۱۰۱۱](۱۳) پس اگرشی ءمرہون ہلاک ہوجائے مجلس عقد میں تو بیع صرف اور بیع سلم پورے ہوگئے اور مرتہن حکما اپنے حق کو وصول کرنے والا ہوگیا۔

تشریح بیع صرف کی اور بائع نے مبیع دیدی اور ثمن کے بدلے مشتری نے کوئی چیز بائع کے پاس رہن رکھی۔مجلس عقد ہی میں رہن کی چیز بائع کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو گویا کہ بائع نے ثمن وصول کرلیا۔اس لئے بیع صرف مکمل ہوجائے گی۔اسی طرح بیع سلم میں رب السلم (مشتری) نے بائع کو ثمن دیا اور بائع نے اس کے بدلے کوئی چیز رب السلم (مشتری) کے پاس رہن رکھی۔بعد میں شی ءمرہون مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو گویا کہ مشتری نے مبیع وصول کرلی اور بیع سلم پوری ہوگئی۔مشتری کا یہ وصول کرنا حقیقۃ تو نہیں حکما ہے۔

وجہ اوپر گزر گیا کہ مرتہن کے ہاتھ میں شی ءمرہون کا ہلاک ہونا اپنے قرض کو وصول کرنے کے مترادف ہے۔

لغت مستوفیالحقہ : اپنے حق کو وصول کرنے والا ہوگا۔

[۱۰۱۲](۱۴) اگر راہن اور مرتہن متفق ہوجائیں رہن کے رکھنے پر کسی عادل کے ہاتھ میں تو جائز ہے۔اور نہیں جائز ہے مرتہن کے لئے اور نہ راہن کے لئے کہ عادل کے ہاتھ سے لے۔

تشریح راہن اور مرتہن اس بات پر متفق ہوگئے کہ شی ءمرہون کسی تیسرے عادل کے ہاتھ میں رکھ دے تو یہ جائز ہے۔

وجہ کیونکہ یہ دونوں کا حق ہے اس لئے دونوں اپنے حقوق میں تصرف کرسکتے ہیں۔اس لئے کسی عادل کے ہاتھ شی ءمرہون رکھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں وہ عادل راہن کی جانب سے محافظ ہوگا اس کے عین مال کا۔اور مرتہن کی جانب سے محافظ ہوگا اس کی مالیت کا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن اشعث قال کان الحکم والشعبی یختلفان فی الرهن یوضع علی یدی عدل،قال الحکم لیس برهن وقال الشعبی هو رهن** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الرھن اذا وضع علی یدی عدل یکون قبضا وکیف ان ھلک ج ثامن ص۲۴۱ نمبر ۱۵۰۴۹) اس اثر میں ہے کہ شی ءمرہون کسی عادل کے ہاتھ میں رکھے تو حضرت شعبی نے فرمایا وہ رہن ہی ہوگا۔اس سے پتہ چلا کہ تیسرے کے ہاتھ میں شی ءمرہون رکھنا جائز ہے۔عادل کے ہاتھ میں رکھنے کے بعد مرتہن کی اجازت کے بغیر واپس نہیں لے سکتا ہے۔کیونکہ وہ مرتہن کے حق کی وجہ سے عادل کے ہاتھ میں ہے۔اور مرتہن اس لئے نہیں لے سکتا ہے کہ راہن کو مرتہن پر اعتماد نہیں ہے۔اسی لئے تیسرے کے ہاتھ میں رکھی گئی ہے۔اس لئے مرتہن بھی عادل کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا۔ہاں راہن اس کی اجازت دے تو مرتہن عادل کے ہاتھ سے لے سکتا ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله ﷺ فی حجة الوداع بمنی فسمعته یقول لا یحل لامرء من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه** (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص۲۲ نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث

حاشیہ : (الف) حضرت حکم اور شعبی اس رہن کے بارے میں اختلاف فرماتے تھے جو کسی عادل کے ہاتھ میں رکھا گیا ہو۔حضرت حکم نے فرمایا وہ رہن نہیں ہے۔اور حضرت شعبی نے فرماتے تھے وہ رہن ہے (ب) میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ بھائی کے مال میں سے کچھ بھی حلال نہیں ہے مگر اس کی راضی خوشی سے۔

للمرتهن ولا للراهن اخذه من یده [۱۰۱۳](۱۵) فان هلک فی یده هلک من ضمان المرتهن[۱۰۱۴] (۱۶) ویجوز رهن الدراهم والدنانیر والمکیل والموزون [۱۰۱۵](۱۷) فان رهنت بجنسها وهلکت هلکت بمثلها من الدین وان اختلفا فی الجودة والصیاغة[۱۰۱۶] (۱۸) ومن کان له دین علی غیره فاخذ منه مثل دینه فانفقه ثم

میں ہے کہ کسی کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے نہ لیا جائے۔اس لئے بغیر راہن یا مرتہن کی اجازت کے عادل کے ہاتھ سے شیء مرہون نہیں لی جائے گی۔

[۱۰۱۳](۱۵) پس اگر شیء مرہون عادل کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے ضمان سے ہلاک ہوگی۔

وجہ شیء مرہون مرتہن کی وجہ سے عادل کے ہاتھ میں رکھی گئی ہے۔اور گویا کہ اس کی مالیت مرتہن کے یہاں رہن ہے۔اس لئے عادل کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو مرتہن پر اس کا ضمان ہوگا۔اور شیء مرہون کی قیمت قرض میں سے کاٹی جائے گی۔اثر میں ہے۔**عن الحسن قالا اذا وضعه علی ید غیره فهلک فهو بما فیه** (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب الرهن اذا وضع علی یدی عادل یکون قبضا وکیف ان هلک ج ثامن ص ۲۴۱ نمبر ۱۵۰۴۸)اس اثر میں حضرت حسن نے فرمایا کہ اگر شیء مرہون کسی عادل آدمی کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو جس چیز کے لئے رکھی گئی ہے یعنی رہن کے لئے اسی میں شمار کی جائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ مرتہن کے مال میں سے ہلاک ہوگی۔

[۱۰۱۴](۱۶) جائز ہے رہن پر رکھنا درہم کو، دینار کو اور کیلی چیز اور وزنی چیز کو۔

وجہ ان چیزوں کو رہن پر رکھنے سے مرتہن کو اعتماد ہوگا کہ میرا دین ملے گا۔اور نہیں تو اس کو بیچ کر یا خود اسی کو رکھ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہوں۔اس لئے ان چیزوں کو رہن پر رکھنا جائز ہے۔

[۱۰۱۵](۱۷) پس اگر دین کی جنس کو رہن پر رکھا اور ہلاک ہو گئی تو ہلاک ہو جائے گی دین کی مثل سے اگر چہ مختلف ہو عمدگی اور گھڑائی میں

تشریح مثلا اچھے قسم کے سو درہم دین تھے اور اس کے بدلے میں گھٹیا قسم کے سو درہم رہن رکھے۔بعد میں رہن کے سو درہم ہلاک ہو گئے تو چونکہ دونوں جنس ایک ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ مرتہن نے اپنے دین کے سو درہم وصول کر لئے۔اگر چہ دین کے سو درہم عمدہ تھے اور رہن کے سو درہم گھٹیا تھے۔

وجہ ایک جنس ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔اس لئے دونوں کی برابری کو دیکھا جائے گا۔عمدہ اور گھٹیا کو نہیں دیکھا جائے گا۔

اصول جنس ایک ہو تو رہن میں بھی عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔

لغت الجودة : عمدہ۔ الصیاغة : گھڑائی اور نقش ونگار۔

[۱۰۱۶](۱۸) کسی کا دین دوسرے پر تھا پس اس سے دین کے مثل لیا اور اس کو خرچ کر دیا پھر جانا کہ وہ کھوٹے تھے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک

حاشیہ : (الف) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ کسی نے رہن دوسرے کے ہاتھ پر رکھا پس وہ ہلاک ہو گیا تو وہ جس رہن میں تھا اس میں شمار کیا جائے گا۔

علم انہ کان زیوفا فلا شیء لہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی وقال ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالی یرد مثل الزیوف ویرجع مثل الجیاد[۱۰۱۷] (۱۹) ومن رھن عبدین

اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔اور صاحبین نے فرمایا کہ کھوٹے کے مثل واپس کرے اور اچھے کے مثل وصول کرے۔

تشریح سو درہم کسی پر قرض تھے،قرض دینے والے نے مقروض سے سو درہم لئے اور ان کو خرچ کر دیا بعد میں علم ہوا کہ میرے دراہم عمدہ تھے اور یہ دراہم جو میں نے خرچ کئے گھٹیا تھے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک گویا کہ اپنا پورا حق وصول کر لیا۔اب مقروض سے مزید کچھ نہیں لے سکتا۔

وجہ سو درہم قرض دیئے تھے اور سو درہم مقروض سے لے لئے۔عدد اور وزن کے اعتبار سے برابر ہو گیا۔اور جنس ایک ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ قرض دینے والے نے اپنا پورا حق وصول کر لیا۔اور چونکہ درہم خرچ کر چکا ہے اس لئے اس کو واپس بھی نہیں کر سکتا۔

اصول یہاں بھی اصول وہی ہے کہ ایک جنس ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں۔اس کے لئے حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ بخاری شریف نمبر ۲۲۰۱)**واللہ یا رسول اللہ انا لنأخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال رسول اللہ ﷺ لا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا** (بخاری شریف، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ ص ۲۹۳ نمبر ۲۲۰۱)

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دائن نے جیسا گھٹیا مقروض سے لیا تھا ایسا گھٹیا درہم مقروض کو دے پھر اپنے عمدہ درہم مقروض سے واپس لے۔

وجہ جس مالیت کے درہم دائن نے مقروض کو دیئے تھے اس مالیت کے درہم مقروض سے نہیں ملے تھے بلکہ گھٹیا ملے تھے اس لئے اپنے عمدہ درہم وصول کرنے کے لئے یہی کیا جا سکتا ہے کہ مقروض کے گھٹیا درہم جیسے واپس کرے اور اپنے جیسے عمدہ درہم مقروض سے وصول کرے (۲) صاحبین کے نزدیک قرض وغیرہ میں صرف، وزن اور عدد کے اعتبار سے برابر کر دینا کافی نہیں ہے۔بلکہ مالیت اور قیمت کے اعتبار سے برابر کرنا بھی ضروری ہے۔ورنہ تو دائن کو نقصان ہوگا۔اور حدیث میں ہے۔**لا ضرر ولا ضرار** (دار قطنی نمبر ۳۰۶۰)اس لئے اس کے وصول کرنے کے لئے یہی صورت ہے کہ کہیں سے گھٹیا دراہم لا کر مقروض کو دے اور اپنے اچھے دراہم وصول کرے۔

اصول وزن مین برابری کے ساتھ مالیت کی برابری بھی قرض میں ضروری ہے۔

لغت الزیوف : کھوٹے درہم۔ الجیاد : اچھے۔

[۱۰۱۷](۱۹) کسی نے دو غلام ایک ہزار کے بدلے میں رہن رکھے پھر ان میں سے ایک کا حصہ ادا کیا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو قبضہ کرے یہاں تک کہ باقی دین ادا کرے۔

تشریح دو غلام ایک ہزار پونڈ کے بدلے رہن پر رکھے تھے۔اور مثلا پانچ سو پونڈ ادا کئے اور چاہتا ہے کہ ایک غلام رہن سے واپس لے لوں تو وہ اس غلام کو رہن سے واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ پورے ایک ہزار ادا نہ کر دے۔جب پورے ایک ہزار ادا کرے گا تو دونوں گلام واپس لے گا **وجہ** یہاں دونوں غلام کا مجموعہ ہزار کے بدلے رہن ہے تا کہ وثیقہ اور اعتماد رہے۔ایسا نہیں ہے کہ پانچ سو کے بدلے ایک غلام رہن پر ہو اور دوسرے پانچ سو کے بدلے دوسرا غلام رہن پر ہو۔اس لئے جب پورے ہزار ادا کرے گا تو دونوں غلاموں کو واپس لے گا۔پانچ سو ادا

بالف فقضی حصة احدهما لم یکن له ان یقبضه حتی یؤدی باقی الدین [۱۰۱۸](۲۰) فاذا وکل الراهن المرتهن او العدل او غیرهما فی بیع الرهن عند حلول الدین فالوکالة جائزة[۱۰۱۹] (۲۱) فان شرطت الوکالة فی عقد الرهن فلیس للراهن عزله عنها فان عزله لم ینعزل وان مات الراهن لم ینعزل ایضا[۱۰۲۰] (۲۲) وللمرتهن ان یطالب

کر کے ایک غلام واپس نہیں لے سکتا۔

اصول پوری شیء مرہون پورے قرضے کے بدلے میں رہن ہوتی ہے۔اجزاء اور تقسیم نہیں ہوتی۔

نوٹ مرتہن ایک غلام واپس لینے کی اجازت دے تو راہن واپس لے سکتا ہے بطور قانون نہیں لے سکتا۔

[۱۰۱۸](۲۰) پس اگر راہن نے مرتہن کو یا عادل کو یا ان دونوں کے علاوہ کو وکیل بنایا شیء مرہونہ کے بیچنے کا دین کی مدت گزرنے پر تو وکالت جائز ہے۔

وجہ راہن کا مال ہے اس لئے راہن مرتہن کو یا عادل کو یا کسی اور کو یہ حق دے سکتا ہے کہ قرض کی مدت پوری ہو جائے اور میں قرض ادا نہ کرسکوں تو شیء مرہون کو بیچ دیا جائے اور اس سے مرتہن کے قرض کو ادا کیا جائے۔ یہ وکیل بنانا درست ہے۔اور مرتہن کے لئے وثیقہ کی ایک شکل یہ بھی ہے۔

لغت حلول الدین : دین ادا کرنے کا وقت آنا۔

[۱۰۱۹](۲۱) پس اگر وکالت کی شرط عقد رہن میں لگائی گئی ہو تو راہن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کرے، پس اگر معزول کیا تب بھی معزول نہیں ہوگا۔اور اگر راہن مر گیا تب بھی وکیل معزول نہیں ہوگا۔

تشریح رہن رکھتے وقت مرتہن نے شرط لگائی کہ قرض کی مدت گزرنے پر شیء مرہون کے بیچنے کا وکیل بناؤ تا کہ وہ وکیل بیچ کر میرا قرض ادا کرے۔اگر عقد رہن کے وقت شیء مرہون بیچنے کے وکیل بنانے کی شرط لگائی ہے تو راہن اس کو معزول نہیں کرسکتا۔

وجہ کیونکہ شرط لگانے کی وجہ سے مرتہن کا حق متعلق ہو گیا اور مرتہن اس کے معزول کرنے پر راضی نہیں ہے اس لئے راہن وکیل کو معزول نہیں کرسکتا۔اور معزول کرے بھی تو وکیل معزول نہیں ہوگا۔اور اگر راہن کا انتقال ہو جائے پھر بھی وکیل معزول نہیں ہوگا۔ بلکہ مدت گزرنے پر شیء مرہون کو بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کرے گا تا کہ مرتہن کا حق ضائع نہ ہو جائے۔

اصول وثیقہ کے لئے جو شرط طے ہوئی ہو راہن اس کو ختم نہیں کرسکتا جب تک مرتہن راضی نہ ہو۔

لغت عزل : معزول ہونا۔

[۱۰۲۰](۲۲) مرتہن کے لئے جائز ہے کہ راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے اور شیء مرہون کو اس کی وجہ سے روک لے۔

تشریح شیء مرہون مرتہن کے پاس تھی۔ابھی راہن نے قرض ادا نہیں کیا ہے اور شیء مرہون واپس لینا چاہتا ہے تو مرتہن کو حق ہے کہ اپنے دین

الراھن بدینه ویحبسه به [۱۰۲۱](۲۳) وان کان الرھن فی یدہ فلیس علیه ان یمکنه من بیعه حتی یقبض الدین من ثمنه فاذا قضاہ الدین قیل له سلم الرھن الیه[۱۰۲۲] (۲۴) واذا باع الراھن الرھن بغیر اذن المرتھن فالبیع موقوف فان اجازہ المرتھن جاز وان قضاہ

کا مطالبہ کرے اور جب تک دین ادا نہ کرے شیء مرہون کو روکے رکھے۔

وجہ شیء مرہون وثیقہ کے لئے ہے۔اس لئے دین کی ادائیگی تک وثیقہ اپنے پاس رکھے گا (۲) شیء مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہو گیا ہے کہ اگر دین ادا نہ کرے تو شیء مرہون کو بیچ کر دین وصول کرے گا۔اس لئے دین کی ادائیگی تک شیء مرہون اپنے پاس روکے رکھے گا۔

[۱۰۲۱](۲۳) اگر شیء مرہون مرتہن کے ہاتھ میں ہو تو مرتہن پر ضروری نہیں ہے کہ راہن کو اس کے بیچنے کی قدرت دے۔ یہاں تک کہ اس کے ثمن سے دین پر قبضہ کرے۔ پس جبکہ مرتہن کو دین ادا کر دے تو مرتہن کو کہا جائے گا کہ شیء مرہون راہن کو سپرد کریں۔

تشریح شیء مرہون مرتہن کے قبضے میں ہے۔ اب راہن چاہتا ہے کہ اس کو بیچ کر دین ادا کریں تو مرتہن پر ضروری نہیں ہے کہ راہن کو شیء مرہون بیچنے کے لئے حوالے کرے۔ ہاں! شیء مرہون کی قیمت میں سے مرتہن کا پورا دین ادا کر دے تب مرتہن سے کہا جائے گا کہ شیء مرہون راہن کو سپرد کریں۔

وجہ شیء مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اور اس کو اس وقت تک شیء مرہون روکے رکھنے کا حق ہے جب تک اس کے ہاتھ میں پورا دین نہ آ جائے۔ کیونکہ اگر اس نے شیء مرہون راہن کو دیدی اور راہن نے شیء مرہون نہیں بیچی اور نہ قرض ادا کیا تو مرتہن کیا کرے گا؟ اس کا حق ضائع ہو جائے گا۔اس لئے جب تک اس کے ہاتھ میں پورا دین نہ آ جائے اس کو شیء مرہون راہن کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔ ہاں! دین ادا کر دے چاہے راہن اپنی جیب سے ادا کرے یا شیء مرہون کی بیع کر کے اس کی قیمت میں سے ادا کرے تب مرتہن کو کہا جائے گا کہ شیء مرہون راہن کو حوالے کریں۔

اصول پورے دین کی وصولیابی تک مرتہن شیء مرہون کو اپنے پاس روک سکتا ہے۔

لغت یمکنہ : قدرت دے۔

[۱۰۲۲](۲۴) اگر راہن نے رہن کو مرتہن کی اجازت کے بغیر بیچ دیا تو بیع موقوف رہے گی۔ پس اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دی تو جائز ہو جائے گی۔ اور اگر راہن نے مرتہن کا دین ادا کر دیا تب بھی بیع جائز ہو جائے گی۔

تشریح اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر شیء مرہون بیچ دی تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دی تو بیع جائز ہو جائے گی۔ اور اگر نہیں دی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

وجہ شیء مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر بیع موقوف رہے گی۔ ہاں! راہن مرتہن کا دین ادا کر دے تو چونکہ اب شیء مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق نہیں رہا اس لئے بیع جائز ہو جائے گی۔

الراھن دینه جاز ایضا[۱۰۲۳] (۲۵) وان اعتق الراھن عبدالرھن بغیر اذن المرتھن نفذ عتقه [۱۰۲۴](۲۶) فان کان الدین حالا طولب باداء الدین وان کان مؤجلا اخذ منه قیمة العبد فجعلت رھنا مکانه حتی یحل الدین[۱۰۲۵] (۲۷) وان کان معسرا استسعی

اصول پورے دین کی ادائیگی تک مرتہن کوشی ءمرہون کوروکنے کا حق ہے۔

[۱۰۲۳] (۲۵) اگرراہن نے مرہون غلام بغیر مرتہن کی اجازت کے آزاد کر دیا تو اس کی آزادگی نافذ ہو جائے گی۔

وجہ شریعت ہمیشہ چاہتی ہے کہ غلام آزاد ہو جائے اس لئے راہن کے آزاد کرتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔اور مرتہن کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی۔بیع کا معاملہ اور ہے۔اس کے نافذ کرنے کے لئے شریعت کا تقاضا اتنا نہیں ہے جتنا آزادگی نافذ کرنے کے لئے ہے(۲) غلام شرکت میں ہو تو ایک شریک کے آزاد کرنے سے دوسرے شریک کا حصہ بھی آزاد ہو جاتا ہے اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو۔حدیث میں ہے۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من اعتق شرکا له فی مملوک فعلیه عتقه کله ان کان له مال یبلغ ثمنه (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین، ص ۴۰۷، نمبر ۲۵۲۳) جب دوسرے کا حصہ آزاد ہو سکتا ہے تو اپنا غلام بدرجۂ اولی آزاد ہوگا۔

اصول آزادگی انسان کا فطری حق ہے اس لئے اس کا شائبہ بھی آئے گا تو آزادگی نافذ کر دی جائے گی۔

[۱۰۲۴] (۲۶) پس اگر دین فوری ہو تو دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر تاخیر والا ہو تو راہن سے غلام کی قیمت لی جائے گی اور دین کی مدت آنے تک قیمت کو غلام کی جگہ پر رہن رکھا جائے گا۔

تشریح غلام آزاد ہو گیا اب اگر دین کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت متعین نہیں تھی بلکہ فوری طور پر اس کو ادا کر دینا چاہئے تھا تو مطالبہ کیا جائے گا کہ فوری طور پر دین ادا کر دیں۔

وجہ جب رہن مرتہن کے ہاتھ میں نہیں رہا تو اس کا اعتماد ختم ہو گیا اس لئے فوری طور پر دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔اور اگر دین ادا کرنے کے لئے مدت متعین تھی تو راہن سے غلام کی قیمت لی جائے گی اور اس قیمت کو غلام کی جگہ مدت ادائیگی آنے تک رہن رکھی جائے گی۔ تا کہ وثیقہ بحال رہے۔

اصول کسی حال میں مرتہن کا نقصان نہ ہو۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ راہن غریب ہو تو اس کی آزادگی نافذ نہیں کی جائے گی۔

وجہ کیونکہ غربت کی وجہ سے وہ غلام کی قیمت نہیں دے پائے گا۔جس کی وجہ سے مرتہن کا نقصان ہوگا۔اس لئے راہن کا آزاد کرنا نافذ نہیں کیا جائے گا۔جس طرح راہن غلام کو مرتہن کی اجازت کے بغیر بیچے تو نافذ نہیں کی جاتی ہے۔

لغت حالا : فوری ادائیگی۔ مؤجلا : تاخیر کے ساتھ ادائیگی۔ یحل الدین : دین ادا کرنے کا وقت آجائے۔

[۱۰۲۵] (۲۷) اور اگر راہن تنگدست ہو تو غلام سعی کرے گا اپنی قیمت میں اور ادا کرے گا اس سے مرتہن کے دین کو پھر وصول کرے گا غلام مولی سے۔

العبد فی قیمته فقضی به الدین ثم یرجع العبد علی المولی[۱۰۲۶] (۲۸) وکذلک ان استھلک الراھن الرھن[۱۰۲۷] (۲۹) وان استھلکه اجنبی فالمرتھن ھو الخصم فی تضمینه [۱۰۲۸](۳۰) فیأخذ القیمة فیکون القیمة رھنا فی یده.

تشریح راہن کے آزاد کرنے کی وجہ سے غلام آزاد ہوگیا۔لیکن راہن تنگدست ہے،غلام کی قیمت لاکر رہن پرنہیں رکھ سکتا اور نہ دین ادا کرسکتا ہے تو چونکہ غلام رہن پر تھا اس لئے اس کو کہا جائے گا کہ اپنی قیمت کے مطابق کما کر مرتہن کا دین ادا کرے۔اور بعد میں راہن کے پاس مال ہوگا تو اس سے اپنی کمائی ہوئی قیمت وصول کرے گا۔

وجہ رہن رکھنے کی وجہ سے مرتہن کا حق غلام کی گردن سے متعلق ہوگیا ہے۔اور غلام آزاد ہوگیا اور راہن سے بھی غربت کی وجہ سے دین ملنے کی امید نہیں ہے اس لئے غلام سے ہی سعی کرواکر دین وصول کیا جائے گا۔

نوٹ چونکہ غلام نے مولی کا پیسہ ادا کیا ہے اس لئے بعد میں اپنی دی ہوئی رقم مولی سے وصول کرے گا۔

لغت استسعی : غلام اپنی قیمت کما کر دے،اس کو سعی کرنا اور استسعی کہتے ہیں۔

[۱۰۲۶](۲۸) ایسے ہی اگر راہن نے رہن ہلاک کر دیا۔

تشریح اگر راہن نے مرتہن کے پاس سے رہن ہلاک کر دیا تو راہن کو اس کی قیمت مرتہن کے پاس رہن رکھنا ہوگا تا کہ وثیقہ بحال رہے۔اور اگر فوری والا دین تھا تو مرتہن فوراً دین وصول کرنے کا مطالبہ کرے گا۔

وجہ راہن نے مرتہن کا وثیقہ ضائع کیا تو دو میں سے ایک کام کرنا ہوگا۔یا فوراً دین ادا کرے یا تاخیری دین ہو تو رہن کی قیمت رہن پر رکھے۔

[۱۰۲۷](۲۹) اور اگر رہن کو اجنبی نے ہلاک کر دیا تو مرتہن ہی اس کے ضمان لینے میں مدعی ہوگا۔

تشریح مرتہن کے قبضہ میں شیء مرہون تھی۔اسی حال میں کسی اجنبی نے اس کو ہلاک کر دیا تو مرتہن ہی اس کا ضمان لینے کا مدعی بنے گا۔اور وہی ضمان لینے کی ساری کاروئی کرے گا۔

وجہ شیء مرہون اسی کی ضمانت میں اور قبضہ میں تھی۔اس لئے وہی ضمان لینے اور کاروائی کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

اصول جو کسی چیز کا ذمہ دار ہوتا ہے وہی ساری کاروائی کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔

[۱۰۲۸](۳۰) پس مرتہن قیمت وصول کرے گا اور یہ قیمت اس کے ہاتھ میں رہن رہے گی۔

وجہ پہلے اصل شی رہن پر تھی اب اس کا نائب اور قیمت رہن پر رہیں گے۔کیونکہ اصول یہ ہے کہ نائب کا حکم بھی اصل کا ہوتا ہے۔جب اصول رہن پر تھا تو قیمت اس کا نائب ہے تو وہ بھی رہن پر رہے گی جب تک دین ادا نہ ہو جائے۔

اصول نائب کا حکم اصل کا حکم ہوتا ہے۔

نوٹ یہ سب اصول اور احکام ان احادیث سے مستنبط ہیں جن میں یہ ہے کہ ایسی شرطیں لگانا جائز ہیں جن سے کسی فریق کو نقصان سے بچایا

[۱۰۲۹] (۳۱) وجناية الراهن على الرهن مضمونة[۱۰۳۰] (۳۲) وجناية المرتهن

جائے۔حدیث میں ان کا ثبوت ہے۔عن ابن عباس قال کان العباس ابن عبد المطلب اذا دفع مالا مضاربة اشترط علی صاحبہ ان لا یسلک بہ بحرا ولا ینزل به واديا ولا يشترى به ذا كبد رطبة فان فعله فهو ضامن فرفع شرطه الى رسول الله ﷺ فاجازه (الف)(دار قطنی ،کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۴ نمبر ۳۰۶۲)اس حدیث میں حضرت عباسؓ نے مضارب سے یہ شرط لگائی کہ اس مال کولیکر سمندر میں سفر نہیں کریں گے نہ وادی میں مقیم ہوں گے اور نہ جاندار چیز کو خریدیں گے۔اور حضورؐ نے ان کو جائز قرار دیا۔یہ شرطیں لگانا یا ان کی رعایت کرنا جائز ہیں جن سے کسی فریق کو نقصان سے بچایا جائے۔

مسائل رہن انہیں اصول پر متفرع ہیں۔اس کے علاوہ ان دو حدیثوں سے بھی مسائل متفرع ہیں۔عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار من ضار ضره الله ومن شاق شق الله عليه (ب)(دار قطنی ،کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۴ نمبر ۳۰۶۰) کہ کسی کو نقصان نہیں دینا چاہئے۔اور دوسری حدیث ہے۔عن عمرو بن يثربی قال شهدت رسول الله ﷺ فی حجة الوداع بمنى فسمعته يقول لا يحل لامرء من مال اخيه شیء الا ما طابت به نفسه (ج)(دار قطنی ،کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۲ نمبر ۲۸۶۰)اس حدیث میں ہے کہ بغیر خوشی کے کسی کا مال کھانا حلال نہیں ہے۔اسی لئے مسائل رہن میں اس کی رعایت رکھی کہ بغیر راہن اور مرتہن کی رضامندی کے شیء مرہون میں تصرف کرنا یا اس کی شرطوں میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

[۱۰۲۹](۳۱)راہن کی جنایت شیء مرہون پر سبب ضمان ہے۔

تشریح مثلا سو پونڈ کی شیء مرہون تھی۔راہن نے اس کو خراب کر دیا اب وہ اسی پونڈ کی رہ گئی تو راہن نے بیس پونڈ کا نقصان کیا یہ بیس پونڈ مرتہن کو دے تاکہ وہ دین ادا ہونے تک اس کو رہن پر رکھے۔

وجہ اگر چہ شیء مرہون راہن کی ہی ہے لیکن ابھی اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اس لئے رہن میں سے راہن نے جتنا نقصان کیا ہے وہ رہن کے لئے دینا ہوگا۔

لغت مضمونۃ : سبب ضمان ہے۔

[۱۰۳۰](۳۲)اور مرتہن کی جنایت رہن پر ساقط کرتی ہے دین سے اس کی مقدار۔

تشریح مثلا سو پونڈ مرتہن کا دین تھا اور سو پونڈ کی چیز رہن پر رکھی ہوئی تھی۔مرتہن نے اس میں سے بیس پونڈ کا نقصان کیا اور اب شیء مرہون اسی پونڈ کی رہ گئی تو یہ بیس پونڈ دین سے ساقط ہو جائیں گے اور راہن پر مرتہن کا دین اب اسی پونڈ ہی رہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عباسؓ جب کسی کو مضاربت کا مال دیتے تو مضارب پر شرط لگاتے کہ اس کو لیکر سمندر میں سفر نہیں کرے گا۔نہ اس کو لیکر کسی وادی میں ٹھہرے گا۔اور نہ اس مال سے کوئی جانور خریدے گا۔اور اگر ایسا کیا تو مضارب اس کا ضامن ہوگا۔ان شرطوں کو حضور کے پاس لے گئے۔پس آپؐ نے ان کی اجازت دیدی (ب) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان دو اور نہ نقصان اٹھاؤ۔جو نقصان دیتا ہے اللہ اس کو نقصان دیتا ہے۔اور جو مشقت میں ڈالتا ہے اللہ اس کو مشقت میں ڈالتا ہے (ج) آپ فرمایا کرتے تھے کسی انسان کے لئے اپنے بھائی کے مال میں سے کچھ بھی حلال نہیں ہے مگر اس کی راضی خوشی سے۔

علیہ تسقط من الدین بقدرھا[۱۰۳۱] (۳۳) وجنایۃ الرھن علی الراھن وعلی المرتھن وعلی مالھما ھدر[۱۰۳۲] (۳۴) واجرۃ البیت الذی یحفظ فیہ الرھن علی المرتھن[۱۰۳۳] (۳۵) واجرۃ الراعی علی الراھن.

وجہ مرتہن نے شی ءمرہون پر جنایت کی تو جنایت کے نقصان کی مقدار دین سے ساقط ہو جائے گی، حدیث میں ہے۔ **قال سمعت عطاء یحدث ان رجلا رھن فرسا فنفق فی یدہ فقال رسول اللہ ﷺ للمرتھن ذھب حقہ** (الف) (سنن للبیھقی، باب من قال الرھن مضمون، ج سادس، ص ۶۴، نمبر ۱۱۲۲۵) اس حدیث مرسل میں ہے کہ مرتہن سے گھوڑا ہلاک ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کا حق چلا گیا۔ اس لئے اگر شی ءمرہون میں کوئی نقصان کرے گا تو نقصان کی مقدار مرتہن کا حق ختم ہو جائے گا۔

[۱۰۳۱] (۳۳) اور رہن کی جنایت راہن پر یا مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر ساقط الاعتبار ہے۔

تشریح شی ءمرہون مثلا غلام ہے۔ اس نے راہن کا نقصان کر دیا تو یہ نقصان ہدر ہے۔ غلام سے کچھ نہیں لے سکے گا۔

وجہ غلام تو راہن ہی کا ہے اب اس کو بیچ کر نقصان وصول کرے گا تو اپنا ہی مال بیچے گا۔ اس لئے غلام کے اس نقصان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور اگر مرتہن کا نقصان کیا تو مرتہن کی ذمہ داری تھی کہ غلام کی حفاظت کرتا۔ اس نے حفاظت نہیں کی تو اس کی غلطی ہے۔ اور اگر مرتہن غلام بیچ کر نقصان وصول کرے تو غلام میں یا اس کی قیمت میں جتنی کمی آتی جائے گی اتنا ہی اس کے دین سے کٹتا جائے گا۔ تو غلام بیچ کر نقصان وصول کرنے کا مرتہن کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے غلام مرتہن کا نقصان کرے تو کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔

نوٹ اگر غلام مرتہن کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا۔

لغت ھدر : ساقط الاعتبار۔

[۱۰۳۲] (۳۴) اس گھر کی اجرت جس میں رہن کی حفاظت کی جا رہی ہو مرتہن پر ہے۔

وجہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شکل جس سے شی ءمرہون کو مرتہن کے پاس روکی جا سکے اور اس کے قبضے میں رکھی جا سکے ان تمام شکلوں کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی۔ کیونکہ شی ءمرہون کو اپنے پاس رکھنے کی اور قبضے میں رکھنے کی مرتہن کی ضرورت ہے اس لئے مرتہن پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔ اس قاعدے کی بنیاد پر جس گھر میں شی ءمرہون کو حفاظت سے رکھ رہا ہے اس کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ مرتہن کی ضرورت ہے۔

اصول جہاں مرتہن کی ضرورت ہو اس کو پوری کرنے کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی۔

[۱۰۳۳] (۳۵) اور چرواہے کی اجرت راہن پر ہے۔

وجہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شکل جس سے شی ءمرہون بچے یا اس میں زیادتی ہو تو اس کی اجرت راہن پر ہوگی۔ کیونکہ یہ راہن کا مال ہے۔ اب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے گھوڑا رہن پر رکھا پس اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو حضورؐ نے مرتہن کے لئے کہا اس کا حق چلا گیا۔

[۱۰۳۴] (۳۶) ونفقة الرھن علی الراھن[۱۰۳۵] (۳۷) ونماؤہ للراھن فیکون النماؤ رھنا مع الاصل[۱۰۳۶] (۳۸) فان ھلک النماء ھلک بغیر شیء.

جانور کو کھلانے پلانے چرانے سے جانور بڑھتا ہے اور باقی رہتا ہے تو گویا کہ راہن کا مال بڑھا اور باقی رہا اس لئے راہن پر اس کی اجرت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغلق الرھن لصاحبہ غنمہ وعلیہ غرمہ** (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۹ نمبر ۲۸۹۸ رسنن للبیہقی، باب الرھن غیر مضمون، ج سادس، ص ۶۶، نمبر ۱۱۲۱۹) اس حدیث میں ہے کہ رہن کی وجہ سے اس کا مالک ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس کو رہن کے فائدے بھی ملیں گے اور اس پر رہن کے اخراجات بھی لازم ہوں گے۔ اس لئے شیء مرہون کو چرانے کی اجرت راہن پر لازم ہوگی۔

اصول جن چیزوں سے شیء مرہون باقی رہتی ہو یا بڑھتی ہو ان کی اجرت راہن پر لازم ہوگی۔

لغت الراعی : چرانے والا۔

[۱۰۳۴] (۳۶) اور رہن کا نفقہ راہن پر ہوگا۔

تشریح شیء مرہون کو کھلانے پلانے کا خرچ راہن پر ہوگا۔

وجہ کیونکہ شیء مرہون اس کا مال ہے۔ اور اس کے مال کی بڑھوتری اور بقا کا خرچ راہن پر ہوتا ہے۔ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

[۱۰۳۵] (۳۷) اور رہن کی بڑھوتری راہن کی ہوگی۔ پس بڑھوتری بھی اصل کے ساتھ رہن ہوگی۔

وجہ بڑھوتری راہن کی اس لئے ہوگی کہ وہ راہن کے مال سے نکلی ہے۔ اور رہن کو بڑھانے کا خرچ راہن پر پڑا ہے اس لئے بڑھوتری بھی راہن کی ہوگی۔ مثلا اس سے بچہ پیدا ہوا یا دودھ نکلا یہ سب راہن کے ہیں (۲) اوپر حدیث گزری **عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغلق الرھن والرھن لمن رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ** (ب) دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۰ نمبر ۲۹۰۴ رسنن للبیہقی، نمبر ۱۱۲۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیء مرہون کی بڑھوتری راہن کی ہوگی اور اس کے اخراجات بھی راہن پر ہونگے۔ اور بڑھوتری اصل کے ساتھ رہن اس لئے ہوگی کہ یہ تابع ہے۔ جب اصل رہن ہے تو بڑھوتری بھی تابع ہو کر رہن ہوگی۔

اصول تابع اصل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے اصل راہن کا ہے تو بڑھوتری راہن کی ہوگی۔ اور اصل رہن میں ہے تو بڑھوتری بھی رہن میں ہوگی۔

لغت نماء : بڑھوتری جیسے بچہ، اون، پھل اور دودھ وغیرہ۔

[۱۰۳۶] (۳۸) پس اگر بڑھوتری ہلاک ہوگئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی۔

تشریح مثلا نو پونڈ قرض تھے۔ جس کے بدلے میں ایک بکری رہن پر رکھی جس کی قیمت دس پونڈ تھی بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت پانچ پونڈ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا رہن رکھنا منع نہیں کرتا رہن کے مالک کے لئے فائدے ہیں۔ اور ان پر اس کے اخراجات بھی ہیں (ب) رہن راہن کے حق کو بند نہیں کرتا۔ شیء مرہون اس کی ہے جس نے رہن رکھی۔ اس کے اس کے فائدے بھی ہیں اور اس پر رہن کے اخراجات بھی ہیں۔

[۱۰۳۷] (۳۹) وان ھلک الاصل وبقی النماء افتکه الراھن بحصته ویقسم الدین علی قیمة الرھن یوم القبض وعلی قیمة النماء یوم الفکاک فما اصاب الاصل سقط من الدین بقدرہ وما اصاب النماء افتکه الراھن به.

تھی۔اب نو پونڈ قرض کے بدلے میں دونوں رہن پر رہے۔اس کے بعد بچہ ہلاک ہو گیا تو قرض میں سے کچھ نہیں کاٹا جائے گا۔مرتہن کا نو پونڈ قرض برقرار رہے گا۔اور اس کے بدلے میں بکری رہن پر رہے گی۔

وجہ اصل میں رہن تو بکری تھی۔بچہ تو تابع کے طور پر رہن تھا اور گویا کہ امانت کے طور پر مرتہن کے یہاں تھا اس لئے اس کے ہلاک ہونے سے قرض نہیں کاٹا جائے گا۔

اصول بڑھوتری ہلاک ہو جائے تو قرض نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ وہ امانت کے طور پر ہے۔

[۱۰۳۷] (۳۹) اور اگر اصل ہلاک ہو گئی اور بڑھوتری باقی رہی تو راہن اس کو چھڑائے گا اس کا حصہ دیکر اور دین تقسیم کیا جائے گا رہن کی قیمت پر قبضے کے دن اور بڑھوتری کی قیمت پر چھڑانے کے دن۔پس اصل کے مقابلے پر ساقط ہو جائے گی دین میں اس کی مقدار اور جو بڑھوتری کے مقابلے پر آئے چھڑائے گا راہن اس کو ادا کر کے۔

تشریح اصل مسئلہ میں اصل اور بڑھوتری دونوں کو رہن مانا ہے۔لیکن اصل ہلاک ہونے پر قرض کٹے گا اور بڑھوتری ہلاک ہونے پر قرض نہیں کٹے گا۔اس قاعدہ پر اصل کا حصہ قرض میں سے کٹے گا اور بڑھوتری کا حصہ قرض میں نہیں کٹے گا۔اس لئے اصل کا حصہ راہن کو دینے کی ضرورت نہیں اور قرض میں سے بڑھوتری کا حصہ ادا کر کے بڑھوتری واپس لائے گا۔

نوٹ اصل کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن مرتہن نے اصل پر قبضہ کیا تھا اور بڑھوتری کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن بڑھوتری کی قیمت ادا کر کے مرتہن کے ہاتھ سے چھڑا رہا ہے۔کیونکہ بڑھوتری تو ہر دن بڑھ رہی ہے اس لئے آخری دن کی قیمت لگے گی۔
اس مثال سے مسئلہ سمجھیں۔مرتہن کے راہن پر نو پونڈ قرض تھے۔راہن نے دس پونڈ کی بکری رہن پر رکھ دی۔بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ پونڈ تھی۔اب گویا کہ نو پونڈ قرض کے بدلے پندرہ پونڈ رہن ہے۔پھر بکری ہلاک ہو گئی جو دس پونڈ کی تھی۔اب پندرہ پونڈ کے مقابلے میں دس پونڈ دو تہائی ہوئی۔تو گویا کہ قرض کی دو تہائی ہلاک ہو گئی تو گویا کہ چھ پونڈ ہلاک ہوئے اور ایک تہائی مرتہن کے پاس باقی ہے۔قرض کے کل نو پونڈ تھے اس کی دو تہائی ہلاک ہوئی تو گویا کہ چھ پونڈ ہلاک ہوئے اور قرض میں کاٹے گئے اور ایک تہائی یعنی تین پونڈ باقی رہے۔یہ تین پونڈ راہن مرتہن کو ادا کرے گا اور بکری کا بچہ واپس لے گا۔اور قرض کے چھ پونڈ بکری ہلاک ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گئے۔

نوٹ پچھلے قاعدہ کے اعتبار سے دس پونڈ کی بکری ہلاک ہوئی اور نو پونڈ قرض تھے تو نو پونڈ ساقط ہو جانا چاہئے تھا اور ایک پونڈ امانت کا گیا۔اور بچہ بغیر کچھ دیئے واپس لے آنا چاہئے۔

لغت افتکہ : پونڈ دے کر چھڑائے گا۔

[۱۰۳۸](۴۰) ویجوز الزیادۃ فی الرھن[۱۰۳۹] (۴۱) ولا یجوز الزیادۃ فی الدین عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالی ولا یصیر الرھن رھنا بھما وقال ابو یوسف ھو جائز[۱۰۴۰] (۴۲) واذا رھن عینا واحدۃ عند رجلین بدین لکل واحد منھما جاز

[۱۰۳۸](۴۰) رہن میں زیادہ کرنا جائز ہے۔

تشریح مثلا پہلے نو پونڈ قرض لئے تھے اور دس پونڈ کی ایک بکری رہن رکھ دی تھی۔ پھر راہن نے اسی نو پونڈ کے بدلے پانچ پونڈ کی ایک اور بکری رہن پر رکھ دی تو جائز ہے۔ اور اب یوں سمجھا جائے گا کہ نو پونڈ کے بدلے پندرہ پونڈ کی بکری رہن پر ہے۔ دس پونڈ کی اصل ہے اور پانچ پونڈ کی فرع ہے۔ اور جب ہلاک ہوگی تو دونوں کی قیمت پر دین کو کاٹا جائے گا۔ اب ایک پر دین کو نہیں کاٹا جائے گا۔

[۱۰۳۹](۴۱) اور نہیں جائز ہے زیادہ کرنا دین میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور نہیں ہوگا رہن دونوں قرضوں کے بدلے میں۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا یہ جائز ہے۔

تشریح مثلا نو پونڈ قرض لئے تھے اور اس کے بدلے دس پونڈ کی بکری رہن پر رکھی۔ اب اس مرہونہ بکری کے بدلے مزید تین پونڈ قرض لینا چاہتا ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ مرتہن تین پونڈ مزید قرض دیدے وہ ٹھیک ہے لیکن یہ بکری کے بدلے نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تین پونڈ بغیر رہن کے ہوں گے۔

وجہ بکری تو پہلے کے نو پونڈ کے بدلے رہن میں ہے۔ اور آیت کی رو سے مکمل مقبوض ہے۔ اب اس میں دوسرا دین شریک نہیں ہو سکتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بکری ہلاک ہوئی تو صرف پہلے دین نو پونڈ میں سے کٹے گا۔ دوسرے دین تین پونڈ میں سے کچھ نہیں کٹے گا۔ کیونکہ وہ بغیر رہن کے تھا (۲) آیت میں رھان مقبوضۃ ہے۔ اس لئے بکری پہلے دین میں مکمل مقبوض ہے۔ اس لئے دوسرا دین اس میں شامل نہیں ہوگا۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دین میں زیادتی کرنا جائز ہے۔ یعنی تین پونڈ دوسرا دین بھی مرہونہ بکری کی تحت آ جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر بکری ہلاک ہوئی تو دونوں دین سے اس کی قیمت کٹے گی۔ پہلے دین سے بھی اور دوسرے دین سے بھی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ دین ثمن کی طرح ہے اور رہن مبیع کی طرح ہے تو جس طرح ثمن میں بعد میں زیادہ کر سکتے ہیں اور وہ مبیع کے تحت شامل ہو جاتا ہے اسی طرح دین میں بعد میں زیادہ کر سکتے ہیں اور وہ رہن کے تحت شامل ہو جائے گا۔

[۱۰۴۰](۴۲) اگر ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے میں رہن رکھے تو جائز ہے۔ اور پورا رہن رہن ہوگا دونوں دینوں میں سے ہر ایک کے بدلے میں۔

تشریح مثلا دو آدمیوں سے پانچ پانچ پونڈ لئے اور دونوں کے دین کے بدلے ایک بکری دونوں کے پاس رہن رکھ دی تو جائز ہے۔ لیکن پوری بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن ہوگی۔

وجہ پہلے ایک کے دین کے بدلے بکری رہن پر رکھتا پھر دوسرے کے دین کے بدلے یہی بکری رہن پر رکھتا تو جائز نہیں ہوتا۔ کیونکہ پوری

وجمیعها رهن عن کل واحد منهما [۱۰۴۱](۴۳) والمضمون علی کل واحد منهما حصة دینه منها[۱۰۴۲] (۴۴) فان قضی احدهما دینه کان کلها رهنا فی ید الآخر حتی یستوفی دینه[۱۰۴۳] (۴۵) ومن باع عبدا علی ان یرهنه المشتری بالثمن شیئا بعینه فامتنع المشتری من تسلیم الرهن لم یجبر علیه وکان البائع بالخیار ان شاء رضی بترک

بکری پہلے کے دین کے بدلے مرہون ہو چکی ہے۔لیکن یہاں دونوں کے دین کے بدلے بیک وقت ایک بکری رہن پر رکھ رہا ہے۔اس لئے صفقہ ایک ہے اس لئے بیک وقت دونوں کے دین کے بدلے میں ایک بکری رہن پر ہو جائے گی۔اور جب تک دونوں کا مکمل دین ادا نہ ہو جائے پوری بکری مرہون ہی رہے گی۔ پہلے گزرا کہ آدھا دین ادا کیا تو آدھی بکری نہیں چھوٹے گی بلکہ ایک ایک پیسہ ادا ہونے تک پوری بکری مرہون رہے گی۔

[۱۰۴۱](۴۳)اور ضمان ان میں سے ہر ایک پر ان کے دین کے حصے کے مطابق ہے۔

تشریح مثلا پانچ پانچ پونڈ دو آدمیوں سے قرض لئے اور ایک بکری دونوں کے لئے رہن پر رکھی۔بکری کی قیمت آٹھ پونڈ تھی۔وہ ہلاک ہو گئی تو دونوں آدمیوں کے حصے سے چار چار پونڈ کاٹے جائیں گے۔اور ایک ایک پونڈ راہن مزید دیگا۔کیونکہ دونوں قرضوں کے بدلے ایک بکری رہن پر رکھی گئی تھی۔

[۱۰۴۲](۴۴) پس اگر دونوں میں سے ایک کے دین کو ادا کیا تو کل کا کل رہن رہے گا دوسرے کے ہاتھ میں۔یہاں تک کہ اس کے دین کو ادا کرے۔

تشریح ایک بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن تھی پھر ایک کے دین کو ادا کر دیا تو آدھی بکری چھوٹے گی نہیں بلکہ پوری بکری دوسرے کے دین کے بدلے رہن رہے گی۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیء مرہون جتنے کے بدلے رہن رہتی ہے تو جب تک پورا دین ادا نہ کر دیا جائے شیء مرہون رہن ہی رہتی ہے چھوٹتی نہیں ہے۔یہاں بکری دونوں دین کے بدلے مرہون تھی اس لئے جب تک دونوں دینوں کا ایک ایک پیسہ ادا نہ کر دیا جائے بکری کا کوئی حصہ نہیں چھوٹے گا۔

لغت یستوفی : پورا پورا وصول کرنا۔

[۱۰۴۳](۴۵) کسی نے غلام کو اس شرط پر بیچا کہ مشتری اس کو ثمن کے بدلے کوئی متعین چیز رہن رکھے گا۔پس مشتری رہن کے سپرد کرنے سے رک گیا تو سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔اور بائع کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو رہن کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے مگر یہ کہ مشتری فورا ثمن ادا کر دے یا رہن کی قیمت ادا کرے تاکہ رہن ہو جائے۔

تشریح کسی نے اس شرط پر غلام بیچا کہ ثمن کے بدلے مشتری کوئی متعین چیز مثلا بکری رہن رکھے گا اور ثمن بعد میں دے گا۔لیکن مشتری نے وہ

الرھن وان شاء فسخ البیع الا ان یدفع المشتری الثمن حالا او یدفع قیمة الرھن فیکون رھنا [۱۰۴۴](۴۶) وللمرتھن ان یحفظ الرھن بنفسه وزوجته وولده وخادمه الذی فی عیاله.

چیز رہن پر نہیں رکھی تو اس کو رہن رکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔البتہ بائع چونکہ بغیر رہن کے مبیع دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کو اعتماد نہیں ہے اس لئے اس کو دو اختیار ہیں۔یا بیع فسخ کر دے یا بغیر رہن رکھے ہوئے بیع قائم رکھے۔اور اگر مشتری بیع فسخ نہیں کروانا چاہتا تو اس پر لازم ہے کہ فوری طور پر مبیع کی قیمت ادا کرے۔یا رہن کی قیمت دے تاکہ رہن کی قیمت ہی رہن پر رکھ دی جائے اور مبیع دینے کا حکم دیا جائے۔

وجہ اس مسئلہ میں کئی باتیں ملحوظ ہیں۔ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط خلاف قیاس ہے۔کیونکہ بیع کے ساتھ مزید شرط ہے جس میں بائع کا فائدہ ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ حضورؐ نے بیع میں کسی دوسرے معاملہ کو گھسانے سے منع فرمایا ہے۔عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من باع بیعتین فی بیعة فله او کسھما او الربا (الف)(ابوداؤد شریف، باب فیمن باع بیعتین فی بیعۃ ص۱۳۴ نمبر ۳۴۶۱) اس حدیث میں بیع میں دوسری بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔اس لئے ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط سے بیع فاسد ہونی چاہئے۔لیکن استحسانا جائز قرار دیا۔کیونکہ یہ شرط بیع کے موافق ہے۔اور بائع کو اعتماد اور وثیقہ کے لئے رہن کی شرط لگائی گئی ہے۔اس لئے اس شرط سے بیع فاسد نہیں ہوگی۔البتہ رہن رکھنا تبرع ہے اس لئے مشتری رہن نہ رکھے تو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔البتہ شرط مرغوب فیہ نہ ہونے کی وجہ سے بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ہاں! اگر مشتری ادھار چھوڑ کر پوری قیمت ادا کر دے یا رہن کی قیمت ادا کر دے اور اس کو رہن کے بدلے رہن پر رکھ دے تو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

[۱۰۴۴](۴۶) مرتہن کے لئے جائز ہے کہ رہن کی خود حفاظت کرے، اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد اور اس کے وہ خادم جو اس کی عیالداری میں ہیں وہ حفاظت کریں۔

تشریح جس طرح مرتہن اپنے مال کی حفاظت خود کرتا ہے اور اپنی بیوی، اپنی اولاد اور اپنے خاص خادم سے کرواتا ہے۔اسی طرح مال رہن کی حفاظت خود کر سکتا ہے۔اپنی بیوی سے اپنی اولاد سے اور اپنے خاص خادم سے کروا سکتا ہے۔اس سے تعدی شمار نہیں کی جائے گی اور اگر اس طرح حفاظت کرتے ہوئے مال رہن ہلاک ہو جائے تو یوں نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حفاظت کرنے میں کوتاہی کی (۲) آدمی مختلف ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر جائیگا اس لئے بیوی بچوں سے حفاظت کروانے کی ضرورت پڑے گی اس لئے اپنے مال کی طرح ان لوگوں سے حفاظت کروا سکتا ہے۔

نوٹ بعض خادم وہ ہوتا ہے جو نوکر کی طرح کام کیا اور چلا گیا۔وہ خادم خاص نہیں ہے۔بلکہ مرتہن جس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہو وہ خادم خاص ہے اس سے حفاظت کروا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بیع میں دو بیع کی اس کے لئے اس کا کم درجہ ہے یا سود ہے۔

[۱۰۴۵] (۴۷) وان حفظه بغیر من ھو فی عیاله او اودعه ضمن. [۱۰۴۶] (۴۸) واذا تعدی المرتھن فی الرھن ضمنه ضمان الغصب بجمیع قیمته [۱۰۴۷] (۴۹) واذا اعار المرتھن الرھن للراھن فقبضه خرج من ضمان المرتھن [۱۰۴۸] (۵۰) فان ھلک فی ید

[۱۰۴۵] (۴۷) اگر رہن کی حفاظت کی اس کے علاوہ سے جو اس کے عیال میں ہو یا اس کے پاس ودیعت رکھی تو ضامن ہوگا۔

تشریح مرتہن نے اپنے عیال کے علاوہ سے شیء مرہون کی حفاظت کروائی اور وہ ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا۔

وجہ کیونکہ ان کو عیال سے حفاظت کروانا چاہئے اور عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی کرنا ہے۔ اس لئے مرتہن شیء مرہون کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح عیال کے علاوہ کے پاس شیء مرہون امانت رکھ دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو مرتہن ضامن ہو جائے گا۔

اصول عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی ہے۔

[۱۰۴۶] (۴۸) اگر مرتہن رہن میں تعدی کردے تو وہ اس کا ضامن ہوگا غصب کا ضمان اس کی پوری قیمت کا۔

تشریح مرتہن نے شیء مرہون پر تعدی اور زیادتی کی جس کی وجہ سے شیء مرہون ہلاک ہوگئی تو اس کی جتنی قیمت تھی سب کا ضامن ہوگا۔ جس طرح غصب کرنے کے بعد ہلاک کردے تو پوری قیمت کا ضامن ہوتا ہے اسی طرح شیء مرہون کو جان بوجھ کر تعدی کر کے ہلاک کردے تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا۔ مثلا نو پونڈ قرض لیا تھا اور دس پونڈ کی بکری رہن پر رکھی۔ پس اگر تعدی کئے بغیر ہلاک ہوئی تو قرض کے نو پونڈ کٹتے۔ اور ایک پونڈ امانت کا تھا وہ راہن کو واپس دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ امانت بغیر تعدی کے ہلاک ہو تو اس کو واپس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہاں مرتہن نے تعدی کر کے بکری ہلاک کی ہے اس لئے اس کی پوری قیمت دس پونڈ کا ضامن ہوگا۔

[۱۰۴۷] (۴۹) اگر مرتہن نے شیء مرہون راہن کو عاریت پر دی اور راہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو شیء مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل گئی

تشریح مرتہن نے شیء مرہون راہن کو عاریت کے طور پر دیدی اور راہن نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو جس کی چیز تھی اس کے پاس واپس آگئی۔ اور مرتہن کے قبضہ سے نکل گئی۔ اس لئے وہ چیز مرتہن کے ضمان میں نہیں رہی۔ اب اگر ہلاک ہوگئی تو راہن کی چیز ہلاک ہوگی۔

وجہ کیونکہ اس کے قبضہ میں شیء مرہون آگئی ہے۔

[۱۰۴۸] (۵۰) پس اگر راہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی۔

تشریح شیء مرہون راہن کی چیز تھی قبضہ کرنے کی وجہ سے راہن کے پاس آگئی اور اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کو کچھ بھی نہیں دینا پڑے گا۔

وجہ کیونکہ اسی کی چیز تھی اسی کے پاس ہلاک ہوئی ہے۔ اس کی قیمت کس کو دے گا؟ البتہ اب جلدی سے مرتہن کو دین ادا کرے یا شیء مرہون کی قیمت مرتہن کو دے تا کہ وہ اس کی قیمت رہن پر رکھے۔ تاہم قیمت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ رہن تبرع ہوتا ہے اور تبرع پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اصول جس کی چیز ہو اسی کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا۔ نہ تاوان نہ ضمان۔

الراهن هلک بغیر شیء[۱۰۴۹] (۵۱) وللمرتهن ان یسترجعه الی یده فاذا اخذه عاد الضمان علیه[۱۰۵۰] (۵۲) واذا مات الراهن باع وصیه الرهن وقضی الدین[۱۰۵۱] (۵۳) فان لم یکن له وصی نصب القاضی له وصی وامره ببیعه.

نوٹ اس صورت میں مرتہن کا کوئی دین ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے یہاں شی ءمرہون ہلاک نہیں ہوئی ہے۔

[۱۰۴۹] (۵۱) مرتہن کے لئے جائز ہے کہ شی ءمرہون کو اپنے ہاتھ کی طرف واپس لے۔ پس جب لے لیا تو اس پر ضمان لوٹ آیا۔

وجہ کیونکہ راہن کے عاریت پر لینے سے رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوا، وہ چیز ابھی بھی رہن پر ہے۔ اس لئے مرتہن کو راہن سے واپس مانگنے کا حق ہے۔ اگر راہن واپس دیدے تو وہ چیز پہلے کی طرح رہن پر ہو جائے گی۔ اور ہلاک ہونے پر مرتہن پہلے کی طرح ضامن ہوگا۔

اصول یہاں یہ اصول ہے کہ راہن کے عاریت پر لینے سے رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوتا وہ بحال رہتا ہے۔

[۱۰۵۰] (۵۲) اگر راہن مر جائے تو راہن کا وصی شی ءمرہون بیچے گا اور دین ادا کرے گا۔

تشریح راہن مر گیا تو راہن کے وصی کو حق ہے کہ شی ءمرہون کو بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کرے۔

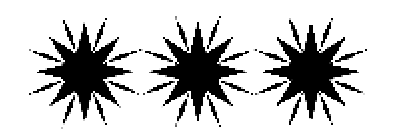
وجہ وصی کو راہن کی زندگی میں شی ءمرہون کو بیچ کر دین ادا کرنے کا حق تھا تو اس کے مرنے کے بعد بدرجہ اولی شی ءمرہون کو بیچ کر دین ادا کرنے کا حق ہوگا۔

[۱۰۵۱] (۵۳) پس اگر راہن کا وصی نہ ہو تو قاضی اس کے لئے وصی متعین کرے گا اور اس کو حکم دے گا شی ءمرہون کے بیچنے کا۔

تشریح راہن کا انتقال ہو گیا اور دین ادا نہیں کر پایا تھا اور شی ءمرہون کے بیچنے کا وصی بھی نہیں متعین کیا تھا کہ وہ بیچ کر مرتہن کا دین ادا کرے۔ ایسی صورت میں قاضی شی ءمرہون کو بیچنے کے لئے اور مرتہن کا دین ادا کرنے کے لئے وصی متعین کرے۔ وہ بیچ کر مرتہن کا دین ادا کریں گے۔

وجہ قاضی اس لئے ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ یہاں مرتہن کا حق ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس لئے قاضی اس کے لئے وصی متعین کرے گا تاکہ مرتہن کا حق وصول ہو جائے۔

اصول حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو قاضی اس کی نگرانی کریں گے۔ یہ اصول لاضرر ولاضرار حدیث کے تحت ہے۔



﴿ کتاب الحجر ﴾

[۱۰۵۲](۱) الاسباب الموجبة للحجر ثلثة الصغر والرق والجنون.

﴿کتاب الحجر﴾

ضروری نوٹ حجر کے معنی روکنے کے ہیں۔ یہاں حجر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو بیع وشراء اور معاملات کرنے سے روک دے تاکہ دوسرے کو نقصان نہ ہو مثلا بچے کو خرید وفروخت کرنے سے روک دے تاکہ اس کی بے وقوفی سے ولی کو نقصان نہ ہو۔ حجر کا ثبوت اس آیت میں ہے **وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم** (الف) (آیت ۶ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ نابالغ یتیم کو آزمالو۔ اگر اس میں عقل اور سمجھ کو محسوس کروتو اس کو مال دو اور محسوس نہ کروتو اس کا مال حوالے مت کرو۔ اسی مال حوالے نہ کرنے کا نام حجر ہے۔ اس سے اوپر کی آیت میں یوں ہے **ولا تؤتوا السفهاء اموالکم** (ب) (آیت ۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ جو لوگ بے وقوف ہیں ان کو مال مت دو (۳) اور حدیث میں ہے۔ **عن کعب بن مالک ان رسول الله ﷺ حجر علی معاذ ماله و باعه فی دین کان علیه** (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۸، نمبر ۴۵۰۵ رسنن للبیھقی، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۰) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کو دین کی وجہ سے ان پر حجر کیا تھا۔

[۱۰۵۲](۱) حجر واجب کرنے والے اسباب تین ہیں، بچپنا، غلام ہونا اور جنون ہونا۔

تشریح یہ تین اسباب ایسے ہیں جن سے حجر ہوتا ہے اور آدمی کو خرید وفروخت کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بچپن میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس کو پتہ نہیں ہوتا ہے کہ اچھی چیز خرید رہا ہوں یا بری اس لئے اس کو خرید وفروخت کرنے سے روکا جائے گا۔ البتہ مستقبل میں امید کی جاتی ہے کہ بالغ ہونے کے بعد عقل آجائے اور معاملہ درست کرلے۔ اس لئے ولی کی اجازت سے خرید وفروخت درست ہوسکتا ہے۔ غلام میں عقل ہوتی ہے لیکن اس کے خرید وفروخت کرنے سے مولی کو نقصان ہونے کا خطرہ ہے اس لئے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔ اور مجنون میں بھی عقل نہیں ہے اس لئے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔ روکنے کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔ **وابتلوا الیتٰمی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم رشدا فادفعوا الیهم اموالهم** (ج) (آیت ۶ سورۃ النساء ۴) آیت میں ہے کہ اگر معاملہ کرنے کی صلاحیت دیکھو تو یتیموں کو مال سپرد کرو ورنہ نہیں۔ اس لئے آیت سے ان لوگوں کو روکنے کا ثبوت ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال مر علی علی ابن ابی طالب بمعنی عثمان قال او ما تذکر ان رسول الله ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب علی عقله حتی یفیق وعن النائم حتی یستیقظ و عن الصبی حتی یحتلم قال صدقت** (د) (ابو

حاشیہ : (الف) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب بالغ ہو جائے اور نکاح کے قابل ہو جائے۔ پس اگر اس میں صلاحیت دیکھو تو ان کو ان کا مال دیدو (ب) بے وقوفوں کو ان کا مال مت دو (ج) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب بالغ ہو جائے اور نکاح کے قابل ہو جائے۔ پس اگر اس میں صلاحیت دیکھو تو ان کو ان کا مال دیدو (د) کیا آپ کو یاد نہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قلم تین آدمیوں سے اٹھا لیا گیا ہے (یعنی اس کی بات کا اعتبار نہیں) مجنون سے جس کی عقل مغلوب (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۰۵۳](۲) ولا یجوز تصرف الصغیر الا باذن ولیه [۱۰۵۴](۳) ولا یجوز تصرف العبد الا باذن سیده[۱۰۵۵] (۴) ولا یجوز تصرف المجنون المغلوب علی عقله بحال.

داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق اویصیب حداص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰۱ ر بخاری شریف، باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ ص ۱۰۰۶ انمبر ۶۸۱۵) اس حدیث میں ہے کہ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون کو افاقہ نہ ہو جائے اس سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی اس کے کام پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اور بیع وشراء میں الزام اور ذمہ داری ہوتی ہے۔اس لئے وہ بیع وشراء کرنے کے اہل نہیں ہیں۔باقی رہا غلام تو اس میں عقل ہے لیکن مولی کے نقصان کی وجہ سے اس کو خرید وفروخت نہیں کرنے دیا جائے گا۔ہاں! مولی اجازت دے تو خرید وفروخت کر سکتا ہے۔غلام کے حجر کی وجہ یہ حدیث ہے۔**عن عمر بن شعیب ان النبی ﷺ قال لا طلاق الا فیما تملک ولا عتق الا فیما تملک ولا بیع الا فیما تملک** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الطلاق قبل النکاح ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۹۰) اس حدیث میں ہے کہ اس کی بیع نہیں کر سکتا جس کا مالک نہیں اور غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہے جو مال ہے وہ مولی کا ہے اس لئے اس کی خرید وفروخت مجبور ہیں۔

لغت الصغر : بچپنا۔ الرق : غلامیت۔

[۱۰۵۳](۲) اور نہیں جائز ہے بچے کا تصرف مگر اس کے ولی کی اجازت سے۔

وجہ بچے میں عقل کی کمی ہے۔لیکن بالغ ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ سمجھداری آجاتی ہے اور بعض مرتبہ اچھا معاملہ کر لیتا ہے اس لئے ولی مناسب سمجھے تو بیع نافذ کر دے۔اس کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

[۱۰۵۴](۳) اور نہیں جائز ہے غلام کا تصرف مگر اس کے مولی کی اجازت سے۔

وجہ بالغ غلام میں عقل تو ہے لیکن زیادہ تجارت کرے گا تو ممکن ہے کہ اس کی گردن پر تجارت کا قرض آجائے اور مولی کو قرض بھرنا پڑے اس لئے اس کو نقصان ہوگا۔اس لئے مولی کی اجازت سے غلام تجارت کر سکتا ہے۔

[۱۰۵۵](۴) اور ایسا مجنون جس کی عقل مغلوب ہو اس کا تصرف کسی حال میں جائز نہیں۔

تشریح مجنون دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک وہ مجنون جس کو کبھی افاقہ ہوتا ہے۔ایسے مجنون کا معاملہ افاقہ کے وقت درست ہے۔ایک دوسرا وہ مجنون جس کی عقل مغلوب ہے اور کبھی افاقہ نہیں ہوتا ایسے مجنون کی کبھی عقل نہیں ہوتی۔اس لئے ایسے مجنون کا معاملہ اور خرید وفروخت کسی حال میں درست نہیں ہے۔

اصول معاملہ کرنے کا دارومدار عقل ہے۔اس لئے جن کو عقل نہیں ہے ان کو معاملہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔یا اس کا معاملہ موقوف رہیگا۔

[۱۰۵۶](۵) ان لوگوں میں سے کسی نے کوئی چیز بیچی یا اس کو خریدی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتے ہوں اور اس کا ارادہ کرتے ہوں تو ولی کو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) مغلوب ہو جب تک کہ افاقہ نہ ہو جائے۔اور سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے۔حضرت علی نے فرمایا آپ نے سچ کہا (الف) آپ نے فرمایا نہیں طلاق واقع ہوگی مگر جس چیز کا مالک ہو، یعنی نکاح ہو۔اور نہیں آزادگی ہے مگر جس چیز کا مالک ہو اور نہیں بیع ہے مگر جس چیز کا مالک ہو (یعنی جس کا مالک ہو اسی کی بیع کر سکتا ہے۔

[۱۰۵۶] (۵) ومن باع من هؤلاء شیئا او اشتراه وهو یعقل البیع و یقصده فالولی بالخیار ان شاء اجازه اذا کان فیه مصلحة وان شاء فسخه [۱۰۵۷] (۶) فهذه المعانی الثلثة توجب الحجر فی الاقوال دون الافعال [۱۰۵۸] (۷) واما الصبی والمجنون لا تصح

اختیار ہے اگر چاہے تو اس کی اجازت دیدے اگر اس میں مصلحت دیکھے اور چاہے تو اس کو فسخ کر دے۔

تشریح بچہ، غلام اور مجنون میں سے کسی نے خرید وفروخت کی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہے اور اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے، مذاق اور کھیل میں نہیں تو اگر اس کی اجازت دینے میں مصلحت ہے تو ولی اس کی اجازت دے اور خرید وفروخت کو نافذ کر دے۔ اور اگر مصلحت نہیں ہے تو اس خرید وفروخت کو فسخ کر دے۔ سمجھدار بچے کو وکیل بنانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ جن میں عمر بن ابی سلمہ جو چھوٹے تھے اس کو ماں نے حضور سے اپنی شادی کا وکیل بنایا۔ عن ام سلمة لما انقضت عدتها ... فقالت لابنها یا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه (مختصر نسائی شریف، باب انکاح الابن امه ص ۴۵۰ نمبر ۳۲۵۶)

نوٹ عبارت میں ویقصدہ فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مجنون اور بچہ کبھی مذاق کے طور پر بھی خرید وفروخت کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ بیع کا ارادہ کرتا ہو تب ہی بیع ہوگی تا کہ ایجاب اور قبول حقیقت میں پائے جائیں۔

[۱۰۵۷] (۶) یہ تین وجہیں واجب کرتی ہیں حجر کو اقوال میں نہ کہ افعال میں۔

تشریح جنون، بچپنا اور غلامیت کی وجہ سے حجر واجب ہوتا ہے۔ لیکن صرف قول میں حجر ہوگا کہ اس کے قول کا اعتبار کریں کہ نہ کریں۔ لیکن اگر اس نے کوئی کام کیا مثلا کسی کو قتل کر دیا تو اس کا اثر تو ہوگا کہ اس کی دیت لازم ہوگی۔ یا چوری کی تو اس کا تاوان لازم ہوگا یا کسی کو مارا تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔ اس لئے کہ افعال کیا۔ اور خارج میں کسی کا نقصان ہوا تو نقصان ادا کرنا ہوگا۔ البتہ ایسے افعال جن سے حدود وقصاص لازم ہوتے ہیں وہ مجنون اور بچے پر لازم نہیں ہونگے۔ کیونکہ یہ شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور ہوسکتا ہو کہ مجنون اور بچے ان کو شبہ کی وجہ سے کر گزرے ہوں۔ اور ان کے پختہ ارادے کا دخل نہ ہو۔ اس لئے ان کے افعال سے حدود وقصاص لازم نہیں ہونگے۔ باقی افعال سے نقصان ہوا ہو تو وہ ولی کو ادا کرنا ہوگا۔

اقوال بھی تین قسم کے ہیں۔ ایسے قول جس میں بچے اور مجنون کا فائدہ ہی فائدہ ہے جیسے ہبہ اور ہدیہ قبول کرنا۔ یہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں ان کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دوسرے وہ قول جن میں ان کو نقصان ہی نقصان ہے۔ جیسے طلاق دینا اور غلام آزاد کرنا، یہ بالکل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان میں ان کا نقصان ہے۔ تیسرے وہ اقوال جن بھی فائدے بھی ہو سکتے ہیں اور نقصان بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کو موقوف رکھا جائے گا، ولی مصلحت دیکھے گا تو نافذ کرے گا اور مناسب سمجھے گا تو رد کر دے گا، جیسے خرید وفروخت کرنا۔



[۱۰۵۸] (۷) بہر حال بچہ اور مجنون تو نہیں صحیح ہے ان کا عقد اور نہ ان کا اقرار کرنا، اور نہیں واقع ہوگی ان کی طلاق اور نہ آزاد کرنا۔

تشریح بچہ اور مجنون کو عقل نہیں ہے اس لئے ان کے اقوال کا اعتبار نہیں۔ اور عقد کرنا، اقرار کرنا، طلاق دینا اور آزاد کرنا سب اقوال ہیں اس

عقودهما ولا اقرارهما ولا يقع طلاقهما ولا اعتاقهما [١٠٥٩] (٨) فان اتلفا شيئا لزمهما ضمانه[١٠٦٠] (٩) واما العبد فاقواله نافذة فی حق نفسه غير نافذة فی حق مولاه.

لئے ان کا اعتبار نہیں۔البتہ عقد کرنا مثلا خرید وفروخت کرنے میں فائدہ اور نقصان دونوں ہو سکتے ہیں اس لئے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔اقرار کرنے مین سراسر نقصان ہے اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں ہے۔اور وہ طلاق دے یا آزاد کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔

وجہ ان میں بھی نقصان ہے۔طلاق میں بیوی جائے گی اور آزاد کرنے میں غلام جائے گا اس لئے ان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابی هريرة قال رسول الله ﷺ كل طلاق جائز الا طلاق المعتوه المغلوب على عقله (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی طلاق المعتوہ،ص۲۲۳ نمبر ۱۱۹۱/بخاری شریف، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ ص۷۹۳ نمبر ۵۲۶۹) اس حدیث میں ہے کہ معتوہ جن کی عقل مغلوب ہو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔اور بچہ بھی مغلوب العقل ہے اس لئے اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔عن علی لا يجوز على الغلام طلاق حتى يحتلم (ب)(مصنف عبدالرزاق، باب طلاق الصبی، ج سابع ،ص۸۵،نمبر ۱۲۳۱۶)(۲) اس کے علاوہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔بچے، مجنون اور سونے والے سے۔اس لئے ان لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

[۱۰۵۹](۸) پس اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز ضائع کی تو ضمان لازم ہوگا۔

تشریح مجنون اور بچے نے اپنی حرکتوں سے کسی کی کوئی چیز ضائع کر دی تو اس کا ضمان ان دونوں پر لازم ہوگا۔اور ان کے ولی ان کا ضمان ادا کریں گے۔

وجہ ان لوگوں کے قول وقرار کا اعتبار نہیں ہے لیکن افعال کا اعتبار تو ہے (۲) دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ضمان ادا کیا جائے گا۔ورنہ دوسروں کے حقوق ضائع ہونگے۔

اصول دوسروں کا نقصان کوئی بھی کرے ضمان ادا کرنا ہوگا۔

[۱۰۶۰](۹) بہر حال غلام تو اس کے اقوال نافذ ہیں اس کی ذات کے حق میں اور نہیں نافذ ہیں اس کے مولی کے حق میں۔

تشریح بالغ غلام عقلمند ہے لیکن مولی کے نقصان اور اس کے حق کی وجہ سے اس کے اقوال نافذ نہیں نہ اس کا خرید وفروخت نافذ ہیں۔لیکن اس کی ذات کے حق میں اس کا اقرار وغیرہ نافذ ہے۔مثلا وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو یہ اس کا ذاتی نقصان ہے اس لئے طلاق دے سکتا ہے

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ غلام کا قول اس کی ذات کے حق میں نافذ ہے۔عن ابن عباس قال اتى النبى رجل فقال يا رسول الله ان سيدى زوجنى امته وهو يريد ان يفرق بينى و بينها قال فصعد رسول الله ﷺ المنبر فقال يا ايها

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ہر طلاق جائز ہے مگر معتوہ مغلوب العقل کی طلاق (ب) حضرت علی سے روایت ہے کہ فرمایا نہیں جائز ہے لڑکے کی طلاق جب تک کہ احتلام نہ ہو جائے۔

[۱۰۶۱] (۱۰) فان اقر بمال لزمه بعد الحریة ولم یلزمه فی الحال [۱۰۶۲] (۱۱) وان اقر بحد او قصاص لزمه فی الحال.

الناس ما بال احدکم یزوج عبده امته ثم یرید ان یفرق بینهما انما الطلاق لمن اخذ بالساق (الف) (ابن ماجہ شریف، باب طلاق العبد ص ۲۹۹ نمبر ۲۰۸۱، دارقطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۲۵ نمبر ۳۹۴۸) اس حدیث میں مولی نے غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہا لیکن آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ طلاق دینے کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی نکاح کیا۔ اور نکاح غلام کرتا ہے اس لئے اس کو طلاق دینے کا حق ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **انه استفتی ابن عباس فی مملوک کانت تحته مملوکة فطلقها تطلیقتین ثم عتقا بعد ذلک هل یصلح له ان یخطبها؟ قال نعم قضی بذلک رسول اللہ ﷺ** (ب) (سنن ابوداؤد، باب فی سنۃ طلاق العبد ص ۳۰۴ نمبر ۲۱۸۷) اس حدیث میں ہے کہ غلام نے اپنی باندی بیوی کو طلاق دی۔ جس سے معلوم ہوا کہ غلام اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔

[۱۰۶۱] (۱۰) پس اگر کسی مال کا اقرار کیا تو اس کو آزادگی کے بعد لازم ہوگا اور وہ فی الحال لازم نہیں ہوگا۔

تشریح کسی غلام نے اقرار کیا کہ فلاں کا مجھ پر مثلا سو پونڈ ہیں تو یہ سو پونڈ اس وقت اس پر لازم نہیں ہونگے نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ مولی کے مال میں سے دینا ہوگا اور مولی کا نقصان ہوگا۔ اس لئے اس وقت لازم نہیں ہوں گے۔ البتہ چونکہ عاقل بالغ ہے اس لئے آزاد ہونے کے بعد اس کا اعتبار ہوگا اور آزاد ہونے کے بعد سو پونڈ ادا کرنے لازم ہوں گے۔ تاکہ مولی کا بھی نقصان نہ ہو اور اس کے عاقل بالغ ہونے کا بھی اعتبار رہے۔

نوٹ یہ اس وقت ہے کہ مولی نے غلام کو تجارت کی اجازت نہ دی ہو۔ اگر اجازت دی ہو تو تجارت کے سلسلے میں غلام کا اقرار کرنا جائز ہے۔

[۱۰۶۲] (۱۱) اگر غلام اقرار کرے حد کا یا قصاص کا تو اس کو لازم ہوگا فی الحال۔

تشریح غلام ایسے جرم کا اقرار کرتا ہے جس کی وجہ سے اس پر حد لازم ہو یا قصاص لازم ہو۔ مثلا شراب پینے کا اقرار کرتا ہے یا کسی کو قتل عمد کرنے کا اقرار کرتا ہے جس کی وجہ سے اس پر قصاص لازم ہو تو یہ سزائیں فی الحال دی جائیں گی۔ اس کی آزادگی کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر چہ اس کی وجہ سے مولی کا نقصان ہو۔

وجہ ان جرموں میں غلام کی جان خطرے میں ہے اور اس کی جان کا نقصان ہے۔ اور اس کی ذات کے سلسلے میں وہ خود مختار ہوتا ہے اس لئے وہ ایسی چیزوں کا اقرار کرسکتا ہے۔ اور یہ حدود وقصاص فی الحال جاری ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میرے مولی نے اپنی باندی سے میری شادی کرائی۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ میرے اور اس کے درمیان تفریق کرادے تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! تمہیں کیا ہوا کہ اپنے غلام کی باندی سے شادی کراتا ہے پھر دونوں کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے۔ طلاق کا حق صرف اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی شادی کی (ب) حضرت ابن عباس سے فتوی پوچھا ایک غلام کے بارے میں جس کے تحت میں باندی ہو۔ اس نے دو طلاق دی۔ اس کے بعد دونوں آزاد ہوئے۔ کیا اس کو حق ہے کہ بیوی کو پیغام نکاح دے؟ کہا ہاں! حضورؐ نے اسی کا فیصلہ کیا۔

[۱۰۶۳](۱۲) وینفذ طلاقہ [۱۰۶۴](۱۳) ولا یقع طلاق مولاہ علی امرأتہ [۱۰۶۵](۱۴) وقال ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالی لا یحجر علی السفیہ اذا کان عاقلا بالغا

[۱۰۶۳](۱۲) غلام کی طلاق نافذ ہوگی۔

وجہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ غلام اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے (۲) یہ اس کا ذاتی نقصان ہے اس لئے اس کو اس کے اٹھانے کا اختیار ہوگا۔

[۱۰۶۴](۱۳) اور غلام کے مولی کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی۔

تشریح مولی غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو نہیں دے سکتا۔ اس کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی۔ بلکہ غلام کی طلاق واقع ہوگی۔

وجہ (۱) طلاق شوہر کی واقع ہوتی ہے اور مولی شوہر نہیں ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) حدیث میں مولی کو طلاق دینے سے منع فرمایا ہے۔ **عن ابن عباس قال اتی النبی ﷺ رجل قال یا رسول اللہ ان سیدی زوجنی امتہ وھو یرید ان یفرق بینی و بینھا قال فصعد رسول اللہ ﷺ المنبر فقال یا ایھا الناس ما بال احدکم یزوج عبدہ امتہ ثم یرید ان یفرق بینھما انما الطلاق لمن اخذ الساق** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب طلاق العبد ص ۲۹۹ نمبر ۲۰۸۱ ر دار قطنی، کتاب الطلاق ج رابع ص ۲۵ نمبر ۳۹۴۸) اس حدیث میں مولی غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہا تو آپ ؐ نے اس کو منع فرمایا اور فرمایا کہ طلاق وہی دے سکتا ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی شادی کی۔ اس لئے مولی غلام کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا۔

[۱۰۶۵](۱۴) کہا امام ابو حنیفہ نے نہیں حجر کیا جائے گا بے وقوف پر جب کہ وہ عاقل ہو، بالغ ہو اور آزاد ہو۔

تشریح آدمی عاقل ہو، بالغ ہو اور آزاد ہو لیکن بیوقوف ہو اور زیادہ خرچ کرتا ہو تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے اگر وہ خرید و فروخت کرے تو خرید و فروخت نافذ ہوگی۔

وجہ (۱) معاملات کرنے کا مدار عقل، بلوغ اور آزادگی پر ہے اور وہ اس میں موجود ہیں اس لئے اس پر حجر نہ کیا جائے۔ ہاں! عقل ہی نہ ہو تو جنونیت کی وجہ سے حجر ہوگا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن انس بن مالک ان رجلا علی عھد رسول اللہ کان یبتاع و فی عقدتہ ضعف فاتی اھلہ نبی اللہ فقالوا یا نبی اللہ احجر علی فلان فانہ یبتاع وفی عقدتہ ضعف فدعاہ النبی ﷺ فنھاہ عن البیع فقال یا رسول اللہ انی لا اصبر عن البیع فقال رسول اللہ ان کنت غیر تارک للبیع فقل ھاء وھاء ولا خلابة** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی الرجل یقول عند البیع لا خلابة، ص ۱۳۸، نمبر ۳۵۰۱) اس حدیث میں آپ ؐ نے فضول خرچی کے

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میرے مولی نے اپنی باندی سے میری شادی کرائی۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ میرے اور اس کے درمیان تفریق کرادے تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! تمہیں کیا ہوا کہ اپنے غلام کی باندی سے شادی کراتا ہے پھر دونوں کے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے۔ طلاق کا حق صرف اس کو ہے جو پنڈلی پکڑے یعنی شادی کرے (ب) ایک آدمی حضوری کے زمانے میں خرید و فروخت کرتا تھا اور اس کے عقد میں کمزوری تھی۔ پس اس کے اہل حضور ؐ کے پاس آئے۔ پس لوگوں نے کہا اے اللہ کے نبی! اس پر حجر کر دیجئے وہ خرید و فروخت کرتا ہے۔ اور اس کے عقد (باقی اگلے صفحہ پر)

حـرا [۱۰۶۶](۱۵) وتـصـرفـه فـی مـالـه جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف ماله فی ما لا غـرض لـه فیه ولا مصلحة مثل ان یتلفه فی البحر او بحرقة فی النار[۱۰۶۷](۱۶) الا انه قال اذا بلغ الغلام غیر رشید لم یسلم الیه ماله حتی یبلغ خمسا وعشرین سنة وان تصرف فیـه قبـل ذلک نـفذ تصرفه فاذا بلغ خمسا و عشرین سنة سلم الیه ماله وان لم یؤنس منه الـرشـد[۱۰۶۸](۱۷) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله یحجر علی السفیه ویمنع

باوجود صحابی پر حجر نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ سفیہ پر حجر جائز نہیں ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهیم قال لا یحجر علی حر (مصنف ابن ابی شیبة ۱۲۸ من کرہ الحجر علی الحر ومن رخص فیہ، ج رابع، ص ۳۶۷، نمبر ۲۱۰۶۲)

[۱۰۶۶](۱۵) بے وقوف کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگر چہ وہ فضول خرچ اور مفسد ہو۔ اپنے مال کو ضائع کرتا ہو ایسی چیز میں جس میں کوئی غرض نہیں اور نہ کوئی مصلحت ہو۔ مثلا اس کو سمندر میں ضائع کرتا ہو یا اس کو آگ میں جلاتا ہو۔

تشریح امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بے وقوف چاہے فضول خرچ ہو، مفسد ہو اور ایسی جگہ مال صرف کرتا ہو جہاں نہ کوئی غرض ہو اور نہ مصلحت ہو مثلا سمندر میں مال پھینک دیتا ہے یا آگ میں جلا دیتا ہے پھر بھی اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔ اس کی خرید و فروخت نافذ ہوگی۔

وجہ کیونکہ وہ عاقل و بالغ اور آزاد ہے۔

[۱۰۶۷](۱۶) مگر یہ فرمایا کہ کوئی لڑکا بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہو تو اس کا مال اس کو سپرد نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ پچیس سال کا ہو جائے۔ اور اگر اس سے پہلے اس نے تصرف کیا تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا۔ پس جب پچیس سال پورے ہو جائیں تو اس کو اس کا مال سپرد کر دیا جائے گا اگر چہ اس میں سمجھداری محسوس نہ ہو۔

تشریح امام صاحب فرماتے ہیں کہ پچیس سال میں آدمی دادا بن جاتا ہے کیونکہ بارہ سال میں بالغ ہوگا اور فرض کرو کہ بچہ ہوا اور وہ بچہ بارہ سال میں بالغ ہو کر شادی کی اور اس کو بچہ ہوا تو آدمی پچیس سال میں دادا بن جائے گا۔ اس لئے اگر کوئی بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہوا تو اس پر حجر تو نہ کیا جائے لیکن اس کو پچیس سال تک مال سپرد نہ کیا جائے۔ تاکہ وہ مال کو غلط خرچ نہ کرے۔ اور پچیس سال کے بعد چاہے سمجھداری کے آثار نہ نظر آتے ہوں پھر بھی مال اس کو حوالے کر دیا جائے۔

لغت لم یونس : محسوس نہیں کیا گیا ہو۔

[۱۰۶۸](۱۷) اور فرمایا امام ابو یوسف اور امام محمد نے حجر کیا جائے گا بے وقوف پر اور روکا جائے گا اس کے مال میں تصرف سے۔ پس اگر بیچا تو اس کی بیع اس کے مال میں نافذ ہوگی اور اس میں مصلحت ہو تو حاکم اس کی اجازت دے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) میں کمزوری ہے۔ پس حضورؐ نے اس کو بلایا اور اس کو بیع سے روکا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں صبر نہیں کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اگر بیع کو چھوڑ نہیں سکتے تو 'ھاء ھاء لا خلابة' کہہ لیا کرو۔

من التصرف فی مالہ فان باع لم ینفذ بیعہ فی مالہ وان کان فیہ مصلحۃ اجازہ الحاکم[۱۰۶۹] (۱۸) وان اعتق عبدا نفذ عتقہ وکان علی العبد ان یسعی فی قیمتہ

تشریح صاحبین کے نزدیک بے وقوف پر حجر کیا جائے گا۔اور اگر اس نے مال بیچا تو اس کی بیع نافذ نہیں ہوگی۔ہاں اگر اس بیع میں مصلحت ہو تو حاکم اس بیع کے نافذ ہونے کی اجازت دے تو نافذ ہو جائے گی۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آیت میں بے وقوف کو مال حوالے کرنے سے منع فرمایا ہے۔آیت ہے **ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما وارزقوھم فیھا واکسوھم وقولوا لھم قولا معروفا** (الف) (آیت ۵ سورۃ النساء۴) اس آیت میں بے وقوف کو مال دینے سے منع فرمایا ہے اور کہا کہ اس کو کھانا کپڑا دیتے رہو۔اور پھسلاتے رہو لیکن مال مت دو۔تاکہ ضائع نہ کردے۔اس لئے بے وقوف پر حجر کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ پر زیادہ خرچ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے حجر کیا تھا۔**عن کعب بن مالک ان رسول اللہ ﷺ حجر معاذ مالہ وباعہ فی دین کان علیہ** (ب) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص ۱۴۸ نمبر ۴۵۰۵ رسنن للبیھقی، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۱۲۶۰) اس حدیث میں زیادہ مال خرچ کرنے کی وجہ سے حضرت معاذ کو حضورؐ نے حجر کیا ہے (۳) اثر میں ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی عبداللہ بن جعفر کو حجر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت زبیر بن العوام کی شرکت کی وجہ سے حجر نہیں فرمایا۔**ان عبد اللہ بن جعفر اتی زبیر بن العوام فقال اشتریت کذا کذا وان علیا یرید ان یأتی امیر المؤمنین عثمان ،یعنی فیسألہ ان یحجر علیؓ فیہ ،فقال الزبیر انا شریکک فی البیع واتی علی عثمان فذکر ذلک لہ فقال عثمان کیف احجر علی رجل فی بیع شریکہ فیہ الزبیر** (ج) (سنن للبیھقی، باب الحجر علی البالغین بالسفہ، ج سادس، ص ۱۰۲، نمبر ۱۱۳۳۶ ر دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص ۱۴۸ نمبر ۴۵۰۶) اس اثر میں حضرت عثمان اور حضرت علی حضرت عبداللہ بن جعفر پر ان کی سفہ کی وجہ سے حجر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت زبیر کی بیع میں شرکت کی وجہ سے رک گئے۔جس سے معلوم ہوا کہ عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔لیکن فضول خرچی کرتا ہو تو اس پر قاضی حجر کر سکتا ہے۔اس صورت میں وہ بیع کرے تو نافذ نہیں ہوگی۔ہاں قاضی مصلحت دیکھے تو سفیہ کو بیع کی اجازت دے دے۔

نوٹ اس دور میں صحیح قاضی نہیں ہے اس لئے سفیہ کو اس کا مال نہ دے کر کسی اور کو دے دیا گیا تو وہ مال کھائے گا اور سفیہ کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے بے وقوف کو اس کا مال دینا بہتر ہے۔

[۱۰۶۹] (۱۸) اور اگر بے وقوف غلام آزاد کیا تو اس کی آزادگی نافذ ہوگی اور غلام پر یہ ہوگا کہ اپنی قیمت کی سعی کرے۔

حاشیہ : (الف) بے وقوفوں کو تم اپنا مال مت دو جس پر اللہ نے تم کو نگران بنایا۔اور ان کو اس مال میں سے روزی دو اور اس کو پہناؤ اور ان کو اچھی بات کہو (ب) آپؐ نے معاذ بن جبل پر حجر فرمایا اور اس کے مال کو اس پر جو دین تھا اس کے بدلے میں بیچا (ج) عبداللہ بن جعفر زبیر بن عوام کے پاس آئے اور کہا میں نے ایسا ایسا خریدا ہے اور حضرت علی چاہتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین عثمان کے پاس جائے اور ان سے کہے کہ اس بارے میں مجھ پر حجر کردے۔تو حضرت زبیر نے فرمایا میں بیع میں تمہارا شریک ہوں۔پھر وہ حضرت علی اور حضرت عثمان کے پاس آئے اور اس کا تذکرہ کیا تو حضرت عثمان نے فرمایا کیسے حجر کروں ایسے آدمی پر جس کی بیع کا شریک زبیر ہو۔

[۱۰۷۰](۱۹) وان تزوج امرأة جاز نکاحه فان سمی لها مهرا جاز منه مقدار مهر مثلها وبطل الفضل [۱۰۷۱](۲۰)وقالا رحمهما الله فیمن بلغ غیر رشید لا یدفع الیه ماله ابدا

تشریح بے وقوف پر حجر کیا اس کے باوجود اس نے اپنا غلام آزاد کیا تو صاحبین کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو حجر ہی صحیح نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔لیکن غلام پر لازم ہوگا کہ اس کی جتنی قیمت ہو سکتی ہے اس کو کما کر بے وقوف مولی کو دے۔

وجہ غلام آزاد تو اس لئے ہوگا کہ اس کا ذاتی حق تھا جو ملا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ آزادگی کا شائبہ بھی آئے تو شریعت اس کو نافذ کرتی ہے۔اس لئے بے وقوف کے آزاد کرتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔لیکن اس سے چونکہ بے وقوف کو نقصان ہوگا اس لئے اس کا مداوا اس طرح کیا جائے گا کہ غلام اپنی قیمت کما کر مولی کو ادا کرے گا تا کہ بے وقوف نقصان سے بچ جائے۔

[۱۰۷۰](۱۹) اگر بے وقوف نے عورت سے شادی کی تو نکاح جائز ہے۔پس اگر اس کے لئے مہر متعین کیا تو مہر مثل کی مقدار جائز ہے اور اس سے زیادہ باطل ہوگا۔

تشریح بے وقوف نے حجر کے بعد کسی عورت سے شادی کی تو شادی جائز ہوگی اور اس کے لئے مہر متعین کیا تو مہر مثل کی مقدار تک جائز ہے۔لیکن عورت کے مہر مثل سے زیادہ متعین کیا تو یہ باطل ہوگا۔

وجہ شادی کرنا حاجت اصلیہ میں داخل ہے اس لئے وہ کر سکتا ہے۔اور جب شادی کر سکتا ہے تو اس کے لئے مہر مثل سے زیادہ متعین کرنا بھی جائز ہے۔لیکن مہر مثل سے زیادہ کی ضرورت نہیں اس لئے مہر مثل سے زیادہ فضول خرچی میں داخل ہوگا اور وہ جائز نہیں ہوگا۔

اصول بے وقوف حاجت اصلیہ کا کام حجر کے بعد بھی کر سکتا ہے۔

[۱۰۷۱](۲۰) صاحبین فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جو بے وقوف ہی کی حالت میں بالغ ہوا کہ اس کو مال سپرد نہیں کیا جائے گا کبھی بھی، یہاں تک کہ اس سے عقلمندی کے آثار نہ محسوس کرے، اور اس کا اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ جو آدمی بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہوا ہو اس کو اس وقت تک مال حوالہ نہ کیا جائے جب تک اس میں عقلمندی کے آثار نہ محسوس کرنے لگے۔ چاہے وہ پچیس سال کے ہو جائے، چاہے کتنی ہی عمر کیوں نہ ہو جائے۔

وجہ بے وقوفی کی وجہ سے حجر کیا ہے تو ابھی بھی بے وقوفی موجود ہے اس لئے حجر بحال رہے گا (۲) آیت میں مطلقا فرمایا ہے کہ بے وقوف کو مال حوالے نہ کرو۔اس میں یہ قید نہیں ہے کہ پچیس سال تک نہ کرو اور بعد میں کر دو۔اس لئے پچیس سال کے بعد بھی بے وقوفی رہے تو مال حوالے نہیں کیا جائے گا، آیت ہے۔ولا تؤتوا السفهاء اموالکم (آیت ۵ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں مطلقا ہے کہ بے وقوفوں کو مال مت دو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بے وقوفی کی علت رہے گی اس کو مال حوالے نہیں کیا جائے گا۔دوسری آیت میں ہے کہ عقلمندی محسوس کرو تو یتیموں کو مال دو۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ بے وقوفوں میں عقلمندی کا احساس ہو تو اس کو مال حوالہ کرو۔اور اگر عقلمندی کے آثار ظاہر نہ ہوں تو چاہے پچیس سال کی عمر ہو جائے پھر بھی اس کو مال حوالہ مت کرو، آیت ہے۔وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم

حتی یؤنس منه الرشد ولا یجوز تصرفه فیه[۱۰۷۲](۲۱) وتخرج الزکوة من مال السفیه[۱۰۷۳] (۲۲) وینفق علی اولاده و زوجته ومن یجب نفقته علیه من ذوی الارحام [۱۰۷۴](۲۳) فان اراد حجة الاسلام لم یمنع منها ولا یسلم القاضی النفقة الیه ولکن یسلمها الی ثقة من الحاج ینفقها علیه فی طریق الحج[۱۰۷۵] (۲۴)فان مرض

رشدا فادفعوا الیهم اموالهم (الف) (آیت ۶ سورة النساء۴) اس لئے بے وقوفوں میں عقلمندی کے آثار نہ ہوں تو کبھی بھی ان کو مال حوالے نہیں کیا جائیگا اور نہ اس کا تصرف جائز ہوگا۔

[۱۰۷۲](۲۱) زکوۃ نکالی جائے گی بے وقوف کے مال سے۔

وجہ بے وقوف بالغ ہے، آزاد ہے اور کچھ نہ کچھ عقل بھی ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ وہ مجنون کے درجے میں ہے۔ اس لئے اس کے مال سے زکوۃ نکال کر ادا کی جائے گی۔ البتہ چونکہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے نیت ضروری ہے اس لئے بے وقوف کو ہی دی جائے گی تاکہ وہ خود مصرف میں خرچ کرے۔

[۱۰۷۳](۲۲) اور خرچ کیا جائے گا بے وقوف کی اولاد پر اور اس کی بیوی پر اور ان لوگوں پر جنکا نفقہ واجب ہے رشتہ داروں میں سے۔

تشریح بے وقوف کے مال کو اس کی بیوی بچوں اور جن لوگوں کا نفقہ اس پر واجب ہے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔

وجہ بے وقوف کی حاجت اصلیہ میں مال خرچ کیا جائے گا اور ان لوگوں پر خرچ کرنا حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ بے وقوف کا مال اس کے امین کو دے اور وہ ان لوگوں پر خرچ کرے تاکہ بے وقوف فضول خرچی نہ کرے۔

[۱۰۷۴](۲۳) پس اگر حج فرض ادا کرنا چاہے تو اس سے روکا نہیں جائے گا۔ لیکن قاضی حج کا خرچ اس کو سپرد نہیں کرے گا۔ لیکن سپرد کرے گا حاجیوں میں سے کسی ثقہ آدمی کو جو اس پر حج کے راستے میں خرچ کرے گا۔

تشریح حج فرض بھی حاجت اصلیہ میں ہے اس لئے بے وقوف حج فرض کرنا چاہے تو قاضی اس کو منع نہیں کرے گا۔ البتہ حج میں جانے والے کسی قابل اعتماد آدمی کو حج کا خرچ دے گا۔ تاکہ وہ بے وقوف پر راستے میں خرچ کرے۔ اور بے وقوف کو حج کا خرچ نہ دے تاکہ وہ فضول خرچی نہ کرے۔

لغت ثقة : قابل اعتماد آدمی۔

[۱۰۷۵](۲۴) پس اگر بیمار ہو جائے اور امور خیر کے بارے میں کچھ وصیتیں کرے تو یہ جائز ہیں اس کے تہائی مال سے۔

تشریح انتقال کا وقت قریب ہے اور بے وقوف خیر کے کاموں کے لئے کچھ مالوں کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کی وصیت کرنا جائز ہے۔ لیکن وہ وصیتیں اس کے تہائی مال سے پوری کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) یتیموں کو آزماؤ، یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہو جائیں پس اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کو ان کا مال دیدو۔

فاوصی بوصایا فی القرب وابواب الخیر جاز ذلک من ثلث ماله[۱۰۷۶] (۲۵) وبلوغ الغلام بالاحتلام والانزال والاحبال اذا وطئ فان لم یوجد ذلک فحتی یتم له ثمانی عشرۃ سنۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ [۱۰۷۷](۲۶) وبلوغ الجاریۃ بالحیض والاحتلام

وجہ موت کے وقت آدمی کو کچھ خیر کے کام کرنے کی تمنا ہوتی ہے۔اس لئے آخرت کے لئے یہ حاجت اصلیہ میں ہوگئی۔اس لئے وصیت کرنا جائز ہے۔البتہ اور آدمیوں کی طرح ان کی وصیت بھی تہائی مال میں سے جاری کی جائے گی اور باقی دو تہائی مال ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

[۱۰۷۶](۲۵) لڑکے کا بالغ ہونا احتلام کے ذریعہ اور انزال کے ذریعہ اور حاملہ کر دینے سے ہے اگر وہ وطی کرے۔پس اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں پس یہاں تک کہ اٹھارہ سال پورے ہو جائیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

تشریح لڑکے کے بالغ ہونے کی تین علامتیں ہیں احتلام ہونا، انزال ہونا اور وطی کرے تو عورت کو حاملہ کر دینا۔اور یہ نہ پائی جائیں تو لڑکا اٹھارہ سال ہو جائے تو اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔

وجہ احتلام سے لڑکا بالغ ہوتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**قال علی بن طالب حفظت عن رسول اللہ ﷺ لا یتم بعد الاحتلام ولا صمات یوم الی اللیل** (الف)(ابو داؤد شریف، باب ما جاء متی ینقطع الیتیم ج ثانی ص ۴۱ نمبر ۲۸۷۳) اس حدیث میں ہے کہ احتلام ہونے کے بعد یتیم نہیں ہوتا۔جس کا مطلب یہ ہے کہ احتلام ہونے کے بعد آدمی بالغ ہو جاتا ہے۔انزال اور حاملہ کرنا بھی اسی معنی میں ہے۔کیونکہ حاملہ اسی وقت ہوتی ہے جب انزال ہوتا ہو۔اور وہ نہ ہو تو لڑکا اٹھارہ سال ہو جائے تب بالغ سمجھا جائے گا۔اس کی دلیل یہ اثر ہے۔**عن ابی ہریرۃ مرفوعا رفع القلم عن ثلاثۃ عن الغلام حتی یحتلم فان لم یحتلم حتی یکون ابن ثمان عشرۃ** (ب)(سنن للبیہقی، باب البلوغ بالسن، ج سادس، ص ۹۴، نمبر ۱۱۳۰۷) اس اثر میں ہے کہ احتلام نہ ہو تو آدمی اٹھارہ سال کے ہوں تو بالغ سمجھا جائے گا۔

[۱۰۷۷](۲۶) اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض کی وجہ سے اور احتلام کی وجہ سے اور حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے۔پس اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو یہاں تک کہ سترہ سال پورے ہو جائے۔

تشریح احتلام کی وجہ سے لڑکی بالغ سمجھی جائے گی اس کی دلیل اوپر کی حدیث گزری۔اور حیض کی وجہ سے لڑکی بالغ سمجھی جائے گی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عائشۃؓ عن النبی ﷺ انہ قال لا یقبل اللہ صلوۃ حائض الا بخمار** (ج)(ابو داؤد، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار، ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۱) اس حدیث میں حائض بول کر آپؐ نے بالغ مراد لیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ حیض ہونے سے لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔اور جس کو حیض آئے گا وہی حاملہ ہوگی۔اس لئے حاملہ ہونا حیض کی علامت ہے۔اور یہ علامتیں نہ ہوں تو سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے

حاشیہ : (الف) حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے یاد کیا ہے کہ یتیمی نہیں ہے احتلام کے بعد اور نہ دن رات تک چپ رہنا ہے (ب) حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعا روایت ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔لڑکے سے یہاں تک کہ احتلام ہو جائے۔پس اگر احتلام نہ ہو تو یہاں تک کہ اٹھارہ سال کے ہو جائے (ج) حضورؐ نے فرمایا اللہ نہیں قبول کرتا کسی حیض والی (بالغ) عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے۔

والحبل فان لم یوجد ذلک فحتی یتم لها سبعة عشر سنة[۱۰۷۸] (۲۷) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله اذا اتم للغلام والجارية خمسة عشر سنة فقد بلغا [۱۰۷۹](۲۸) اذا راهق الغلام والجارية فاشکل امرهما فی البلوغ فقالا قد بلغنا فالقول قولهما واحکامهما احکام البالغین.

گی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت جلدی بالغ ہوتی ہے اس لئے جب مرد کے لئے اٹھارہ سال متعین کیا تو عورت کے لئے ایک سال کم کر دیا اس لئے سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے گی۔

[۱۰۷۸](۲۷)اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جب پورے ہو جائیں لڑکے کے لئے اور لڑکی کے لئے پندرہ سال تو سمجھو دونوں بالغ ہو گئے۔

وجہ اس حدیث میں ہے کہ پندرہ سال کے لڑکے کو بالغ اور بڑا سمجھا گیا۔ **حدثنی ابن عمر ان رسول الله عرضه یوم احد وهو ابن اربع عشرة سنة فلم یجزنی ثم عرضنی یوم الخندق وانا ابن خمس عشرة فاجازنی قال نافع فقدمت علی عمر بن عبد العزیز وهو خلیفة فحدثته هذا الحدیث فقال ان هذا لحد بین الصغیر والکبیر وکتب الی عماله ان یفرضوا لمن بلغ خمس عشرة (الف)** (بخاری شریف، باب بلوغ الصبیان وشہادتہم ص ۴۶۶ نمبر ۲۶۶۴ مسلم شریف، باب بیان سن البلوغ ص ۱۳۱ نمبر ۱۸۶۸ ابو داؤد شریف نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی پندرہ سال کی عمر تک پہنچ جائے تو اس کو بڑا اور بالغ سمجھا جاتا ہے۔اور اس حدیث میں عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔اس لئے عورت کی بھی کوئی علامت بلوغ نہ پائی جائیں تو پندرہ سال میں اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔

[۱۰۷۹](۲۸)اگر لڑکا اور لڑکی قریب البلوغ ہوں اور بالغ ہونے کے بارے میں ان دونوں کا معاملہ مشکل ہو، پس وہ دونوں کہے کہ ہم بالغ ہو گئے ہیں تو دونوں کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔اور دونوں کے احکام بالغین کے احکام ہونگے۔

تشریح لڑکا یا لڑکی قریب البلوغ ہوں اور یہ نہ معلوم ہوتا ہو کہ بالغ ہو چکے ہیں یا نابالغ ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بالغ ہو چکے ہیں تو ان کا باتوں کا اعتبار کر کے بالغ شمار ہوں گے۔اور ان پر بالغ کے احکام جاری ہوں گے۔

وجہ جہاں تکذیب کی علامت نہ ہو تو اس کی ذات کے بارے میں آدمی کی شہادت قابل قبول ہے۔جیسے عدت گزرنے اور حیض ختم ہونے کے بارے میں عورت کی بات کا اعتبار ہے اور اسی پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔اسی طرح یہاں بھی ان کی بات مان کر بالغ شمار کئے جائیں گے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ان کو حضور کے سامنے جنگ احد کے دن پیش کیا گیا۔وہ اس وقت چودہ سال کے تھے،فرماتے ہیں کہ مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں ملی۔پھر مجھے جنگ خندق کے دن پیش کیا گیا اور میں پندرہ سال کا تھا تو مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی۔حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پاس وہ اس وقت خلیفہ تھے میں یہ حدیث بیان کی فرمایا یہ عمر چھوٹے اور بڑے کے درمیان حد ہے۔اور اپنے عمال کو لکھا کہ جو پندرہ سال کے ہو جائیں ان کے لئے عطیہ متعین کر دے۔

[۱۰۸۰](۲۹) وقال ابو حنیفة رحمه الله لا احجر فی الدین علی المفلس[۱۰۸۱] (۳۰) واذا وجبت الدیون علی رجل مفلس وطلب غرمائه حبسه والحجر علیه لم احجر علیه[۱۰۸۲](۳۱) وان کان له مال لم یتصرف فیه الحاکم ولکن یحبسه ابدا حتی یبیعه

[۱۰۸۰](۲۹)امام ابوحنیفہ نے فرمایا دین کے سلسلے میں مفلس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

تشریح کسی آدمی پر کافی دین ہوا اور قرض دینے والے اس پر حجر کا مطالبہ کرے تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں اس پر حجر نہیں کروں گا۔

وجہ حجر کرنے پر وہ کسی قسم کی بیع وشراء نہیں کر سکے گا۔ جس کی وجہ سے وہ اپاہج کی طرح ہو جائے گا۔ عقل ہوتے ہوئے کسی قسم کی بیع وشراء نہ کرے یہ اس پر ظلم ہوگا اور انسانی اہلیت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اس پر حجر نہیں کروں گا (۲) اوپر حدیث گزری جس میں صحابی کو حجر کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن آپؐ نے حجر نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا۔ **ان کنت غیر تارک للبیع فقل ھاء وھاء ولا خلابة** (الف) (ابوداؤد شریف ، باب فی الرجل یقول عند البیع لا خلابۃ ص ۱۳۸ نمبر ۳۵۰۱) اس حدیث میں صحابی کے خاندان والوں نے حجر کرنے کا مطالبہ کیا پھر بھی آپؐ نے حجر نہیں فرمایا بلکہ بیع کرنے کے بعد خیار شرط لینے کے لئے کہا۔ اس لئے افلاس کی وجہ سے بھی عاقل بالغ آدمی پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

[۱۰۸۱](۳۰) اگر دین واجب ہو مفلس مرد پر اور اس کے قرضخواہ اس کو قید کرنے کا مطالبہ کرے اور اس پر حجر کرنے کا مطالبہ کرے تو میں اس پر حجر نہیں کروں گا۔

تشریح مفلس آدمی پر کافی دین ہو چکے ہوں اور قرض دینے والے مطالبہ کرتے ہوں کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر حجر کیا جائے تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو حجر نہیں کروں گا۔

وجہ حدیث اور دلیل عقلی پہلے گزر چکی ہے۔

[۱۰۸۲](۳۱) اگر مفلس کے پاس کچھ مال ہو تو حاکم اس میں تصرف نہیں کرے گا لیکن اس کو ہمیشہ کے لئے قید کرے گا یہاں تک کہ اس کو دین کے لئے بیچ دے۔

تشریح مفلس کے پاس مال ہو تو حاکم اس کو نہیں بیچے گا بلکہ خود مفلس اس کو بیچے گا۔ ہاں مفلس کو اس وقت تک قید رکھے گا جب تک کہ وہ مال بیچ کر دین ادا نہ کر دے۔

وجہ (۱) حاکم اس لئے نہیں بیچے گا کہ مفلس پر ایک قسم کا حجر نہ ہو جائے۔ چونکہ حاکم کے بیچنے سے مفلس پر ایک قسم کا حجر ہوگا اس لئے حاکم نہیں بیچے گا بلکہ مفلس خود بیچے گا (۲) بیع ہوتی ہے دونوں کی رضامندی سے اور حاکم بیچے گا تو مفلس کی رضامندی نہیں ہوگی حالانکہ مفلس کا مال ہے حاکم کا مال نہیں ہے اس لئے حاکم نہیں بیچے گا۔ لیکن قرض دینے والے کا قرض بھی ادا ہو جائے اس لئے انتظام کیا جائے گا کہ مفلس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ مجبور ہو کر مال بیچے اور قرض ادا کرے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمر بن شرید عن ابیه قال قال رسول الله**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے یوں فرمایا اگر آپؐ بیع چھوڑنے والے نہیں ہیں تو یوں کہو سن لو دھوکہ نہ ہو۔

فی دینــه [۱۰۸۳] (۳۲) وان کـان لــه دراهـم و دینــه دراهـم قضاه القاضی بغیر امره [۱۰۸۴] (۳۳) وان کـان دینه دراهم و له دنانیر او علی ضد ذلک باعها القاضی فی دینه

ﷺ لی الـواجـد یـحـل عـرضـه وعقوبته قال سفیان یعنی عرضه ان یقول ظلمنی فی حقی و عقوبته یسجن (الف) (سنن للبیھقی، باب حبس من علیه الدین اذا لم یظھر مالہ وما علی الغنی فی المطل، ج سادس، ص ۸۵، نمبر ۱۱۲۷۹ / بخاری شریف، باب لصاحب الحق مقال ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۱ کتاب الاستقراض) اس حدیث میں ہے کہ کوئی ٹال مٹول کرے تو اس کی سزا یہ ہے اس کی عزت حلال ہے۔ یعنی کہہ سکتا ہے کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا اور وہ سزا کا مستحق ہے۔ یعنی اس کو قید میں ڈالا جا سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ٹال مٹول کرنے والے کو قید میں ڈالا جا سکتا ہے۔

[۱۰۸۳] (۳۲) اگر مفلس کے پاس دراہم ہوں اور اس کا دین بھی دراہم ہوں تو مفلس کے بغیر حکم کے اس کو ادا کرے گا۔

تشریح مفلس پر کسی کا قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس بھی دراہم ہوں تو قاضی مفلس سے اجازت لئے بغیر قرض والے کا قرض ادا کریگا۔

وجہ دائن کا جو حق ہے وہی مفلس کے پاس موجود ہے اس لئے دائن مفلس کی رضا مندی کے بغیر بھی لے سکتا ہے تو قاضی کو تو زیادہ اختیار ہوتا ہے اس لئے وہ بدرجہ اولی اس کے حکم کے بغیر قرض کو ادا کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ انـه سـمـع ابـا هـريـرة يقول قـال رسـول الـلـه او قال سمعت رسول الله من ادرک ماله بعینه عند رجل او انسان قد افلس فهو احق به من غیره (ب) (بخاری شریف، باب اذا وجد مالہ عند مفلس فی البیع والقرض والودیعۃ فھو احق بہ، ص ۳۲۳، نمبر ۲۴۰۲، کتاب الاستقراض) اس حدیث میں ہے کہ مفلس کے پاس اپنا مال پائے تو مال والا زیادہ حقدار ہے اور درہم قرض دینے والے کا درہم موجود ہے اس لئے وہ لے لیگا۔ کیونکہ درہم اور دنانیر متعین نہیں ہوتے۔ اس لئے قاضی بھی بغیر مفلس کی رضا مندی کے دائن کو دے دیگا۔

[۱۰۸۴] (۳۳) اور اگر اس کا دین دراہم ہوں اور مفلس کے پاس دینار ہوں یا اس کے خلاف تو قاضی اس کے دین میں بیچے گا۔

تشریح مفلس کے پاس دینار ہیں اور اس کے اوپر دین دراہم ہیں یا اس کا الٹا ہے یعنی مفلس کے پاس دراہم ہیں اور اس کے اوپر دین دینار ہیں تو قاضی اس کو بیچے گا اور اس کا دین ادا کرے گا۔

وجہ دینار ہوں یا دراہم دونوں ثمن ہیں تو گویا کہ دونوں ایک ہی جنس ہیں اس لئے دائن کا جس جنس میں حق ہے گویا کہ وہی جنس مقروض کے پاس پائی اس لئے وہ لے سکتا ہے۔ اور قاضی کو اختیار زیادہ ہوتا ہے اس لئے بدرجہ اولی دینار کو درہم کے قرض میں یا درہم کو دینار کے قرض میں بیچ سکتا ہے۔ مدیون کے مال بیچنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن کعب بن مالک ... فدعاه النبی ﷺ فلم یبرح من ان با ع ماله و قسـمـه بیـن غـر مـائـه قـال فـقـام معاذ و لا مـال لـه (ج) (سنن للبیھقی، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس،

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا مال پانے والے کے ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے حلال ہے اس کی عزت اور اس کو سزا دینا۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ عزت حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کہے مجھ پر میرے حق کے بارے میں ظلم کیا اور سزا کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے کسی آدمی کے پاس بعینہ مال پایا اور مفلس ہو گیا ہے تو وہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہے (ج) آپؐ نے نہیں چھوڑا یہاں تک کہ حضرت معاذ کے مال کو بیچا اور اس کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۰۸۵](۳۴) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله اذا طلب غرماء المفلس الحجر علیه حجر القاضی علیه ومنعه من البیع والتصرف والاقرار حتی لا یضر بالغرماء[۱۰۸۶] (۳۵) وباع ماله ان امتنع المفلس من بیعه وقسمه بین غرماء ہ

ص۸۰،نمبر۱۱۲۶۲)اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت معاذؓ کا مال بیچا اور قرضخواہوں کے درمیان تقسیم کیا۔

[۱۰۸۵](۳۴)اورامام ابو یوسف اورامام محمد نے فرمایا اگر مفلس کے قرض خواہ اس پر حجر کرنے کا مطالبہ کریں تو قاضی اس پر حجر کریں گے۔اور اس کو بیع کرنے ،تصرف کرنے اوراقرار کرنے سے روک دیں گے تاکہ قرضخواہوں کو نقصان نہ ہو۔

تشریح مفلس پر قرض ہو اور اس کو قرض دینے والے قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس کو حجر کر دیں تو قاضی اس کو حجر کر دے گا۔اور بیع کرنے ، تصرف کرنے اوراقرار کرنے سے روک دیگا۔تاکہ قرضخواہوں کا نقصان نہ ہو۔

وجہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے قرضخواہوں کی وجہ سے حضرت معاذ بن جبل پر حجر فرمایا تھا۔ **عن کعب بن مالک ان رسول الله ﷺ حجر علی معاذ ماله وباعه فی دین کان علیه** (الف)(دار قطنی ،کتاب فی الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص۱۴۸ نمبر۴۵۰۵ر سنن للبیھقی ، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس،ص۸۰،نمبر۱۱۲۶۰)اس حدیث میں لوگوں کے دین اوراس کے مطالبے کی وجہ سے حضرت معاذ بن جبل کو آپؐ نے حجر کیا ہے۔اس لئے صاحبین کی رائے ہے کہ دائن مطالبہ کرے تو مدیون پر حجر کیا جائے گا۔تاکہ دائن کا نقصان نہ ہو۔

[۱۰۸۶](۳۵)اوراس کے مال کو بیچے گا اگر مفلس بیچنے سے رک جائے اور قرضخواہوں کے درمیان حصے کے مطابق تقسیم کرے گا۔

تشریح اگر مفلس بیچ کر قرضخواہوں کے قرضوں کو ادا نہیں کرتا تو قاضی اس کے مال کو بیچ کر قرضخواہوں کے قرضوں کو ادا کرے گا۔اور تمام کو اس کے حصے کے مطابق دے گا۔مثلا کل قرض دو ہزار تھے۔زید کا ایک ہزار،عمر کا پانچ سو اور بکر کا ڈھائی سو اور خالد کا ڈھائی سو۔اور مفلس کے پاس ایک ہزار پونڈ نکلے تو تو ہر ایک کو اس کے قرض کے آدھے ملیں گے۔مثلا زید کا ایک ہزار قرض تھا تو اس کو پانچ سو ملیں گے۔عمر کا پانچ سو تھا تو اس کو ڈھائی سو ملیں گے،بکر کا ڈھائی سو قرض تھا تو اس کو سوا سو ملیں گے۔اور خالد کا ڈھائی سو تھا تو اس کو بھی سوا سو پونڈ قرض واپس ملیں گے۔یہ ہر ایک کو حصے کے اعتبار سے ملیں گے تاکہ ہر ایک کو مناسب حق مل جائے اور کسی کو شکوہ نہ رہے۔قاضی مدیوں کے مال کو بیچے گا اس کی دلیل اوپر گزری۔ **فدعاه النبی ﷺ فلم یبرح من ان باع ماله وقسمه بین غرمائه قال فقام معاذ ولا مال له**(ب)(سنن للبیھقی ، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس،ص۸۰،نمبر۱۱۲۶۲) بخاری میں بھی دین کی وجہ سے مدبر غلام بیچ کر دین ادا کرنے کا تذکرہ ہے۔**عن جابر بن عبد الله قال اعتق رجل غلاما له عن دبر فقال النبی ﷺ من یشتریه منی فاشتراه نعیم بن عبد الله**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے)قرضخواہوں کے درمیان تقسیم کر دیا تو حضرت معاذ بغیر مال کے باقی رہ گئے (الف)حضورؐ نے حضرت معاذ پر ان کے مال کے بارے میں حجر کیا اوراس کو اس کے دین کے بدلے بیچا (ب)حضورؐ نے حضرت معاذ کو بلایا پس کچھ دیر کے بعد ہی ان کے مال کو بیچا اوران کے قرضخواہوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔راوی کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بغیر مال کے رہ گئے

بالحصص[۱۰۸۷] (۳۶) فان اقر فی حال الحجر باقرار مال لزمه ذلک بعد قضاء الدیون [۱۰۸۸](۳۷) وینفق علی المفلس من ماله وعلی زوجته واولاده الصغار وذوی الارحام[۱۰۸۹] (۳۸) وان لم یعرف للمفلس مال وطلب غرماء ہ حبسه وهو یقول لا

فاخذ ثمنه فدفعه الیه (الف) بخاری شریف، باب من باع مال المفلس اوالمعدم فقسمہ بین الغرماءاواعطاہ حتی ینفق علی نفسہ ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۳)اس حدیث میں بھی دائن کی وجہ سے مدیون کے مدبر غلام کو بیچ کر مدیون کے قرض ادا کرنے کا تذکرہ ہے۔اس لئے اس کے مال کو بیچ کر دائن کا قرض ادا کیا جائے گا۔

[۱۰۸۷](۳۶) پس اگر مفلس نے حجر کی حالت میں کسی کے مال کا اقرار کیا تو اس کو یہ لازم ہوگا دین کی ادائیگی کے بعد۔

تشریح مفلس پر قاضی نے حجر کیا تھا اس دوران کسی کے لئے اپنے اوپر قرض کا اقرار کیا تو یہ اقرار مانا جائے گا۔لیکن اس کی ادائیگی پہلے تمام دیون کی ادائیگی کے بعد کی جائے گی۔

وجہ پہلے والوں کا حق مقدم ہے اور ثابت ہے اس لئے پہلے والوں کو پہلے ادا کیا جائے گا۔رقم بچے گی تو بعد میں بعد والوں کو ادا کریں گے۔

[۱۰۸۸](۳۷) اور خرچ کیا جائے گا مفلس پر اس کے مال سے اور اس کی بیوی پر اور اس کی چھوٹی اولاد پر اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ داروں پر۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ مفلس کی حاجت اصلیہ کو مقدم رکھا جائے گا۔اور مفلس کی ذات پر خرچ کرنا حاجت اصلیہ ہے۔اسی طرح اس کی بیوی، چھوٹی اولاد اور وہ ذی رحم محرم رشتہ دار جن کا نفقہ مفلس پر واجب ہے ان سب پر مفلس کے مال سے خرچ کیا جائے گا۔اور اس سے بچے گا تب اس کا دین ادا کیا جائے گا۔

اصول مفلس کی حاجت اصلیہ مقدم رکھی جائے گی۔

[۱۰۸۹](۳۸) اور اگر نہ پتہ چلتا ہو مفلس کے پاس مال کا اور مطالبہ کرے اس کے قرضخواہ اس کو قید کرنے کا اور مفلس کہتا ہو میرے پاس مال نہیں ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا ہر اس دین میں جس کو لازم کیا ہو مال کے بدلے میں جو حاصل ہوا ہو اس کے ہاتھ میں جیسے مبیع کا ثمن اور قرض کا بدلہ۔

تشریح انسان پر کوئی قرض آتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ایک تو یہ کہ اس قرض کے بدلے میں کوئی مال ہاتھ آیا ہو جیسے ثمن کا قرض سر پر آیا ہو تو اس کے بدلے مبیع ہاتھ میں آتی ہے جو مال ہے۔یا مہر کا قرض سر پر آیا ہو تو اس کے بدلے میں بضع ہاتھ میں آتا ہے جو من وجہ مال شمار کیا جاتا ہے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرض سر پر آیا ہو لیکن ہاتھ میں کوئی مال نہیں آیا جیسے جنایت کا بدلہ کہ کسی کا نقصان کر دیا اور اس کے بدلے میں مال دینا پڑا اور قرض سر پر آیا تو اس قرض کے بدلے میں ہاتھ میں کوئی مال نہیں آتا ہے۔نقصان کرنے کی وجہ سے قرض لازم آتا ہے۔

حاشیہ : (الف) فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو مدبر بنایا تو حضورؐ نے فرمایا مجھ سے اس غلام کو کون خریدے گا تو اس کو نعیم بن عبداللہ نے خریدا۔پس اس کی قیمت لی اور اس کو دے دیا۔

مـال لـی حبسـه الـحاکم فی کل دین لزمه بدلا عن مال حصل فی یده کثمن المبیع وبدل الـقـرض[۱۰۹۰] (۳۹) وفی کل دین التزمه بعقد کالمهر والکفالة[۱۰۹۱] (۴۰) ولم یـحبسـه الـحاکم فیما سوی ذلک کعوض المغصوب وارش الجنایات الا ان تقوم البینة

جس قرض لازم ہونے میں مال ہاتھ آتا ہو جیسے مبیع کا ثمن اس صورت میں مفلس کہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے اور دائن اس کو قید کروانا چاہتا ہو تو حاکم قید کرے گا۔

وجہ مفلس کے ہاتھ میں مبیع آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔ کوئی اور مال نہیں ہے تو کم از کم مبیع تو ہے اسی کو بیچ کر دین ادا کرے یا قید میں جائے۔ اسی طرح شادی پر اقدام کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے ورنہ مہر کا اقرار کیسے کیا، اس لئے قید کیا جائے گا۔

اصول مبیع وغیرہ ہاتھ میں آنا دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے اس لئے قید کیا جائے گا۔ قید کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی مجلز ان غلامین من جهینة کان بینهما غلام فاعتق احدهما نصیبه فحبسه رسول الله ﷺ حتی باع فیه غنیمة له (الف)** (سنن للبیہقی، باب الحجر علی المفلس وبیع مالہ فی دیونہ، ج سادس، ص ۸۱، نمبر ۱۱۲۶۳) اس حدیث میں ہے کہ غلام آزاد کرنے پر آپ نے اس لڑکے کو قید کیا یہاں تک کہ اس کی بکریاں بیچی گئی۔

اور جن قرض میں مال ہاتھ نہ آتا ہو جیسے جنایت کا تاوان، اور مفلس کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے اور مال کا پتہ بھی نہیں لگ رہا ہے تو اس میں مفلس قید نہیں کیا جائے گا۔

وجہ قرض کے بدلے میں کوئی چیز ہاتھ میں نہیں آتی ہے اس لئے مفلس کے پاس مال ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے اس کو حاکم قید نہیں کرے گا۔

[۱۰۹۰] (۳۹) اور ہر وہ دین جس کو عقد کے ذریعہ لازم کیا ہو جیسے مہر اور کفالۃ۔

تشریح شادی کے مہر کا قرض اس کے سر پر آیا تو ایک عقد کی وجہ سے سر پر آیا۔ اسی طرح کسی آدمی کا کفیل بنا کہ وہ رقم ادا نہیں کرے گا تو میں ادا کروں گا تو اس عقد کفالہ کی وجہ سے سر پر قرض آیا اور مفلس کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے پھر بھی حاکم اس کو قید کرے گا۔

وجہ کیونکہ ایسے عقد پر اقدام کرنا جس کی وجہ سے سر پر قرض آتا ہو اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔

[۱۰۹۱] (۴۰) اس کے علاوہ میں نہیں قید کرے گا حاکم جیسے غصب کا بدلہ اور جنایت کا تاوان مگر یہ کہ بینہ قائم کرے کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح جن قرضوں کے بدلے ہاتھ میں مال نہ آتا ہو اور عقد کے ذریعہ قرض لازم ہوا تو اس میں مفلس یہ کہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے تو حاکم اس کو قید نہیں کرے گا۔ ہاں قرضخواہ شہادت پیش کر دے کہ اس کے پاس مال ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا۔

حاشیہ : (الف) قبیلہ جہینہ کے دو لڑکے ان کے درمیان ایک غلام تھا۔ پس ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو حضورؐ نے اس کو حبس کیا یہاں تک کہ اس میں اس کے مال غنیمت کو بیچا۔

بان له مالا[۱۰۹۲]ا (۴۱) ويحبسه الحاكم شهرين او ثلثة اشهر سأل عن حاله فان لم ينكشف له مال خلى سبيله[۱۰۹۳] (۴۲) و كذلك اذا قام البينة على انه لا مال له.

وجہ کیونکہ عقد کے ذریعہ یا قرض کے بدلے اس کے ہاتھ میں کوئی مال نہیں آیا اس لئے اس کے ہاتھ میں مال ہونے کی کوئی ظاہری دلیل نہیں ہے۔اس لئے حاکم اس کو قید نہیں کرے گا۔جب تک کہ بینہ نہ پیش ہو جائے کہ اس کے پاس مال ہے۔

لغت ارش : تاوان۔

[۱۰۹۲] (۴۱) حاکم اس کو قید کرے گا دو مہینے یا تین مہینے تک اور اس کے حالات کے بارے میں پوچھے گا۔پس اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کو رہا کر دے گا۔

تشریح حاکم مفلس کو دو ماہ یا تین ماہ تک قید کرے گا۔اور اس درمیان اس کے حالات معلوم کرتے رہیں گے۔پس اگر پتہ چل جائے کہ اس کے پاس واقعی مال نہیں ہے تو اس کو قید سے رہا کر دیں گے۔

وجہ قید کرنا اس لئے تھا کہ اس کے مال کی تحقیق کی جائے سزا دینے کے لئے نہیں تھا۔اب تحقیق ہوگئی کہ مال نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دے تا کہ اس کے کھانے پینے کا بوجھ امت پر نہ پڑے (۲) حدیث میں ہے کہ مال نہ ہونے پر مدیون کو رہا کر دیا۔**عن ابی سعید الخدری قال اصيب رجل فی عهد رسول الله ﷺ فی ثمار ابتاعها فكثر دينه فقال رسول الله تصدقوا عليه فتصدق الناس عليه فلم يبلغ ذلک وفاء دينه فقال رسول الله لغرمائه خذوا ما وجدتم و ليس لكم الا ذلک** (الف) (مسلم شریف،باب استحباب الوضع من الدین ص ۱۶ نمبر ۱۵۵۶ کتاب المساقات والمزارعۃ) اس حدیث میں ہے کہ دین ادا کرنے کے بعد مال ختم ہو گیا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کو رہا کر دو۔

نوٹ دو ماہ اور تین ماہ کی قید تحقیق حال کے لئے ہے۔اگر اس سے کم میں بھی تحقیق ہوگئی کہ اس کے پاس واقعی مال نہیں ہے تو رہا کر دیا جائے گا۔

لغت خلی سبیلہ : اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا،رہا کر دیا جائے گا۔

[۱۰۹۳] (۴۲) ایسے ہی اگر قائم کر دیا بینہ اس بات پر کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔

تشریح دو ماہ سے پہلے ہی مفلس نے شہادت قائم کر دی کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو اس کو رہا کر دیا جائے گا۔

وجہ قید کرنے کا مقصد مال کی تحقیق تھی اور بینہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ اس کے پاس مال نہیں ہے اس لئے اس کو دو ماہ سے پہلے بھی رہا کر دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی کو حضورؐ کے زمانے میں پھل میں بیماری لگ گئی جس کو اس نے خریدا تھا۔پس اس پر دین بہت ہو گیا تو آپ ؐ نے قرضخواہوں سے فرمایا جو تم لوگوں نے پایا وہ لے لو اس کے علاوہ تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔

[۱۰۹۴] (۴۳) ولا یحول بینه وبین غرماءہ بعد خروجه من الحبس بل یلا زمونه [۱۰۹۵] (۴۴) ولا یمنعونه من التصرف والسفر [۱۰۹۶] (۴۵) ویأخذون فضل کسبه فیقسم بینهم بالحصص [۱۰۹۷] (۴۶) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله اذا فلسه

[۱۰۹۴] (۴۳) اور نہ حائل ہو مفلس اور اس کے قرضخواہوں کے درمیان قید سے نکلنے کے بعد بلکہ وہ اس کے پیچھے لگے رہیں گے۔

تشریح مفلس کے پاس مال کا پتہ نہیں لگا اس لئے قاضی نے اس کو قید سے رہا کر دیا اب حاکم مفلس اور قرضخواہوں کے درمیان حائل نہ ہوں بلکہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ مفلس کے پیچھے لگے رہیں۔ اور جب مفلس کے ہاتھ میں رقم آئے اس سے اپنا قرض وصول کر لے۔

وجہ قید کرنا مال کی تحقیق کے لئے تھا سزا کے طور پر نہیں تھا اس لئے قرضخواہ کا قرض مفلس پر باقی ہے۔ اس لئے بعد میں بھی مفلس کے پیچھے لگا رہے گا تا کہ اپنا قرض وصول کر سکے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال مطل الغنی ظلم واذا ابتع احدکم علی ملی فلیبتع (الف) (مسلم شریف، باب تحریم مطل الغنی وصحۃ الحوالۃ ص ۱۸ نمبر ۱۵۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹال مٹول کرنے والے کے پیچھے لگے تو لگ سکتا ہے (۳) حضرت معاذؓ پر بہت دین ہو گیا تھا تو قرض دینے والے ان کے پیچھے لگے تھے۔ عن جابر بن عند الله قال کان معاذ بن جبل من احسن الناس وجها واحسنهم خلقا اسمحهم کفافا دان دینا کثیرا فلزمه غرماؤه حتی تغیب عنهم ایاما فی بیته (ب) (سنن للبیهقی، باب لا یواجر الحر فی دین علیہ ولا یلازم اذا لم یوجد لہ شیء، ج سادس، ص ۸۳، نمبر ۱۱۲۷۱) اس اثر میں ہے کہ دین کی وجہ سے قرض خواہ حضرت معاذ کے پیچھے لگے اور وہ کئی دن تک چھپے رہے۔ اس لئے دین وصول کرنے کے لئے قرض خواہ پیچھے لگ سکتا ہے۔

[۱۰۹۵] (۴۴) مفلس کو تصرف کرنے سے اور سفر کرنے سے نہیں روکیں گے۔

وجہ بیع وشراء نہیں کرے گا اور سفر نہیں کرے گا تو قرض خواہ کا دین کیسے ادا کرے گا۔ اس لئے مفلس کو بیع وشراء کرنے اور سفر کرنے سے نہیں روکیں گے۔

[۱۰۹۶] (۴۵) اور لینگے اس کی کمائی کی بچت اور آپس میں تقسیم کریں گے حصے کے مطابق۔

تشریح مفلس کی حاجت اصلیہ مقدم رہے گی۔ اس میں خرچ کرنے کے بعد جو بچے گا اس کو قرضخواہ لوگ آپس میں اپنے حصے کے مطابق تقسیم کریں گے۔ تقسیم کرنے کا طریقہ پہلے گزر چکا ہے۔

[۱۰۹۷] (۴۶) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر حاکم نے اس کو مفلس قرار دیدیا تو حاکم اس کے درمیان اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہوگا مگر یہ کہ بینہ قائم کرے کہ اس کو مال حاصل ہو گیا ہے۔

حاشیہ : (ب) آپؐ نے فرمایا مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم مالدار آدمی طرف حوالے کئے گئے تو اس کے پیچھے لگنا چاہئے (ب) حضرت معاذ اچھے تھے چہرے کے اعتبار سے اور اچھے تھے اخلاق کے اعتبار سے اور سخی تھے ہاتھ کے اعتبار سے۔ اس لئے ان پر بہت سارا قرض ہو گیا۔ پس ان کے پیچھے قرض خواہ پڑے جس کی وجہ سے اپنے گھر میں کئی دنوں تک چھپے رہے۔

الحاکم حال بینه وبین غرماء ه الا ان یقیموا البینة انه قد حصل له مال[۱۰۹۸] (۴۷) ولا یحجر علی الفاسق اذا کان مصلحا لماله والفسق الاصلی والطارئ سواء [۱۰۹۹] (۴۸) ومن افلس وعنده متاع لرجل بعینه ابتاعه منه فصاحب المتاع اسوة للغرماء فیه.

وجہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی کو مفلس قرار دے تو وہ ہمیشہ مفلس نہیں رہتا کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے۔ آج کسی کے پاس مال نہیں ہے تو کل ہو جائے گا اس لئے کسی کو حاکم مفلس قرار دے تو ہمیشہ مفلس باقی نہیں رہتا۔ اس لئے قرضخواہ کو اس کے پیچھے لگنے کی اجازت ہوگی۔ اور صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ کسی کو مفلس قرار دے تو وہ ہمیشہ مفلس شمار ہوتا ہے۔ اور جب وہ مفلس ہے اور اس کے پاس مال نہیں ہے تو قرض خواہوں کو تنگ کرنے کے لئے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لئے حاکم مفلس اور قرض خواہ کے درمیان حائل ہوگا۔ البتہ اگر شہادت کے ذریعہ ثابت کر دے کہ اس کے پاس مال ہے تو پھر قرض خواہ کو لینے کی اجازت ہوگی۔

[۱۰۹۸] (۴۷) اور فاسق پر حجر نہیں کیا جائے گا اگر وہ مال کی اصلاح کرنے والا ہو اور فاسق اصلی اور فاسق طاری برابر ہیں۔

تشریح فاسق دینی امور میں فسق کرتا ہے لیکن مال کو صحیح ڈھنگ سے خرچ کرتا ہے اور صحیح ڈھنگ سے کماتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ حجر کیا جاتا ہے مال کی اصلاح کے لئے اور مال کی اصلاح کر رہا ہے اس لئے حجر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے (۲) حجاج بن یوسف فاسق تھا لیکن فسق کی وجہ سے اس پر حجر نہیں کیا گیا۔ اس لئے فاسق پر فسق کی وجہ سے حجر نہیں کیا جائے گا اگر مال صحیح ڈھنگ پر خرچ کرتا ہو۔

لغت الطاری : بعد میں طاری ہو۔

[۱۰۹۹] (۴۸) کسی کو مفلس قرار دیا اور اس کے پاس کسی آدمی کا بعینہ سامان موجود ہو جس کو اس نے اس سے خریدا تھا تو سامان والا اس میں دوسرے قرضخواہوں کے برابر ہے۔

تشریح ایک آدمی کو مفلس قرار دیا۔ اس نے اس سے پہلے کسی آدمی سے مثلا بکری خریدی تھی۔ اور بکری والے کو قیمت نہیں دی تھی اور وہ بکری مفلس کے پاس بعینہ موجود ہے۔ تو جس طرح اور قرض خواہوں کو اس کے حصے کے مطابق مال ہونے پر قرض ملے گا اسی طرح بکری والے کو مال ہونے پر حصے کے مطابق بکری کی قیمت ملے گی۔ بکری والا اپنی پوری بکری لیجا نہیں سکتا۔ بلکہ بکری بیچ کر سب کو قرض ادا کیا جائے گا۔

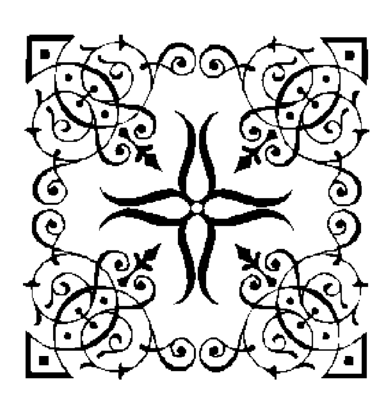
وجہ بکری کی بیع ہونے کے بعد یہ بکری مفلس کی ہوگئی۔ بکری والے کی نہیں رہی۔ البتہ مفلس پر اس کی قیمت واجب ہے جو مفلس پر قرض ہوگی۔ اس لئے جس طرح اور قرض خواہ مال آنے پر اپنے اپنے حصے کے مطابق لیں گے اسی طرح یہ بکری والا بھی اپنا حصہ لے گا۔ مثلا بکری کی قیمت ڈھائی سو پونڈ تھی اور مفلس پر دو ہزار قرض تھا۔ زید کا ایک ہزار، عمر کا پانچ سو اور خالد کا ڈھائی سو قرض تھا اور بکری کی قیمت ڈھائی سو پونڈ تھی۔ اور مفلس کے پاس ایک ہزار پونڈ آئے تو ہر ایک قرض خواہ کو آدھا آدھا قرض ملے گا۔ یعنی زید کو پانچ سو، عمر کو ڈھائی سو، خالد کو سوا سو اور بکری والے کو بھی ڈھائی سو کا آدھا یعنی سوا سو پونڈ ملیں گے۔ اور قرض خواہوں میں شریک ہونگے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی هريرة عن النبی ﷺ ... فی روایته وایما امرأ هلک وعنده متاع امرأ بعینه اقتضی منه شیئا او لم یقتض فهو

اسو ۃ الغرماء (الف) سنن للبیقی، باب المشتر ی یموت مفلسا بالثمن، ج سادس، ص ۷۹ نمبر ۱۱۲۵۶) اس روایت میں ہے کہ بائع اور قرض خواہوں کے ساتھ قرض میں شریک ہوگا۔

اصول مفلس کے قبضے کے بعد چیز مفلس کی ہوگئی۔ مال والے کی نہیں رہی، وہ قرض خواہوں کی طرح قیمت کا حقدار ہوگا۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بکری والے کی بکری بعینہ موجود ہے اس لئے وہ بکری کا زیادہ حقدار ہے اس لئے وہ اپنی پوری بکری مفلس کے پاس لے جائے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمع ابا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ او قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من ادرك ماله بعينه عند رجل او انسان قد افلس فهو احق به من غيره** (ب) (بخاری شریف، باب اذا وجد مالہ عند مفلس فی البیع والقرض والودیعۃ فھو احق بہ ص ۳۲۳ نمبر ۲۴۰۲ رمسلم شریف، باب من ادرک ما باعہ عند المشتر ی وقد افلس فلہ الرجوع فیہ ص ۱۷ نمبر ۱۵۵۹) اس حدیث میں ہے کہ اگر مفلس کے پاس اپنا مال بعینہ پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اس لئے وہ لیگا۔

لغت اسوۃ : برابر کا حصہ دار۔ الغرماء : جمع ہے غریم کی قرض دینے والے، قرضخواہ۔



حاشیہ : (الف) انہیں کی ایک روایت میں ہے کوئی آدمی ہلاک ہوجائے اور اس کے پاس کسی آدمی کا بعینہ سامان موجود ہے اس سے کچھ قیمت وصول کی ہو یا نہ کی ہو تو وہ قرضخواہوں کے برابر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے کسی آدمی کے پاس بعینہ اپنا مال پایا جو مفلس ہو چکا ہو تو وہ اس کے علاوہ سے زیادہ حقدار ہے۔

﴿کتاب الاقرار﴾

[۱۱۰۰](۱) اذا اقر الحر البالغ العاقل بحق لزمه اقراره مجهولا کان ما اقر به او معلوما

﴿ کتاب الاقرار ﴾

ضروری نوٹ اپنے اوپر کسی حد، قصاص یا مال کے اقرار کرنے کو اقرار کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابی هریرۃ قال اتی رجل رسول الله وهو فی المسجد فناداه فقال یا رسول الله انی زنیت فاعرض عنه حتی ردد علیه اربع مرات فلما شهد علی نفسه اربع شهادات دعاه النبی ﷺ فقال ابک جنون؟ قال لا قال فهل احصنت ؟قال نعم فقال النبی ﷺ اذهبوا به فارجموه (الف) (بخاری شریف، باب لا یرجم المجنون والمجنونة ص۱۰۰۶ نمبر۶۸۱۵ رمسلم شریف، باب من اعترف علی نفسه بالزنی ج ثانی ص۶۶ نمبر۱۶۹۵) اس حدیث میں حضرت ماعز نے اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا پھر ان پر حد زنا جاری کی گئی۔ اس سے اقرار کا ثبوت ہوا (۲) اس آیت میں اقرار کا ثبوت ہے۔ قال ااقرتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا (آیت ۸۱ سورۂ آل عمران)

[۱۱۰۰](۱) اگر آزاد بالغ اور عاقل آدمی کسی حق کا اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔ چاہے جس چیز کا اقرار کیا وہ مجہول ہو یا معلوم۔

تشریح کوئی عاقل، بالغ اور آزاد آدمی اپنے اوپر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے تو وہ حق لازم ہو جائے گا۔ اقرار معلوم ہو مثلا یوں کہے کہ مجھ پر فلاں کے بیس پونڈ ہیں یا اقرار مجہول ہو مثلا یوں کہے کہ مجھ پر فلاں کے کچھ پونڈ ہیں۔ دونوں صورتوں میں اقرار لازم ہو جائے گا اور اقرار صحیح ہوگا۔

وجہ آزاد کی قید اس لئے لگائی کہ غلام مال کا اقرار کرے تو وہ مال مولی پر لازم ہوگا اور مولی کا نقصان ہوگا۔ اس لئے اگر تجارت کی اجازت نہ دی ہو تو غلام اپنے اوپر مال کا اقرار نہیں کر سکتا۔ ہاں! اپنے اوپر حد اور قصاص کا اقرار کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی جان کا نقصان ہے۔ اور اس کا یہ ذاتی حق ہے۔ بالغ اور عاقل کی قید اس لئے لگائی کہ بچے اور مجنون کی باتوں کا اور اس کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔ عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن المبتلی حتی یبرأ وعن الصبی حتی یکبر (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ص۲۵۶ نمبر۴۳۹۸) کہ سونے والے اور مجنون اور بچے سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں حضورؐ نے حضرت ماعز سے پوچھا ہے ابک جنون؟ کیا آپ کو جنونیت تو نہیں ہے؟ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر جنونیت کی حالت میں اقرار کر رہے ہیں تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ اس سے حد لازم نہیں ہوگی۔ مجہول اقرار کا اعتبار اس لئے ہے کہ

حاشیہ : (الف) فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور کے پاس آیا اس حال میں کہ آپ مسجد میں تھے تو آواز دے کر فرمایا یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے۔ پس آپؐ نے اس سے اعراض کر لیا یہاں تک کہ چار مرتبہ لوٹایا۔ پس جب اپنی ذات پر چار مرتبہ گواہی دی تو آپؐ نے اس کو بلایا اور پوچھا کیا تم کو جنون ہے؟ کہا نہیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم محصن ہو؟ کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم کرو (ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے۔ مجنون سے یہاں تک کہ تندرست ہو جائے اور بچے سے یہاں تک کہ بڑا ہو جائے۔

[۱۱۰۱](۲) ویقال له بین المجهول فان لم یبین اجبره الحاکم علی البیان[۱۱۰۲] (۳) فان قال لفلان علی شیء لزمه ان یبین ماله قیمة[۱۱۰۳] (۴) والقول فیه قوله مع یمینه

کبھی دوسرے کا نقصان کر دیتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کتنا نقصان ہوا لیکن اقرار کرتا ہے کہ جو نقصان ہوا میں ادا کروں گا۔اس لئے مجہول نقصان کا اقرار کرنا جائز ہے۔

[۱۱۰۱](۲) اور کہا جائے گا اقرار کرنے والے کو کہ مجہول چیز کو بیان کریں۔پس اگر نہیں بیان کرے تو حاکم اس کو بیان کرنے پر مجبور کرے گا۔

وجہ جب اقرار کیا تو دوسرے کا حق اس پر لازم ہو گیا اس لئے حاکم اس کو مجبور کر کے بیان کروائے گا اور حق والے کا حق دلوائے گا (۲) حدیث میں حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ نے ڈھکی چھپی بات کہی اور زنا کا اقرار کیا تو آپؐ نے وضاحت طلب کی اور بیان کرنے کے لئے سوال کیا۔قال جاء ماعزبن مالک الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ طھرنی ... حتی اذ کانت الرابعة فقال له رسول اللہ ﷺ فیم اطھرک فقال من الزنی . اسی حدیث کے اگلے ٹکڑے میں ہے . قال ثم جائته امرأة من غامد من الازد فقالت یا رسول اللہ طھرنی ... قال وما ذاک ؟ قالت انها حبلی من الزنا فقال انت ؟ قال نعم (الف) (مسلم شریف،باب من اعترف علی نفسه بالزنی نمبر۱۶۹۵)اس حدیث میں حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ نے فرمایا مجھے پاک کیجئے یا رسول اللہ لیکن کس چیز سے پاک کیجئے یہ نہیں بتلایا یہ مجہول تھا تو آپؐ نے استفسار فرمایا کہ کس چیز سے پاک کروں۔جس سے ظاہر ہوا کہ اقرار میں جہالت ہو تو حاکم بیان طلب کرے گا۔اور کسی کا بندے کا حق اس سے متعلق ہو تو بیان کرنے پر مجبور بھی کرے گا۔

[۱۱۰۲](۳) اگر کہا فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو اس کو لازم ہے کہ ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت ہو۔

تشریح کسی نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو لفظ کچھ مجہول ہے اس لئے اس کو بیان کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔لیکن کچھ کا مطلب ہوتا ہے کو یہ قیمتی چیز،اس لئے ایسی چیز کا اقرار کرنا ہوگا جس کی کچھ قیمت ہو۔اور اگر ایسی چیز بیان کی جس کی کوئی قیمت نہیں تو یہ اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے۔اور اقرار کے بعد رجوع کرنا چاہے تو رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔اثر میں ہے۔ عن ابراهیم النخعی ان رجلا اقر عند شریح ثم ذهب ینکر فقال له شریح شهد علیک ابن اخت خالتک (سنن للبیہقی،باب من یجوز اقرارہ،ج سادس،ص۱۳۹،نمبر۱۱۴۵۲)اس اثر میں اقرار کرنے والا آدمی انکار کرنے لگا تو قاضی شریح نے غصے کا اظہار فرمایا اور اس کو رجوع کرنے نہیں دیا۔اس لئے اقرار کے بعد رجوع کرنے نہیں دیا جائے گا تا کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

[۱۱۰۳](۴) قول اس میں اقرار کرنے والے کے قول کا اعتبار ہے اس کی قسم کے ساتھ اگر مقر لہ اس سے زیادہ کا دعوی کرے۔

تشریح مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اور اقرار کرنے والا مثلا دس پونڈ کا اقرار کرتا ہے اور مدعی یعنی مقر لہ کہتا ہے کہ پندرہ پونڈ ہیں تو مقر کی بات قسم

حاشیہ : (الف) فرمایا حضرت ماعز حضور کے پاس آئے اور فرمایا مجھے پاک کیجئے یا رسول اللہ... یہاں تک کہ جب چوتھی مرتبہ ہوا تو حضورؐ نے اس سے پوچھا کس چیز سے پاک کروں تو فرمایا زنا سے۔اگلے ٹکڑے کا ترجمہ : حضور کے پاس قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت آئی اور فرمایا اے اللہ کے رسول مجھے پاک کیجئے۔آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہنے لگی میں زنا سے حاملہ ہوں۔آپؐ نے پوچھا تم ؟ کہا ہاں!۔

ان ادعى المقر له اكثر منه [١١٠٤](٥) واذا قال له عليَّ مال فالمرجع فی بيانه اليه ويقبل قوله فی القليل والكثير [١١٠٥] (٦) فان قال له عليَّ مال عظيم لم يصدق فی اقل من مائتی درهم[١١٠٦] (٧) وان قال له علی دراهم كثيرة لم يصدق فی اقل من عشرة

کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہوتو مدعی علیہ اور منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔اور مقر یہاں منکر ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی اور دس پونڈ کا فیصلہ کیا جائے گا (٢) حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔**عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی باليمين علی المدعی عليه** (الف) (مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ج ثانی ص ٧٤ نمبر ١٧١١ کتاب الاقضیۃ / بخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ص ٣٦٦ نمبر ٢٦٦٨ کتاب الشہادۃ) (٣) اور دار قطنی میں ہے۔**عن ابی هريرة ان رسول اللہ ﷺ قال البينة علی من ادعی واليمين علی من انكر الا فی القسامة** (ب) (دار قطنی، کتاب الاقضیۃ والاحکام ج رابع ص ١٣٩ نمبر ٤٤٦١) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مدعی پر بینہ ہے اور مدعی علیہ اور منکر پر قسم ہے اور قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔

[١١٠٤] (٥) اگر کہا اس کا میرے اوپر مال ہے تو رجوع کیا جائے گا اس کے بیان میں اس کی طرف اور قبول کیا جائے گا اس کے قول کو تھوڑے اور زیادہ میں۔

تشریح مقر کہتا ہے فلاں کا میرے اوپر مال ہے تو کتنا مال ہے اس بارے میں مقر سے ہی استفسار کیا جائے گا اور کم زیادہ جتنا کہے اسی کی بات مان لی جائے گی۔البتہ ایک درہم سے کم میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ ایک درہم سے کم کو مال نہیں کہتے ہیں۔

وجہ چونکہ مقر لہ جسکے لئے اقرار کیا ہے اس کے پاس اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے اس لئے مقر کی قسم کے ساتھ جتنا کہتا ہے اسی کی بات ماننی پڑے گی۔

[١١٠٥] (٦) پس اگر کہا میرے اوپر فلاں کا مال عظیم ہے تو دو سو درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

وجہ شریعت میں دو سو درہم یا بیس دینار کو مال عظیم کہتے ہیں۔اسی لئے دو سو درہم یا بیس دینار پر زکوۃ واجب ہے۔اس لئے مال کے ساتھ عظیم کی صفت بڑھائی ہے تو دو سو درہم سے کم میں اقرار مقبول نہیں ہے۔اتنا یا اس سے زیادہ اقرار کرنا ہوگا۔

نوٹ آگے کے مسائل الفاظ اور اس کے محاورات پر متفرع ہیں۔حدیث کے دلائل ضروری نہیں ہیں۔

[١١٠٦] (٧) اور اگر کہا فلاں کا میرے اوپر بہت سارے دراہم ہیں تو دس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

وجہ ایک تو دراہم جمع کا صیغہ بولا ہے۔پھر دراہم کے ساتھ کثیرۃ کی صفت ہے تو عربی گنتی میں دراہم جمع کا صیغہ دس تک بولا جاتا ہے۔کہتے ہیں **عشرة دراهم**، اور اس کے بعد گیارہ سے واحد کا صیغہ آجاتا ہے۔کہتے ہیں **احد عشر درهما**، تو احد عشر میں درہما واحد کا صیغہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ فرمایا (ب) آپؐ نے فرمایا گواہ اس پر ہے جس نے دعوی کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسامت میں۔

دراھم[۱۱۰۷] (۸) فان قال له علی دراھم فھی ثلثة الا ان یبین اکثر منھا[۱۱۰۸] (۹) وان قال له علی کذا کذا درھما لم یصدق فی اقل من احد عشر درھما[۱۱۰۹] (۱۰) وان قال کذا و کذا درھما لم یصدق فی اقل من احدوعشرین درھما[۱۱۱۰] (۱۱) وان

آ گیا۔اس لئے دراہم جمع کا صیغہ آخری دس تک ہے اس لئے دراہم کثیرۃ بولا تو دس درہم کا اقرار کرنا ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ دراھم کثیرۃ سے کثرت اموال مراد ہے اور وہ شریعت کی نگاہ میں مال نصاب ہے اس لئے دوسو درہم کا اقرار ضروری ہے۔

[۱۱۰۷] (۸) پس اگر کہا فلاں کے مجھ پر دراہم ہیں تو وہ تین درہم ہوں گے۔مگر یہ کہ اس سے زیادہ بیان کردے۔

تشریح کوئی یوں اقرار کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں کے دراہم ہیں۔جمع کا صیغہ بولتا ہے لیکن اس کے بعد کثیرۃ کا اضافہ نہیں کرتا ہے تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے وجہ دراہم جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہے اس لئے تین کا اقرار کرنا ہوگا۔اور اگر اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو اس کی مرضی ہے۔کیونکہ جمع کا صیغہ زیادہ پر بھی شامل ہے۔

[۱۱۰۸] (۹) اگر کہا فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی گیارہ سے کم میں۔

وجہ اتنے اتنے دو مرتبہ بولا ہے تو عدد میں دو مرتبہ کی عدد گیارہ میں آتی ہے۔اور درمیان میں حرف عطف واو بھی نہیں ہے تو یہ شکل گیارہ میں ہوتی ہے۔کہتے ہیں احـد عشـر درهـمـا۔اس میں دو عدد ہیں ایک احد اور عشر اور درمیان میں واو بھی نہیں ہے۔اس لئے گیارہ سے کم درہموں میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

[۱۱۰۹] (۱۰) اور اگر کہا اتنے اور اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی اکیس درہم سے کم میں۔

وجہ عربی عدد بولنے میں اکیس کے عدد میں دو عدد آتی ہیں اور دونوں کے بیچ میں حرف واو آتا ہے۔کہتے ہیں احد و عشرون درھما،اس لئے جب کذا و کذا کہا تو اکیس درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔ہاں اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو جائز ہے۔کیونکہ وہ بھی کذا و کذا میں شامل ہے۔

[۱۱۱۰] (۱۱) اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

وجہ عربی میں علی کا لفظ اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔اس لئے اگر یوں کہا کہ میرے اوپر ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس پر فلاں کا قرض ہے۔اثر میں اس کا اشارہ ہے۔عن سرق قال کان لرجل مال علیّ او قال علی دین (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۱ نمبر ۳۰۰۶) اس اثر میں مـال عـلـیّ سے اپنے اوپر دین لازم کرنے کا اقرار ہے اس لئے کسی نے عـلـیّ کہا تو دین کا اقرار سمجھا جائے گا۔اور قِبَلِیْ میری طرف سے بھی دین کا اقرار ہوگا۔کیونکہ یہ بھی اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت سرق نے فرمایا کہ میرے اوپر ایک آدمی کا قرض تھا یا یوں فرمایا کہ مجھ پر دین تھا۔

قال له علی او قبلی فقد اقر بدین[۱۱۱۱] (۱۲) وان قال له عندی او معی فهو اقرار باما نته فی یده[۱۱۱۲] (۱۳) وان قال له رجل لی علیک الف درهم فقال اتزنها او انتقدها او اجلنی بها او قد قضیتکها فهو اقرار[۱۱۱۳] (۱۴) ومن اقر بدین مؤجل فصدقه المقر

نوٹ قِبَلِیْ امانت کے طور پر مال رکھنے کے لئے بھی آتا ہے مگر وہ معنی دوسرے درجے میں ہے اس لئے پہلے معنی یعنی دین کا اقرار لیا جائے گا۔

[۱۱۱۱] (۱۲) اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے پاس ہے یا میرے ساتھ ہے تو یہ اس کے ہاتھ میں امانت کا اقرار ہے۔

وجہ لفظ مَعِیْ اور عِنْدِیْ االزام کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ امانت ہونے کی خبر دیتے ہیں اس لئے اگر کسی نے کہا میرے پاس ہے یا میرے ساتھ ہے تو امانت پر رکھنے کا اقرار ہوگا، قرض کا اقرار نہیں ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چیز بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مقر پر اس کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

[۱۱۱۲] (۱۳) اگر کسی آدمی نے اس سے کہا کہ میرے تم پر ہزار درہم ہیں۔ پس اس نے کہا اس کو وزن کر لو یا اس کو پرکھ لو یا مجھ کو مہلت دے دو یا میں نے اس کو ادا کر دیا ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر سے کہا کہ میرے تم پر ہزار درہم ہیں۔ عمر اس کا انکار نہیں کرتا بلکہ جواب میں ایسے جملے استعمال کرتا ہے جن سے اشارہ ہوتا ہے کہ آپ کا دین مجھ پر ہے۔ البتہ کچھ معذرت چاہتا ہے تو اس سے سمجھا جائے گا کہ عمر دین کا اقرار کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے عمر پر ایک ہزار درہم لازم ہو جائیں گے۔ مثلا زید نے عمر سے کہا کہ میرے آپ پر ایک ہزار ہیں۔ عمر نے جواب میں کہا اس کو وزن کر لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہزار دین ہیں۔ البتہ اس دین کو وزن کر لیں تو ایک ہزار دین کا اقرار ہوا۔ اور اگر اقرار نہ کرنا ہوتا تو صراحۃ جواب دے دیتا کہ مجھ پر اس کے کوئی درہم نہیں ہے۔ یا جواب میں کہا اس ہزار کو پرکھ لو۔ یہ لفظ بھی دلیل ہے کہ ہاں مجھ پر ہزار درہم دین ہیں، وہ لیں اور پرکھ لیں کہ کھرے ہیں یا کھوٹے؟ تو اس لفظ سے بھی ہزار کے دین ہونے کا اقرار ہوا۔ یا کہا کہ مجھ کو اس ہزار کے بارے میں مہلت دیں تو اس کا مطلب بھی یہی ہوا کہ ہزار مجھ پر دین ہیں۔ البتہ ان کو ادا کرنے کے لئے مہلت چاہئے۔ یا یوں کہا کہ میں نے ہزار ادا کر دیئے ہیں تو اس میں اس کا پتہ چلا کہ ہزار درہم دین تو تھے البتہ ان کو ادا کر دیا ہے۔ اس لئے دین کا اقرار ہوا اور ادا کرنے پر کوئی بینہ نہیں ہے اس لئے ادا کرنا نہیں مانا جائے گا۔ دین کا اقرار مانا جائے گا۔

وجہ ان چاروں جوابوں میں ھا کا لفظ استعمال کیا جس کا مرجع وہی ہزار ہے۔ اس لئے ہزار کا اقرار ہوگا۔

اصول کوئی کسی پر دین کا الزام رکھے اور مقر جواب میں ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے دین کے اقرار کا اشارہ ملتا ہو تو دین لازم ہو جائیگا۔

[۱۱۱۳] (۱۴) کسی نے اقرار کیا دین مؤجل کا پس مقر لہ نے اس کی تصدیق کی دین میں اور اس کی تکذیب کی تاخیر میں تو مقر کو دین فی الحال

لـه فـی الدین و کذبه فی التاجیل لزمه الدین حالا ویستحلف المقر له فی الاجل[۱۱۱۴]

(۱۵) ومن اقر بدین و اسثنی شیئا متصلا باقراه صح الاستثناء ولزمه الباقی وسواء استثنی

لازم ہوگا اور مقرلہ سے قسم لی جائے گی تاخیر کے بارے میں۔

تشریح مثلا زید نے عمر کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم قرض ہیں۔ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ایک مہینے کی تاخیر کے ساتھ ہے۔عمر نے تصدیق کی کہ ایک ہزار درہم قرض ہیں لیکن تاخیر کی تکذیب کی اور کہا کہ وہ دین تو فوری ادا کرنے کی شرط کے ساتھ ہے تاخیر کے ساتھ نہیں ہے۔تو زید پر فوری قرض ادا کرنا لازم ہوگا۔تاخیر قابل قبول نہیں ہوگی۔البتہ عمر مقرلہ تاخیر کا انکار کرتا ہے اس لئے اس پر اس انکار کے سلسلے میں قسم لازم ہوگی۔

وجہ زید دو باتوں کا اقرار کررہا ہے۔ایک دین کا اور دوسرا تاخیر کا۔عمر نے دین کی تصدیق کی اس لئے وہ لازم ہوگیا اور تاخیر کا انکار کیا اس لئے وہ منکر ہوگیا اور مدعی زید کے پاس تاخیر کے ثبوت کے لئے بینہ نہیں ہے اس لئے منکر عمر پر عدم تاخیر کے لئے قسم لازم ہوگی۔اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ منکر پر قسم ہے۔

لغت التاجیل : تاخیر، تاخیر کے ساتھ مدت دیں۔ یستحلف : قسم لی جائے گی۔

﴿ احکام استثناء ﴾

[۱۱۱۴](۱۵) کسی نے دین کا اقرار کیا اور کسی چیز کا استثناء کیا اپنے اقرار کے ساتھ ہی تو استثناء صحیح ہے۔اور لازم ہوگا اس کو باقی، چاہے کم کا استثناء کرے یا زائد کا۔

تشریح کسی نے کسی کے لئے مثلا سو پونڈ دین کا اقرار کیا لیکن اقرار کے متصل ہی دس پونڈ کا استثناء کیا مثلا یوں کہا کہ عمر کے میرے اوپر سو پونڈ ہیں مگر دس پونڈ تو استثناء کے بعد جو نوے پونڈ باقی بچے وہ لازم ہوں گے۔

وجہ محاورات میں استثناء کرکے بولنے کا رواج ہے۔اس لئے استثناء کرکے بولنا صحیح ہے۔اور استثناء کے بعد جو باقی بچتے ہیں اسی کا اعتبار ہوتا ہے۔مثال مذکور میں سو پونڈ میں دس پونڈ استثناء کرکے باقی نوے پونڈ بچے تھے اس لئے نوے پونڈ کا اقرار مانا گیا۔لیکن شرط یہ ہے کہ اقرار کے ساتھ ہی استثناء کرے تب اس کا اعتبار ہوگا۔اور اگر جملہ پورے ہونے کے بعد استثناء کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ پورے کا اقرار کرکے اب مثلا دس پونڈ سے رجوع کررہا ہے۔اس لئے منفصل استثناء کا اعتبار نہیں ہے۔حدیث میں استثناء کیا گیا ہے اور متصلا کیا گیا ہے۔**عن ابی هریرة روایة قال لله تسعة وتسعون اسما مائة الا واحدا من حفظها دخل الجنة وهو وتر یحب الوتر** (الف)(بخاری شریف، باب للہ مائۃ اسم غیر واحدۃ، ص ۹۴۹، نمبر ۶۴۱۰، کتاب الدعوات رمسلم شریف، باب فی اسماء اللہ تعالی وفضل من احصاھا ص ۳۴۲ نمبر ۲۶۷۷/۶۸۱۰ کتاب الذکر والدعاء) اس حدیث میں آپؐ نے سو سے ایک کو متصلا استثناء کیا ہے اور اللہ کے ننانوے نام گنائے ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ متصلا استثناء صحیح ہے۔اور استثناء کے بعد باقی عدد کا اعتبار ہوگا۔

حاشیہ : (الف) ابو ہریرۃ کی روایت ہے، اللہ کے ننانوے نام ہیں سو مگر ایک کم جس نے ان کو یاد کیا جنت میں داخل ہوگا۔اللہ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔

الاقل والاکثر[۵ ۱ ۱ ۱](۱۶) فان استثنی الجمیع لزمه الاقرار وبطل الاستثناء[۶ ۱ ۱ ۱](۱۷) وان قال له علی مائة درهم الا دینارا او الا قفیز حنطة لزمه مائة درهم الا قیمة الدینار او القفیز[۷ ۱ ۱ ۱](۱۸) وان قال له علی مائة و درهم فالمائة کلها

[۱۱۱۵](۱۶)اور اگر تمام کا استثناء کیا تو اس کو پورا اقرار لازم ہوگا اور استثناء باطل ہوگا۔

تشریح مثلا اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر سو پونڈ ہیں مگر سو پونڈ۔تو پورے سو پونڈ لازم ہوں گے اور استثناء کیا ہوا باطل ہوگا۔

وجہ استثناء کا مطلب ہے کہ پوری تعداد میں سے کچھ کم کر کے باقی لازم ہو اور یہاں پورا کا پورا استثناء کر دیا تو استثناء کے بعد کچھ نہیں بچا تو گویا کہ اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے اس لئے رجوع کرنے نہیں دیا جائے گا۔اور استثناء سے پہلے کی تعداد لازم ہوگی۔

اصول پورا کا پورا استثناء کرنے سے پورا ہی لازم ہوگا۔

[۱۱۱۶](۱۷)اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا مگر ایک قفیز گیہوں تو اس کو لازم ہوں گے سو درہم مگر دینار کی قیمت یا قفیز کی قیمت کم۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ خلاف جنس سے استثناء کرے تو کس کس جنس سے خلاف جنس کا استثناء صحیح ہے۔تو اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب قریب جنس کا ہوتا تو اس سے استثناء صحیح ہے۔جیسے دینار اور درہم کے جنس قریب ہیں۔کیونکہ دونوں ثمن ہیں۔اسی طرح ایک قفیز گیہوں درہم کی جنس کے قریب ہے کیونکہ کیلی اور وزنی اور متقارب عددی چیزیں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔کسی بیع میں گیہوں، چاول، آٹا کو ثمن بنائے تو بن سکتے ہیں۔اس لئے کچھ نہ کچھ درہم کی جنس سے ہوئے۔اور جب قریب قریب جنس کی ہوئی تو درہم سے اس کا استثناء درست ہوگا اور سو درہم سے اس کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔اور کپڑے میں گز صفت ہے اس لئے وہ ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔اس لئے سو درہم سے کپڑے کا استثناء کرے تو استثناء صحیح نہیں ہے۔اس لئے پورے سو درہم ہی لازم ہوں گے۔اس قاعدہ کے اعتبار سے اگر یوں کہا کہ فلاں کے میرے اوپر سو درہم ہیں مگر ایک دینار تو سو درہم میں سے ایک دینار کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔اسی طرح مقر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کے سو درہم ہیں مگر ایک قفیز گیہوں تو سو درہم سے ایک قفیز گیہوں کا استثناء صحیح ہے۔کیونکہ ثمنیت کے اعتبار سے دونوں ایک جنس ہیں۔اس لئے سو درہم میں سے ایک قفیز گیہوں کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے۔

اصول مستثنی اور مستثنی منہ قریب قریب جنس کے ہوں تو استثناء صحیح ہے ورنہ نہیں۔

[۱۱۱۷](۱۸)اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو سو پورے کے پورے درہم ہی ہوں گے۔

تشریح کسی نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو پورے سو درہم ہی لازم ہوں گے۔اور کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

وجہ اصل میں حرف عطف کے ساتھ جو درہم ہے وہ سو کی تفسیر ہے کہ پہلے جو سو بولا ہے وہ درہم ہیں کوئی اور چیز نہیں ہے۔اس لئے اس تفسیر کی وجہ سے پورے سو درہم لازم ہوں گے۔کیونکہ درہم سو کی تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔یوں بھی عموما گنتی بول کر رقم مراد لیتے ہیں۔چونکہ عام استعمال میں ایسا ہوتا ہے کہ سو بول کر درہم مراد لیتے ہیں اس لئے درہم سو کی تفسیر بن گیا اور سو درہم ہی لازم ہوں گے۔

دراھم[١١١٨] (١٩) وان قال له علی مائة وثوب لزمه ثوب واحد والمرجع فی تفسیر المائة الیه [١١١٩] (٢٠) ومن اقر بحق فقال ان شاء الله تعالی متصلا باقراره لم یلزمه الاقرار [١١٢٠] (٢١) ومن اقر و شرط الخیار لنفسه لزمه الاقرار وبطل الخیار.

[١١١٨] (١٩) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑا ہے تو اس کو ایک کپڑا لازم ہوگا اور رجوع کیا جائے گا سو کی تفسیر میں مقر کی طرف۔

وجہ اس صورت میں بھی کپڑے کا عطف سو پر ہے اور معطوف معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے اس لئے کپڑا سو سے الگ ہونا چاہئے۔اور عام استعمال میں سو بولکر درہم اور دینار تو مراد لیتے ہیں کپڑا مراد نہیں لیتے اس لئے کپڑا سو کی تفسیر نہیں بن سکے گا۔اس لئے ایک کپڑا لازم ہوگا۔اور سو کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ مقر کی مراد کیا ہے وہ جو کہے گا وہی لازم ہوگا۔

نوٹ جہاں پہلے سے کپڑے کا قرینہ موجود ہو وہاں سو سے کپڑا مراد لے لیا جائے گا۔

[١١١٩] (٢٠) کسی نے اقرار کیا کسی حق کا پس ان شاء اللہ اپنے اقرار کے ساتھ متصل کہا تو اس کو اقرار لازم نہیں ہوگا۔

تشریح کسی نے کسی کے حق کا اقرار کیا اور اقرار کے ساتھ ہی متصلا ان شاء اللہ کہا تو اقرار باطل ہو جائے گا۔مقر پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

وجہ (١) اپنے اقرار کو اللہ کے چاہنے پر متعلق کیا اور اللہ کا چاہنا معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ کیا چاہتے ہیں۔اس لئے اقرار باطل ہو جائے گا (٢) حدیث میں ہے کہ ان شاء اللہ کے ساتھ کسی نذر، طلاق، قسم وغیرہ کو معلق کرے تو وہ واقع نہیں ہوں گے اور نہ قسم واقع ہوگی۔حدیث میں ہے **عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال من حلف علی یمین فقال ان شاء الله فلا حنث علیه(الف)** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستثناء فی الیمین ص ٢٨٠ نمبر ١٥٣١) اس حدیث میں ہے کہ قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دے تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم منعقد نہیں ہوگی۔اسی طرح اقرار کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دے تو اقرار باطل ہو جائے گا۔اور اقرار کا صرف وعدہ ہوگا۔جس کا اعتبار نہیں ہے۔لیکن شرط ہے کہ اقرار کے ساتھ متصلا کہے۔اگر منفصل کر کے کہا تو اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا اور اقرار واجب ہو جائے گا۔

[١١٢٠] (٢١) کسی نے اقرار کیا اور اپنے لئے شرط خیار لیا تو اس کو اقرار لازم ہوگا اور خیار باطل ہوگا۔

تشریح مثلا کسی نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر سو پونڈ ہیں لیکن مجھے تین دن تک سوچنے کا موقع دیں کہ میں اقرار کروں یا نہ کروں۔تو اقرار کے مطابق عمر کو سو پونڈ دینا ہوگا۔اور اقرار کرے یا نہ کرے اس کے لئے تین دن تک سوچنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

وجہ اقرار کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ واقعی عمر کا اس پر دین ہے۔جس کا ادا کرنا واجب ہے۔اور سوچنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دین نہیں ہے صرف احسان کرتے ہوئے میں سوچ کر اس کا اقرار کروں گا۔تو پہلے اقرار کی نفی ہوگئی۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار کے بعد ادا کرنا واجب ہوتا ہے اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔اس لئے خیار شرط لینا باطل ہوگا۔اور اقرار کے مطابق دین ادا کرنا واجب ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی یمین پر قسم کھائی، پس ان شاء اللہ کہا تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم منعقد نہیں ہوگی۔

[۱۱۲۱](۲۲) ومن اقر بدار واستثنی بنائها لنفسه فللمقر له الدار والبناء جمیعا [۱۱۲۲] (۲۳) وان قال بناء هذه الدار لی والعرصة لفلان فهو کما قال[۱۱۲۳] (۲۴) ومن اقر بتمر فی قوصرة لزمه التمر والقوصرة[۱۱۲۴] (۲۵) ومن اقر بدابة فی اصطبل

[۱۱۲۱](۲۲) کسی نے گھر کا اقرار کیا اور اس کی عمارت کا اپنے لئے استثناء کیا تو مقر لہ کے لئے گھر اور عمارت سب ہوں گے۔

تشریح یوں اقرار کرتا ہے کہ گھر عمر کے لئے ہے اور اس کی عمارت میرے لئے ہے تو گھر اور عمارت سب مقر لہ یعنی جس کے لئے اقرار کیا ہے اس کے لئے ہوگا۔

وجہ عمارت ہی کا نام گھر ہے۔ عمارت نہ ہو تو گھر کیسے بنے گا۔ اس لئے عمارت کا اپنے لئے استثناء کرنا گویا کہ گھر کا انکار کرنا ہے۔ اس لئے استثناء باطل ہوگا۔ اور گھر اور عمارت مقر لہ کے لئے ہوگا۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اقرار میں جو جو چیزیں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا استثناء صحیح نہیں ہے۔ ورنہ اقرار سے رجوع شمار ہوگا۔ جیسے انگوٹھی کا کسی کے لئے اقرار کرے اور نگینہ کا استثناء کرے تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نگینہ انگوٹھی کا بنیادی جزو ہے۔ اس لئے اس کا استثناء اقرار سے رجوع ہوگا جو جائز نہیں۔

اصول کسی چیز کے اقرار میں اس کی بنیادی شی کا استثناء صحیح نہیں ہے ورنہ رجوع عن الاقرار شمار ہوگا۔

[۱۱۲۲](۲۳) اگر کہا اس گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے تو یہ اس کے قول کے مطابق ہوگا۔

تشریح یوں کہا کہ گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے ہے تو گھر کی عمارت مقر کے لئے اور صحن مقر لہ کے لئے ہوگا۔

وجہ گھر کی عمارت الگ چیز ہے اور صحن الگ چیز ہے۔ صحن عمارت کی بنیادی چیز نہیں ہے بلکہ مزید فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔ اس لئے عمارت اپنے لئے کرنے سے صحن کا انکار لازم نہیں آتا۔ اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ مقر نے صحن کے اقرار سے رجوع کیا۔ اس لئے صحن کا اقرار درست ہے۔ اس لئے عمارت مقر کے لئے اور صحن مقر لہ کے لئے ہوگا۔

اصول بنیادی چیز کے علاوہ کا استثناء کرے تو استثناء جائز ہے۔

[۱۱۲۳](۲۴) کسی نے اقرار کیا کھجور کا ٹوکری میں تو اس کو لازم ہوگا کھجور اور ٹوکری۔

تشریح کسی نے یوں اقرار کیا کہ میں نے کھجور کو غصب کیا ہے ٹوکری میں تو اس پر کھجور اور ٹوکری دونوں واپس کرنا لازم ہوگا۔

وجہ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یہاں ظرف یعنی ٹوکری اور مظروف یعنی کھجور ایک ساتھ ہیں۔ جب ٹوکری میں کھجور غصب کیا تو ٹوکری بھی غصب کی ہوگی، کیونکہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں اور منتقل ہو سکتے ہوں تو دونوں لازم ہوں گے۔

لغت قوصرة : ٹوکری۔

[۱۱۲۴](۲۵) کسی نے اقرار کیا گھوڑے کا اصطبل میں تو اس کو لازم ہوگا صرف گھوڑا۔

تشریح اقرار کیا کہ مثلا گھوڑا غصب کیا ہے اصطبل میں تو صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا۔

لزمه الدابة خاصة[١١٢٥] (٢٦) وان قال غصبت ثوبا فی مندیل لزماه جمیعا[١١٢٦] (٢٧) وان قال له علی ثوب فی ثوب لزماه جمیعا[١١٢٧] (٢٨) وان قال له علی ثوب فی عشرة اثواب لم یلزمه عند ابی یوسف رحمه الله تعالی الا ثوب واحد وقال محمد رحمه الله تعالی یلزمه احد عشر ثوبا.

وجہ گھوڑے کے ساتھ اصطبل منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف گھوڑا منتقل ہوتا ہے۔اس لئے جب کہا کہ گھوڑے کو اصطبل میں غصب کیا تو مطلب یہ ہوا کہ صرف گھوڑا غصب کیا اور اپنے گھر لایا اور اصطبل اپنی جگہ وہیں رہا۔اس کو غصب نہیں کیا۔اس لئے صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ نہ ہوں تو صرف مظروف لازم ہوگا ظرف نہیں۔

لغت اصطبل : گھوڑا رکھنے کا طویلہ۔

[١١٢٥](٢٦) اگر کہا میں نے کپڑا غصب کیا رومال میں تو دونوں لازم ہوں گے۔

وجہ یہاں ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہیں۔کپڑا رومال میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ کپڑا رومال میں لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو غصب کیا اس لئے دونوں دینا لازم ہوگا۔

اصول یہاں بھی وہی اصول ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو اقرار میں دونوں لازم ہوں گے۔

لغت مندیل : رومال۔

[١١٢٦](٢٧) اگر کہا فلاں کا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو دونوں کپڑے لازم ہوں گے۔

وجہ جب کہا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو ایک کپڑا ظرف ہوا اور دوسرا کپڑا مظروف ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ ایک کپڑا دوسرے کپڑے پر لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو لیا ہے اس لئے دونوں کپڑے لازم ہوں گے۔

اصول یہاں بھی وہی اصول ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو دونوں لازم ہوں گے۔

[١١٢٧](٢٨) اگر کہا فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں لازم ہے مگر ایک کپڑا۔اور امام محمدؒ نے فرمایا لازم ہوں گے اس کو گیارہ کپڑے۔

وجہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عموما ایک کپڑا دس کپڑوں میں لپیٹ کر نہیں رکھتے اس لئے دس کپڑے ایک کپڑے کا ظرف نہیں بنیں گے۔اس لئے ایک کپڑا الگ ہوگیا اور دس کپڑے الگ ہو گئے اس لئے ایک کپڑا لازم ہوگا۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فی ظرفیت کے لئے آتا ہے،اور ریشم کا قیمتی کپڑا ہو تو دس کپڑوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں اس لئے ایک کپڑے کے لئے دس کپڑے ظرف بن سکتے ہیں۔اس لئے یہاں بھی ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہو گئے۔اور قاعدہ گزر گیا ہے کہ ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہوں تو اقرار میں دونوں لازم ہوتے ہیں۔اس لئے گیارہ کپڑے لازم ہوں گے۔

[١١٢٨] (٢٩) ومن اقر بغصب ثوب و جاء بثوب معیب فالقول قوله فیه مع یمینه[١١٢٩] (٣٠) و کذلک لو اقر بدراهم وقال هی زیوف[١١٣٠] (٣١) وان قال له علی خمسة فی خمسة یرید بی الضرب والحساب لزمه خمسة واحدة [١١٣١] (٣٢) وان قال اردت خمسة مع خمسة لزمه عشرة.

[١١٢٨] (٢٩) کسی نے کپڑا غصب کرنے کا اقرار کیا پھر ایک عیب دار کپڑا لیکر آیا تو اس میں مقر کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

تشریح ایک آدمی نے اقرار کیا کہ میں نے کپڑا غصب کیا ہے۔ بعد میں ایک عیب دار کپڑا لیکر آیا کہ یہ کپڑا غصب کیا ہے اور مقرلہ کے پاس اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مقر کی بات مان لی جائے گی اور وہی عیب دار کپڑا قبول کر لیا جائے گا۔

وجہ لفظ کپڑا عام ہے، عیب دار اور صحیح دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے عیب دار کے اقرار سے انکار نہیں ہوا اور مقرلہ کے پاس اس کے خلاف کوئی بینہ نہیں ہے اس لئے اس کی بات مان لی جائے گی۔ البتہ چونکہ منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ بات مانی جائے گی۔ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

[١١٢٩] (٣٠) ایسے ہی اقرار کیا درہم کا اور کہا کہ وہ کھوٹے ہیں۔

تشریح اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر بیس درہم ہیں اور بعد میں کہا کہ وہ کھوٹے ہیں تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔

وجہ درہم دونوں قسم کے ہوتے ہیں، کھرے بھی اور کھوٹے بھی، اس لئے کھوٹے درہموں کا لانا پہلے اقرار سے رجوع نہیں ہے۔ اس لئے قسم کے ساتھ بات مان لی جائے گی۔

لغت زیوف : کھوٹے۔

[١١٣٠] (٣١) اور اگر کہا فلاں کے مجھ پر پانچ ہیں پانچ میں اور اس سے ضرب اور حساب کا ارادہ کیا تو صرف پانچ لازم ہوں گے۔

تشریح پانچ پانچ میں ہیں کے تین مطلب ہیں اور تین حکم ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دیا جائے اور یہی مراد لی جائے تو پچیس لازم ہوں گے۔ کیونکہ پانچ کو پانچ سے ضرب دینے سے پچیس ہوتے ہیں۔ حسن بن زیاد کا یہی قول ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ پانچ کے ساتھ اور فی کو مع کے معنی میں لیا جائے تو دس لازم ہوں گے۔ کیونکہ پانچ پانچ کے ساتھ ہو جائے تو دس بنتے ہیں۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ پانچ کو پانچ میں ضرب دے کر اس کے اجزاء اور ٹکڑے بڑھائے جائیں۔ اس صورت میں عدد تو پانچ ہی رہیں گے البتہ ان کے اجزاء پچیس ہو جائیں گے۔ یہ مطلب لیا جائے تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے۔ کیونکہ ضرب دینے سے اجزاء اگرچہ بڑھ گئے لیکن عدد پانچ ہی رہے۔ مصنفؒ نے یہی مطلب لیا ہے اور پانچ ہی لازم کئے ہیں۔

[١١٣١] (٣٢) اور اگر کہا پانچ پانچ کے ساتھ کا ارادہ کیا ہے تو مقر کو دس لازم ہوں گے۔

تشریح مقر نے کہا مجھ پر فلاں کا پانچ پانچ میں ہے اور اس سے نیت کی جمع کی اور فی کو مع کے معنی میں لیا اور ترجمہ کیا پانچ پانچ کے ساتھ تو مل

[۱۱۳۲] (۳۳) واذا قال له علی من درهم الی عشرة لزمه تسعة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی یلزمه الا بتداء وما بعده و یسقط الغایة وقالا رحمهما الله تعالی یلزمه العشرة کلها[۱۱۳۳] (۳۴) وان قال له علی الف درهم من ثمن عبد اشتریته منه ولم اقبضه فان ذکر عبدا بعینه قیل للمقر له ان شئت فسلم العبد وخذ الالف والا فلا شیء لک علیه

کر دس لازم ہوں گے۔

[۱۱۳۲] (۳۳) اور اگر کہا فلاں کا مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقر پر نو لازم ہوں گے۔اس کو لازم ہوں گے ابتدا کی اور جو اس کے بعد ہیں اور غایت ساقط ہوگی۔اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوں گے اس کو دس۔

تشریح اگر کسی نے کہا کے فلاں کا مجھ پر ایک سے دس تک درہم ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نو درہم لازم ہوں گے دس لازم نہیں ہوں گے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ تعداد میں ابتدا شامل ہوتی ہے۔درمیان والے عدد شامل ہوتے ہیں لیکن آخری جو غایت ہو وہ شامل نہیں ہوتی اس لئے موجودہ عبارت میں دس آخری غایت ہے اس لئے وہ شامل نہیں ہوگی۔اس لئے نو ہی باقی رہے۔لہذا نو لازم ہوں گے۔جیسے لوگ کہتے ہیں کہ میری عمر پچاس سے ساٹھ تک ہے تو ساٹھ شامل نہیں ہوتا ہے۔اور زیادہ سے زیادہ اس کی عمر انسٹھ مانی جاتی ہے۔اسی طرح یہاں غایت دس شامل نہیں ہوگا اور نو لازم ہوں گے۔صاحبین فرماتے ہیں کہ یہاں ابتدا اور غایت دونوں شامل ہوں گے۔اس لئے پورے دس لازم ہوں گے۔

اصول صاحبین کے نزدیک عدد میں ابتدا اور غایت دونوں شامل ہوتے ہیں۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک غایت شامل نہیں ہوتی۔

[۱۱۳۳] (۳۴) اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں غلام کے ثمن کے بدلے جس کو میں نے اس سے خریدا ہے اور اس کو قبضہ نہیں کیا ہے۔پس اگر متعین غلام کا ذکر کیا تو مقر لہ سے کہا جائے گا اگر چاہو تو غلام سپرد کر دو اور ہزار لو ورنہ تو تمہارا اس پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح مثلا زید کہتا ہے کہ عمر کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن وہ متعین غلام کی وجہ سے ہے جس کو میں نے عمر سے خریدا تھا اور ابھی تک میں نے غلام پر قبضہ نہیں کیا ہے۔اس صورت میں عمر مقر لہ سے کہا جائے گا کہ غلام زید کو دو تو ہزار درہم ملیں گے اور اگر غلام نہیں دو گے تو ہزار درہم نہیں ملیں گے۔

وجہ ہزار درہم کا اقرار ہے لیکن غلام کی قیمت کی وجہ سے ہے اور غلام پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اس لئے غلام دے گا تو ہزار ملیں گے۔یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اقرار کسی شرط کے ساتھ ہے تو شرط پوری کرنے پر اقرار کا اجراء ہوگا۔یہاں غلام کے بدلے میں ہزار ہے اس لئے غلام دے گا تو ہزار لینے کا حقدار ہوگا ورنہ نہیں۔

نوٹ غلام متعین ہے اس لئے متعین غلام کی بیع ہوئی۔اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ پہلے اقرار کر کے اس سے رجوع کر رہا ہے۔

اصول کسی شرط کے ساتھ اقرار ہو تو شرط پوری کرنے پر اقرار کا اجراء ہوگا۔

[۱۱۳۴] (۳۵)وان قال له علی الف من ثمن عبد ولم یعینه لزمه الالف فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۱۱۳۵] (۳۶) ولو قال له علی الف درهم من ثمن خمر او خنزیر لزمه الالف ولم یقبل تفسیره [۱۱۳۶](۳۷) وان قال له علی الف من ثمن متاع و هی زیوف فقال المقر له جیاد لزمه الجیاد فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقال ابو

[۱۱۳۴] (۳۵)اوراگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار ہے غلام کی قیمت اوراس کو متعین نہیں کیا تو لازم ہوں گے اس کو ہزار امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

تشریح زید نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اور وہ غلام کی قیمت ہے۔لیکن کوئی متعین غلام نہیں ہے تو غلام کو سپرد کئے بغیر زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔

وجہ چونکہ غلام متعین نہیں ہے اس لئے بیع نہیں ہوئی۔اس لئے غلام سپرد کرنا لازم نہیں ہے۔اور زید اقرار کر چکا ہے کہ مجھ پر ہزار درہم ہیں اس لئے بغیر غلام سپرد کئے ہوئے بھی زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔اور غلام کے بدلے کی قید ہزار درہم کے اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا۔

فائدہ امام صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی غلام کی سپردگی کی شرط پر زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔

[۱۱۳۵] (۳۶) اوراگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں شراب کی قیمت یا سور کی قیمت تو اس کو ہزار لازم ہوں گے اور مقر کی تفسیر قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ ایک مسلمان شراب یا سور نہیں بیچتا اور نہ خریدتا ہے۔اس لئے شراب اور سور کی بیع ہی نہیں ہوتی اس لئے یہ کہنا کہ شراب اور سور کی قیمت اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار وجوب کے لئے ہوتا ہے۔اس سے رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔اس لئے مقر پر ہزار لازم ہوں گے۔یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ جہاں بیع نہیں ہو سکتی وہاں کہنا کہ مبیع کی قیمت ہے اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔اس لئے اول اقرار لازم ہوگا۔

[۱۱۳۶](۳۷) اگر کہا فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں سامان کی قیمت اور وہ کھوٹے ہیں۔پس مقر لہ نے کہا وہ کھرے ہیں۔پس مقر کو کھرے لازم ہوں گے امام ابوحنیفہؒ کے قول میں۔اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر یہ متصلا کہا تو تصدیق کی جائے گی اور منفصلا کہا تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح مثلا زید نے کہا کہ عمر کا مجھ پر ہزار درہم ہیں سامان کی قیمت لیکن وہ ہزار درہم کھوٹے ہیں کھرے نہیں ہیں۔اور عمر مقر لہ کہتا ہے کہ وہ کھرے ہیں۔اور عمر کے پاس اس پر کوئی بینہ نہیں ہے۔پس امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہزار درہم کھرے ہی لازم ہوں گے۔

وجہ عموما بیع میں سامان کی قیمت کھرے ہی لازم ہوتے ہیں۔اس لئے زید کا یہ کہنا کہ وہ کھوٹے تھے اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے۔اس لئے عمر کے پاس بینہ نہ ہونے کے باوجود کھرے ہی لازم ہوں گے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ سامان کی قیمت دونوں طرح ہوتی ہیں، کھرے درہم بھی اور کھوٹے درہم بھی۔اس لئے اول اقرار عام ہے اور

یوسف و محمد قال ذلک موصولا صدق وان قاله مفصولا لا یصدق[۱۱۳۷] (۳۸) ومن اقر لغیره بخاتم فله الحلقة والفص[۱۱۳۸] (۳۹) وان اقر له بسیف فله النصل

کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے۔اس لئے مقر ایک رخ کھوٹے کو متعین کرتا ہے تو اپنے اقرار سے رجوع نہیں ہے۔اس لئے مقر کی بات مانی جائے گی۔اور کھوٹے درہم لازم ہوں گے۔لیکن شرط یہ ہے کہ کلام کے ساتھ متصل کر کے کھوٹے کا لفظ بولا ہو۔کیونکہ منفصلا کر کے بولے تو پہلے اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا۔اور کھوٹے لازم نہیں ہوں گے بلکہ کھرے ہی لازم ہوں گے۔

نوٹ یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ لفظ درہم کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے یا نہیں۔صاحبین کے نزدیک دونوں کو شامل ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کھرے متعین ہیں۔

[۱۱۳۷] (۳۸) کسی نے دوسرے کے لئے انگوٹھی کا اقرار کیا تو اس کے لئے حلقہ اور نگینہ دونوں ہوں گے۔

وجہ حلقہ اور نگینہ دونوں کے مجموعے کا نام انگوٹھی ہے۔اور دونوں انگوٹھی کی بنیادی چیز ہے۔اس لئے انگوٹھی کے اقرار میں دونوں چیز خود بخود شامل ہو جائیں گے۔اور دونوں مقر لہ کے لئے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی چیز کے بنیادی اجزاء جتنے ہیں اس چیز کے اقرار میں وہ تمام اجزاء خود بخود شامل ہوں گے۔چاہے ان کا نام الگ الگ نہ لیا ہو۔

لغت الفص : نگینہ۔

[۱۱۳۸] (۳۹) اگر کسی کے لئے اقرار کیا تلوار کا تو اس کے لئے پھل، میان اور پرتلہ تینوں ہوں گے۔

وجہ تلوار کے لئے اس کا پھل لوہے والا آگے کا حصہ بنیادی جز ہے۔میان جس میں تلوار رکھی جاتی ہے یہ تلوار کا بنیادی جز نہیں ہے۔لیکن تلوار بغیر میان کے نہیں رکھی جا سکتی اس لئے تلوار رکھنے کے لئے میان ضروری ہے۔اس لئے میان بھی تلوار کے لئے بنیادی جز کی طرح ہو گیا۔اور پرتلہ چمڑے کی وہ پٹی جس میں تلوار لٹکائی جاتی ہے۔اس کے بغیر تلوار لٹکانا مشکل ہے اس لئے وہ بھی تلوار کے جز کی طرح ہو گیا۔اس لئے جب کسی کے لئے تلوار کا اقرار کیا تو پھل، میان اور پرتلہ تینوں خود بخود شامل ہوں گے۔اور تینوں مقر لہ لے لئے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہیکہ کوئی چیز بنیادی جز تو نہ ہو لیکن جز کی طرح ہو تو وہ بھی اقرار میں شامل ہوگا۔کیونکہ اس کے بغیر چھٹکارا نہیں ہے۔حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ بنیادی جز یا بنیادی جز کی طرح جو چیز ہو اس کا حکم اصلی چیز کا حکم ہوتا ہے۔اور اصل میں شامل ہوتی ہے۔حدیث یہ ہے۔**ان علیا اخبره ان النبی ﷺ امره ان یقوم علی بدنه وان یقسم بدنه کلها لحومها وجلودها وجلالها ولا یعطی فی جزارتها شیئا** (الف) (بخاری شریف، باب یتصدق بجلو دالھدی ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۷) اس حدیث میں بدنہ اور اونٹ کے بنیادی اجزا گوشت اور کھال ہیں اس لئے ان کو قصائی کو دینے سے منع فرمایا کیونکہ پورے اونٹ کو ہی گوشت کاٹنے کے بدلے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ اونٹ کی نگرانی کرے اور یہ کہ پورے اونٹ کو تقسیم کر دے۔اس کے گوشت کو اس کی کھال کو اور اس کے جل کو، اور اونٹ کی کٹائی میں ان میں سے کوئی چیز نہ دے۔

والجفن والحمائل[۱۱۳۹] (۴۰)وان اقر له بحجلة فله العیدان والکسوة[۱۱۴۰] (۴۱) وان قال لحمل فلانة علی الف درھم فان قال اوصی له فلان او مات ابوه فورثه فالاقرار صحیح.

میں نہیں دیا جا سکتا ہے۔اور جل بدنہ کا بنیادی جز تو نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہمہ وقت ہوتا ہے اس لئے وہ بھی بدنہ کے حکم میں ہوا۔اور اس کو بھی گوشت کاٹنے کے بدلے میں دینے سے منع فرمایا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنیادی اجزاء اور بنیادی اجزاء کی طرح جو چیزیں ہوں وہ اصل کے حکم میں ہوتی ہیں۔

لغت النصل : پھل۔ الجفن : میان۔ الحمائل : پرتلہ، چمڑے کی وہ پٹی جس میں تلوار لٹکاتے ہیں۔

[۱۱۳۹](۴۰) اگر اقرار کیا ڈولے کا تو اس کے لئے لکڑی اور کپڑا دونوں ہوں گے۔

وجہ دلہن کو لے جانے کا جو ڈولہ ہوتا ہے وہ لکڑی اور کپڑے دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔صرف لکڑی سے بھی ڈولہ نہیں بنے گا اور صرف کپڑے سے بھی ڈولہ نہیں بنے گا۔اس لئے لکڑی اور کپڑا ڈولے کے بنیادی اجزاء ہوئے۔اس لئے اقرار میں دونوں شامل ہوں گے۔

اصول بنیادی اجزاء اقرار میں خود بخود شامل ہوں گے۔

لغت حجلة : ڈولہ۔ عیدان : تثنیہ ہے عید کی لکڑی۔

[۱۱۴۰](۴۱) اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں۔پس اگر کہا کہ اس کے لئے فلاں نے وصیت کی ہے یا اس کے والد کا انتقال ہوا اور حمل اس کا وارث ہوا ہے تو اقرار صحیح ہے۔

تشریح مثلا زید کہتا ہے کہ خالد کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں تو اس کے چار مطلب ہوئے۔(پہلا) مطلب یہ ہے کہ حمل نے مجھ سے تجارت کی ہے اس لئے اس کے ایک ہزار درہم ہیں۔یہ مطلب نہیں ہو سکتا کیونکہ حمل کا بچہ پیٹ میں رہتے ہوئے تجارت کیسے کرے گا۔اس لئے یہ مطلب لیا جائے تو اقرار باطل ہے اور حمل کا مقر پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔(دوسرا) مطلب یہ ہے کہ حمل نے قرض دیا ہے یہ بھی ناممکن ہے۔(تیسرا) مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی نے اس حمل کے لئے وصیت کی ہے اور اس وصیت کے ہزار درہم میرے اوپر ہیں تو یہ بالکل صحیح ہے۔لیکن اقرار کرنے والا اس کی وضاحت کر دے کہ فلاں نے حمل کے لئے وصیت کی ہے وہ ہزار میرے پاس ہیں تو اقرار درست ہوگا۔اور اگر یہ وضاحت نہ کرے تو ظاہری طور پر پہلا مطلب لیا جائے گا کہ تجارت کی وجہ سے حمل کے ہزار میرے ذمے ہیں۔جسکی بنا پر اقرار باطل ہوگا۔(چوتھا) مطلب یہ ہے کہ حمل کے والد یا اس کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہوا ہے اور اس کی وراثت میں حمل کو جو رقم ملی تھی وہ رقم ایک ہزار میرے پاس ہے۔یہ مطلب بھی درست ہے اور اقرار درست ہے۔لیکن اس کی بھی وضاحت کرے گا تب اقرار درست ہوگا۔ورنہ پہلا متبادر مطلب لینے کی وجہ سے اقرار باطل ہوگا۔ابہام کے وقت وضاحت کرنی چاہئے اس کی دلیل اس حدیث سے مترشح ہے۔ **ان صفیة زوج النبی ﷺ اخبرته انها جاءت الی رسول الله ﷺ تزوره فی اعتکافه فی المسجد فی العشر الاواخر من رمضان**

[۱۱۴۱] (۴۲) وان ابھم الاقرار لم یصح عند ابی یوسف وقال محمد رحمھما اللہ تعالی یصح [۱۱۴۲](۴۳) وان اقر بحمل جاریۃ او حمل شاۃ لرجل صح الاقرار ولزمہ.

فتحدثت عندہ ساعۃ ثم قامت تنقلب فقام النبی ﷺ معھا یقلبھا حتی اذا بلغت باب المسجد عند باب ام سلمۃ مر رجلان من الانصار فسلما علی رسول اللہ فقال لھما النبی ﷺ علی رسلکما انما ھی صفیۃ بنت حی (الف) (بخاری شریف، باب ھل یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد ص ۲۷۲ نمبر ۲۰۳۵) اس حدیث میں گزرنے والے صحابی کے سامنے ابہام تھا کہ حضور کی بیوی ہے یا کوئی اور تو آپ نے فوراً اس کی وضاحت فرمائی کہ یہ میری بیوی صفیہ ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اقرار کرنے والے نے ایسا اقرار کیا جس کے کئی رخ ہو سکتے ہیں۔ بعض کے اعتبار سے اقرار صحیح ہے اور بعض کے اعتبار سے اقرار صحیح نہیں ہوتا۔ پس اگر صحیح رخ کی وضاحت کر دے تو اقرار درست ہوگا اور اگر صحیح رخ کی وضاحت نہ کرے تو غلط رخ جو متبادر ہے اور جلدی ذہن میں آتا ہے وہ مراد لے کر اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

اصول مبہم اقرار میں متبادر معنی لیا جائے گا۔

[۱۱۴۱] (۴۲) اور اگر اقرار کو مبہم رکھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں ہے اور کہا محمدؒ نے صحیح ہے۔

تشریح مثلاً زید نے اقرار کیا کہ خالدہ کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن اس ابہام کی تفصیل نہیں کی کہ کس طرح حمل کے ہزار درہم اس کے ذمے آئے؟ حمل تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔ زید کے ذمے اس کے ہزار درہم آئے کیسے؟ پس اگر اس کی صحیح وضاحت کر دے کہ وراثت کی وجہ سے یا وصیت کی وجہ سے میرے ذمے اس کے ہزار آئے ہیں۔ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اقرار درست ہے اور اگر وضاحت نہ کرے تو حمل کے ہزار درہم کسی کے ذمے ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے اقرار باطل ہوگا۔ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ عاقل بالغ آدمی نے اقرار کیا ہے اس لئے اس جملے کا صحیح رخ نکالا جائے گا۔ اور چاہے اس نے اس کی وضاحت نہیں کی ہے پھر بھی یہ سمجھا جائے گا کہ کسی نے وصیت کی ہے یا کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر اس کو وراثت میں یہ رقم ملی ہے اور مقر کے پاس موجود ہے اور اقرار درست قرار دیا جائے گا۔

اصول اقرار مبہم ہو تو اس کے صحیح کرنے کا حتی الامکان کوئی راستہ نکالا جائے گا۔ اور اقرار درست کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

[۱۱۴۲] (۴۳) اگر اقرار کیا کسی باندی کے حمل کا یا کسی بکری کے حمل کا کسی آدمی کے لئے تو اقرار صحیح ہے اور مقر کو لازم ہوگا۔

تشریح مثلاً زید اقرار کرتا ہے کہ فلاں باندی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے ہے یا فلاں بکری کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے ہے تو یہ اقرار جائز ہے۔ اور جب پیدا ہوگا تو باندی کا بچہ اور بکری کا بچہ عمر کو دیئے جائیں گے۔

وجہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ باندی کا اصل مالک مر رہا ہو اور مرتے وقت یہ وصیت کی ہو کہ باندی تو ورثہ کے لئے ہے لیکن اس کا بچہ عمر کے لئے

حاشیہ : (الف) حضرت صفیہ حضورؐ کے پاس رمضان کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف کے وقت زیارت کے لئے آئی تھوڑی دیر آپؐ کے پاس باتیں کرتی رہی پھر چلنے لگی تو ان کو چھوڑنے کے لئے گئے۔ باب ام سلمہ کے مسجد کے دروازے کے پاس گئے تو انصار کے دو آدمی وہاں سے گزرے اور حضور کو سلام کیا آپؐ نے ان سے فرمایا ٹھہر جاؤ، یہ صفیہ بنت حی میری بیوی ہے۔

[۱۱۴۳](۴۴) واذا اقر الرجل فی مرض موته بدیون وعلیه دیون فی صحته و دیون

وصیت کرتا ہوں۔اور زید بھی ورثہ میں تھا اس لئے زید نے مورث کے مرنے کے بعد اقرار کیا کہ اس باندی یا بکری کے بچے عمر کے لئے ہیں۔ اس لئے یہ اقرار صحیح ہے باطل نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ اگر حمل عقد حمل کے وقت ہو اور عقد کا اجراء بھی حمل ہی کے وقت ہو تو نہ عقد جائز نہ اجراء جائز۔جیسے حمل کی بیع حمل کے وقت کرے تو اس کے احکام کا اجراء بھی حمل کے وقت ہی ہو رہا ہے اس لئے حمل کی بیع جائز نہیں۔کیوں کہ حمل بکری کا اور باندی کا جز ہے۔اور کل کے بغیر جز کی بیع درست نہیں۔نیز حمل پیٹ میں چھپا ہوا ہے۔اس لئے مبیع مجہول ہوگی اس لئے بھی بیع جائز نہیں۔لیکن وصیت اور وراثت میں عقد تو حمل کے وقت ہوتا ہے لیکن اس کے احکام کا اجراء پیٹ سے باہر نکلنے کے بعد ہوتا ہے۔مثلا وراثت حمل کے لئے حمل کے وقت رکھی جاتی ہے لیکن ملتی اس وقت ہے جب حمل پیٹ سے باہر آ جائے۔اور نہ اس وقت جہالت ہوگی اور نہ حمل ماں کا جز ہوگا۔حدیث میں ہے **عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا استہل المولود ورث** (الف)(ابو داؤد شریف، باب فی المولود یستہل ثم یموت ص ۴۹ نمبر ۲۹۲۰ / ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الصلوۃ علی الطفل ص ۲۱۵ نمبر ۱۵۰۸) اس حدیث میں ہے کہ حمل زندہ باہر آئے تو وارث ہوگا۔معلوم ہوا کہ حمل پیٹ سے باہر آنے کے بعد وراثت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔اسی طرح وصیت منعقد ہوتی ہے حمل کی حالت میں۔لیکن اس کے احکام جاری ہوں گے پیٹ سے باہر ہونے کے بعد۔اور اس وقت حمل نہ ماں کا جز رہے گا اور نہ اس میں کوئی جہالت رہے گی۔اس لئے حمل کو کسی اور کے لئے اقرار کرنا جائز ہوگا۔

اصول حمل کے وہ احکام جو حمل کے پیٹ سے باہر ہونے کے بعد جاری ہوتے ہوں ان کا حمل کے وقت منعقد کرنا جائز ہے۔اور وہ احکام جو حمل ہی کے وقت جاری ہوتے ہوں ان کا حمل کے وقت منعقد کرنا جائز نہیں۔

[۱۱۴۳](۴۴) اگر کسی آدمی نے اپنے مرض موت میں دیون کا اقرار کیا حالانکہ اس پر دین ہیں صحت کے زمانے کا اور کچھ دیون اس کو لازم ہیں اس کے مرض الموت میں اسباب معلومہ کے تحت تو صحت کے دین اور وہ دین جن کے اسباب معلوم ہیں مقدم ہوں گے۔پس جبکہ ادا کر دیئے جائیں اور باقی رہے مال میں سے کچھ تو صرف کیا جائے اس دین میں جن کا اقرار کیا مرض میں۔اور اگر نہیں ہے اس پر ایسے دین جو لازم ہوں اس کی صحت کے زمانے میں تو جائز ہے اس کا اقرار۔

تشریح ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے۔اسی مرض میں اس کی موت ہوئی۔صحت کے زمانے میں کچھ دین لئے وہ اس کے ذمے تھے۔پھر مرض الموت کے زمانے میں ایسے اسباب کے ذریعہ دین آئے جو لوگوں کو معلوم ہیں۔مثلا خرید و فروخت کی جس کی وجہ سے اس پر دین آیا یا مہر مثل میں شادی کی اس کی وجہ سے اس پر دین آیا۔اور دین کے یہ اسباب سب کو معلوم ہیں۔ان دونوں دینوں کی موجودگی میں مثلا عمر کے لئے اپنے اوپر دین کا اقرار کرتا ہے جس کا سبب معلوم نہیں تو اقرار درست ہوگا۔لیکن اس دین کی ادائیگی مال بچنے کے بعد کی جائے گی۔پہلے وہ دین ادا کئے جائیں گے جو صحت کے زمانے میں لئے گئے ہیں۔یا مرض الموت کے زمانے میں لئے گئے ہیں اور ان کے اسباب سب کو معلوم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر بچہ روئے تو وارث ہوگا۔

لزمته فی مرضه باسباب معلومة فدین الصحة والدین المعروف بالاسباب مقدم فاذا قضیت وفضل شیء منها کان فیما اقر به فی حال المرض وان لم یکن علیه دیون لزمته فی صحته جاز اقراره [۱۱۴۴](۴۵) وکان المقر له اولی من الورثة.

ہیں۔اس سے بچنے کے بعد اقرار کے دین ادا کئے جائیں گے۔

وجہ (۱) مرض الموت کے زمانے میں اسباب بتائے بغیر کسی کے لئے دین کا اقرار کرتا ہے تو اس بات کا قوی خطرہ ہے کہ دوسرے دائن کو نقصان دینا چاہتا ہے تاکہ مقر لہ کو زیادہ مل جائے۔اور صحت کے زمانے کے دائن اور مرض الموت میں اسباب معروفہ کے دائن کو کم ملے۔اس لئے مقر لہ کو بعد میں دین ملے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بها او دین غیر مضار وصیة من الله والله علیم حکیم (آیت ۱۲ سورة النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ وصیت کرنے وغیرہ میں کسی کو نقصان نہ دیا جائے (۳) حدیث میں بھی ہے۔ان ابا هریرة حدثه ان رسول الله ﷺ قال ان الرجل لیعمل او المرأة بطاعة الله ستین سنة ثم یحضر هما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لهما النار (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الاضرار فی الوصیۃ، ج ثانی، ص ۳۲ نمبر ۲۸۶۷) اس حدیث میں ہے کہ وصیت میں کسی کو نقصان نہیں دینا چاہئے ورنہ عذاب ہے۔اس لئے اسی طرح اقرار کر کے بھی مقدم قرض خواہوں کو نقصان نہ دینا چاہئے (۴) صحت کے زمانے کے قرض خواہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کسی کو نقصان دینے کے لئے قرض کا اقرار کیا ہے۔اسی طرح اسباب معروفہ والے قرض خواہوں کے بارے میں بھی یہ شبہ نہیں ہے اس لئے ان کا حق اہم اور مضبوط ہے۔اس لئے ان کو پہلے قرض ملے گا۔اور اگر صحت کے زمانے کا دین اس آدمی پر نہ ہو تو چونکہ کسی کو نقصان دینے کا شبہ نہیں ہے اس لئے مرض الموت میں کسی کے لئے دین کا اقرار کر سکتا ہے۔کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اصول اقرار کر کے کسی کو نقصان دینے کا شبہ ہو تو اقرار باطل ہوگا۔

[۱۱۴۴](۴۵) اور مقر لہ زیادہ بہتر ہے ورثہ سے۔

تشریح جس کے لئے مرض الموت میں اقرار کیا ہے اس کو پہلے ملے گا۔اس سے بچے گا تب وارثین کو ملے گا۔

وجہ جس کے لئے اقرار کیا وہ دین ہے اور دین کو وراثت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے (۲) آیت میں ہے فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث من بعد وصیة یوصی بها او دین (آیت ۱۲ سورة النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ دین اور وصیت کو ادا کرنے کے بعد وارثین کے درمیان وراثت تقسیم ہوگی (۳) اور حدیث میں ہے کہ پہلے دین ادا کیا جائے گا پھر تہائی مال سے وصیت ادا کی جائے گی اس کے بعد جو بچے گا وہ وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا۔حدیث میں ہے عن علی ان النبی ﷺ قضی بالدین قبل الوصیة وانتم تقرء

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا مرد عمل کرتا ہے یا عورت عمل کرتی ہے اللہ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک۔پھر اس کی موت قریب آتی ہے۔پھر وہ دونوں وصیت کے بارے میں نقصان دیتے ہیں تو ان دونوں کے لئے آگ واجب ہو جاتی ہے۔

[۱۱۴۵] (۴۶) واقرار المریض لوارثه باطل الا ان یصدقه فیه بقیة الورثة[۱۱۴۶]

(۴۷) ومن اقر لاجنبی فی مرض موته ثم قال هو ابنی ثبت نسبه وبطل اقراره.

ون الوصیة قبل الدین (الف)(ترمذی شریف، باب ماجاء یبدأ بالدین قبل الوصیة ص۳۴۳ نمبر ۲۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دین کو وصیت سے پہلے ادا کیا ہے۔

[۱۱۴۵] (۴۶) مریض کا اقرار اپنے وارث کے لئے باطل ہے مگر یہ کہ باقی ورثہ اس کی تصدیق کرے۔

تشریح مرنے والا اپنے مرض الموت میں کسی ایک وارث کے لئے اقرار کرے تو یہ باطل ہے۔ البتہ باقی وارثین اس کی تصدیق کرے تو ٹھیک ہے۔

وجہ (۱) وارث کے لئے اقرار کا باطل ہونا باقی ورثہ کو نقصان کی وجہ سے ہے۔ لیکن باقی ورثہ نقصان برداشت کرے اور تصدیق کرے کہ مورث کا اقرار ٹھیک ہے تو اقرار درست ہوگا اور مقر لہ کو مال دیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا یجوز لوارث وصیة الا ان یشاء الورثة (ب)(دار قطنی، کتاب الوصایا، ج رابع ص ۸۷ نمبر ۴۲۵۳ رترمذی شریف، باب ماجاء لا وصیة لوارث، ص ۳۲ نمبر ۲۱۲۰ رابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، ص ۴۰ نمبر ۲۸۷۰) اس حدیث میں ہے کہ ورثہ کے لئے وصیت نہیں کر سکتا۔ ہاں! اگر باقی ورثہ تصدیق کرے تو وصیت کر سکتا ہے۔ اور دین کا اقرار نہیں کر سکتا اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جعفر بن محمد عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ لا وصیة لوارث ولا اقرار بدین (ج)(دار قطنی، کتاب الوصایا ج رابع ص ۸۷ نمبر ۴۲۵۴) اس حدیث میں ہے کہ وارث کے لئے وصیت بھی نہ کرے اور اس کے لئے دین کا اقرار بھی نہ کرے، کیونکہ اس سے باقی ورثہ کو نقصان ہوگا۔

نوٹ اسباب معروفہ کے ذریعہ لوگوں کو وارث کا قرض ہونا معلوم ہو تو وہ دین دلوایا جائے گا۔ مثلا بیل خریدا تھا جس کی قیمت مورث پر باقی تھی تو وہ مورث کے مال میں وارث کو دلوائی جائے گی۔

اصول اقرار سے کسی کو نقصان ہو تو اقرار باطل ہوگا۔

[۱۱۴۶] (۴۷) کسی نے اجنبی کے لئے اقرار کیا اپنے مرض الموت میں پھر کہا وہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس کا اقرار باطل ہوگا۔

وجہ شریعت میں نسب ثابت کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ آدمی بغیر نسب کے نہ رہ جائے۔ پس جب نسب ثابت ہوا تو وہ بچپنے سے وارث ہو گیا۔ اور اوپر گزرا کہ وارث کے لئے اقرار نہیں کر سکتا۔ اس لئے جو اقرار اجنبی کے لئے کیا تھا وہ بیٹا بننے کی وجہ سے باطل ہو گیا۔ اب اس کو بیٹا ہونے کی وجہ سے مقر کی وراثت ملے گی۔

نوٹ نسب ثابت ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اجنبی ثابت النسب نہ ہو اور دوسری یہ کہ اس جیسا آدمی کا مقر کا بیٹا بننا ممکن ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے دین ادا کرنے کا فیصلہ کیا وصیت سے پہلے اور تم لوگ قرآن میں پڑھتے ہو وصیت کا تذکرہ دین سے پہلے (ب) آپؐ نے فرمایا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ورثہ چاہیں۔ (ج) آپؐ نے فرمایا وارث کے لئے نہ وصیت ہے اور نہ دین کا اقرار جائز ہے۔

[۱۱۴۷] (۴۸) ولو اقر لاجنبية ثم تزوجها لم يبطل اقراره لها[۱۱۴۸] (۴۹) ومن طلق امرأته فى مرض موته ثلثا ثم اقر لها بدين ومات فلها الاقل من الدين ومن ميراثها منه [۱۱۴۹](۵۰) ومن اقر بغلام يولد مثله لمثله وليس له نسب معروف انه ابنه وصدقه

[۱۱۴۷] (۴۸) اوراگر اجنبی عورت کے لئے اقرار کیا پھر اس سے شادی کی تو عورت کے لئے اقرار باطل نہیں ہوگا۔

تشریح پہلے عورت اجنبیہ تھی اس حالت میں اس کے لئے مثلا سو درہم کا اقرار کیا پھر بعد میں اس عورت سے شادی کی اور وہ بیوی بن کر وارث بن گئی پھر بھی اس عورت کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔

وجہ جس وقت عورت کے لئے اقرار کیا تھا اس وقت وہ اجنبی تھی وہ بیوی بن کر وارث نہیں بنی تھی اس لئے اس کے لئے اقرار کرنا درست تھا۔وارث تو شادی کے بعد بنی ہے۔اس لئے اس کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔اوراوپر کے مسئلہ میں لڑکے کے لئے اقرار اس لئے باطل ہوا تھا کہ وہ بچپنے ہی سے وارث شمار کیا گیا چاہے بیٹا ہونے کا اقرار بعد میں کیا ہو۔اس لئے دین کا اقرار بیٹا ہونے کی حالت میں ہوا اس لئے اقرار باطل ہوا۔

اصول جہاں دوسرے کو نقصان دینے کا شبہ نہ ہو وہاں اقرار درست ہے۔

[۱۱۴۸] (۴۹) کسی نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں تین طلاقیں دیں، ابھی وہ عدت میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا پھر انتقال کر گیا تو عورت کے لئے دین اور شوہر سے میراث میں سے جو کم ہے وہ ملے گا۔

تشریح مثلا زید نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا کہ اس کے مجھ پر پانچ سو درہم قرض ہیں۔پھر زید کا انتقال ہو گیا تو دیکھا جائے گا کہ عورت کو شوہر کی وراثت میں کم ملتا ہے یا اقرار میں کم ملتا ہے۔جس مین کم ملے گا وہی عورت کو ملے گا۔مثلا وراثت مین چار سو درہم ملتے تھے تو وراثت ملے گی کیونکہ اقرار میں پانچ سو درہم ملنے والے تھے جو زیادہ ہیں۔

وجہ اس میں یہ شبہ ہے کہ شوہر بیوی کے لئے بھاری رقم دین کا اقرار کرنا چاہتا تھا لیکن وارث ہونے کی وجہ سے نہیں کر سک رہا تھا۔اس لئے بیوی کو طلاق دے کر پہلے اجنبیہ بنایا پھر اس کے لئے بھاری رقم کا اقرار کیا۔اس شبہ کی وجہ سے وراثت اور اقرار میں سے جو کم ہو وہ رقم بیوی کو ملے گی۔حدیث میں ہے۔عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الاضرار فی الوصیة من الکبائر (الف) (دار قطنی، کتاب الوصایا ج رابع ص ۸۶ نمبر ۴۲۴۹) اس حدیث میں ہے وصیت کر کے کسی کو نقصان دینا گناہ کبیرہ ہے۔اس لئے کم دیکر باقی ورثہ کو نقصان سے بچایا جائے گا۔

[۱۱۴۹] (۵۰) کسی نے ایک لڑکے کے بارے میں کہ اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی سے پیدا ہو سکتا ہوا اور لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوگا اگر چہ آدمی بیمار ہو۔اور میراث میں ورثہ کے شریک ہوگا۔

حاشیہ : (الف) وصیت کر کے نقصان دینا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔

الغلام ثبت نسبه منه وان کان مریضا ویشارک الورثة فی المیراث[۱۱۵۰] (۵۱) و

تشریح ایک ایسا لڑکا ہے جس کا نسب معلوم نہیں اور ایک بڑے آدمی نے جس سے اس قسم کا لڑکا پیدا ہوسکتا ہے یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔اور لڑکا بول سکتا تھا اس لئے اس نے بھی تصدیق کی میں اس کا لڑکا ہوں تو اس لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوجائے گا۔چاہے یہ آدمی مرض الموت میں مبتلا کیوں نہ ہو۔اور باپ کے مرنے پر جس طرح اور وارثوں کو وراثت ملے گی اس بیٹے کو بھی وراثت ملے گی۔

ہر ایک جملے کی تشریح : لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو اس لئے کہا کہ اگر لڑکے کا نسب معلوم ہو تو اس آدمی سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔کیونکہ ایک بیٹا دو آدمیوں کا نہیں ہوسکتا۔اور لڑکا اس عمر کا ہو کہ اس آدمی کا بیٹا بن سکتا ہو اس لئے کہا کہ مثلا لڑکے کی عمر پندرہ سال ہے اور باپ کی عمر بیس سال ہے تو کیسے یہ لڑکا اس کا بیٹا بنے گا؟ یہ تو صریح جھوٹ ہوگا۔اس لئے بیٹا بننے کی عمر ہونا ضروری ہے۔اور لڑکے کی تصدیق کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ لڑکا بول سکتا ہے تو کسی سے نسب ثابت کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔اس لئے اس کی تصدیق کی بھی ضرورت پڑے گی۔پس اگر لڑکا بیٹا ہونے کی تصدیق نہ کرے تو مرد سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وجہ اپنے بیٹے کا نسب اپنے سے منسوب کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے جس طرح شادی کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے۔اس لئے مرض الموت کی حالت میں بھی نسب کا اقرار کرسکتا ہے۔اب اس اقرار کی وجہ سے دوسرے ورثہ کو وراثت لینے میں نقصان ہوجائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اور جب بیٹا بن گیا تو وراثت میں شریک بھی ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ دعوی کرنے کی وجہ سے نسب ثابت کر دیا گیا۔**قال اتی علی بثلاثة وهو بالیمن وقعوا علی امرأة فی طهور واحد فسأل اثنین اتقران لهذا بالولد؟ قالا لا حتی سألهم جمیعا فجعل کلما سأل اثنین قالا لا فاقرع بینهم فالحق الولد بالذی صارت علیه القرعة وجعل علیه ثلثی الدیة قال فذکر ذلک للنبی ﷺ فضحک حتی بدت نواجذه** (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قال بالقرعة اذا تنازعوا فی الولد ص ۳۱۶ نمبر ۲۲۷۰ رنسائی شریف، باب القرعة فی الولد اذا تنازعوا فیہ ج ثانی ص ۹۴ نمبر ۳۵۱۸) اس اثر میں تین آدمیوں نے بیٹا ہونے کا دعوی کیا تو حضرت علی نے قرعہ سے اس کا فیصلہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نسب کے اقرار کرنے سے نسب ثابت ہوسکتا ہے۔

اصول مرض الموت میں حاجت اصلیہ کا اقرار کرسکتا ہے۔

[۱۱۵۰] (۵۱) جائز ہے آدمی کا اقرار کرنا والدین کا، بیوی کا، بیٹے کا اور مولی کا۔

تشریح مثلا زید اقرار کرتا ہے کہ عمر اور اس کی بیوی میرے والدین ہیں یا خالدہ میری بیوی ہے۔یا خالد میرا لڑکا ہے یا مولی ہے۔اور یہ لوگ بھی تصدیق کرتے ہوں کہ ایسا ہی ہے جیسا زید کہہ رہا ہے تو ان نسبوں کا اقرار کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی کے پاس تین آدمی یمن میں آئے۔وہ سب ایک ہی طہر میں ایک عورت سے ملے تھے۔پس حضرت علی نے دو سے پوچھا کیا تم دونوں اس بچے کا اقرار کرتے ہو؟ دونوں نے کہا نہیں۔یہاں تک کہ تینوں سے پوچھا۔پس جب جب بھی دو کو پوچھے دونوں انکار کرتے تھے۔پس ان تینوں کے درمیان قرعہ ڈالا اور لڑکے کو اس کے ساتھ منسوب کر دیا جس کے نام قرعہ نکلا۔اور اس پر دیت کی دو تہائی لازم کی۔فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ ہنسے یہاں تک کہ داڑھ مبارک ظاہر ہوگئی۔

یجوز اقرار الرجل بالوالدین والزوجة والولد والمولی[١١٥١] (٥٢) ویقبل اقرار المرأة بالوالدین والزوج والمولی [١١٥٢](٥٣) ولا یقبل اقرارها بالولد الا ان یصدقها

وجہ ان نسبوں کے اقرار کی وجہ سے دوسروں پر نسب کا الزام رکھنا نہیں ہے اور نہ دوسروں کا نسب ثابت کرنا ہے بلکہ صرف اپنے نسب کی نسبت کسی کی طرف کرنا ہے۔اس لئے چونکہ دوسروں کا نقصان نہیں ہے اپنا اختیاری فعل ہے اس لئے جائز ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی کا نقصان نہ ہو تو ایسا اقرار نسب کرسکتا ہے۔اور اس کی بنیاد پر کسی وارث کا نقصان ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[١١٥١](٥٢) قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار والدین کا اور شوہر کا اور مولی کا۔

تشریح عورت کسی کے بارے میں اقرار کرے کہ یہ باپ ہے یا ماں ہے یا میرا شوہر ہے یا میرا مولی ہے تو جائز ہے۔اور وہ لوگ بھی تصدیق کر دے کہ ایسا ہی ہے تو یہ سب ثابت ہو جائیں گے۔

وجہ اس میں کسی دوسرے پر نسب ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ نسب اپنے اوپر لینا ہے۔اس لئے جائز ہے اور اس اقرار میں کسی کو نقصان دینے کا شبہ بھی نہیں ہے اس لئے بھی جائز ہے۔

[١١٥٢](٥٣) اور نہیں قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار بیٹے کے بارے میں مگر یہ کہ اس کی تصدیق کرے شوہر اس بارے میں یا اس کی ولادت کی دایہ گواہی دے۔

تشریح عورت اقرار کرتی ہے کہ مثلا زید میرا بیٹا ہے تو عورت کا یہ اقرار اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک اس کا شوہر نہ تصدیق کرے کہ ہاں یہ اس کا بیٹا ہے۔یا دایہ گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ پیدا ہوا ہے۔

وجہ بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے اس لئے عورت اگر یہ کہتی ہے کہ زید میرا بیٹا ہے تو اس بیٹے کا نسب اپنے شوہر سے ثابت کرنا چاہتی ہے۔اپنے اوپر نسب لگانے کے ساتھ ساتھ دوسرے پر بھی نسب لگانا ہوا۔صرف اپنے ساتھ نسب ثابت کرتی تو کوئی بات نہیں تھی یہاں تو شوہر پر بھی نسب لگا رہی ہے۔اس لئے شوہر کی تصدیق ضروری ہے۔وہ بیٹے ہونے کی تصدیق کرے گا تو ٹھیک ہے ورنہ عورت کا اقرار نسب باطل ہوگا۔

اصول غیر پر نسب لگانا اس کی تصدیق کی بغیر جائز نہیں ہے۔حدیث میں دوسروں پر نسب کے الزام ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔**عن ابی هریرة انه سمع رسول الله ﷺ یقول حین نزلت آیة المتلاعنین ایما امرأة ادخلت علی قوم من لیس منهم فلیست من الله فی شیء ولن یدخلها الله جنته وایما رجل جحد ولده وهو ینظر الیه احتجب الله تعالی منه وفضحه علی رؤس الاولین والآخرین (الف)** (ابوداؤد شریف، باب التغلیظ فی الانتفاء، ص ٣١٥، نمبر ٢٢٦٣ رنسائی شریف، باب التغلیظ فی الانتفاء من

حاشیہ : (الف) جس وقت لعان کی آیت نازل ہوئی تو حضورؐ سے سنا کہ کوئی عورت کسی قوم میں ایسے آدمی کو داخل کرے جو اس قوم میں سے نہیں ہے تو اللہ تعالی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔اور اللہ اس کو ہرگز جنت میں داخل نہیں کریں گے۔اور کوئی آدمی اپنی اولاد کا انکار کرے حالانکہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے تو اللہ (باقی اگلے صفحہ پر)

الزوج فی ذلک او تشهد بولادتها قابلة[۱۱۵۳] (۵۴) ومن اقر بنسب من غیر الوالدین والولد مثل الاخ والعم لم یقبل اقراره بالنسب[۱۱۵۴] (۵۵) فان کان له وارث

الولد، ج ثانی، ص۹۴، نمبر۲۲۵۱) اس حدیث میں دوسروں پر بلا وجہ نسب ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے شوہر تصدیق نہ کرے اس وقت تک لڑکے کے بارے میں عورت کا اقرار قبول نہیں ہے۔ البتہ دایہ گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ ہوا ہے۔ اور اسی بچے کے بارے میں اقرار کرتی ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو شوہر اس کی تصدیق نہ بھی کرے تب بھی بیٹے کا نسب عورت سے ثابت ہوگا۔ اور پھر چونکہ عورت شوہر کا فراش ہے اس لئے شوہر سے بھی اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ جہاں مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے وہاں دایہ کی گواہی قابل قبول ہے۔ اور اسی گواہی سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ حدیث میں ہے **عن حذیفة ان النبی ﷺ اجاز شهادة القابلة** (الف) (دار قطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص۱۴۹، نمبر ۴۵۱۰ر سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد من ج عاشر، ص۲۵۴، نمبر۲۰۵۴۲، کتاب الشہادات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دایہ کی گواہی بچے کی پیدائش کے بارے میں قابل قبول ہے۔

[۱۱۵۳] (۵۴) کسی نے اقرار کیا نسب کا والدین اور اولاد کے علاوہ کا مثلا بھائی کا یا چچا کا تو اس کے نسب کا اقرار قبول نہیں کیا جائے۔

تشریح مثلا زید نے اقرار کیا کہ عمر میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو یہ اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔

وجہ بھائی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے تو مقر نے اپنے باپ سے نسب ثابت کر دیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ دوسرے پر نسب کا الزام نہیں رکھ سکتا اور دوسرے سے نسب ثابت نہیں کر سکتا۔ اپنے پر کرے تو ٹھیک ہے۔ اس لئے بھائی کا اقرار کرنا باطل ہے۔ اسی طرح یہ کہے کہ یہ میرا چچا ہے تو اس مطلب یہ ہوا کہ میرے دادا کا بیٹا ہے تو دادا سے نسب ثابت کیا تو دوسرے سے نسب ثابت کیا جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے چچا ہونے کا بھی اقرار نہیں کر سکتا۔

اصول نسب کا ایسا اقرار نہیں کر سکتا جس سے دوسرے سے نسب ثابت ہونا لازم ہو۔ جس کو تحمیل النسب علی الغیر کہتے ہیں۔

[۱۱۵۴] (۵۵) پس اگر مقر کے لئے معلوم وارث ہو قریبی یا دور کے تو وہ میراث کے زیادہ حقدار ہیں مقر لہ سے۔ پس اگر نہ ہو اس کا وارث تو مقر لہ مقر کی میراث کا مستحق ہوگا۔

تشریح مثلا زید نے عمر کے لئے اقرار کیا کہ وہ میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے اس کا نسب زید سے ثابت نہ ہو سکا۔ اب اگر مقر زید کا کوئی وارث ہے چاہے وہ قریبی وارث ہو یا دور کا وارث ہو تو وہ زید کی میراث کا حقدار ہوگا۔

وجہ کیونکہ وہ ثابت شدہ وارث ہیں۔ اور بھائی اور چچا جن کا اقرار کیا تھا ان کا نسب ہی زید سے ثابت نہیں ہوا اس لئے وہ زید کے وارث نہیں ہوں گے۔ ہاں! کوئی وارث نہ ہوں نہ قریب کے نہ دور کے تو اب جن کے لئے بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کیا ہے وہ وارث ہوں گے۔ کیونکہ زید

حاشیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) تعالی اس سے پردہ کر لیں گے۔ اور اس کو اولین اور آخرین کے سامنے شرمندہ کریں گے (الف) حضورؐ نے دایہ کی گواہی کی اجازت دی۔ یعنی دایہ کی گواہی ولادت کے بارے میں قابل قبول ہے۔

معروف قریب او بعید فھو اولی بالمیراث من المقر لہ فان لم یکن لہ وارث استحق المقر لہ میراثہ[۱۱۵۵] (۵۶) ومن مات ابوہ فاقر باخ لم یثبت نسب اخیہ منہ ویشارکہ فی المیراث.

کا اپنا مال ہے کوئی وارث نہ ہونے کے وقت جس کو چاہے دے سکتا ہے۔اس لئے اب بیت المال میں وراثت جانے کی بجائے مقرلہ کو دی جائے گی۔

نوٹ اس صورت میں بھائی یا چچا کو نسب ثابت کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اقرار کرنے کی وجہ سے وراثت دے دی گئی۔کیونکہ اب بیت المال کے علاوہ کوئی وراثت لینے والا نہیں ہے(۲)اس حدیث میں اشارہ ہے کہ کوئی وارث نہ ہو تو مقرلہ کو وراثت دی جا سکتی ہے۔عن عائشة ان رجلا وقع من نخلة فمات وترک شیئا ولم یدع ولدا و لا حمیما فقال رسول اللہ ﷺ اعطوا میراثہ رجلا من اھل قریتہ (الف)(سنن للبیھقی،باب من جعل میراث من لم یدع وارثا ولا مولی فی بیت المال،ج سادس،ص ۳۹۸،نمبر ۱۲۴۰۰ / ترمذی شریف،باب ما جاء فی الذی یموت ولیس لہ وارث ص ۲۳ نمبر ۲۱۰۵)اس حدیث میں کوئی وارث نہیں تھا تو گاؤں والے کو اس کی وراثت دیدی گئی۔اس لئے کوئی وارث نہ ہو تو مقرلہ کو وراثت دے دی جائے گی۔

اصول کوئی وارث نہ ہو تو مقرلہ کو اس کی وراثت دی جائے گی۔

[۱۱۵۵](۵۶) کسی کے والد کا انتقال ہو گیا پس بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس کے بھائی کا نسب مقر سے ثابت نہیں کیا جائے گا۔لیکن میراث میں اس کے شریک ہوگا۔

تشریح کسی کے والد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد مثلا زید نے عمر کے بھائی ہونے کا اقرار کیا کہ یہ میرا بھائی ہے تو چونکہ تحمیل النسب علی الغیر ہے۔یعنی دوسرے پر نسب ڈالنا ہے اس لئے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔لیکن بھائی اقرار کرنے والے کو والد کی میراث سے جتنا حصہ ملے گا اس میں سے آدھا مقرلہ عمر کو بھی دینا پڑے گا۔

وجہ بھائی اقرار کرنے کے دو مقاصد ہیں۔ایک تو باپ سے نسب ثابت کرنا۔یہ تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے نہیں ہوگا۔اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کو باپ کی وراثت میں شریک کر لیا جائے یہ ہوگا۔لیکن دوسرے بھائیوں کے حصے میں سے نہیں دیا جائے گا صرف اقرار کرنے والے کی میراث میں سے آدھا حصہ دیا جائے گا۔تاکہ کسی کا نقصان بھی نہ ہو اور اقرار کرنے کا دوسرا مقصد بھی پورا ہو جائے (۲) یہ اس کا مال ہے اقرار کر کے دوسرے کو دے سکتا ہے۔

اصول اقرار کر کے دوسرے کا نقصان کرنا درست نہیں ہے۔البتہ ذاتی حق میں اس کا اجراء کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی کھجور کے درخت سے گرا اور مر گیا اور کچھ مال چھوڑا اور نہ اولاد چھوڑی نہ دوست چھوڑا تو آپؐ نے فرمایا اس کی میراث اس کے گاؤں والے کسی آدمی کو دیدو۔

﴿ کتاب الاجارۃ ﴾

[۱۱۵۶](۱) الاجارۃ عقد علی المنافع بعوض[۱۱۵۷] (۲) ولا تصح حتی تکون

﴿ کتاب الاجارۃ ﴾

ضروری نوٹ ایک جانب سے منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین چیز ہو مثلا پونڈ، درہم یا کیلی، وزنی چیز ہو تو اس کو اجارہ کہتے ہیں۔ اجارہ میں منفعت معدوم ہوتی ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اور احادیث کی وجہ سے کچھ شرائط کے ساتھ اس کو موجود قرار دی گئی اور اجارہ جائز قرار دیا گیا۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تأجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک** (الف) (آیت ۲۷ سورۃ القصص ۲۸) اس آیت میں حضرت موسی علیہ السلام کی شادی آٹھ سال تک بکری چرانے کی اجرت پر کی گئی ہے (۲) اور حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال قال اللہ ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ ورجل استأجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ** (ب) (بخاری شریف، باب اثم من منع اجر الاجیر ص ۳۰۲ نمبر ۲۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ اجیر سے کام کروالیا اور اس کی اجرت نہیں دی تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ قیامت میں اس کا خصم ہوں گا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اجارہ جائز ہے۔

[۱۱۵۶](۱) اجارہ عقد ہے منافع پر عوض کے بدلے۔

تشریح اجارہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانب منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین شیء ہو مثلا درہم، دینار، گیہوں یا کوئی کیلی یا وزنی چیز ہو۔ اس کو عقد اجارہ کہتے ہیں۔

وجہ اس کے جواز کی وجہ اوپر کی آیت اور حدیث ہے۔

[۱۱۵۷](۲) نہیں صحیح ہے اجارہ یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت معلوم ہو۔

تشریح منافع کتنے ہوں گے، اس کی مقدار کیا ہوگی وہ بھی معلوم ہو اور اس کے بدلے اجرت کتنی ہوگی وہ بھی معلوم ہو تب اجارہ صحیح ہوگا۔

وجہ اگر منافع معلوم نہ ہوں اور اجرت معلوم نہ ہو تو جھگڑا ہوگا اس لئے دونوں معلوم ہونا ضروری ہے (۲) اوپر آیت میں ثمانی حجج ہے۔ جس سے منافع معلوم ہوئے اور انکحک ہے۔ جس سے عوض بھی معلوم ہوا۔ اس سے اشارہ ہوا کہ دونوں معلوم ہوں (۳) حدیث میں ہے **عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ ... ومن استأجر اجیرا فلیعلمہ اجرہ** (ج) (سنن للبیہقی، باب لا تجوز الاجارۃ حتی تکون معلومۃ وتکون الاجرۃ معلومۃ، ج سادس، ص ۱۹۸، نمبر ۱۱۶۵۱ / مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یقول بع ھذا بکذا فما زاد فلک وکیف ان باعہ بدین ج ثامن

حاشیہ : (الف) حضرت شعیبؑ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا آپ سے نکاح کردوں اس بدلے میں کہ آٹھ سال تک اجرت کا کام کریں۔ پس اگر دس پورے کریں تو آپؑ کے پاس سے ہوگا (ب) حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین آدمیوں کا میں مدعی ہوں گا۔ ایک آدمی جس نے میری وجہ سے عہد کیا پھر دھوکہ دیا۔ دوسرا آدمی جس نے آزاد کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اور اس سے پورا کام لیا پھر اس کو اجرت نہیں دی (ج) آپؐ سے روایت ہے کہ... کسی نے اجیر کو اجرت پر لیا تو اس کی اجرت کتنی ہے اس کی اطلاع دینی چاہئے۔

المنافع معلومة والاجرة معلومة [۱۱۵۸](۳) وما جاز ان یکون ثمنا فی البیع جاز ان یکون اجرة فی الاجارة[۱۱۵۹] (۴) والمنافع تارة تصیر معلومة بالمدة کاستیجار الدور

ص ۲۳۵ نمبر ۱۵۰۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو اجرت پر رکھو اس کو اجرت معلوم ہونی چاہئے۔جس سے معلوم ہوا کہ اجرت معلوم ہو۔اور عمل اور منافع معلوم ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن انس بن مالک قال دعا النبی ﷺ غلاما حجاما فحجمه وامر له بصاع او صاعین او مد او مدین وکلم فیه فخفف من ضریبته** (الف)(بخاری شریف، باب من کلم موالی العبدان یخففوا عنه من خراجه ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۸۱)اس حدیث میں حجام ابو طیبہ کا عمل اور منافع معلوم ہے کہ ان کو حضور کی حجامت کرنی ہے اور اس کے بدلے میں ایک صاع یا دو صاع گیہوں دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ منفعت بھی معلوم ہو تب اجارہ صحیح ہوگا۔

اصول اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہ ہو بعد میں دی جائے یا آہستہ آہستہ وجود میں آئے گی اس کا کیل، وزن اور صفت معلوم ہو تب عقد ہوگا۔اجارہ میں منافع بعد میں آہستہ آہستہ وجود میں آئے گا اس لئے وہ معلوم ہوں تب اجارہ درست ہوگا،ثبوت اس حدیث میں ہے **عن ابن عباس ... فقال من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** (ب)(بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰ رمسلم شریف، باب السلم ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴)اس حدیث میں بیع سلم کے سلسلے میں ہے مگر اجرت کے معلوم ہونے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

[۱۱۵۸](۳)جو چیز جائز ہے کہ بیع میں ثمن ہو، جائز ہے کہ وہ اجارہ میں اجرت ہو۔

تشریح جو چیزیں بیع میں ثمن اور قیمت بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجارہ میں اجرت بن سکتی ہیں۔

وجہ (۱)اجارہ میں اجرت بیع میں ثمن کی طرح ہے۔اس لئے جو چیزیں ثمن بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجرت بن سکتی ہیں۔مثلا عددی غیر متقارب جو سامنے موجود نہ ہو وہ ثمن نہیں بن سکتی تو وہ اجرت بھی نہیں بن سکتی۔اور درہم اور دنانیر یا کیلی وزنی چیزیں ثمن بن سکتی ہیں تو وہ اجرت بھی بن سکتی ہیں **اصول** اصول یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور عددی غیر متقارب جو قریب قریب نہ ہوں اور سامنے نہ ہوں تو وہ معلوم نہیں ہے۔مقدار مجہول ہے اس لئے وہ اجرت نہیں بن سکتی۔

[۱۱۵۹](۴)منفع کبھی معلوم ہوتے ہیں مدت کے ذریعہ جیسے گھروں کو رہنے کے لئے اجرت پر لینا اور زمین کو کاشتکاری کے لئے لینا، پس صحیح ہوگا عقد مدت معلوم پر کوئی بھی مدت ہو۔

تشریح منفعت معلوم ہونے کے کئی طریقے ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ مدت معلوم ہو کہ کتنی مدت کے لئے یہ چیز لے رہا ہے۔اس مدت سے منفعت کا پتہ چلے گا، چاہے جو مدت متعین کرے۔مثلا گھر رہنے کے لئے لے رہا ہے تو کتنے مہینے کے لئے لے رہا ہے اس سے اس کی منفعت کا پتہ چلے گا۔یا زمین کاشتکاری کے لئے لے رہا ہے تو کتنے مہینے کے لئے لے رہا ہے اس سے اس کی منفعت کا پتہ چلے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے پچھنا لگانے والے غلام کو بلایا۔پس اس نے پچھنا لگایا۔اور آپؐ نے اس کو ایک صاع یا دو صاع دینے کا حکم دیا۔یا ایک مد یا دو مد دینے کا حکم فرمایا۔اور اس کے ٹیکس میں تخفیف کرنے کی بات کی (ب) آپؐ نے فرمایا جو بیع کرے تو کیل معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

للسکنی والارضین للزراعة فیصح العقد علی مدة معلومة ای مدة کانت[۱۱۶۰] (۵)وتارة تصیر معلومة بالعمل والتسمیة کمن استأجر رجلا علی صبغ ثوب او خیاطة ثوب او استأجر دابة لیحمل علیها مقدارا معلوما الی موضع معلوم او یرکبها مسافة

وجہ زمین کاشتکاری کے لئے دے جس سے منافع کا پتہ چلے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **انه سأل رافع بن خدیج عن کراء الارض فقال نهی رسول الله ﷺ عن کراء الارض قال فقلت أبا لذهب والورق؟ فقال اما بالذهب والورق فلابأس به** (الف)(مسلم شریف، باب کراء الارض بالذهب والورق ص ۱۱ نمبر ۱۵۴۷) **عن ابن عمران رسول الله ﷺ عامل اهل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع** (مسلم شریف، باب المساقات والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع، ص ۱۴، نمبر ۱۵۴۸ ربخاری شریف، باب اذا لم یشترط السنین فی المزارعۃ ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۹) اس حدیث میں ہے کہ اہل خیبر کو زمین کاشتکاری کے لئے دی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقت معلوم ہو تو اس سے کرایہ کا پتہ چلتا ہے۔

[۱۱۶۰] (۵) منافع کبھی معلوم ہوتے ہیں عمل کے ذریعہ اور متعین کرنے کے ذریعہ جیسے کسی آدمی کو اجرت پر لیا کپڑا رنگنے کے لئے یا کپڑا سینے کے لئے یا چوپایہ اجرت پر لیا تا کہ اس پر مقدار معلوم لادا جائے مقام معلوم تک یا اس پر سوار ہو مسافت معلوم تک۔

تشریح منافع معلوم ہونے کے مختلف طریقے ہیں۔ مصنف کچھ طریقے یہاں بیان کر رہے ہیں۔ مثلا ایک طریقہ یہ ہے کہ کام متعین کر کے منفعت کی تعیین کی جائے۔ مثلا کپڑا رنگنے کے لئے آدمی کو اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اور اس کے بدلے اتنے کپڑے رنگنے ہیں یا اتنے کپڑے سینے ہیں۔ یا چوپایہ اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اور اس پر دو سو کیلو گیہوں لاد کر پانچ میل لے جاؤں گا، یا پانچ میل تک سوار ہو کر سفر کروں گا تو ان تعیین کے ذریعہ سے منفعت کا پتہ چلا اور منفعت کی تعیین ہوئی۔

وجہ منفعت کی تعیین اور اجرت کی تعیین کی مثال حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال اصاب نبی الله خصاصة فبلغ ذلک علیا فخرج یلتمس عملا یصیب فیه شیئا لیقیت به رسول الله ﷺ فاتی بستانا لرجل من الیهود فاستقی له سبعة عشر دلوا کل دلو بتمرة فخیره الیهودی من تمرة سبع عشرة عجوة فجاء بها الی النبی ﷺ** (ب)(ابن ماجۃ شریف، باب الرجل یستقی کل دلو بتمرۃ ویشترط جلدۃ ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۶) اس حدیث میں عمل بھی معلوم ہے اور اجرت بھی معلوم ہے کہ ہر ڈول نکالنے کے بدلے میں ایک کھجور طے کیا اور سترہ ڈول نکالا اور سترہ کھجور لئے۔

لغت خیاطۃ : سینا۔

حاشیہ : (الف) رافع بن خدیج سے زمین کو کرایہ پر دینے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا حضورؐ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے روکا۔ میں نے پوچھا سونے اور چاندی کے بدلے میں؟ فرمایا بہر حال سونے اور چاندی کے بدلے میں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) حضور کو فاقہ کشی ہوئی تو یہ بات حضرت علی کو معلوم ہوئی تو کام کرنے کے لئے نکلے تا کہ کچھ کمائے جس سے حضور کو بچائے۔ پس حضرت علی یہودی کے ایک باغ میں آئے اور اس کے لئے سترہ ڈول نکالے۔ ہر ڈول ایک کھجور کے بدلے۔ پس یہودی نے سترہ عجوہ کھجور دیئے پھر اس کو حضور کے پاس لیکر آئے۔

معلومة[١١٦١] (٦) وتارة تصير معلومة بالتعيين والاشارة كمن استأجر رجلا لينقل هذا الطعام الى موضع معلوم[١١٦٢](٧) ويجوز استيجارالدور والحوانيت للسكنى وان لم يبين ما يعمل فيها وله ان يعمل كل شيء الا الحداد والقصار والطحان[١١٦٣] (٨) ويجوز استيجار الاراضى للزراعة و للمستأجر الشرب والطريق وان لم يشترط.

[١١٦١](٦) اور کبھی منافع معلوم ہوتے ہیں تعیین کے ذریعہ اور اشارہ کرنے کے ذریعہ جیسے کہ اجرت پر لیا کسی آدمی کو تاکہ منتقل کرے یہ کھانا مقام معلوم تک۔

تشریح کبھی منافع اس طرح بھی معلوم کرتے ہیں کہ کام کی تعیین کردے اور اس کی طرف اشارہ کردے۔ مثلا کسی کو اجرت پر لیا کہ اس کھانے کو فلاں جگہ تک لاد کر لے جانا ہے اور اتنی اجرت ملے گی۔ اس طرح اشارہ اور تعیین سے منافع متعین کرتے ہیں۔

وجہ اس کا ثبوت ایک اثر میں ہے۔ اکترى الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بكم؟ قال بدانقين فركبه(الف) (بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی مایتعارفون بینھم فی البیوع والاجارۃ ص۲۹۴ نمبر۲۲۱۰) اس اثر میں گدھے پر سوار ہونے کے لئے دو دانق دیئے۔

[١١٦٢](٧) اور جائز ہے گھروں کو اجرت پر لینا اور دکانوں کو اجرت پر لینا رہائش کے لئے اگر چہ نہ بیان کرے کہ اس میں کیا کرے گا۔ اور اجیر کے لئے جائز ہے کہ اس میں ہر کام کرے سوائے لوہاری، دھوبی اور پسائی کے۔

تشریح گھروں اور دکانوں کو اجرت پر لینا جائز ہے اور ان مین تمام کام کر سکتے ہیں لیکن لوہا کوٹنے کا کام، کپڑا دھونے کا کام اور آٹا پسائی کا کام نہیں کر سکتے۔

وجہ اگر پہلے سے طے نہیں ہو کہ کیا کام کرنا ہے تو وہ تمام کام کر سکتا ہے جس میں گھر کی دیوار کو نقصان نہ ہو۔ یا گھر کے فرش کا نقصان نہ ہو۔ لیکن جن کاموں میں گھر کی دیوار یا فرش کو نقصان پہنچ سکتا ہو وہ کام ان میں نہیں کر سکتے۔ مثلا لوہاری کے کام سے دیوار کمزور ہوتی ہے۔ کپڑا دھونے کے کام سے فرش خراب ہوتا ہے۔ اور آٹا پسائی کے کام سے فرش گندہ ہوتا ہے اور دیوار بھی کمزور ہوتی ہے۔ اس لئے یہ کام بغیر گھر والے کی اجازت کے نہیں کر سکتا۔

اصول بغیر اجازت کے ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے دیوار یا فرش کو نقصان پہنچتا ہو۔ دلیل حدیث لا ضرر ولا ضرار ہے۔

لغت الحداد : لوہاری کا کام۔ القصار : کپڑے دھونے کا پیشہ۔ الطحان : آٹا پیسنا۔

[١١٦٣](٨) اور جائز ہے زمینوں کو اجرت پر لینا کھیتی کے لئے۔ اور مستاجر کے لئے پانی پلانے کی باری اور راستہ ہوگا اگر چہ اس کی شرط نہ لگائی ہو۔

حاشیہ : (ب) حضرت حسن نے عبداللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا تو پوچھا کتنے میں؟ تو مرداس نے کہا دو دانق کے بدلے۔ پس اس پر سوار ہوئے۔

[۱۱۶۴] (۹) ولا يصح العقد حتى يسمى ما يزرع فيها او يقول على ان يزرع فيها ما شاء[۱۱۶۵] (۱۰) ويجوز ان يستأجر الساحة ليبنى فيها او يغرس فيها نخلا او شجرا.

تشریح زمین کوکھیتی کرنے کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے۔اور پانی پلانے کی جو باری ہوتی ہے یا کھیت تک آنے کا جوراستہ ہوتا ہے وہ بھی خود بخود مل جائیں گے چاہے کھیت اجرت پر لیتے وقت ان کی شرط نہ لگائی ہو۔

وجہ کھیت کو اجرت پر لینے کے بارے میں وہی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے۔لیکن خود راوی نے بیان کر دیا ہے کہ وہ استحباب کے طور پر تھا تا کہ کھیت والا زائد کھیت کو اپنے بھائیوں کو مفت کھیتی کرنے دیدے۔لیکن اگر کرایہ پر دینا چاہے تو دے سکتا ہے جائز ہے(۲) حدیث میں ہے۔**اخبرنی یعنی ابن عباس ان النبی ﷺ لم ینه عنه ولکن قال ان یمنح احدکم اخاه خیر له من ان یأخذ علیه خرجا معلوما** (الف)(بخاری شریف، باب، ص۳۱۳ نمبر ۲۳۳۰ رمسلم شریف، باب الارض تمنح ج ثانی ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھیت مفت دے تو زیادہ بہتر ہے لیکن کرایہ پر دے تو بھی جائز ہے(۳) حدیث میں ہے **عن ابن عمر قال عامل النبی ﷺ خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع** (ب)(بخاری شریف، باب اذا لم یشترط السنین فی المزارعۃ ص۳۱۳ نمبر ۲۳۲۹ رمسلم شریف، باب المساقات والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع ص۱۴ نمبر ۱۵۵۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اہل خیبر کو زمین کاشت کرنے کے لئے دی اور جو غلہ نکلے اس میں سے کچھ اجیر کو دیا جائے، جس سے معلوم ہوا کہ کھیت اجرت پر دینا جائز ہے۔ کھیتی کرنے کے لئے کھیت پر جانے کے راستے کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح پانی پلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ چیزیں بنیادی ہیں اس لئے بغیر شرط لگائے بھی یہ چیزیں اجارہ میں داخل ہوں گی۔

اصول کھیتی کی بنیادی چیزیں اجرت میں داخل ہوں گی۔

لغت الشرب : پانی پلانا، پانی پلانے کی باری۔

[۱۱۶۴] (۹) اور نہیں صحیح ہے عقد یہاں تک کہ متعین کرے کہ کیا اس میں بوئے گا یا کہے کہ جو چاہو اس میں بوؤ۔

تشریح زمین کرایہ پر لیتے وقت یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ کیا چیز اس میں بوئے گا تا کہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔یا کھیت والا یہ کہہ دے جو چیزیں چاہیں آپ اس میں بوئیں تو کچھ بھی بو سکتا ہے۔

وجہ بعض غلے کے بونے سے زمین خراب ہوتی ہے اور بعض غلے کے بونے سے زمین اچھی ہو جاتی ہے۔اس لئے اجرت پر لیتے وقت یہ طے کرنا ہوگا کہ کون سا غلہ اس میں بوئے گا۔یا پھر کھیت والا یہ کہہ دے کہ جو غلہ چاہو بوؤ۔پھر عقد اجارہ درست ہوگا۔

[۱۱۶۵] (۱۰) جائز ہے خالی زمین کو اجرت پر لینا تا کہ اس کے اندر عمارت بنائے یا اس میں کھجور کا درخت یا کوئی درخت بوئے۔

وجہ جب کاشتکاری کے لئے تین چار ماہ کے لئے زمین اجرت پر لے سکتا ہے تو کئی سالوں کے لئے بھی لے سکتا ہے تا کہ اس میں عمارت تعمیر

حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کہ حضورؐ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے روکا نہیں ہے۔لیکن فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو زمین عطیہ دیدے تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس سے معلوم کرایہ لے (ب) حضورؐ نے کام کرنے کے لئے دیا اہل خیبر کو آدھے حصے پر جو نکلے زمین میں سے پھل اور کھیتی۔

[۱۱۶۶] (۱۱) فاذا انقضت مدة الاجارة لزمه ان يقلع البناء والغرس ويسلمها فارغة.

کی جائے یا سالوں کے لئے پھل دار درخت لگائے جائیں (۲) سالوں کے لئے زمین کرایہ پر لینے کا ثبوت حدیث اور اثر میں ہے۔ **وقال ابن عباس ان امثل ما انتم صانعون ان تستأجروا الارض البيضاء من السنة الى السنة** (الف) (بخاری شریف، باب کراء الارض بالذهب والفضة ص ۳۱۵ نمبر ۲۳۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی سال کے لئے بھی خالی زمین کرایہ پر لے سکتا ہے (۳) یہود کو کئی سال کے لئے خیبر کی زمین دی گئی تھی۔ بعد میں حضرت عمر کے زمانے میں ان کو بے دخل کیا گیا۔ **عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اجلى اليهود والنصارى من الارض الحجاز ... واراد اخراج اليهود منها فسألت اليهود رسول الله ﷺ ليقرهم بها ان يكفوا عملها ولهم نصف الثمر فقال لهم رسول الله ﷺ نقركم بها على ذلك ما شئنا فقروا بها حتى اجلاهم عمر الى تيماء واريحاء** (ب) (بخاری شریف، باب اذا قال رب الارض اقرک ما اقرک اللہ ولم یذکر اجلا معلوما فهما علی تراضیهما ص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۸ رمسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱ / ۳۹۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیبر کے یہود کو کھیتی اور کھجور کے باغ کئی سال کے لئے آدھی کھیتی کے بدلے کرایہ پر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالی زمین بھی عمارت بنانے اور درخت لگانے کے لئے کئی سالوں کے لئے دی جاسکتی ہے۔

لغت الساحة: خالی زمین۔ یغرس: درخت لگانا۔

[۱۱۶۶] (۱۱) پس جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو اس کو لازم ہوگا کہ عمارت اور درخت اکھاڑ لے اور زمین والے کو خالی زمین سپرد کرے۔

تشریح مثلا بیس سال کے لئے خالی زمین اجرت پر لی تھی اور اس میں عمارت بنائی تھی یا درخت لگائے تھے تو بیس سال پورے ہونے کے بعد عمارت ختم کردے اور درخت کاٹ لے اور جیسی خالی زمین کرایہ کے وقت لی تھی ویسی ہی بالکل خالی کر کے زمین والے کو حوالے کرے۔

وجہ (۱) اگر زمین پر عمارت یا درخت لگے رہنے کی شرط لگا دے تو اس میں اجیر کا نقصان ہوگا کہ بغیر کسی قیمت کے اس کو عمارت اور درخت چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ اس لئے یہ بھی درست نہیں۔ اور ایسا بھی ہوگا کہ اس عمارت اور درخت کی ضرورت نہ ہو تو اس کو اکھاڑنے اور ڈھانے میں کھیت والے کی رقم خرچ ہوگی جس سے کھیت والے کو نقصان ہوگا۔ اس لئے قانون یہی ہوگا کہ جیسی خالی زمین کرایہ کے وقت لی تھی ویسی ہی خالی کر کے زمین واپس کرے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال المسلمون على شروطهم والصلح جائز بين المسلمين** (ج) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۲۳ نمبر ۲۸۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

حاشیہ: (الف) ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے مثل جو تم کرتے ہو یہ کہ خالی زمین کو اجرت پر لے ایک سال سے دوسرے سال تک (ب) عمر بن خطاب نے یہود کو اور نصاری کو ارض حجاز سے جلا وطن کیا... حضورؐ نے یہود کو خیبر سے نکالنے کا ارادہ کیا تو یہود نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ان کو خیبر میں ٹھہرنے دیں۔ تاکہ ان کی کاشتکاری کریں۔ اور اہل مدینہ کے لئے آدھا پھل ہو تو حضورؐ نے ان سے کہا ہم تم کو رکھتے ہیں اس پر جتنا چاہیں۔ تو وہ لوگ وہاں ٹھہرے رہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے ان کو جلا وطن کیا مقام تیماء اور اریحاء تک (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمان اپنی شرط کے مطابق ہوتے ہیں یعنی شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے۔

[۱۱٦۷](۱۲)الا ان يختار صاحب الارض ان يغرم له قيمة ذلک مقلوعا و يملکه

[۱۱٦۸](۱۳) او يرضى بترکه على حاله فيکون البناء لهذا والارض لهذا.

جس شرط پرزمین کرایہ پردی گئی تھی اسی شرط پرواپس کرے(۳)دوسری حدیث میں ہے کہ بغیر دلی خوشی کے کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے۔عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال لایحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفسه (الف)(دارقطنی ،کتاب البیوع ج ثالث ص۲۲ نمبر۲۸٦۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر رضامندی کے کسی کا مال لینا جائز نہیں۔اس لئے بغیر اجیر کی رضامندی کے اس کو گھر یا درخت زمین پر چھوڑ دینے کے لئے کہنا جائز نہیں ہے۔

[۱۱٦۷](۱۲)مگر یہ کہ زمین والا پسند کرے کہ اکھڑے ہوئے کی قیمت دے اور گھر یا درخت کا مالک ہو جائے۔

تشریح زمین والا اس بات پر راضی ہو جائے کہ ٹوٹے ہوئے گھر اور اکھڑے ہوئے درخت کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ اجیر کو دیدے اور گھر اور درخت کا مالک ہو جائے تو ایسا کر سکتا ہے۔

وجہ کرایہ پر زمین لینے والے پر گھر توڑ کر زمین خالی کرنا ضروری تھا۔اسی طرح درخت کاٹ کر زمین خالی کرنا ضروری تھا اس لئے یوں سمجھو کہ گھر ٹوٹ چکا اور درخت کٹ چکے۔اس لئے ٹوٹے ہوئے گھر کی قیمت اور کٹے ہوئے درخت کی قیمت جو ہو سکتی ہے وہ قیمت زمین والا دے گا اور سالم گھر اور سالم درخت کا مالک بن جائے گا۔یہ الگ سے بیع اور شراء ہے جس میں کھیت والا اور کرایہ پر لینے والے دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔اس قسم کے صلح کی گنجائش حدیث میں ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ المسلمون علی شروطهم والصلح جائز بین المسلمین (ب)(دارقطنی ،کتاب البیوع ج ثالث ص۲۳ نمبر۲۸٦۷)اس حدیث میں ہے کہ مسلمان کے درمیان صلح کرنا جائز ہے اس لئے ٹوٹے ہوئے گھر اور کٹے ہوئے درخت پر آپس میں صلح کی قیمت ہو جائے تو جائز ہے۔

نوٹ یہ پہلے کرایہ کے اندر بیع نہیں ہے کہ بیع کے اندر بیع ہو کر ناجائز ہو جائے۔کیونکہ کرایہ کی بات تو کئی سال پہلے ہو چکی تھی اور ٹوٹے ہوئے گھر کی بیع ابھی ہو رہی ہے اس لئے بیع وشرط نہیں ہوئی کہ ناجائز ہو جائے۔

لغت یغرم : تاوان دے۔ مقلوعا : قلع سے مشتق ہے اکھیڑنا۔

[۱۱٦۸](۱۳)یا راضی ہو جائے چھوڑنے پر اپنی حالت پر۔پس عمارت کرایہ دار کے لئے اور زمین زمین والے کے لئے ہوگی۔

تشریح کرایہ پر لینے کی مدت ختم ہو گئی ہے۔اس لئے کرایہ دار کو گھر توڑنا چاہئے اور درخت کاٹنا چاہئے لیکن دونوں راضی ہو جائے کہ مزید زمانے کے لئے گھر اور درخت زمین پر چھوڑ دو تو ایسا کر سکتے ہیں۔اس صورت میں زمین زمین والے کی رہے گی اور مکان یا درخت مکان یا درخت والے کے ہوں گے۔

وجہ زمین والے کی چیز ہے وہ راضی خوشی سے ایسا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔بلکہ حدیث کی رو سے ایک قسم کا تعاون ہوگا اور بھائی کی مدد کرنے کا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کی خوش دلی سے (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان اپنی شرط کے مطابق ہوتے ہیں یعنی شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے۔

[۱۱۶۹](۱۴) ویجوز استیجار الدواب للرکوب والحمل فان اطلق الرکوب جازله ان یرکبها من شاء وکذلک ان استأجر ثوبا للبس واطلق [۱۱۷۰](۱۵) فان قال له علی ان

ثواب ملے گا۔عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال لان یمنح الرجل اخاہ ارضہ خیر له من ان یأخذ علیها خرجا معلوما (الف)(مسلم شریف، باب الارض یمنح ص۱۴نمبر۳۹۵۰/ بخاری شریف، باب ما کان من اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم فی الزراعۃ والثمر ص۳۱۵نمبر۲۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ بغیر کرایہ کے زمین کسی بھائی کو دے تو بہت بہتر ہے۔اس لئے اپنی زمین بغیر کرایہ کے گھر والے یا مکان والے کو دے سکتا ہے،ثواب ملے گا۔

[۱۱۶۹](۱۴) جائز ہے چوپایوں کو اجرت پر لینا سوار ہونے کے لئے اور بوجھ لادنے کے لئے،پس اگر مطلق رکھا سوار ہونے کو تو جائز ہے کہ اس پر سوار ہو جو چاہے۔اور ایسے ہی اگر اجرت پر لیا کپڑے کو پہننے کے لئے اور مطلق رکھا۔

تشریح چوپائے کو سوار ہونے کے لئے اور بوجھ لادنے کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے۔اگر کسی سواری کو متعین نہیں کیا تو کوئی بھی آدمی اس پر سوار ہو سکتا ہے۔اسی طرح بوجھ لادنے کے لئے اجرت پر لیا اور کیا چیز لادے گا اس کا تعین نہیں کیا تو کوئی چیز بھی چوپائے پر لاد سکتا ہے۔البتہ ایسی چیز نہیں لاد سکتا جس سے چوپائے کی ہلاکت یا اس کے نقصان ہونے کا ظن غالب ہو۔

وجہ چوپایہ سواری کے لئے کرایہ پر لے اس کے ثبوت کے لئے یہ اثر ہے۔واکتری الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بکم؟ قال بدانقین فرکبه ثم جاء مرة اخری فقال الحمار الحمار فرکبه ولم یشارطه فبعث الیه بنصف درهم (ب) (بخاری شریف، باب من اجری امر المصار علی ما یتعارفون بینهم فی البیوع والاجارۃ الخ ص۲۹۴نمبر۲۲۱۰) اس اثر میں گدھے کو سواری کے لئے دو دانق میں کرایہ پر لیا گیا ہے۔اور کوئی آدمی اس لئے سوار ہو سکتا ہے کہ کسی خاص آدمی کا تعین نہیں کیا۔

اسی طرح کپڑا پہننے کے لئے اجرت پر لیا تو لے سکتا ہے۔اور پہننے والے کا تعین نہیں کیا تو کوئی بھی آدمی اس کپڑے کو پہن سکتا ہے۔

اصول مستعمل کے اختلاف سے فرق نہ پڑتا ہو اور کسی خاص آدمی کی شرط نہ لگائی ہو تو کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے۔

لغت اطلق : مطلق چھوڑا ہو،کسی کو متعین نہ کیا ہو۔

[۱۱۷۰](۱۵) پس اگر کہا چوپائے والے کو یہ کہ اس پر سوار ہوگا فلاں یا کپڑا پہنے گا فلاں۔پس سوار کیا اس کے علاوہ کو یا پہنایا اس کے علاوہ کو تو ضامن ہوگا اگر ہلاک ہوا چوپایہ یا برباد ہوا کپڑا۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا اور اس پر خاص آدمی کے سوار ہونے کو کرایہ پر لیتے وقت متعین کیا۔بعد میں اس کے خلاف کیا اور دوسرے آدمی کو سوار کیا۔پس اگر جانور ہلاک ہو گیا یا کپڑا برباد ہو گیا تو اجیر جانور اور کپڑے کا ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی اپنے بھائی کو زمین عطا کرے یہ بہتر ہے اس کے لئے اس سے کہ اس پر کوئی معلوم اجرت لے (ب) حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا تو پوچھا کتنے میں ہے؟ عبد اللہ نے کہا دو دانق میں۔پس اس پر سوار ہوئے پھر دوسری مرتبہ آئے اور کہا گدھا چاہئے۔پس اس پر سوار ہوئے اور کرایہ کی شرط نہیں کی۔پھر اس کو آدھا درہم بھیجا۔

يركبها فلان او يلبس فلان فاركبها غيره او البسه غيره كان ضامنا ان عطبت الدابة او تلف الثوب[۱۱۷۱] (۱٦) وكذلك كل ما يختلف باختلاف المستعمل [۱۱۷۲](۱۷) فاما العقار وما لا يختلف باختلاف المستعمل فلا يعتبر تقييده فان شرط سكنى واحد بعينه فله ان يسكن غيره[۱۱۷۳] (۱۸) وان سمى نوعا وقدرا يحمله على

وجه قاعدہ ہے کہ استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے استعمال کرنے میں فرق پڑتا ہے جیسے کہ سوار سوار میں فرق ہوتا ہے۔کوئی بھاری سوار ہوتا ہے کوئی ہلکا سوار ہوتا ہے۔گدھا بھاری سوار کو مشکل سے لے جائے گا جبکہ ہلکے سوار کو آسانی سے منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔اسی طرح ماہر سوار جانور کو آرام سے لے جاتا ہے جبکہ اجڑ سوار جانور کو تنگ کر دیتا ہے۔یہی حال کپڑے پہننے والے کا ہے۔اس لئے جب ایک خاص آدمی سواری کے لئے متعین ہوا اور بعد میں اس کے خلاف کیا تو چونکہ شرط کے خلاف کیا اس لئے وہ چیز اس کے ہاتھ میں امانت کی نہیں رہی بلکہ ضمانت کی ہوگئی۔اس لئے ہلاک ہونے پر جانور کا تاوان دینا ہوگا۔یا جو نقصان ہوا ہے وہ بھرنا ہوگا۔

اصول شرط کے خلاف کرنے سے ہلاکت پر تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

لغت عطب : ہلاک ہوا، تھک گیا۔ تلف : برباد ہوا، ضائع ہوگیا۔

[۱۱۷۱] (۱٦) ایسا ہی حال ہے ہر اس چیز کا جو مختلف ہوتی ہے استعمال کرنے والے کے اختلاف سے۔

تشریح جو چیز استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے مستعمل چیز پر فرق پڑتا ہو ہر ایک کا معاملہ یہی ہے کہ اگر ایک آدمی کو متعین کیا اور اس کے خلاف دوسرے کو استعمال کرنے دیا اور اس سے چیز ہلاک ہوگئی تو تاوان دینا ہوگا۔اصول اور دلائل اوپر گزر گئے۔

[۱۱۷۲] (۱۷) بہر حال زمین اور ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتی۔پس اگر شرط لگائی کسی خاص آدمی کی رہائش کی، تب بھی اس کے لئے جائز ہے کہ دوسرے کو ٹھہرائے۔

تشریح زمین ہے یا مکان ہے جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا یا استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوتا۔جیسے زمین میں کوئی آدمی بھی کاشتکاری کرے زمین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔اس لئے زمین کو کاشتکاری کے لئے کرایہ پر لے اور خاص آدمی کو متعین کرے پھر دوسرے آدمی اس کو کاشتکاری کرنے لگ جائے اور نقصان ہو جائے تو کرایہ دار پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔کیونکہ زمین کو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے۔

اصول استعمال کرنے والے کے بدلنے سے فرق نہ پڑتا ہو تو استعمال کرنے والے کے بدل جانے پر نقصان ہونے سے تاوان لازم نہیں ہوگا (۲) اس صورت میں کوئی بھی آدمی استعمال کرسکتا ہے۔

لغت العقار : زمین۔

[۱۱۷۳] (۱۸) اگر متعین کیا ایک نوع یا مقدار جو لادے گا چوپائے پر مثلا یہ کہے کہ پانچ قفیز گیہوں تو اس کے لئے جائز ہے کہ لادے جو گیہوں

الـدابة مثل ان يقول خمسة اقفزة حنطة فله ان يحمل ما هو مثل الحنطة فی الضرر او اقل كـالشعيـر والسـمسـم وليـس لـه ان يـحـمـل مـا هـو اضر من الحنطة كالملح والحديد والـرصـاص[۱۱۷۴] (۱۹) فـان استأجـرها ليحمل عليها قطنا سماه فليس له ان يحمل مثل وزنه حديدا.

کے مثل ہو ضرر میں یا کم ہو، جیسے جو اور تل۔ اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ لادے جو زیادہ نقصان دہ ہو گیہوں سے، جیسے نمک، لوہا اور سیسہ

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا اور خاص قسم کی چیز لادنے کی شرط کی تو قاعدہ یہ ہے کہ اس جیسی چیز یا اس سے کم نقصان دہ چیز اس پر لاد سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نقصان دہ چیز نہیں لاد سکتا۔ اگر لادے تو خلاف شرط ہوگا اور ہلاک ہونے پر تاوان ادا کرنا ہوگا۔ مثلا شرط کی پانچ قفیز گیہوں لادوں گا تو پانچ قفیز جو اور تل لاد سکتا ہے۔ کیونکہ یہ نقصان دہ میں گیہوں کے برابر ہیں۔ لیکن پانچ قفیز نمک، لوہا اور سیسہ نہیں لاد سکتا۔ کیونکہ نمک اور لوہا جانور کو زیادہ نقصان دیتے ہیں۔

اصول جس قسم کی چیز طے ہوئی اس کی مثل یا اس سے کم نقصان دہ چیز لاد سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ضرر رساں چیز نہیں لاد سکتا۔ دلیل یہ اثر ہے **عبـد الـرزاق قال قال معمر اذا دفعها الی رجل فحمل عليها مثل شرطه قال لا شیء عليه ولا ضمان** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۴۹۳۰)

لغت اقفزة : قفیز کی جمع، ایک خاص وزن۔ السمسم : تل۔ ارصاص : سیسہ۔

[۱۱۷۴] (۱۹) پس اگر چوپائے کو اجرت پر لیا تاکہ اس پر معین مقدار روئی لادے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس کی وزن کے مقدار لوہا لادے۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا تاکہ اس پر مثلا سو کیلو روئی لادے گا تو اس پر سو کیلو لوہا نہیں لاد سکتا۔

وجہ روئی نرم ہوتی ہے اس سے جانور کی پیٹھ زخمی نہیں ہوگی اور ہلکی محسوس ہوگی۔ اس لئے روئی کے بدلے اسی کے وزن کے مثل لوہا نہیں لاد سکتا۔ اگر لادا اور جانور ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عـن شـريـح انـه قال ليس علی مستكری ضمان فـان تـعـدی فـجـاوز عليها الوقت فعطبت قال شريح يجتمع عليه الكراء والضمان** (ب) (سنن للبیہقی، باب لاضمان علی المکتری فیما اکتری الا ان یتعدی ج سادس ص ۲۰۳، مصنف عبدالرزاق، باب الکری یتعدی بہ، ج ثامن، ص ۲۱۱، نمبر ۱۴۹۲۵) حضرت شریح کے اس فیصلے میں ہے کہ شرط سے تجاوز کرے اور جانور ہلاک ہو جائے تو اجیر پر ضمان اور کرایہ دونوں لازم ہوں گے۔

حاشیہ (الف) حضرت معمر نے فرمایا جب کرایہ کا جانور دے کسی آدمی کو اور اس پر سوار ہو اس کی شرط کے مثل تو فرمایا اس پر نہ کوئی الزام ہے اور نہ ضمان ہے (ب) حضرت شریح نے فرمایا کرایہ دار پر کوئی ضمان نہیں ہے۔ پس اگر تعدی کرے اور شرط سے تجاوز کرے اور جانور ہلاک ہو جائے تو حضرت شریح نے فرمایا اس پر جمع ہوگا کرایہ بھی اور ضمان بھی۔

[۱۱۷۵] (۲۰) وان استأجرها ليركبها فاردف معه رجلا آخر فعطبت ضمن نصف قيمتها ان كانت الدابة يطيقهما ولا يعتبر بالثقل[۱۱۷۶] (۲۱) وان استأجرها ليحمل

اصول شرط سے تجاوز کرنے سے ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا۔

[۱۱۷۵] (۲۰) اگر چوپائے کو اجرت پر لیا تا کہ اس پر سوار ہو۔ پس اپنے پیچھے دوسرے کو بھی سوار کر لیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو اس کی آدھی قیمت کا ضمان ہوگا اگر چوپایہ دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اور بوجھ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

تشریح چوپایہ اجرت پر لیا تا کہ اس پر ایک آدمی سوار ہو۔ اب اپنے پیچھے ایک اور آدمی کو سوار کر لیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہو گیا۔ پس اگر جانور ایسا تھا کہ دونوں آدمیوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا تھا تا ہم وہ ہلاک ہو گیا تو اجیر جانور کی آدھی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور اگر جانور ایسا تھا جو دو آدمیوں کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا۔

وجہ (۱) عام عرف کے اعتبار سے ایک آدمی سوار ہونا چاہئے لیکن دو آدمی سوار ہو گئے جس کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے۔ اس لئے ایک آدمی کی اجازت تھی دوسرے آدمی کی اجازت نہیں تھی اس لئے آدھی قیمت کا ضامن ہوگا (۲) عن ابن سيرين استأجر اجيرا ليحمل على ظهره شيئا الى مكان معلوم فزاد عليه فغرمه شريح بقدر ما زاد عليه بحساب ذلك (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۴۹۲۶) اس اثر میں ہے کہ جتنا طے ہوا تھا اتنا لادنے سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔ لیکن جو زیادہ لادا اس کا فیصد نکال کر حساب کر کے ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ اگر جانور ایسا تھا کہ دو آدمیوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا پھر بھی دو آدمی سوار ہو گئے تو پورے جانور کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

وجہ اس لئے کہ اس نے معروف کے خلاف کیا اور ایسا سمجھا جائے گا کہ جانور کو جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی نیت سے دو آدمی سوار ہوئے اس لئے پوری قیمت ادا کرے۔ اثر میں ہے عن حماد قال من اكترى فتعدى فهلك فله الكرى الاول والضمان عليه (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۹۲۵ سنن للبیھقی، باب لا ضمان علی المکتری فیما اکتری الا ان یتعدی، ج سادس، ص ۲۰۳، نمبر ۱۱۶۷۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تعدی کا ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ آدمی سوار ہونے میں آدمی کی تعداد کا اعتبار ہے خود آدمی کے وزن کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

اصول تعدی کا ضمان لازم ہوگا۔

لغت عطب : تھک گیا، ہلاک ہو گیا۔

[۱۱۷۶] (۲۱) اگر اجرت پر لیا چوپائے کو تا کہ اس پر لادے گیہوں کی ایک مقدار، پس لادا اس سے زیادہ، پس چوپایہ ہلاک ہو گیا تو ضامن ہوگا

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے ایک آدمی کو اجرت پر لیا تا کہ مقام معلوم تک اس کی پیٹھ پر کچھ لادا جائے۔ پس اس پر زیادہ لادا تو حضرت شریح اس کو تاوان دلواتے تھے اس کی مقدار جو زیادہ ہوا اس کے حساب سے (ب) حضرت حماد سے منقول ہے کہ جس نے کرایہ پر لیا پس زیادتی کی جس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا تو اس کے لئے کرایہ اول ہے اور اس پر ضمان ہے۔

علیها مقدارا من الحنطة فحمل علیها اکثر منه فعطبت ضمن مازاد من الثقل[۱۱۷۷]

(۲۲) وان کبح الدابة بلجامها او ضربها فعطبت ضمن عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی و

جتنا بوجھ زیادہ ہو۔

تشریح مثلا سو کیلو گیہوں لادنے کے لئے چوپایہ کرایہ پر لیا پھر اس نے اس شرط کی مخالفت کرتے ہوئے ایک سو پچیس کیلو گیہوں لاد دیا تو پچیس کیلو گیہوں جو زیادہ لادا اس کو حساب کر کے قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔ مثلا چوپائے کی قیمت ایک سو پچیس پونڈ تھی تو کرایہ پر لینے والا پچیس پونڈ کا ذمہ دار ہوگا باقی سو پونڈ جانور والے کے گئے۔

وجہ کیونکہ سو کیلو گیہوں لادنے کی تو اجازت تھی اس لئے اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا جو زیادہ لادا ہے صرف اس کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۲۰ میں قاضی شریح کا فتوی گزر گیا ہے اور اصول بھی۔

[۱۱۷۷] (۲۲) اگر چوپائے کو لگام سے کھینچا یا اس کو مارا، پس چوپایہ ہلاک ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضامن ہوگا اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح چوپایہ کرایہ پر لیا اور اس کو لگام سے کھینچ کر کھڑا کرنا چاہا جس سے چوپایہ ہلاک ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضامن ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنے کا حق ہے لیکن بشرط سلامت حق ہے۔ اس طرح لگام کھینچنے کا حق نہیں ہے کہ چوپایہ ہلاک ہو جائے۔ اس کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ لیکن احتیاط سے کام نہیں لیا اس لئے ضامن ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے وقال مطرف عن الشعبی یضمن ما اعنت بیده (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ نمبر ۱۴۹۴۶) اس اثر میں ہے کہ ہاتھ سے جو نقصان ہو وہ اجیر کو ادا کرنا ہوگا۔ یہاں ہاتھ سے لگام کھینچا ہے اور جانور ہلاک ہوا ہے اس لئے تاوان ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنا اس کا ذاتی حق ہے اس کے بغیر تو جانور کو کھڑا ہی نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے اس کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے تو یہ تعدی نہیں ہے اس لئے کرایہ دار پر تاوان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے عن ابن سیرین قال جعل شریح علی رجل تعدی بقدر ما تعدی (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص ۲۱۲ نمبر ۱۴۹۲۷) اس اثر میں ہے کہ تعدی اور زیادتی کے مطابق کرایہ دار پر ضمان ہوگا اور کرایہ دار نے لگام کھینچ کر کوئی تعدی نہیں کی اس لئے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس قاعدہ پر متفرع ہے کہ معروف طریقے پر جو حقوق ہیں ان کو استعمال کرنے کے لئے سلامت کی شرط ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا قاعدہ یہ ہے جانور کو کھینچنے اور چلانے کا جو حق حاصل ہے وہ اس شرط پر ہے کہ جانور سالم رہے ہلاک نہ ہو۔ اگر جانور ہلاک ہوا تو حق استعمال کرنے کے باوجود ضامن ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ معروف طریقے سے حقوق استعمال کئے تو چاہے جانور ہلاک ہو جائے اس

حاشیہ: (الف) حضرت شعبی فرماتے ہیں ضامن ہوگا جو کچھ اپنے ہاتھ سے کام کیا۔ یعنی ہاتھ سے کام کرنے کی وجہ سے اگر ہلاک ہوا ہو تو اس پر ضمان ہوگا۔ جیسے رنگریز اور دھوبی (ب) حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت شریح وہ آدمی جس نے زیادتی کی ہو تو زیادتی کی مقدار ضمان لازم کرتے تھے۔

قال ابو یوسف و محمد رحمهما الله لا یضمن[۱۱۷۸] (۲۳) والاجراء علی ضربین اجیر مشترک واجیر خاص فالمشترک من لا یستحق الاجرة حتی یعمل کالصباغ و القصار[۱۱۷۹] (۲۴) والمتاع امانة فی یده ان هلک لم یضمن شیئا عند ابی حنیفة

پر ضمان نہیں ہے۔کیونکہ معروف طریقے سے چلانے اور ٹھہرانے کا حق حاصل تھا۔

لغت کبح : چوپائے کو لگام سے کھینچ کر ٹھہرانا۔

[۱۱۷۸](۲۳) اجیروں کی دو قسمیں ہیں اجیر مشترک اور اجیر خاص، پس اجیر مشترک وہ ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا یہاں تک کہ کام کر دے۔جیسے رنگریز اور دھوبی۔

تشریح اجیر کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو یہ کہ آپ کا کام بھی لیا ہے اور دوسروں کا کام بھی اسی وقت لیا ہے۔اور اصل اجرت وقت گزرنے پر نہیں ہوتی بلکہ کام کر دینے پر ہوتی ہے جس کو ٹھیکا کا کام کہتے ہیں۔جیسے دس آدمیوں کے کپڑے لئے کہ ان کو رنگ دوں گا اب کپڑا رنگنے پر اجرت ملے گی چاہے وقت کتنا ہی لگے۔چونکہ یہ بیک وقت کئی آدمیوں سے رنگنے کے لئے کپڑا لیا ہے اس لئے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔اور اجیر خاص اس کو کہتے ہیں کہ صبح سے شام تک آپ کا ہی کام کرے گا کسی اور کا نہیں کرے گا۔اور شام ہونے کے بعد اجرت کا مستحق ہو جائے گا چاہے کتنا ہی کم کام کرے۔چونکہ یہ مخصوص وقت میں صرف آپ کا ہی اجیر ہے کسی اور کا نہیں اس لئے اس کو اجیر خاص کہتے ہیں۔

[۱۱۷۹](۲۴) سامان امانت ہے اس کے ہاتھ میں اگر ہلاک ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کچھ ضامن نہیں ہوگا۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز امانت ہوتی ہے۔جیسے کپڑا رنگریز کے ہاتھ میں دیا تو وہ کپڑا اس کے ہاتھ میں امانت رہے گا۔اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ اثر میں ہے کہ حضرت علی اجیر مشترک کو ضامن نہیں بناتے تھے۔عن صالح بن دینار ان علیا کان لا یضمن الاجیر المشترک (الف) مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟، ج سابع، ص ۳۱۶، نمبر ۲۰۴۸۹) محمد ابن سیرین کا بھی یہی فتوی تھا کہ اجیر مشترک کو ہلاکت کی وجہ سے ضامن نہ بنایا جائے۔وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں رکھا ہے وہ امانت کے طور پر رکھا ہے۔کیونکہ مال والے نے خوشی سے اس کے ہاتھ میں دیا ہے۔اس لئے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔مثلا کپڑا دھونے کی وجہ سے پھٹ جائے تو کپڑے کا ضمان اس پر لازم نہیں ہوگا۔

اصول اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز بطور امانت ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی اجیر مشترک پر ضمان لازم نہیں کرتے تھے نوٹ : دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی ضمان لازم کرتے تھے۔

وقالا رحمهما الله تعالی یضمنه[١١٨٠] (٢٥) وما تلف بعمله کتخریق الثوب من دقه وزلق الحمال وانقطاع الحبل الذی یشد به المکاری الحمل وغرق السفینة من مدها مضمون.

وجہ اس کے ہاتھ میں جو کام کرنے کے لئے دیا ہے وہ بشرط سلامت دیا ہے اور اس نے اس کو برباد کر دیا اس لئے اس کا ضامن ہوگا (٢) اثر میں ہے کہ کئی صحابی اور تابعی اجیر مشترک کو ضامن بناتے تھے۔عن علی انه کان یضمن الصباغ والصائغ وقال لا یصلح للناس الا ذاک (الف) (سنن للبیہقی ، باب ماجاء فی تضمین الاجراء، ج سادس، ص ٢٠٢، نمبر ١١٦٦٦ رمصنف عبدالرزاق ، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ، ج ثامن، ص ٢١٧ نمبر ١٤٩٤٨ رمصنف ابن ابی شیبة ٥٤ فی الاجیر یضمن ام لا ، ج رابع ص ٣١٥، نمبر ٢٠٤٧٨) اس اثر سے ثابت ہوا کہ اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا۔

اصول اجیر مشترک کے ہاتھ میں چیز بطور ضمانت ہے۔

لغت الصباغ : رنگریز، کپڑا رنگنے والا۔ القصار : کپڑا دھونے والا، دھوبی۔

[١١٨٠] (٢٥) اور جو تلف ہوا اجیر کے عمل سے جیسے کوٹنے کی وجہ سے کپڑے کا پھٹ جانا اور مزدور کا پھسل جانا اور اس رسی کا ٹوٹ جانا جس سے کرایہ پر دینے والا وجھ باندھتا ہے اور رسی کے کھینچنے کی وجہ سے کشتی کا ڈوب جانا یہ سب مضمون ہیں۔

تشریح جو کام ہاتھ سے کئے جاتے ہوں اس میں نقصان ہو جائے تو اجیر پر اس کا ضمان لازم ہے۔مثلا کپڑا دھونے کے لئے دیا۔دھوبی نے اس کو ایسا کوٹا کہ پھٹ گیا تو دھوبی پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔یا مزدور پھسل گیا جس کی وجہ سے سر پر کا بوجھ نیچے گر گیا اور سامان ٹوٹ گیا تو مزدور پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔یا جس رسی سے بوجھ باندھتے ہیں وہ ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے سامان نیچے گر گیا اور ٹوٹ گیا تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔یا کشتی کو اچانک کھینچا جس کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی اور سامان خراب ہوا تو کشتی والے پر سامان کا ضمان لازم ہوگا۔

وجہ اجیر کو یہ سب کرنے کا حق تو تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سامان سلامت رہے۔لیکن اس نے اس انداز سے کام کیا کہ سامان کو نقصان پہنچا اس لئے اس کو ضمان دینا ہوگا۔یہ مسئلہ امام صاحبین کے مسلک پر ہے (٢) اثر اوپر گزر گیا ہے کہ حضرت علی اجیر مشترک پر ضمان لازم کرتے تھے (٣) ان عمر بن الخطاب ضمن الصباغ الذی یعمل بیدہ (ب) (مصنف عبدالرزاق ، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ ج ثامن ص ٢١٧ نمبر ١٤٩٤٩) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بھی رنگریز جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں ان پر نقصان کی وجہ سے ضمان لازم کرتے تھے۔اس لئے ان لوگوں پر ضمان لازم ہوگا۔

اصول اجیر مشترک پر نقصان کی وجہ سے ضمان لازم ہوگا۔

لغت تخریق : کپڑے کا پھٹنا۔ دق : کوٹنا۔ زلق : پھسلنا۔ الحمال : بوجھ اٹھانے والا۔ المکاری : کرایہ دار۔ مد : کھینچنا۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی ضمان لازم کرتے تھے رنگریز پر اور لوہار پر اور فرماتے تھے کہ لوگوں کے لئے اچھا نہیں ہے مگر یہ (ب) حضرت عمر ضامن بناتے تھے رنگریز کو جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔

[۱۱۸۱] (۲۶) الا انه لا يضمن به بنی آدم فمن غرق فی السفينة او سقط من الدابة لم يضمنه[۱۱۸۲] (۲۷) واذا فصد الفصاد او بزغ البزاغ ولم يتجاوز الموضع المعتاد فلا

[۱۱۸۱] (۲۶) مگر یہ نہیں ضامن ہوگا بنی آدم کا پس جو غرق ہو گیا کشتی ڈوبنے کی وجہ سے یا گر گیا چوپائے سے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح البتہ اجرت کے موقع پر انسان ہلاک ہو جائے تو اس کا ضمان اجیر پر نہیں ہے۔ چنانچہ کشتی کھینچنے کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی اور اس کی وجہ سے آدمی مر گیا تو آدمی کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا۔ اسی طرح لگام کھینچنے کی وجہ سے آدمی چوپائے سے گر گیا اور مر گیا تو اجیر پر آدمی کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) اجیر کی غلطی کی وجہ سے آدمی کی جان گئی تو یہ قتل خطا ہے اور قتل خطا کا تاوان اجیر کے خاندان کے لوگ دیں گے جو اجیر کے عاقلہ ہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اجیر کے عاقلہ جنایت کی وجہ سے جو قتل خطا ہوا ہو اس کا تاوان دیں گے۔ اور یہ قتل خطا جنایت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ عقد اجرت کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے اجیر کے عاقلہ یعنی خاندان والے اس کا تاوان ادا نہیں کریں گے۔ اس لئے خود اجیر پر بھی انسانی ہلاکتوں کا ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) انسان کا ضمان تو بہت ہوتا ہے۔ اگر اس کا ضمان لازم کریں تو اجیر تباہ ہو جائے گا اس لئے انسان کا ضمان لازم نہیں ہوگا (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **سئل عامر عن صاحب بعير حمل قوما فغرقوا قال ليس عليه شیء** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان الاجير الذی يعمل بيده، ج ثامن، ص ۲۲۱، نمبر ۱۴۹۶۷) اس اثر میں ہے کہ اونٹ والے نے کچھ لوگوں کو سوار کیا پھر وہ سب غرق ہو گئے تو اس پر کچھ لازم نہیں کیا (۳) **عن ابن سيرين عن شريح انه كان لا يضمن الملاح غرقا ولا حرقا** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟ ج رابع، ص ۳۱۵، نمبر ۲۰۴۸۸) اس اثر میں حضرت شریح نے ملاح پر ڈوبنے اور جلنے کی وجہ سے کچھ لازم نہیں کیا۔

اصول اجرت کی وجہ سے انسانی ہلاکت پر ضمان لازم نہیں ہے۔

لغت غرق : ڈوب گیا۔ الدابة : چوپایہ۔

[۱۱۸۲] (۲۷) اگر فصد کھولنے والے نے فصد کھولی یا داغ لگانے والے نے داغ لگایا اور معتاد جگہ سے آگے نہیں بڑھا تو ان دونوں پر ضمان نہیں ہے اس کا جو ان سے ہلاک ہوا۔ اور اگر اس سے بڑھ گیا تو ضمان ہوگا۔

تشریح فصد لگانے والے کو جسم چیرنا پڑتا ہے۔ پس اگر اتنا ہی چیرا جتنا چیرنا چاہئے پھر بھی آدمی ہلاک ہو گیا تو فصد کھولنے والے پر کچھ ضمان نہیں ہوگا۔ اسی طرح داغ لگانے والے نے جسم پر اتنا ہی داغ لگایا جتنا لگانا چاہئے پھر بھی ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان نہیں ہوگا۔ اور زیادہ لگا دیا جس کی وجہ سے ہلاک ہوا تو ضمان لازم ہوگا۔

وجہ مناسب مقام تک فصد لگانے اور اس کو چیرنے کی اس کو اجازت ہے اس لئے اتنا چیرنے یا داغ لگانے سے ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں

حاشیہ : (الف) حضرت عامر سے پوچھا گیا کہ اونٹ والے نے کچھ لوگوں کو اٹھایا۔ پس وہ لوگ ڈوب گئے۔ فرمایا اونٹ والے پر کچھ لازم نہیں ہے (ب) حضرت شریح سے منقول ہے کہ ملاح ڈوبنے اور جلنے کا ضامن نہیں ہے۔

ضمان علیهما فیما عطب من ذلک وان تجاوزه ضمن [۱۱۸۳](۲۸) والاجیر الخاص هو الذی یستحق الاجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کمن استأجر رجلا شهرا للخدمة او لرعی الغنم[۱۱۸۴] (۲۹) ولا ضمان علی الاجیر الخاص فیما تلف فی یده

ہوگا۔ کیونکہ اس نے وہی کیا جس کا اس کو حق ہے۔ ہاں! زیادہ چیرنے سے ضامن ہوگا، کیونکہ اس کا حق نہیں تھا (۲) اثر میں ہے عن شریح انه قال لیس علی مستکری ضمان فان تعدی فجاوز علیها الوقت فعطبت قال شریح یجتمع علیه الکراء والضمان (الف) (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی المکتری فیما اکتری الا ان یتعدی، ج ساد، ص۲۰۳، نمبر ۱۱۶۷۱/ مصنف عبد الرزاق، باب الکری یتعدی بہ، ج ثامن، ص۲۱۲، نمبر ۱۴۹۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مقام مناسب سے تجاوز کرے گا تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔

اصول جسم چیرنے میں حدود سے تجاوز کرے گا اور نقصان ہوگا تو اجیر پر ضمان ہوگا۔ اور حدود میں رہ کر چیرا تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔

لغت فصد : فصد کھولنا، جسم چیر کر خون نکالنا۔ بزغ : نشتر لگانا، جسم چیرنا۔ الموضع المعتاد : جہاں جہاں تک جسم چیرنا مناسب ہو۔

[۱۱۸۳] (۲۸) اور اجیر خاص وہ ہے جو اجرت کا مستحق ہوتا ہے اپنے آپ کو سپرد کر دینے سے مدت میں، اگر چہ کام نہ کیا ہو جیسے کسی آدمی کو اجرت پر لیا ایک ماہ خدمت کے لئے، یا بکری چرانے کے لئے۔

تشریح اجیر خاص اس کو کہتے ہیں کہ خاص مدت میں اسی کا مزدور ہو کسی اور کا نہ ہو۔ اور اس مدت میں اسی کا کام کر سکتا ہو کسی اور کا نہ کر سکتا ہو۔ جیسے صبح سے لیکر شام تک مزدور کو اجرت پر لیتے ہیں کہ اس کا کام کرے گا کسی اور کا نہیں یا مثلا ایک ماہ تک مالک کی خدمت کرے گا یا ایک ماہ تک مالک کی بکری چرائے گا۔ تو یہ اجیر مشترک نہیں اجیر خاص ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ کام کم کرے یا زیادہ کرے یا نہ کرے، صرف صبح سے شام تک مدت متعینہ میں مستأجر کو سپرد کر دے اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

[۱۱۸۴] (۲۹) اور نہیں ضمان ہے اجیر خاص پر اس کا جو ضائع ہو جائے اس کے ہاتھ میں اور نہ جو ضائع ہو جائے اس کے عمل سے مگر یہ کہ زیادتی کرے۔

تشریح اجیر خاص کے ہاتھ میں جا کر کوئی چیز ضائع ہو جائے یا جو منافع وجود میں آئے تھے ان میں سے کچھ نفع ضائع ہو گیا تو ان دونوں کے ضائع ہونے پر اجیر خاص پر ضمان نہیں ہے۔ مثلا بکری چرانے کے لئے اجیر خاص کو دی اور بکری اس کے پاس سے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہو گئی تو اجیر پر بکری کا تاوان نہیں ہے۔ یا بکری کو بچہ ہوا اور اجیر کے پاس مر گیا تو اس بچے کا تاوان اجیر پر نہیں ہے۔

وجہ اجیر خاص کے ہاتھ میں جو کچھ ہے چاہے عین شی ہو یا اس کے منافع ہوں وہ مالک کی اجازت سے ہیں اور اس وقت کسی اور کا مال اجیر کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ مال امانت کے طور پر اس کے ہاتھ میں ہے اور بغیر تعدی کے امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا

حاشیہ : (الف) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ کرایہ دار پر ضمان نہیں ہے۔ پس اگر تعدی کی اور شرط سے تجاوز کیا اور ہلاک ہوا تو حضرت شریح نے فرمایا اس پر کرایہ اور ضمان دونوں لازم ہوں گے۔

ولا فی ما تلف من عملہ الا ان یتعدی فیضمن[۱۱۸۵](۳۰) والاجارۃ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع [۱۱۸۶](۳۱) ومن استأجر عبدا للخدمۃ فلیس لہ ان یسافر بہ الا ان

۔اس لئے اجیر خاص پر ضمان لازم نہیں ہوگا(۲)اثر میں ہے۔عن الشعبی قال لیس علی اجیر المشاھرۃ ضمان (الف)(مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۴ فی الجیر یضمن ام لا؟ ج رابع ص ۳۱۵،نمبر ۲۰۴۸۷ رمصنف عبدالرزاق، باب ضمان الاجیر الذی یعمل بیدہ، ج ثامن،ص ۲۱۷،نمبر ۱۴۹۴۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اجیر خاص پر تعدی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو ضمان نہیں ہے۔

اصول اجیر خاص کے ہاتھ میں مالک کا مال امانت ہوتا ہے۔

[۱۱۸۵](۳۰)اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں شرطیں جیسے وہ فاسد کر دیتی ہیں بیع کو۔

تشریح جو شرطیں بیع کو فاسد کرتی ہیں وہ شرطیں اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہیں۔مثلا ایسی شرطیں جن میں اجیر کا فائدہ ہو یا مستاجر کا فائدہ ہو تو ان شرطوں سے اجارہ فاسد ہوجائے گا۔

وجہ کیونکہ اجارہ بھی بیع کی طرح عقد ہے۔فرق یہ ہے کہ بیع میں عین شی کی بیع ہوتی ہے اور اجارہ میں منافع کی بیع ہوتی ہے۔تو چونکہ دونوں عقد ہیں اس لئے دونوں میں شرط فاسد سے عقد فاسد ہوجائے گا(۲)حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔عن ابی مسعود الانصاری ان رسول اللہ ﷺ نھی عن ثمن الکلب ومھر البغی وحلوان الکاھن (ب)٠بخاری شریف، باب کسب البغی والاماء ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۸۲ رمسلم شریف، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاھن ومھر البغی ص ۱۹ نمبر ۱۵۶۷)اس حدیث میں زنا کی اجرت اور کاہن کے پاس جاکر اجرت دینے سے منع فرمایا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا اجارہ فاسد ہوگا(۳)دوسری حدیث میں ہے۔عن ابن عمر قال نھی النبی عن عسب الفحل (ج)(بخاری شریف، باب عسب الفحل ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۴ رمسلم شریف، باب تحریم بیع فضل الماء...وتحریم بیع ضراب الفحل ص ۱۸ نمبر ۱۵۶۵ر۴۰۰۵)اس حدیث میں سانڈ کی جفتی کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔

[۱۱۸۶](۳۱)کسی نے غلام کو خدمت کے لئے اجرت پر لیا۔پس اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو ساتھ لیکر سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس پر شرط لگائے عقد میں۔

تشریح کسی نے غلام کو حضر میں خدمت کے لئے لیا تو اس کو بغیر اس کی مرضی کے سفر میں نہیں لے جا سکتا۔جب تک کہ عقد کرتے وقت شرط نہ لگائے کہ میں اس کو خدمت کے لئے سفر میں لے جاؤں گا۔ہاں! عقد اجارہ کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ غلام کو سفر میں بھی لے جاؤں گا تو لے جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

وجہ سفر میں مشقت ہوتی ہے اس میں خدمت کرنا مشکل کام ہے اس لئے حضر میں اجارہ ہوا ہے تو غلام کی مرضی کے بغیر اس کو سفر میں نہیں لے جا سکتا(۲)حدیث میں ہے۔وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطھم (د)(بخاری شریف، باب اجر السمسرۃ ص ۳۰۳ نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ ماہانہ اجیر پر ضمان لازم نہیں ہے(ب) حضورؐ نے منع فرمایا کتے کی قیمت سے، زنا کی اجرت سے اور کاہن کے پاس آنے سے(ج)حضورؐ نے روکا سانڈ کی جفتی کی اجرت سے(د) آپؐ نے فرمایا مسلمان شرطوں کا پاسبان ہے۔

یشترط علیہ ذلک فی العقد[۱۱۸۷] (۳۲) ومن استأجر جملا لیحمل علیہ محملا وراکبین الی مکۃ جاز ولہ المحمل المعتاد[۱۱۸۸] (۳۳) وان شاھد الجمال المحمل فھو اجود[۱۱۸۹] (۳۴) فان استأجر بعیرا لیحمل علیہ مقدارا من الزاد فاکل منہ فی

۲۲۷۴)اس حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کو شرط کی رعایت کرنی چاہئے۔اور چونکہ بظاہر حضر کی شرط ہے اس لئے سفر میں نہیں لے سکتا۔

اصول حضر میں خدمت اور ہے اور سفر میں خدمت اور ہے دونوں ہم مثل نہیں ہیں۔

[۱۱۸۷](۳۲) کسی نے اونٹ اجرت پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار کرے مکہ تک تو جائز ہے۔اور اس کے لئے جائز ہے متعاد کجاوہ

تشریح کسی نے اونٹ اجرت پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار ہو اور مکہ تک سفر کرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔اور اجیر پر لازم ہے کہ عام طور پر جو کجاوہ اونٹ پر رکھا جاتا ہے وہ کجاوہ اونٹ پر رکھے۔نہ زیادہ بڑا ہو اور نہ چھوٹا۔

وجہ جب کوئی خاص کجاوہ طے نہ ہو تو ایسی صورت میں معروف کی طرف پھیرا جاتا ہے۔اور معاشرے میں معروف ومشہور جو ہو وہی لازم ہوتا ہے۔اس لئے یہاں بھی متعاد ومعروف کجاوہ ہی رکھ سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔**عن عائشۃ قالت ھند ام معاویۃ لرسول اللہ ﷺ ان ابا سفیان رجل شحیح فھل علی جناح ان آخذ من مالہ سرا؟ قال خذی انت و بنوک ما یکفیک بالمعروف** (الف)(بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی مایتعارفون بینھم فی البیوع والاجارۃ، ص۲۹۴، نمبر ۲۲۱۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان کے مال میں سے جو معروف ہو وہ آپ لے سکتی ہیں۔آیت میں بھی ہے۔**ومن کان فقیرا فلیأکل بالمعروف** (آیت ۶ سورۃ النساء۴) اس آیت میں بھی ہے کہ غریب آدمی یتیم کے مال کی تجارت کرے تو معاشرے میں جتنی معروف اجرت ہو وہ لے سکتا ہے۔اس لئے یہاں بھی کجاوہ طے نہیں ہوا ہو تو معروف کجاوہ رکھ سکتا ہے۔

اصول کوئی چیز طے نہ ہو تو معاشرے کی معتاد چیز کا فیصلہ ہوگا۔

لغت محمل : اٹھانے کی چیز، حمل سے مشتق ہے مراد ہے کجاوہ۔ المعتاد : عادۃ سے مشتق ہے جو عام عادت ہو۔

[۱۱۸۸](۳۳) اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔

وجہ اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو سفر سے پہلے رضامندی ہو جائے گی اور بات طے ہو جائے گی اس لئے دیکھ لینا بہتر ہوگا۔

[۱۱۸۹](۳۴) اگر اجرت پر لیا اونٹ کو تا کہ اس پر توشے کی ایک مقدار لادے۔پس اس سے راستہ میں کھا لیا تو جائز ہے اس کے لئے کہ اتنا اور لوٹائے اس کے بدلے میں جو کھایا۔

تشریح مثلا کسی نے اونٹ اجرت پر لیا کہ اس پر سو کیلو توشہ لادے گا۔پھر راستہ میں دس کیلو کھا لیا تو اس کو حق ہے کہ الگ سے دس کیلو اونٹ پر لادے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ام معاویہ ہندہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے اگر چپکے سے اس کے مال میں سے کچھ لے لوں؟ آپؐ نے فرمایا تم اور تمہارے بیٹوں کو کو کافی ہو معروف کے ساتھ وہ لے لو۔

الطریق جاز له ان یرد عوض ما اکل [۱۱۹۰](۳۵) والاجرۃ لا تجب بالعقد وتستحق باحد ثلثة معان اما بشرط التعجیل او بالتعجیل من غیر شرط او باستیفاء المعقود

وجہ بات یہ ہوئی تھی کہ سوکیلو لاد کر منزل تک لے جاؤں گا اور راستے میں دس کیلو کم ہو گیا اس لئے اس کے بدلے میں مزید دس کیلو لادنے کا حق ہوگا (۲) حدیث گزر چکی ہے۔وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطھم (الف) (بخاری شریف، باب اجرة السمسرة، نمبر ۲۲۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو شرط کے مطابق رہنا چاہئے اور چونکہ منزل تک سوکیلو کی شرط تھی اس لئے سوکیلو پورا کر سکتا ہے۔

[۱۱۹۰] (۳۵) اجرت نہیں واجب ہوتی ہے عقد سے اور مستحق ہوتا ہے تین باتوں میں سے کسی ایک سے یا جلدی کی شرط لگانے سے یا بغیر شرط کے جلدی دے دینے سے یا معقود علیہ حاصل کر لینے سے۔

تشریح صرف عقد اجارہ کرنے سے اجرت دینا واجب نہیں ہوگا بلکہ تین باتوں میں سے ایک ہو تو اجرت دینا واجب ہوگا۔ایک تو یہ کہ عقد کرتے وقت ہی شرط کرلے کہ اجرت پہلے لوں گا۔دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے دینے کی شرط تو نہیں لگائی لیکن خود بخود مستاجر نے اجرت پہلے دیدی۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ اجیر نے منافع ادا کردیئے تو مستاجر پر اجرت دینا واجب ہو جائے گا۔

وجہ اجرت عین شی ہوتی ہے جو خارج میں موجود ہوتی ہے۔اور منفع تھوڑے تھوڑے کرکے وجود میں آتے رہتے ہیں۔وہ ابھی خارج میں موجود نہیں ہے۔اس لئے جب وہ وجود میں آجائے تب اجرت واجب ہوگی تاکہ دونوں برابر ہو جائیں۔اس لئے منافع وصول ہونے کے بعد اور وجود میں آنے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔ہاں! اگر پہلے دینے کی شرط لگادی تو گویا کہ منافع موجود ہو گئے۔اور مستاجر اس پر راضی بھی ہو گیا اس لئے اب اجرت پہلے دینا واجب ہوگا (۲) حدیث کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ منافع وصول ہونے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔حدیث میں ہے **عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقه** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب اجر الاجیر ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۳) اس حدیث میں ہے کہ کام کرنے کے بعد پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت دو۔جس سے معلوم ہوا کہ کام کرنے کے بعد اجرت دینا واجب ہوگا (۳) **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال اللہ تعالی ثلاثة انا خصمھم یوم القیامة ... ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منه ولم یعطه اجرہ** (ج) (بخاری شریف، باب اثم من باع حرا ص ۲۹۷ نمبر ۲۲۲۷ ر ابن ماجہ شریف، باب اجر الاجراء ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۲) اس حدیث میں ہے کہ منافع پورا وصول کر لیا اور اجرت نہیں دی۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ منافع وصول کرنے کے بعد اجرت واجب ہوگی۔ہاں! خود پہلے اجرت دیدے تو مستاجر کی مرضی ہے۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عقد ہوتے ہی اجرت واجب ہوگی۔

وجہ کیونکہ عقد ہو گیا تو اجیر اجرت لینے کا مستحق ہو گیا۔

حاشیہ : (ب) آپ نے فرمایا مسلمانوں کو شرطوں کی پاسداری کرنا چاہئے (ب) اجیر کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو (ج) آپ نے فرمایا اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا...ایک تیسرا آدمی جس نے اجیر کو اجرت پر لیا اور اس سے پورا نفع وصول کیا اور اس کو اجرت نہیں دی۔

علیہ[۱۱۹۱] (۳۶) ومن استجار دارا فللموجر ان یطالبہ باجرۃ کل یوم الا ان یبین وقت الاستحقاق بالعقد[۱۱۹۲](۳۷) ومن استأجر بعیرا الی مکۃ فللجمال ان یطالبہ باجرۃ

لغت المعقو دعلیہ : جس پر عقد ہوا ہو۔ معان : جمع ہے معنی کی۔

[۱۱۹۱](۳۶) کسی نے گھر اجرت پر لیا تو اجرت پر دینے والے کو حق ہے کہ اس سے ہر دن کی اجرت طلب کرے مگر یہ کہ عقد میں استحقاق کا وقت بیان کر دے۔

تشریح کسی نے کسی سے گھر اجرت پر لیا اور ماہانہ اور سالانہ اجرت طے نہیں کی تو گھر والے کو حق ہے کہ ہر دن کی اجرت طلب کرے۔ البتہ اگر ماہانہ اجرت طے ہو جائے تو مہینے میں طلب کرے گا۔ اور سالانہ اجرت طے ہو جائے تو ہر سال میں اجرت طلب کرے گا۔

وجہ ہر گھنٹے میں تو طلب نہیں کر سکتا ورنہ پریشانی ہوگی۔ البتہ ایک دن رات ایک معتد بہ وقت ہے اور اس کا نفع قابل شمار ہے جسکا نفع اجیر نے اٹھایا ہے۔ اس لئے اگر کوئی وقت ماہانہ یا سالانہ عقد میں طے نہیں ہوا ہو تو ہر دن الگ الگ اجرت طلب کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابن عباس قال اصاب نبی اللہ خصاصۃ ... فاتی بستانا لرجل من الیہود فاستقی لہ سبعۃ عشر دلوا کل دلو بتمرۃ فخیرہ الیہودی من تمرۃ سبع عشرۃ عجوۃ فجاء بہا الی نبی اللہ ﷺ** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب الرجل لیستقی کل دلو بتمرۃ ویشترط جلدۃ ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۶) اس حدیث میں ہر ایک ڈول ایک کھجور کے بدلے میں ہے۔ اس لئے ہر دن کی اجرت الگ الگ ہو سکتی ہے (۳) یوں بھی یومیہ مزدور ہر دن کی اجرت الگ الگ لیتا ہے اس لئے گھر کے کرایہ میں ہر دن کا کرایہ الگ الگ لے سکتا ہے۔

اصول ہر دن رات معتد بہ وقت ہے۔

[۱۱۹۲](۳۷) کسی نے اونٹ مکہ تک لے جانے کے لئے اجرت پر لیا تو اونٹ والے کے لئے جائز ہے کہ طلب کرے ہر منزل کی اجرت۔

تشریح کسی نے مکہ تک لے جانے کے لئے اونٹ اجرت پر لیا اور طے نہیں کیا کہ سفر ختم ہونے کے بعد اجرت لے گا یا ہر ہر منزل پر اجرت طلب کرے گا تو اونٹ والے کو حق ہے کہ ہر ہر منزل پر الگ الگ اجرت طلب کرے۔

وجہ ہر منزل معتد بہ فاصلہ ہے اور اس کی اجرت الگ الگ ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہر منزل پر الگ الگ اجرت مانگ سکتا ہے۔

نوٹ اگر عرف یہ ہے کہ سفر مکمل طے ہونے کے بعد اجرت دیتے ہیں یا سفر مکمل طے ہونے کے بعد اجرت دینا طے پایا ہے تو سفر مکمل طے ہونے کے بعد ہی اجرت مانگ سکتا ہے۔

اصول ہر منزل معتد بہ فاصلہ ہے۔

لغت الجمال : اونٹ والا۔ مرحلۃ : منزل۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور کو فاقہ کشی کی نوبت آئی... تو حضرت علی ایک یہودی کے باغ آئے اور اس کے لئے سترہ ڈول پانی کھینچا، ہر ڈول ایک کھجور کے بدلے تو یہودی نے ان کو سترہ عجوہ کھجور دیا۔ اور حضرت علی ان کو حضور کے پاس لیکر آئے۔

كل مرحلة[۱۱۹۳] (۳۸) وليس للقصار والخياط ان يطالب بالاجرة حتى يفرغ من العمل الا ان يشترط التعجيل[۱۱۹۴] (۳۹) ومن استأجر خبازا ليخبز له فى بيته قفيز دقيق بدرهم لم يستحق الاجرة حتى يخرج الخبز من التنور [۱۱۹۵](۴۰) ومن استأجر

[۱۱۹۳](۳۸) دھوبی کے لئے اور درزی کے لئے حق نہیں ہے کہ طلب کرے اجرت یہاں تک کہ فارغ ہو جائے کام سے مگر یہ کہ پیشگی شرط لگا لے۔

تشریح دھوبی اور درزی جب تک مکمل کام نہ کر دے تب تک اجرت مانگنے کا حقدار نہیں ہیں۔ ہاں! پہلے سے پیشگی اجرت لینے کی شرط لگا لے تو پیشگی اجرت لے سکتے ہیں۔

وجہ دھوبی کا کام ایسا ہے کہ جب تک کپڑا مکمل دھل نہ جائے کام مکمل نہیں ہوتا۔ درمیان میں کپڑا اور گندہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کام مکمل کرنے کے بعد ہی اجرت کا مستحق ہوگا۔ البتہ پہلے سے پیشگی اجرت لینے کی شرط لگا لے تو متاجر کی رضامندی سے ایسا کر سکتے ہیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کام معتد بہ ہونے سے پہلے اجرت لینا چاہے تو اجرت کا مستحق نہیں ہے۔

[۱۱۹۴](۳۹) کسی نے اجرت پر لیا روٹی پکانے والے کو تا کہ اس کے لئے اس کے گھر میں روٹی پکائے ایک قفیز آٹے کی ایک درہم میں تو اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ روٹی تنور سے نکال دے۔

تشریح روٹی پکانے والے کو گھر میں روٹی پکانے کے لئے اجرت پر لیا اور اجرت یہ طے ہوئی کہ ایک قفیز آٹے کی روٹی ایک درہم میں پکا کر دے گا۔ تو روٹی تنور سے نکال کر دے گا تب اجرت کا مستحق ہوگا۔

وجہ تنور سے نکالنے سے پہلے وہ گوندھا ہوا آٹا ہے روٹی نہیں ہے۔ پکا کر تنور سے نکالنے کے بعد روٹی بنے گی اس لئے تنور سے نکالنے سے پہلے اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

اصول روٹی میں تنور سے نکالنے سے پہلے معتد بہ نفع نہیں ہے اس لئے اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

لغت خبز : روٹی۔ دقیق : آٹا۔ تنور : چولھا۔

[۱۱۹۵](۴۰) کسی نے باورچی اجرت پر لیا تا کہ اس کے لئے ولیمہ کا کھانا پکائے تو پیالے میں ڈالنا بھی اسی پر ہے۔

تشریح باورچی کو ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے اجرت پر لیا تو کھانا پکانے کے بعد کھانا تھالی میں ڈالنا بھی باورچی کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے تھالی میں ڈالنا بھی باورچی کا کام ہوگا۔ تھالی میں ڈالنا مصنف کے معاشرے میں تھا اور وہاں کا عرف تھا اس لئے مصنف نے اپنے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا۔

نوٹ جہاں کوئی عرف نہ ہو وہاں کھانا پکا دینے سے باورچی کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کام تمام ہونے میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔

طباخا لیطبخ له طعاما للولیمة فالغرف علیه[١١٩٦] (٤١) ومن استأجر رجلا لیضرب له لبنـا استحق الاجرة اذا اقامه عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی لا یستـحـقهـا حتی یشرجه[١١٩٧] (٤٢) واذا قال للخیاط ان خطت هذا الثوب فارسیا فبـدرهـم وان خـطتـه رومیـا فبـدرهـمیـن جاز وای الـعملین عمل استحق الاجرة[١١٩٨] (٤٣)وان قـال ان خـطتـه الیـوم فبدرهم وان خطته غدا فبنصف درهم فان خاطه الیوم فله

لغت الغرف : چمچی ڈالکر کھانا نکالنا۔

[١١٩٦](٤١) کسی نے آدمی اجرت پر لیا تا کہ اس کے لئے اینٹ بنائے تو اجرت کا مستحق ہوگا جب ان کو کھڑی کردے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں مستحق ہوگا اجرت کا یہاں تک کہ اس کا چٹا لگا دے۔

تشریح اینٹ بنانے کے لئے آدمی کو اجرت پر لیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ اینٹ سکھا لینے کے بعد جب اینٹ کھڑی کردے تو اس کا کام پورا ہوگیا اب وہ اجرت کا مستحق ہے۔

وجہ اس لئے کہ اینٹ کھڑی کردی تو اب وہ قابل انتفاع ہوگئی اس لئے اب وہ اجرت کا مستحق ہوگیا۔اس سے زیادہ کام مثلا اینٹ کو تہ بتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا یہ زیادہ کام ہے اینٹ بنانے والے کی ذمہ داری نہیں ہے۔صاحبین فرماتے ہیں کہ عام عرف میں اینٹ کو تہ بتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا بھی شامل ہے۔اس کے بغیر اینٹ بنانے والے کی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔اس لئے تہ بتہ لگانے کے بعد اجرت کا مستحق ہوگا۔

لغت یشرج : اینٹ کو تہبتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا۔ لبن : کچی اینٹ۔

[١١٩٧](٤٢) اگر درزی سے کہا اگر اس کپڑے کو فارسی طرز پر سیئے تو ایک درہم اور اگر اس کو رومی طرز پر سیئے تو دو درہم تو جائز ہے اور جونسا بھی عمل کرے گا اس اجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اجرت کے لئے دو الگ الگ انداز اختیار کئے اور دونوں انداز کے لئے الگ الگ اجرت متعین کی تو جس انداز سے عمل کرے گا اس انداز کی اجرت ملے گی اور ایسا کرنا جائز ہے۔مثلا کہا کہ اس کپڑے کو فارسی طرز کا جبہ سیئے گا تو ایک درہم اس کی اجرت ہوگی اور رومی طرز کا جبہ سیئے گا تو دو درہم اجرت ہوگی۔تو اس طرح اجرت اور عمل طے کرنا جائز ہے۔اس لئے فارسی طرز کا سیئے گا تو ایک درہم اور رومی طرز کا سیئے گا تو دو درہم اجرت ملے گی۔

وجہ چونکہ دونوں کام الگ الگ ہین اور دونوں کے لئے الگ الگ اجرت متعین ہیں اور کوئی جہالت نہیں ہے اس لئے اجارہ درست ہے (٢) حدیث گزر چکی ہے **المسلمون عند شروطهم**۔

[١١٩٨](٤٣) اور اگر کہا کہ اگر اس کو سیئے گا آج تو ایک درہم ہے اور اگر سیئے گا کل تو آدھا درہم ہے۔پس اگر سیا آج تو اس کے لئے ایک

درھم وان خاطه غدا فله اجرة مثله عند ابی حنیفة رحمه الله ولا یتجاوز به نصف درھم وقال ابو یوسف و محمد رحمھما الله الشرطان جائزان وایھما عمل استحق الاجرة [١١٩٩](٤٤)وان قال ان سکنت فی ھذا الدکان عطارا فبدرھم فی الشھر وان سکنته حدادا فبدرھمین جاز وای الامرین فعل استحق المسمی فیه عند ابی حنیفة رحمه الله

درہم اور اگر سیا کل تو اس کے لئے اجرت مثل ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور نہیں تجاوز کرے گی آدھے درہم سے۔اور کہا صاحبین نے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور جانسا عمل کرے گا اس اجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح کسی نے اجیر سے کہا کہ آج کپڑا سیو گے تو ایک درہم اجرت ہوگی اور کل سیو گے تو آدھا درہم اجرت ہوگی۔تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ آج سیئے گا تو ایک درہم ہوگی اور کل سیئے گا تو آدھا درہم نہیں ہوگی بلکہ بازار میں اس کپڑے کو سینے کی جو اجرت ہوسکتی ہے وہ اجرت ملے گی۔البتہ وہ بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آج سیو گے تو ایک درہم یہ جلدی کرنے کے لئے ہے اس لئے اجارہ درست ہوگیا اور آج سیئے گا تو ایک درہم ملے گا۔لیکن اگر کہا کہ کل سیئے گا تو آدھا درہم اجرت ہوگی یہ تعلیق کے لئے ہے اور اجارہ معلق ہوجائے تو بات طے نہیں ہوتی اس لئے اجارہ فاسد ہو گیا۔اور جب اجارہ فاسد ہوجائے تو قاعدہ یہ ہے کہ بازار میں جو اجرت ہوسکتی ہے وہ ملتی ہے اس لئے بازار کی اجرت ملے گی۔لیکن کل سینے پر دونوں کے درمیان آدھا درہم طے ہے اس لئے بازار کی اجرت بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ آج کی شرط لگائے یا کل کی دونوں شرطیں درست ہیں اس لئے دونوں اجارے درست ہیں۔اس لئے جو عمل کرے گا شرط کے مطابق وہ اجرت ملے گی۔یعنی اگر آج سیئے گا تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے گا تو آدھا درہم ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آج یا کل دونوں میں سے جس شرط پر بھی بات طے ہوجائے وہ شرط جائز ہے اور اجارہ درست ہے۔اور اس کے مطابق عمل کرنے سے اس کو اجرت ملے گی۔

[١١٩٩](٤٤)اگر کہا کہ اگر اس دوکان میں عطر بیچنے والے کو ٹھہرائیں گے تو مہینے میں ایک درہم ہوگا اور اگر اس میں لوہار ٹھہرائیں گے تو دو درہم تو جائز ہے۔اور دونوں معاملوں میں سے جو بھی کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔اور صاحبین نے فرمایا یہ اجارہ فاسد ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کو دوکان اجرت پر دی اور یوں کہا اگر اس دوکان میں عطر فروشی کا کام کروائیں گے تو مہینے کا ایک درہم اجرت ہوگی۔اور اگر اس دوکان میں لوہاری کا کام کروائیں گے جو گندہ کام ہے تو مہینے کے دو درہم اجرت ہوگی۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اجارے درست ہیں۔اس لئے اگر عطر کا کام کروایا تو مہینے میں ایک درہم اور لوہاری کا کام کروایا تو مہینے میں دو درہم اجرت ملے گی۔

وجہ اس صورت میں اجارہ کو معلق کرنا نہیں ہے بلکہ دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دینا ہے۔اور چونکہ دونوں کی الگ الگ اجرتیں واضح ہیں

وقالا رحمهما الله الاجارة فاسدة[۱۲۰۰] (۴۵) ومن استأجر دارا کل شهر بدرهم فالعقد صحیح فی شهر واحد وفاسد فی بقیة الشهور الا ان یسمی جملة الشهور معلومة

اس لئے اجارہ درست ہوگا۔اور جو کام کرے گا اس قسم کی اجرت ملے گی۔باقی کیا کام کرے گا اس کا تعین کام شروع کرتے وقت ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو کام الگ الگ ہوں اور ہر ایک کی اجرت معلوم ہو تو اجارہ درست ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ اجارہ کرتے وقت یہ پتہ نہیں ہے کہ کون سا کام اجیر کرے گا اس لئے کون سی اجرت لازم ہوگی،ایک درہم یا دو درہم یہ عقد اجارہ کے وقت طے نہیں ہے اس لئے اجارہ کی اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو گیا۔اس لئے اجارہ درست نہیں ہوا چاہے کام شروع کرتے وقت اس کا علم ہو جائے کہ کون سی اجرت ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عقد اجارہ طے کرتے وقت اجرت کا علم نہ ہو تو اجارہ فاسد ہوگا۔

لغت عطار : عطر بیچنے والا۔ حداد : لوہاری کا کام کرنے والا۔

[۱۲۰۰](۴۵) کسی نے گھر کرایہ پر لیا ہر ماہ ایک درہم کے بدلے تو عقد صحیح ہے ایک مہینے میں اور فاسد ہوگا باقی مہینوں میں مگر یہ کہ تمام معلوم مہینے متعین کر دیئے جائیں۔

تشریح کسی نے گھر کرایہ پر لیا اور یوں کہا کہ ہر ماہ ایک درہم کے بدلے اجرت دوں گا۔تو ایک ہی مہینے کا اجارہ ہوا اگلے مہینے کا اجارہ نہیں ہوا۔گھر والا اگلے مہینے اجرت پر دینے سے انکار کر دے تو کر سکتا ہے۔اسی طرح کرایہ دار اگلے مہینے اجرت پر لینے سے انکار کر دے تو کر سکتا ہے۔البتہ اگلے مہینہ بھی رہنا شروع کر دے اور گھر والا کچھ نہ کہے تو یہ از سر نو اجارہ ہوا جو معروف طریقے پر گویا کہ اشارے اشارے میں بیع تعاطی کے طور پر ہو گیا۔اور اسی طرح جتنے مہینے بغیر انکار کے رہتے رہیں گے ہر ماہ نیا اجارہ ہوتا چلا جائے گا۔اور جس دن گھر والا یا کرایہ دار اجرت دینے یا لینے سے انکار کر دے اسی دن اگلا اجارہ ختم ہو جائے گا۔ہاں! تمام مہینے متعین کر دے تو جتنے مہینے متعین کرے گا اتنے مہینے کی اجرت ہوگی۔مثلا دو سال طے کیا تو دو سال کا اجارہ ہوگا۔

وجہ تمام مہینوں کو طے نہیں کیا تو کتنے مہینے کا اجارہ ہوگا یہ مجہول ہے۔لیکن چونکہ ہر مہینہ ایک درہم کا بول چکا ہے اس لئے اقل درجہ ایک مہینہ کا اجارہ ہو جائے گا(۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**عن الثوری فی رجل یکتری من رجل الی مکة ویضمن له الکری نفقته الی ان یبلغ قال لا الا ان یوقت ایاما معلومة وکیلا معلوما من الطعام یعطیه ایاه کل یوم** (الف)(مصنف عبد الرزاق،باب الرجل یکتری علی الشیء المجهول وهل یجوز الکراء اویأ خذ مثله منه؟ ج ثامن ص ۲۱۴ نمبر ۱۴۹۳۸)اس اثر میں ہے کہ تمام دن متعین کر لئے جائیں اور ان کے تمام کرائے متعین نہ کر لئے جائیں تب تک اجارہ صحیح نہیں ہے(۳) حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی مکمل مقدار معلوم نہ ہو تو اس کے بیچنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح تمام مہینے معلوم نہ ہوں تو ان کا اجارہ درست نہیں ہوگا حدیث میں ہے۔ **سمعت جابر بن عبد الله نهی**

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی سے مکہ تک کرایہ کے لئے لے اور مکہ تک پہنچنے تک اجیر کے نفقے کا ضامن ہو تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ دن متعین کرے اور کھانے کا کیل معلوم ہو جو ہر دن دیگا۔

[۱۲۰۱](۴۶) فان سکن ساعة من الشهر الثانی صح العقد فیه فلزمه ولم یکن للمؤجر ان یخرجه الی ان ینقضی الشهر المستأجر [۱۲۰۲](۴۷) وکذلک حکم کل شهر یسکن فی اوله یوما او ساعة.

رسول الله ﷺ عن بیع الصبرة من التمر لا یعلم مکیلها بالکیل المسمی من التمر (الف)(مسلم شریف، باب تحریم بیع صبرة التمر المجهولة القدر بتمر ج ثانی ص ۶ نمبر ۱۵۳۰) اس حدیث میں ہے کہ ڈھیر کی تمام مقدار معلوم نہ ہو تو بیچنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی قیمت بھی مجہول ہوگی۔ اسی طرح تمام مہینے معلوم نہیں ہوں تو ان کا اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔

[۱۲۰۱](۴۶) پس اگر اگلے مہینے میں ایک گھڑی ٹھہر گیا تو اس میں عقد صحیح ہو جائے گا اور اس کو اجرت لازم ہوگی۔ اور اجرت پر دینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اجیر کو نکالے یہاں تک کہ اجرت پر لیا ہوا مہینہ ختم ہو جائے۔

تشریح ایک ماہ پورا ہونے کے بعد دوسرے مہینے میں ایک گھڑی اس گھر میں ٹھہر گیا اور گھر والا کچھ نہیں بولا تو یوں سمجھا جائے گا کہ بیع تعاطی کی طرح اشاروں اشاروں میں ہی اگلے ماہ کا اجارہ ہو گیا۔ گویا کہ دینے والا بھی اس اجرت پر راضی ہے اور لینے والا بھی اس اجرت پر راضی ہے تب ہی تو لینے والا اگلے ماہ میں بھی اس گھر میں ٹھہرا رہا۔ اس لئے اجارہ درست ہوا۔ اور اس پورے مہینے میں گھر والا کرایہ دار کو نہیں نکال سکتا۔

وجہ اثر میں ہے۔ واکتری الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بکم؟ قال بدانقین فرکبه ثم جاء مرة اخری فقال الحمار الحمار فرکبه ولم یشارطه فبعث الیه بنصف درهم (ب)(بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینهم فی البیوع والاجارة ص ۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اس اثر میں پہلی مرتبہ تو دو دانق گدھے کی اجرت طے کی لیکن دوسری مرتبہ آدھا درہم اجرت طے نہیں کی بلکہ حضرت حسن نے اجرت دیدی اور عبد اللہ بن مرداس نے لے لی اور گویا کہ اشارے اشارے میں اجرت طے ہو گئی۔ اسی طرح جب دوسرے مہینے میں کرایہ دار رہ گیا اور گھر والے نے کچھ نہیں کہا تو اشارے اشارے میں اجرت طے ہوگئی۔ اس لئے اس پورے مہینے میں کرایہ دار کو گھر سے نہیں نکال سکتا۔

اصول بیع تعاطی کی طرح اشارے اشارے میں اجرت بھی طے ہوتی ہے۔

لغت الموجر : اجرت پر دینے والا۔ المستاجر : اجرت پر دیا ہوا گھر۔

[۱۲۰۲](۴۷) اور ایسے ہی حکم ہے ہر مہینے کا کہ ٹھہر جائے اس کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی۔

تشریح اگلے ہر ماہ میں جب مہینے کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی ٹھہر جائے تو گھر والے کی رضامندی سمجھی جائے گی اور اشارے اشارے میں اگلے مہینے کی اجرت طے ہو جائے گی۔ حدیث اور وجہ گزر گئے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے کھجور کے اس ڈھیر سے بیچنے سے منع فرمایا جس کا متعین کیل معلوم نہ ہو۔ (ب) حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا اور پوچھا کتنا کرایہ ہے؟ کہا دو دانق پس اس پر سوار ہوئے پھر دوسری مرتبہ آئے اور کہا گدھا چاہئے۔ پس اس پر سوار ہوئے اور کرائے کی شرط نہیں کی پھر اس کو آدھا درہم بھیج دیا۔

[۱۲۰۳](۴۸) واذا استأجر دارا شهرا بدرهم فسکن شهرین فعلیه اجرة الشهر الاول ولا شیء علیه من الشهر الثانی[۱۲۰۴](۴۹) واذا استأجر درا سنة بعشرة دراهم جاز و ان لم یسم قسط کل شهر من الاجرة.

[۱۲۰۳](۴۸) اگر ایک گھر کو ایک مہینے کے لئے اجرت پر لیا ایک درہم کے بدلے، پھر اس میں دو مہینے ٹھہرا تو اجیر پر پہلے مہینے کی اجرت ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں ہے دوسرے مہینے کی۔

تشریح ایک گھر صرف ایک ماہ کے لئے ایک درہم کے بدلے اجرت پر لیا اور دو مہینے رہ گیا تو ایک ہی مہینے کی اجرت لازم ہوگی، دوسرے مہینے کی اجرت لازم نہیں ہوگی۔

وجہ جب صرف ایک مہینے کی اجرت طے ہوئی تو ایک مہینے کے بعد اجارہ ختم ہو گیا۔ اب جو کرایہ دار رہا وہ اجرت کے طور پر نہیں بلکہ عاریت کے طور پر رہا ہے اور مالک کی جانب سے اجازت کی وجہ سے مفت رہا اس لئے دوسرے مہینے کی اجرت اس پر لازم نہیں ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدت اجرت ختم ہونے کے بعد کرایہ دار جو کچھ استعمال کرے گا وہ عاریت کے طور گو اجرت کے طور پر نہیں۔ کیونکہ اجارہ تو مستقل طور پر طے کرنے کے بعد منعقد ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

نوٹ یہ اس صورت میں ہے جب مدت اجرت طے ہو چکی ہو۔ لیکن مدت اجرت طے نہ ہوئی ہو تو مسئلہ نمبر ۴۶ کی طرح ہر ماہ کے شروع میں اشارے اشارے میں اجارہ منعقد ہوتا رہے گا۔ اور ہر ماہ کی اجرت لازم ہوتی رہے گی۔

نوٹ اس عاریت کی صورت میں بھی اجیر کو دوسرے مہینے کی اجرت اپنی خوشی سے پیش کر دینا چاہئے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان.

[۱۲۰۴](۴۹) اگر اجرت پر لیا ایک گھر ایک سال کے لئے دس درہم میں تو جائز ہے اگر چہ نہ متعین کی ہو ہر مہینے کی قسط اجرت میں۔

تشریح ایک آدمی نے پورے ایک سال کے لئے دس درہم میں گھر کرائے پر لیا اور ہر ماہ میں کتنے پیسے ہونگے یہ بیان نہیں کیا تو جائز ہے۔

وجہ کیونکہ پوری مدت متعین ہوگئی اور پوری اجرت بھی متعین ہوگئی اور کوئی جہالت نہیں رہی اس لئے جائز ہے۔ اگر چی ہر دن یا ہر مہینہ کی قسط متعین نہ کی ہو۔ کیونکہ کل مدت متعین ہونے کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اور کسی کو معلوم کرنا ہو تو حساب کر کے ہر ماہ کی قسط معلوم کرے کہ ہر ماہ میں تیراسی پیسے ہوں گے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سالانہ اجرت متعین ہو جائے تو ماہانہ قسط کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اجارہ جائز ہوگا۔ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ ان اسید بن حضیر مات وعلیہ دین فباع عمر ثمرة ارضہ سنتین (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۸۵ فی الرجل یبیع الثمرة بالسنتین والثلاث، ج خامس، ص ۱۳، نمبر ۲۳۲۵۰) اس اثر میں دو سال کے لئے پھل بیچا اور ہر مہینے کی قسط متعین نہیں کی۔

لغت قسط : ہر ماہ اجرت دینے کا تخمینہ اور حصہ۔

حاشیہ : (الف) حضرت اسید بن حضیر کا انتقال ہوا اور ان پر قرض تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کی زمین کے پھل دو سال کے لئے بیچ دیا۔

[۱۲۰۵] (۵۰) ویجوز اخذ اجرة الحمام والحجام[۱۲۰٦] (۵۱) ولا یجوز اخذ اجرة

[۱۲۰۵] (۵۰) جائز ہے حمام اور پچھنا لگانے کی اجرت لینا۔

تشریح یورپ میں حمام یعنی مخصوص قسم کا غسل خانہ اور سویمنگ پول ہوتا ہے۔ جس میں کچھ لوگ ننگے نہاتے ہیں لیکن اجرت متعین ہے اور پردہ کے ساتھ نہانا ممکن ہے اس لئے اس کی اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ (۱) چونکہ بدن ڈھانک کر نہانا ممکن ہے اس لئے نہانے کی اجرت دینا بھی جائز ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله تفتح لكم ارض الاعاجم وستجدون فيها بيوتا يقال لها الحمامات فلا يدخلنها الرجال الا بالازار وامنعوها النساء يدخلها الا مريضة او نفساء (الف) (ابوداؤد شریف، باب الدخول فی الحمام ص ۲۰۰ نمبر ۴۰۱۱ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی دخول الحمام ج ثانی ص ۱۰۷ نمبر ۲۸۰۱ / ابن ماجہ شریف، باب دخول الحمام ص ۵۳٦ نمبر ۳۷۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد لنگی پہن کر حمام میں داخل ہو سکتے ہیں، تو پھر اجرت لینے اور دینے کی گنجائش بھی ہوگی۔

اور پچھنا لگانے کی اجرت لے سکتا ہے اس کے لئے یہ حدیث موجود ہے۔ عن ابن عباس قال احتجم النبی ﷺ واعطی الحجام اجره (ب) (بخاری شریف، باب خراج الحجام ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۸ / مسلم شریف، باب حل اجرة الحجام ص ۲۲ نمبر ۱۲۰۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے خود پچھنا لگوایا اور اس کی اجرت بھی دی اس لئے پچھنے کی اجرت لینا اور دینا جائز ہے۔

نوٹ البتہ چونکہ اس سے خون منہ میں جاتا ہے اس لئے یہ کام اتنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے بعض حدیث میں آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ حدیث یوں ہے۔ عن رافع بن خدیج ان رسول الله ﷺ قال کسب الحجام خبیث (ابوداؤد شریف، باب کسب الحجام ص نمبر ۳۴۲۱)

[۱۲۰٦] (۵۱) اور نہیں جائز ہے نر کو مادہ پر کودانے کی اجرت لینا۔

تشریح سانڈ کو مادہ سے جفتی کروانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں اس کی اجرت لینے سے منع فرمایا ہے۔ عن ابن عمر قال نهی النبی ﷺ عن عسب الفحل (ج) (بخاری شریف، باب عسب الفحل ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۴ / مسلم شریف، باب تحریم بیع فضل الماء...وتحریم بیع ضراب الفحل ص ۸۱ نمبر ۱۵٦۵ / ابوداؤد شریف، باب فی عسب الفحل ص ۱۳۰ نمبر ۳۴۲۹) اس حدیث میں جفتی کرانے کی اجرت لینے سے منع فرمایا ہے (۲) جفتی سے حمل ٹھہرے گا یا نہیں کوئی یقینی نہیں ہے۔ اس لئے نفع ہونا کوئی یقینی نہیں ہوا اس لئے بھی نفع مجہول رہا اس لئے بھی اجرت لینا جائز نہیں (۳) جفتی کی اجرت معاشرے کے اعتبار سے بھی ناپسندیدہ ہے۔

نوٹ اونٹ والے کو عزت واحترام کے لئے کچھ دیدے تو اس کی گنجائش ہے۔ حدیث میں ہے عن انس بن مالک ان رجلا من

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تمہارے لئے عجمیوں کی زمین فتح ہوگی اور تم اس میں گھر پاؤ گے جن کو حمام کہتے ہیں۔ مرد ان میں نہ داخل ہوں مگر ازار کے ساتھ۔ اور عورتوں کو ان میں داخل ہونے سے روکو مگر کوئی مریض نفاس والی ہو تو علاج کے لئے داخل ہو سکتی ہے (ب) آپؐ نے پچھنا لگوایا اور پچھنا لگانے والے کو اس کی اجرت دی (ج) حضورؐ نے سانڈ کودانے کی اجرت سے منع فرمایا۔

عسب التیس [۱۲۰۷](۵۲) ولا یجوز الاستیجار علی الاذان والاقامة وتعلیم القرآن

کلاب سأل رسول اللہ ﷺ عن عسب الفحل فنهاه فقال یا رسول الله انا نطرق الفحل فنکرم فرخص له فی الکرامة (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ عسب الفحل ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۷۴ رنسائی شریف، نمبر ۴۶۷۲) اس حدیث میں اونٹ والے کی عزت کرنے کے لئے کچھ دینے کی گنجائش دی ہے۔ البتہ اجرت کے طور پر دینا ممنوع ہے۔

لغت عسب التیس : نر کا مادہ پر چڑھنا۔

[۱۲۰۷](۵۲) نہیں جائز ہے اجرت لینا اذان اور اقامت پر اور قرآن کی تعلیم دینے پر اور حج کرنے پر۔

تشریح اذان دیکر اجرت لے، نماز کی تکبیر کہہ کر اجرت لے، قرآن کی تعلیم دے کر اجرت لے اور حج کر کے اجرت لے یہ جائز نہیں ہیں مکروہ ہیں۔

وجہ حدیث میں ہے۔ عن عبادة بن صامت قال علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والکتاب فاهدی الی رجل منهم قوسا فقلت لیست بمال وارمی علیها فی سبیل الله لآتین رسول الله ﷺ فلأسألنه فاتیته فقلت یا رسول الله رجل اهدی الی قوسا ممن کنت اعلمه الکتاب والقرآن ولیست بمال وارمی عنها فی سبیل الله تعالی قال ان کنت تحب ان تطوق طوقا من النار فاقبلها (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی کسب المعلم ج ثانی ص ۱۲۸ نمبر ۳۴۱۶ رابن ماجہ شریف، باب الاجر علی تعلیم القرآن ص ۳۱۰ نمبر ۲۱۵۷) اس حدیث میں راوی نے قرآن پڑھانے کے بدلے کمان لیا تھا تو آپ نے فرمایا قرآن پڑھانے پر اجرت لینا آگ کا طوق پہننا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور اذان پر اجرت نہ لینے کی حدیث یہ ہے۔ ان عثمان بن ابی العاص قلت یا رسول الله ﷺ اجعلنی امام قومی قال انت امامهم واقتد باضعفهم واتخذ موذنا لا یأخذ علی اذانه اجرا (ج) (ابوداؤد شریف، باب اخذ الاجر علی التاذین ص ۸۶ نمبر ۵۳۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ان یاخذ المؤذن علی الاذان اجرا ص ۵۱ نمبر ۲۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور اسی پر تکبیر اور حج کو بھی قیاس کر لیں کہ ان پر اجرت لینا بھی جائز نہیں ہے۔

اصول جو عبادت خود انسان پر ضروری ہے اس کے کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

فائدہ بعد کے علماء نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی گنجائش دی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے سانڈ کودانے کی اجرت کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے منع فرمایا۔ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! ہم لوگ سانڈ کوداتے ہیں پھر سانڈ والے کی عزت کے طور پر کچھ دیتے ہیں تو عزت کے طور پر دینے کے بارے میں رخصت دی (ب) عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ میں سے کچھ لوگوں کو قرآن اور کتاب اللہ سکھایا تو مجھے ان لوگوں میں سے ایک نے کمان ہدیہ دیا۔ میں نے کہا یہ مال نہیں ہے اس سے اللہ کے راستہ میں تیر پھینکوں گا۔ چلو حضورؐ سے پوچھ لوں۔ میں آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ! ایک آدمی نے مجھے کمان ہدیہ دیا ہے جس کو میں کتاب اللہ اور قرآن سکھایا کرتا تھا اور مال نہیں ہے۔ اللہ کے راستہ میں تیر پھینکا کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر پسند کرتے ہو کہ آگ کا طوق ڈالا جائے تو قبول کر لو (ج) میں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے قوم کا امام بنا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا آپ ان کے امام ہیں۔ اور کمزوروں کی رعایت کر کے چلنا۔ اور ایسا مؤذن منتخب کرو جو اذان پر اجرت نہ لے۔

والحج [۱۲۰۸](۵۳) ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح.

وجہ (۱) پچھلے زمانے میں بیت المال سے معلمین کو وظیفہ ملتا تھا جس کی وجہ سے وہ مفت تعلیم دیتے تھے۔لیکن اس زمانے میں ایسا نہیں ہے۔اب اگر اجرت نہ لے تو معلم اپنی اواولاد کی کفالت کیسے کریں گے؟اور تعلم دینا چھوڑ دے تو قرآن کی تعلیم چھوٹ جائے گی۔اور دین کی ترقی رک جائے گی اس لئے اب تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی گنجائش دی ہے(۲) حدیث میں ہے کہ تعویذ کرنے پر بکری اجرت پر لی اور تعویذ میں سورۃ فاتحہ پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ اجرت لینے کی گنجائش ہے۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن ابی سعید قال انطلق نفر من اصحاب النبی ﷺ فی سفرۃ سافروھا ... فماانا براق لکم حتی تجعلوا لنا جعلا فصالحو ھم علی قطیع من الغنم فانطلق یتفل علیہ ویقرأ الحمد للہ رب العالمین ... قال (رسول اللہ) قد اصبتم اقسموا واضربوا لی معکم سھما فضحک النبی ﷺ** (الف)(بخاری شریف،باب مایعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب ص ۳۰۴ نمبر ۲۲۷۶ رمسلم شریف، باب جواز اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ بالقرآن والاذکار ج ثانی ص ۲۲۴ نمبر ۲۲۰۱، کتاب السلام (اس حدیث میں الحمد للہ پڑھنے کے بدلے بکری اجرت پر لی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے(۳) بخاری شریف میں اسی باب میں یہ اثر نقل کیا ہے۔**وقال ابن عباس عن النبی ﷺ احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ، وقال الحکم لم اسمع احدا کرہ اجر المعلم ،واعطی الحسن دراھم عشرۃ** (ب)(بخاری شریف،باب مایعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب،ص ۳۰۴،نمبر ۲۲۷۶ ردار قطنی ،کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۵ نمبر ۳۰۱۹ رسنن للبیھقی ،باب اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن والرقیۃ بہ، ج سادس ،ص ۲۰۵،نمبر ۱۱۶۷۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۰ فی اجر المعلم ،ج رابع ،ص ۳۴۶،نمبر ۲۰۸۳۱)اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔اور آج کل اسی پر فتوی ہے۔کیونکہ اس اثر میں ہے کہ زیادہ حقدار اجرت کا کتاب اللہ ہے۔اور حکم سے مروی ہے کہ کوئی معلم کی اجرت لینا مکروہ سمجھتا ہوا ایسا نہیں سنا۔

[۱۲۰۸](۵۳)اور نہیں جائز ہے اجرت لینا گانے اور نوحہ کرنے پر۔

وجہ (۱) نوحہ کرنا اور گانا گانا حرام ہے اس لئے ان کی اجرت بھی جائز نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے۔**عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیۃ** (بخاری شریف،باب ما ینھی من الویل ودعوی الجاہلیۃ عند المصیبۃ ص ۱۷۳ نمبر ۱۲۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوحہ کرنا ممنوع ہے تو اس کی اجرت لینا بھی جائز نہیں (۳) اثر میں ہے۔**عن ابی قاسم عن ابراھیم اہ کرہ اجر النواحۃ والمغنیۃ** (ج)(مصنف عبد الرزاق،باب الاجر علی تعلیم الغلمان وقسمۃ الاحوال ج ثامن ص ۱۱۶ نمبر ۱۴۵۴۰)اس اثر میں ہے کہ حضرت ابراہیم نوحہ اور گانا گانے کی اجرت کو مکروہ سمجھتے تھے(۴) **ومن الناس من یشتری لھو**

حاشیہ : (الف)ابوسعید فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے کچھ صحابی سفر میں گئے ...صحابی نے فرمایا تمہارے لئے کچھ جھاڑ پھونک کرنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ ہمارے لئے کچھ اجرت متعین کرو۔تو گاؤں والوں نے صلح کیا بکری کے ریوڑ پر۔پس صحابی مریض پر پھونکتے رہے اور الحمد للہ پڑھتے رہے...آپؐ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا اور تمہارے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ اور حضورؐ ہنسے(ب) آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ حقدار جس پر تم اجرت لو وہ کتاب اللہ ہے۔حضرت حکم نے فرمایا معلم کی اجرت مکروہ سمجھے ایسا کسی سے نہیں سنا۔اور حضرت حسن نے دس درہم ماہانہ معلم کو اجرت دی(ج حضرت ابراہیم نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی اجرت مکروہ سمجھتے تھے۔

[۱۲۰۹](۵۴) ولا یجوز اجارة المشاع عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله اجارة المشاع جائزة [۱۲۱۰](۵۵) و یجوز استیجار الظرء باجرة معلومة.

الحدیث (آیت ۶ سورہ لقمان ۳۱)اس آیت کی تفسیر ہے گانے کو خریدنا، جس سے معلوم ہوا کہ گانے کی اجرت دینا جائز نہیں ہے۔

اصول کھیل کود اور حرام کاموں کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

لغت الغنا : گانا گانا۔ النوح : زور زور سے چلا کر بلا وجہ رونا۔

[۱۲۰۹](۵۴)نہیں جائز ہے مشترک چیز کا اجرت پر رکھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے۔

تشریح مثلا زید اور عمر کے درمیان ایک گھر مشترک ہے حصہ نہیں ہوا ہے۔ اب صرف زید اپنے حصے کو اجرت پر رکھنا چاہتا ہے اور عمر نہیں رکھنا چاہتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ عمر کا حصہ جب ساتھ ہی ہے تو زید مکمل طور پر اجیر کو اپنا گھر سپرد نہیں کر سکے گا۔ جس کی وجہ سے اجیر فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ اس لئے مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور باری باری گھر سپرد کرنے سے مکمل سپرد کرنا نہیں ہوگا۔

اصول امام ابوحنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ مشترک چیز کو مکمل سپرد کرنا ممکن نہیں اس لئے اس کا اجارہ درست نہیں۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

وجہ عمر کا حصہ بھی نفع کی چیز ہے اس لئے نفع کی چیز اجرت پر رکھ سکتا ہے (۲) جب جب زید کی باری آئے گی اس وقت اجیر کے سپرد کرے گا اور اجارہ کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس لئے مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

نوٹ اگر دونوں شریک ملکر اجرت پر رکھے تو جائز ہے۔ کیونکہ اب اجیر کو مکمل حوالہ کرنا ممکن ہے۔

اصول صاحبین کا نظریہ یہ ہے کہ مشترک چیز کسی نہ کسی انداز سے اجیر کو حوالہ کر سکتا ہے اس لئے اس کا اجارہ درست ہے۔

[۱۲۱۰](۵۵)جائز ہے دودھ پلانے والی کو اجرت پر لینا اجرت معلومہ کے ساتھ۔

تشریح دودھ پلانے کے لئے عورت کو اجرت پر لے اور متعین اجرت دے تو جائز ہے۔ اصل میں اشکال یہ ہے کہ ہر روز کتنا دودھ بچہ پیئے گا یہ معلوم نہیں ہے اس لئے منافع مجہول ہے۔ اس لئے اجرت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس لئے ماتنؒ نے فرمایا اجرت صحیح ہے۔

وجہ آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ فان ارضعن لکم فأتوھن اجورھن (الف)(آیت ۶ سورۃ الطلاق ۶۵)اس آیت میں ہے کہ اگر عورت نے بچے کو دودھ پلایا تو اس کو اس کی اجرت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی کو اس کی اجرت دینا جائز ہے (۲) حضور کو حضرت سعدیہ نے اجرت کے بدلے دودھ پلایا تھا۔

لغت الظرء : دودھ پلانے کی اجرت۔

حاشیہ : (الف) اگر انہوں نے تمہارے لئے دودھ پلایا تو تم ان کی اجرت دو۔

[۱۲۱۱] (۵۶) ویجوز بطعامها وکسوتها عند ابی حنیفۃ [۱۲۱۲] (۵۷) ولیس للمستأجر ان یمنع زوجها من وطئها [۱۲۱۳] (۵۸) فان حبلت کان لھم ان یفسخوا

[۱۲۱۱] (۵۶) اور جائز ہے انا کے لئے کھانے کے بدلے اور اس کے کپڑے کے بدلے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑے کے بدلے اجرت پر لے تو جائز ہے۔اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ کھانا اور کپڑا متعین چیز نہیں ہے۔کھانا کبھی کم ہوگا کبھی زیادہ تو اجرت مجہول ہوگی اس لئے کھانے اور کپڑے کے بدلے اجرت لینا صحیح نہیں ہونا چاہئے۔

وجہ (۱) یہاں طے ہونے میں کمی بیشی ہے اس لئے معاشرے کا بالمعروف طریقہ رائج ہوگا کہ معاشرے میں جو معروف ہے وہی کھانا کپڑا دینا ہوگا۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوڑی بہت جہالت کے وقت بالمعروف طریقہ رائج ہوتا ہے۔اور تعامل ناس کی وجہ سے جائز قرار دے دیتے ہیں (۲) دیہات میں درہم و دنانیر کی کمی ہوتی ہے اس لئے وہاں کھانے اور کپڑے ہی کا رواج ہوتا ہے اس لئے اسی پر فیصلہ کیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کھانے اور کپڑے پر بکری چرایا کرتے تھے۔سمعت ابا ھریرۃ یقول نشأت یتیما وھاجرت مسکینا وکنت اجیرا لابنۃ غزوان بطعام بطنی وعقبۃ رجلی (الف) (ابن ماجہ شریف، باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۵) دوسری حدیث میں ہے۔ان موسی علیہ السلام اجر نفسہ ثمانی سنین او عشرا علی عفۃ فرجہ وطعام بطنہ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ ص ۳۵۰ نمبر ۲۴۴۴) اس حدیث میں ہے کہ کھانے پر اپنے آپ کو اجرت پر رکھا۔جس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑے پر اجرت پر رکھ سکتا ہے۔

فائدۃ صاحبین فرماتے ہیں کہ اجرت مجہول ہے اس لئے جائز نہیں۔ہاں! اجرت میں درہم مقرر کرے اور درہم کے بدلے کھانا اور کپڑا دے تو جائز ہو جائے گی۔یا کپڑے اور کھانے کی جنس، نوع اور مقدار متعین کر دے تو اجرت معلوم ہونے کی وجہ سے جائز ہوگی۔

لغت کسوۃ : کپڑا۔

[۱۲۱۲] (۵۷) اور مستاجر کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے شوہر کو وطی سے روکے۔

وجہ وطی کرنا شوہر کا حق ہے اور فطری حق ہے اس لئے صرف اس لئے کہ عورت کو حمل ٹھہر جائے گا تو دودھ خراب ہوگا اس لئے شوہر کو دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ وطی کرنے سے روکے اس کی گنجائش نہیں ہے۔

[۱۲۱۳] (۵۸) پس اگر انا حاملہ ہوگئی تو مستاجر کے لئے جائز ہے کہ اجارہ فسخ کر دے اگر بچے پر انا کے دودھ سے خوف ہو۔

تشریح اگر دودھ پلانے والی عورت حاملہ ہوگئی اور اجیر کو خوف ہو گیا کہ بچہ یہ دودھ پیئے گا تو اس کی صحت خراب ہوگی تو اس کو حق ہے کہ اجارہ توڑ دے اور کسی دوسری انا کا انتظام کرے۔

وجہ نفع وصول کرنے میں خامی ہو تو اجارہ توڑ سکتا ہے۔اثر میں ہے کہ نفع حاصل کرنے میں پریشانی ہوتی ہو تو زمین اجرت پر رکھنے سے منع

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں یتیم ہونے کی حالت میں پرورش پایا اور مسکین ہجرت کی اور ابن غزوان کا پیٹ بھر کر کھانے کے بدلے اجیر تھا (ب) حضرت موسی علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال اجرت پر رکھا شرمگاہ کی پاکدامنی اور پیٹ بھر کھانے کے بدلے۔

الاجارة اذا خافوا علی الصبی من لبنها[۱۲۱۴] (۵۹) وعلیها ان تصلح طعام الصبی[۱۲۱۵] (۶۰) وان ارضعته فی المدة بلبن شاة فلا اجرة لها.

فرمایا۔ سألت رافع بن خدیج عن کراء الارض بالذهب والورق؟ فقال لا بأس به انما کان الناس یؤاجرون علی عهد رسول اللہ علی الماذیانات واقبال الجداول واشیاء من الزرع فیهلک هذا ویسلم هذا ویسلم هذا ویهلک هذافلم یکن للناس کراء الا هذا فلذلک زجر عنه فاما شیء معلوم مضمون فلا بأس به (الف) (مسلم شریف، باب کراء الارض بالذهب والورق ج ثانی ص ۱۱ نمبر ۳۹۵۲/۱۵۴۸) اس اثر میں ہے کہ لوگ نالی کے کنارے والے حصے کو اپنے لئے کاشتکاری کا حصہ متعین کرتے تھے۔ اس لئے آپؐ نے ایسی اجرت سے منع فرمایا۔ البتہ درہم دنانیر کے بدلے کھیتی اجرت پر لے تو جائز ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ منافع وصول کرنے میں مشکلات ہوں تو اجارہ توڑ سکتا ہے۔

[۱۲۱۴] (۵۹) انا پر لازم ہے بچے کے کھانے کو درست کرنا۔

تشریح دودھ پلانے والی انا اجرت کی وجہ سے دودھ تو پلائے گی ہی، بچے کو کھانے کی ضرورت ہوگی تو اس کا کھانا بنانا اور کھلانا انا ہی کے ذمے ہیں۔ عرف میں دودھ پلانے کے ساتھ یہ دونوں کام اجرت میں شامل ہیں۔

نوٹ یہ اس وقت ہے جب کام کی تصریح نہ ہو اور عرف میں کھانا بنانا اور کھلانا اجرت میں شامل ہوں۔ لیکن اگر کام کی تصریح ہو جائے کہ صرف دودھ پلانا اجرت میں شامل ہے۔ یا عرف میں کھانا بنانا اور کھلانا شامل نہ ہوں تو یہ دونوں کام اجرت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول کام کی تصریح نہ ہوتے وقت عرف کا اعتبار ہوگا۔ ومتعوهن علی الموسع قدره وعلی المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا علی المحسنین (ب) (آیت ۲۳۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں عرف عام کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اس طرح انا کے کام کے بارے میں بھی تصریح نہ ہوتے وقت عرف عام کا اعتبار کیا جائے گا۔

لغت تصلح : اصلاح کرنا، یہاں مراد ہے کھانا بنانا۔

[۱۲۱۵] (۶۰) اور اگر بچے کو اس مدت میں بکری کا دودھ پلایا تو انا کے لئے اجرت نہیں ہے۔

تشریح مثلا سال بھر کے لئے انا کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لیا اور انا نے اپنا دودھ پلانے کے بجائے بکری کا دودھ پلاتی رہی تو اس کو دودھ پلانے کی اجرت نہیں ملے گی۔

وجہ اجرت اپنا دودھ پلانے کی تھی بکری کا دودھ پلانے کی نہیں۔ یہ تو بچے کے والدین بھی کر سکتے تھے اس لئے اس کو دودھ پلانے کی اجرت

حاشیہ : (الف) رافع بن خدیج کو سونے اور چاندی کے بدلے زمین کو کرایہ پر لینے کے بارے میں پوچھا، فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لوگ حضورؐ کے زمانے میں اجرت پر لیتے تھے اونچی جگہ اور نالی کے کنارے اور کاشتکاری میں سے خاص حصے کی شرط پر۔ پس ہلاک ہوتا تھا یہ اور محفوظ رہتا تھا وہ، اور محفوظ رہتا تھا یہ اور ہلاک ہوتا تھا وہ۔ پس نہیں ہوتا تھا لوگوں کے لئے کرایہ مگر یہ۔ اس لئے حضورؐ نے اس سے منع فرمایا، بہر حال معلوم چیز کے بدلے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) فائدہ دو عورتوں کو مالدار پر اس کے مناسب اور غریب پر اس کے مناسب فائدہ اٹھانے دینا ہے معروف طریقے پر، یہ حق ہے اچھے کام کرنے والوں پر۔

[١٢١٦] (٦١) وكل صانع لعمله اثر فى العين كالقصار والصباغ فله ان يحبس العين بعد الفراغ من عمله حتى يستوفى الاجرة [١٢١٧] (٦٢) ومن ليس لعمله اثر فى العين فليس له ان يحبس العين للاجرة كالحمال والملاح[١٢١٨] (٦٣) واذا اشترط على

نہیں ملے گی۔البتہ جو خدمت کی ہے اس کی اجرت مل جائے گی۔

اصول شرط کی مخالفت کرے تو اجرت نہیں ملے گی۔حدیث میں ہے المسلمون عند شروطھم (الف) (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۴)

[۱۲۱۶] (۶۱) ہر وہ کاریگر جس کے عمل کا اثر عین میں ہو جیسے دھوبی اور رنگریز تو اس کو حق ہے کہ عین کو روک رکھے عمل سے فارغ ہونے کے بعد یہاں تک کہ اجرت لے لے۔

تشریح جن جن کاریگر کا عمل عین شی میں اثر انداز ہوتا ہو جیسے رنگریز کا عمل کہ کپڑے کو اپنے رنگ سے رنگ دیتا ہے اور کپڑا رنگین ہو جاتا ہے یا دھوبی کا عمل کہ اپنے سوڈے اور صابن سے کپڑے کو صاف کرتا ہے اور ان کے عمل کا اثر کپڑوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ایسے کاریگروں کو حق ہے کہ کام پورا کرنے کے بعد اجرت لینے کے لئے اس چیز کو اپنے پاس روک لے اور جب تک اجرت وصول نہ کرے کپڑا واپس نہ دے۔

وجہ مثلا رنگریز کا رنگ اپنا ہے، دھوبی کا صابن اور سوڈا اپنا ہے اس لئے اپنی چیز روکنے کا حق ہے۔اور چونکہ یہ چیزیں کپڑے کے ساتھ چپکی ہوئی ہیں اس لئے کپڑا ابھی روک لے گا۔تاکہ پوری اجرت وصول ہو جائے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی چیز کو روک سکتا ہے اس لئے جس چیز کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اس کو بھی روک سکتا ہے۔

[۱۲۱۷] (۶۲) اور جس کے عمل کا اثر نہیں ہے عین شی میں تو اس کے لئے حق نہیں ہے کہ کہ روکے عین شی کو اجرت کے لئے جیسے بوجھ اٹھانے والا اور ملاح۔

تشریح جس کا عمل اور نفع ایسا ہے کہ اس کے عمل کا اثر عین شی میں نہیں ہوتا۔جیسے بوجھ اٹھانے والے کے عمل کا اثر سامان میں نہیں ہوتا، وہ تو صرف سامان کو اٹھا کر ادھر سے ادھر کر دیا۔اس کے اٹھانے کا کوئی اثر سامان پر نہیں پڑتا ہے۔اس لئے وہ اپنی اجرت وصول کرنے کے لئے سامان کو اپنے پاس قانونی طور پر نہیں رکھ سکتا۔

وجہ چونکہ بوجھ اٹھانے والے کی اپنی کوئی چیز سامان کے ساتھ محبوس نہیں ہے اس لئے دوسرے کے سامان کو روکنے کا حق اس کو نہیں ہوگا۔

نوٹ اگر اجرت نہ دے تو قاضی کے پاس مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔البتہ اس دور میں چونکہ قاضی آسانی سے دستیاب نہی ہے اس لئے سامان جانے کے بعد اجرت ملنے کی امید نہ ہو تو سامان روک لے تاکہ اجرت بآسانی مل سکے۔

[۱۲۱۸] (۶۳) اگر شرط لگائی کاریگر پر یہ کہ وہ خود کرے گا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ استعمال کرے دوسرے کو۔

تشریح کام کرانے والے نے شرط لگائی کہ مثلا زید ہی اس کام کو انجام دے گا تو اب زید کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ عمر سے کام کروا کر دے

(ب) مسلمان اپنی شرطوں کے پاسبان ہیں۔

الصانع ان یعمل بنفسه فلیس له ان یستعمل غیره [۱۲۱۹](۶۴) وان اطلق له العمل فله ان یستأجر من یعمله[۱۲۲۰](۶۵) واذا اختلف الخیاط والصباغ و صاحب الثوب فقال صاحب الثوب للخیاط امرتک ان تعمله قباء وقال الخیاط قمیصا او قال صاحب الثوب

وجہ کام کرنے والے کی مہارت کا بڑا فرق پڑتا ہے۔بعض مرتبہ دوسرے کاریگر اس کو خراب کر دیتے ہیں اس لئے اگر شرط لگائی کہ فلاں آدمی کام کرے گا تو دوسرے کو اس کے لئے استعمال نہیں کر سکتا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔عن الشیبانی عن الشعبی قال ھو ضامن فیما خالف ولیس علیه کراء (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الکری یتعدی بہ ج ثامن ص۲۱۳ نمبر۱۴۹۳۱) اس اثر میں ہے کہ شرط کی مخالفت کرنے سے اجیر ضامن ہوگا۔اور حدیث پہلے گزر چکی ہے المسلمون عند شروطھم (ب) (بخاری شریف نمبر۲۲۷۴) اس لئے دوسرے سے کام نہیں کروا سکتا۔

اصول کاریگر کاریگر میں مہارت اور تجربہ کا فرق ہوتا ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

[۱۲۱۹](۶۴) اور اگر اجیر کے لئے عمل مطلق چھوڑا تو اس کے لئے جائز ہے کہ نوکر پر رکھے اس کو جو وہ کام کرے۔

تشریح اگر یوں شرط نہیں لگائی کہ مثلا زید ہی کو کام کرنا ہے تو اجیر کے لئے جائز ہے کہ کسی اور سے کام کروا کر مستاجر کو نفع سپرد کر دے۔

وجہ کسی کام کرنے والے کو خاص نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستاجر کو کام اچھا چاہئے چاہے کوئی بھی اس کام کو کر دے۔اس لئے اجیر خود بھی اس کام کو کرے تب بھی ٹھیک ہے اور دوسرں سے کروا کر دے تب بھی ٹھیک ہے۔وہ سپرد کرنے پر اجرت کا مستحق ہوگا۔

اصول صرف کام مقصود ہو تو کسی آدمی سے بھی وہ کام کروا سکتا ہے۔

لغت اطلق : مطلق چھوڑا، قید نہیں لگائی۔

[۱۲۲۰](۶۵) اگر اختلاف ہو جائے درزی اور رنگریز اور کپڑے والے کے درمیان، پس کپڑے والے نے کہا درزی سے میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کی قبا بنائیں اور درزی نے کہا کہ قمیص کا کہا تھا۔یا کپڑے والے نے رنگریز سے کہا میں آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کو سرخ رنگیں، پس آپ نے اس کو زرد رنگا تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔پس اگر قسم کھالی تو درزی ضامن ہوگا۔

تشریح درزی اور کپڑے والے میں اختلاف ہو جائے مثلا کپڑے والا کہے کہ میں نے آپ کو قبا سینے کہا تھا اور آپ نے قمیص سی دیا۔اور درزی کہے کہ آپ نے مجھے قمیص سینے کہا تھا۔اور درزی کے پاس گواہ نہیں ہے اور نہ کسی کی بات کی تصدیق کے لئے کوئی علامت یا قرینہ نہیں ہے تو کس کی بات مانی جائے؟ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔اسی طرح کپڑے والے اور رنگریز میں اختلاف ہو گیا، کپڑے والا کہتا ہے کہ سرخ رنگنے کے لئے کہا تھا لیکن تم نے زرد رنگ دیا اور رنگریز کہتا ہے کہ آپ نے زرد رنگنے کے لئے کہا تھا۔اور رنگریز کے پاس گواہ نہیں ہے اور کسی کی بات کی تصدیق کے لئے کوئی علامت نہیں ہے تو کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا اجیر ضامن ہے اگر مخالفت کی اور مستاجر پر کرایہ نہیں ہے (ب) مسلمان اپنے شرطوں کے پاسبان ہیں۔

للصباغ امرتک ان تصبغه احمر فصبغته اصفر فالقول قول صاحب الثوب مع یمینه فان حلف فالخیاط ضامن[۱۲۲۱] (۶۶)وان قال صاحب الثوب عملته لی بغیر اجرة وقال الصانع باجرة فالقول قول صاحب الثوب مع یمینه عند ابی حنیفة رحمه الله.

جائیگی۔

وجہ کپڑا سینے کی اجازت اور رنگنے کی اجازت کپڑے والے کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے وہی جانتا ہے کہ کس کام کی اجازت دی جائے اس لئے اسی کی بات مانی جائے گی۔اثر میں ہے عن الثوری فی رجل دفع الی آخر مالا مضاربة فقال صاحب المال بالثلث وقال الآخر بالنصف قال القول صاحب المال الا ان یأتی الآخر بینة (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب بہ مرة ج ثامن ص۲۵۲ نمبر۱۵۱۰۴)اس اثر میں صاحب مال کی بات مانی گئی ہے اس لئے اجارہ میں بھی صاحب مال کی بات مانی جائے گی (۲) درزی اور رنگریز مدعی ہے۔وہ دعوی کر رہا ہے کہ میرا کام صحیح ہے اس لئے مجھے اجرت ملنی چاہئے اور کپڑے والا اجرت دینے سے انکار کر رہا ہے اس لئے وہ منکر ہے۔اس لئے اس پر گواہ چاہئے وہ نہیں ہے اور کپڑے والا مدعی علیہ ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔پس اگر وہ قسم کھالے تو درزی اور رنگریز نقصان کے ضامن ہوں گے۔حدیث میں ہے کتب ابن عباس الی ان النبی ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیه (ب)(بخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ص۳۶۶ نمبر۲۶۶۸)اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ اور منکر پر قسم ہے۔اس کی وجہ سے اس کی بات مانی جائے گی۔

[۱۲۲۱](۶۶)اگر کپڑے والے نے کہا کہ تم نے اس کو میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کاریگر نے کہا کہ اجرت کے ساتھ تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ۔

تشریح کپڑے والا کہتا ہے کہ آپ نے یہ کام میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کام کرنے والا کہتا ہے کہ اجرت کے لئے کیا ہوں مفت نہیں کیا ہوں۔اور اجیر کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے اور نہ کوئی علامت ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کپڑے والے کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ اور اجیر کو اجرت نہیں ملے گی۔

وجہ اجیر کام کر کے اجرت کا دعوی کر رہا ہے اس لئے وہ مدعی ہے اور کپڑے والا اس کا انکار کر رہا ہے اس لئے وہ منکر ہے اور قاعدہ گزر گیا کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔اس لئے کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی (۲)اوپر کی حدیث بخاری کے ساتھ یہ حدیث بھی ثبوت ہے۔عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ قال البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامة (ج)(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات ج ثالث ص۸۸ نمبر۳۱۶۶)

حاشیہ : (الف)حضرت ثوریؒ نے فرمایا کوئی آدمی دوسرے کو مضاربت کے طور پر مال دے، پس مال والے نے کہا کہ تہائی پر دیا ہوں اور مضارب نے کہا کہ آدھے پر تو مال والے کا اعتبار ہے مگر یہ کہ دوسرا آدمی گواہ پیش کرے (ب) حضرت ابن عباسؓ نے مجھے لکھا کہ حضورؐ نے مدعی علیہ پر قسم کھانے کا فیصلہ فرمایا (ج) آپؐ نے فرمایا بینہ اس پر ہے جس نے دعوی کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسامت میں۔

[۱۲۲۲](۶۷) وقال ابو یوسف رحمه الله تعالى ان كان حريفا فله الاجرة وان لم يكن حريفا له فلا اجرة له [۱۲۲۳](۶۸) وقال محمد رحمه الله تعالى ان كان الصانع مبتذلا لهذه الصنعة بالاجرة فالقول قوله مع يمينه انه عمله باجرة [۱۲۲۴](۶۹) والواجب فی

[۱۲۲۲](۶۷)اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر اس کا پیشہ ہی یہ ہو تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور اگر اس کا پیشہ یہ نہیں ہے تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے۔

تشریح اس کے لئے پیشہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہی کام کرتا ہے۔اور ایک مطلب یہ ہے کہ کپڑے والے کو پہلے بھی ایک مرتبہ اجرت پر یہی کام کر کے دیا تھا اس لئے اجرت والا سمجھتا تھا کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اجرت ملے گی۔

وجہ پیشہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کام کرتا ہے۔یا پہلے ایک مرتبہ اجرت پر کر کے دینا دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کیا ہوگا۔اس لئے اس ظاہری دلیل کی وجہ سے اس کو اجرت ملے گی۔

اصول پیشہ ہونا اجرت کی علامت ظاہرہ ہے۔

لغت حریفا : پیشہ والا ہونا۔

[۱۲۲۳](۶۸)امام محمدؒ نے فرمایا اگر کاریگر اجرت کے ساتھ یہ کام کرنے میں مشہور ہو تو کاریگر کی بات مانی جائے گی قسم کے ساتھ کہ اس نے کام کیا ہے اجرت کے بدلے۔

تشریح امام محمد کے نزدیک کاریگر کا اجرت پر کام کرنے میں شہرت ہو تب اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی کہ اس نے اجرت سے ہی وہ کام کیا ہے۔

وجہ مشہور ہونا علامت ہے کہ اجرت کے بدلے ہی کام کیا ہوگا،مفت نہیں اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

اصول پیشہ میں شہرت ہونا اجرت پر کام کرنے کی علامت ہے۔

[۱۲۲۴](۶۹)واجب اجارہ فاسد میں اجرت مثل ہے لیکن متعین کردہ اجرت سے تجاوز نہ کرے۔

تشریح کسی وجہ سے اجارہ فاسد ہو گیا تو اب بازار میں اس کام کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ اجرت اجیر کو ملے گی۔اسی اجرت کو اجرت مثل کہتے ہیں۔

وجہ جب اجارہ فاسد ہو گیا تو گویا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی عقد اجارہ ہوا ہی نہیں ہے۔اس لئے اب بازار کے عرف پر اجرت طے ہوگی۔اور اجرت مثل لازم ہوگی۔لیکن چونکہ اجیر پہلے ایک متعین اجرت پر راضی ہو گیا ہے اس لئے اجرت مثل اگر متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہو تو اجرت مثل نہ دی جائے بلکہ متعین کردہ اجرت دی جائے گی۔کیونکہ اجیر کم اجرت پر راضی ہو گیا ہے۔اجارہ فاسد کے وقت اجرت مثل کی دلیل وہی حدیث ہے جو بار بار گزر گئی۔واکتری الحسن من عبد الله بن مرداس حمارا فقال بكم ؟ قال بدانقين فركبه ثم جاء

الاجارة الفاسدة اجرة المثل لا يتجاوز به المسمی[۱۲۲۵] (۷۰) واذا قبض المستأجر الدار فعليه الاجرة وان لم يسكنها فان غصبها غاصب من يده سقطت الاجرة

مرة اخری فقال الحمار الحمار فركبه ولم يشارطه فبعث اليه بنصف درهم (الف) (بخاری شریف، باب من اجری امر الامصار علی مایتعارفون بینهم فی البیوع والاجارۃ ص۲۹۴ نمبر ۲۲۱۰) اور آیت میں ہے۔ ومن کان فقیرا فلیأکل بالمعروف (آیت ۶ سورۃ النساء۴) اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جہاں آپس میں اجرت طے نہ ہو تو جو معروف طریقہ ہے وہی اجرت لازم ہوگی جس کو اجرت مثل کہتے ہیں۔

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اجارہ فاسد ہو جائے تو اجرت مثل لازم ہوگی چاہے متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

وجہ کیونکہ جب اجرت مثل اصل ٹھہری تو جتنی ہو دی جائے گی۔

[۱۲۲۵] (۷۰) اگر مستاجر نے گھر قبضہ کیا تو اس پر اجرت ہے چاہے اس میں نہ رہتا ہو۔ پس اگر اس گھر کو کسی غاصب نے اس کے ہاتھ سے غصب کر لیا تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔

وجہ گھر میں مستاجر رہے یا نہ رہے صرف اجرت کے گھر پر قبضہ کر لیا تو اس پر اجرت لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ مالک مکان اب اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے اس لئے مستاجر پر اجرت لازم ہوگی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن طاؤس قال كان ابی يوجب الكراء اذا خرج الرجل الہ مكة وان مات قبل ان يبلغ (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یکری الدابۃ فیموت فی بعض الطریق ج ثامن ص۲۱۳ نمبر ۱۴۹۳۳) اس اثر میں ہے کہ مکہ مکرمہ کے لئے جانور کرایہ پر لیا اور پہلے مر گیا پھر بھی پورا کرایہ لازم کرتے تھے۔ اس لئے گھر پر قبضہ کر لیا تو کرایہ لازم ہونا شروع ہو جائے گا۔

اور اگر درمیان میں کسی نے غصب کر لیا تو چونکہ مستاجر کے قبضہ میں وہ چیز نہیں رہی اس لئے اتنی اجرت ساقط ہو جائے گی۔ اثر میں ہے عن الثوری فی رجل اكتری فمات المكتری فی بعض الطريق قال هو بالحساب (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یکری الدابۃ فیموت فی بعض الطریق ج ثامن ص۲۱۳ نمبر ۱۴۹۳۵) اس اثر میں ہے کہ درمیان میں آدمی مر جائے تو اس کے حساب سے کرایہ لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے کرایہ دار سے گھر غصب کر لیا تو جتنی دیر تک غصب کئے رہا اتنی دیر کا کرایہ ساقط ہو جائے گا۔

اصول صرف قبضہ سے کرایہ لازم ہونا شروع ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے عبد اللہ بن مرداس سے گدھا کرایہ پر لیا۔ پس کہا کتنے میں ہے یہ؟ کہا دو دانق میں۔ پس اس پر سوار ہوئے۔ پھر دوسری مرتبہ آئے تو فرمایا گدھا دیں گدھا دیں۔ پس اس پر سوار ہوئے اور کرائے کی شرط نہیں کی۔ پس عبد اللہ بن مرداس کو آدھا درہم بھیجا (ب) حضرت ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ میرے والد کرایہ واجب کرتے تھے جب کوئی مکہ کے لئے نکلے اور وہاں پہنچنے سے پہلے مر جائے (ج) حضرت ثوری نے فرمایا آدمی کرایہ پر لے۔ اور کرایہ پر لینے والا راستے میں مر جائے تو حساب کے ساتھ کرایہ واجب ہوگا۔

[۱۲۲۶](۷۱) وان وجد بها عیبا یضر بالسکنی فله الفسخ[۱۲۲۷](۷۲) واذا خربت الدار او انقطع شرب الضیعة او انقطع الماء عن الرحی انفسخت الاجارة

[۱۲۲۶](۷۱)اوراگر گھر میں ایسا عیب پایا جو رہنے کے لئے نقصان دہ ہے تو اجیر کے لئے فسخ کا حق ہے۔

تشریح مثلا گھر کرایہ پر لیا لیکن گھر میں ایسا عیب آگیا کہ اس میں رہنا مشکل ہو گیا مثلا گھر کی دیوار گر گئی تو اجیر کو حق ہے کہ اجارہ فسخ کر دے۔

وجہ (۱) جب منفعت حاصل نہیں کر سکتا تو اجیر کیا کرے گا اس لئے اجارہ فسخ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ مبیع میں عیب ہو تو بیع کو واپس کر سکتا ہے اسی طرح اجارہ کے گھر میں عیب ہو تو اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے **عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان یقیم ثم وجد به عیبا فخاصمه الی النبی ﷺ فرده علیه فقال الرجل یا رسول الله ! قد استغل غلامی فقال رسول الله ﷺ الخراج بالضمان** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فیمن اشتری عبدا فاستعمله ثم وجد به عیبا ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۱۰) اس حدیث میں ہے کہ غلام میں عیب پایا تو آپؐ نے بائع کو واپس کر دیا۔ اسی طرح شی متاجر میں عیب ہو جس سے نفع اٹھانا مشکل ہو تو اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنی دیر فائدہ اٹھایا ہے اس کا کرایہ دینا ہوگا۔ کیونکہ غلام والے نے کہا کہ میرے غلام کو کام میں لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا **الخراج بالضمان** یعنی جتنا کام لیا ہے اتنا کرایہ ملنا چاہئے۔

اصول عیب کثیر سے اجارہ فاسد کر سکتا ہے۔

نوٹ یہ اس وقت ہے کہ متاجر اس عیب سے راضی نہ ہو۔ اگر عیب دیکھتے ہوئے کرایہ پر لیا تھا یا عیب پیدا ہونے کے بعد اس سے رضامندی کا اظہار کرنے کے بعد اجارہ فسخ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔

[۱۲۲۷](۷۲) اگر گھر ویران ہو جائے یا زمین کا پانی منقطع ہو جائے یا پن چکی سے پانی منقطع ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

تشریح اوپر کے مسئلے میں یہ تھا کہ شی متاجر موجود ہے لیکن اس میں ایسا عیب پیدا ہو گیا ہے کہ اس سے استفادہ مشکل ہو گیا ہے۔ اور اس مسئلے میں ہے کہ شیء متاجر اتنا ویران اور خراب ہو گئی ہے کہ گویا وہ چیز ہی ختم ہو گئی۔ مثلا گھر ویران ہو گیا، زمین میں پانی آنے کا راستہ منقطع ہو گیا یا پن چکی سے پانی آتا تھا وہ بالکل بند ہو گیا جس سے اب کاشتکاری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اجارہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

وجہ جب منافع حاصل ہو ہی نہیں سکتے تو اجارہ باقی رہ کر کیا ہوگا؟ اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا (۲) اوپر ابوداؤد کی حدیث نمبر ۳۵۱۰ میں تھا کہ عیب کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے تو یہاں بالکل شی متاجر ختم ہو گئی اس لئے اجارہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

فائدہ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ اجارہ خود بخود فسخ نہیں ہوگا۔ البتہ ایسی صورت میں اجارہ فسخ کرنے کا حقدار ہو جائے گا۔

لغت خربت : ویران ہونا۔ شرب : پانی کا حق۔ ضیعۃ : کاشتکاری کی زمین۔ رحی : پن چکی۔

حاشیہ: (الف) ایک آدمی نے غلام بیچا۔ پس غلام اس کے پاس کچھ دن تک ٹھہرا رہا پھر اس میں مشتری نے عیب پایا۔ پس جھگڑا حضور کے پاس لے گئے۔ پس حضورؐ نے بائع پر غلام لوٹا دیا، بائع نے کہا یا رسول اللہ! میرے غلام کو دین مین پھسا دیا تو آپؐ نے فرمایا خراج ضمان کے بدلے میں ہوتا ہے۔

[۱۲۲۸](۷۳) واذا مات احد المتعاقدین وقد عقد الاجارة لنفسه انفسخت الاجارة وان کان عقدها لغیره لم ینفسخ [۱۲۲۹](۷۴) ویصح شرط الخیار فی الاجارة کما فی

[۱۲۲۸](۷۳) اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مرجائے اور حال یہ تھا کہ اجارہ اپنے لئے کیا تھا تو اجارہ فسخ ہوجائے گا اور اگر عقد کیا تھا اس کا غیر کے لئے تو فسخ نہیں ہوگا۔

تشریح مستاجر نے اپنے لئے عقد اجارہ کیا تھا۔ وکیل بنکر یا وصی بنکر کسی اور کے لئے نہیں کیا تھا اور خود مستاجر کا انتقال ہوگیا تو اجارہ فسخ ہوجائے گا۔ اسی طرح اجیر نے اپنے لئے اجارہ کیا تھا۔ وکیل بنکر یا وصی بن کر کسی اور کے لئے عقد اجارہ نہیں کیا تھا اور اجیر کا انتقال ہوگیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

وجہ (۱) مستاجر نے اپنے لئے منفعت لیا تھا اور اب مستاجر ہی دنیا میں نہیں رہا تو منفعت کون لیگا؟ اس لئے اجارہ فسخ ہوجائے گا۔ اسی طرح اجیر مزدور نے کہا تھا کہ میں خود مزدوری کروں گا اور وہ دنیا میں نہیں رہا تو اب کون مزدوری کرے گا؟ دوسرا آدمی مزدوری کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ اس لئے اجارہ فسخ ہوجائے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جاریة او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له** (الف) (مسلم شریف، باب مایلحق الانسان من الثوب بعد وفاتہ ص ۴۱ نمبر ۱۶۳۱ کتاب الوصیۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان مرجائے تو اس کے ذاتی معاملات ختم ہوجاتے ہیں۔ اس لئے اجارہ فسخ ہوجائے گا۔

اور اگر وکیل یا وصی یا امیر المؤمنین بنکر دوسرے کے لئے اجارہ کیا اور وہ لوگ باقی ہیں البتہ خود وکیل، وصی یا امیر المؤمنین کا انتقال ہوگیا تو اجارہ باقی رہے گا۔

وجہ (۱) کیونکہ جس کے لئے اجارہ کیا تھا وہ موجود ہیں اس لئے وہ اجارہ کو ڈیل کر سکتے ہیں۔ اس لئے اجارہ باقی رہے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اہل خیبر سے امیر ہونے کی حیثیت سے اجارہ کیا تھا اس لئے آپؐ کے وصال کے بعد بھی حضرت عمرؓ کی زندگی تک اجارہ باقی رہا۔ حضرت عمرؓ نے اہل خیبر کو اریحاء تک جلاوطن کرکے اجارہ توڑا تھا۔ اثر میں ہے **قال ابن عمر اعطی النبی ﷺ خیبر بالشطر فکان ذلک علی عهد النبی ﷺ وابی بکر وصدرا من خلافة عمر ولم یذکر ان ابا بکر جدد الاجارة بعد ما قبض النبی ﷺ** (ب) (بخاری شریف، باب اذا استاجر ارضا فمات احدهما ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۵) اس اثر میں ہے کہ حضور کی وفات کے بعد بھی اہل خیبر کا اجارہ باقی رہا۔ کیونکہ آپؐ نے امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے اجارہ کیا تھا۔

[۱۲۲۹](۷۴) اور صحیح ہے خیار شرط اجارہ میں جیسے کہ صحیح ہے بیع میں۔

حاشیہ : (الف) جب انسان مرجائے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین اعمال منقطع نہیں ہوتے ہیں۔ مگر صدقہ جاریہ یا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے (ب) حضورؐ نے خیبر کو آدھے بٹائی پر دیا تھا تو یہ حضور، ابوبکر اور خلافت عمر کے شروع زمانے تک رہا اور کسی نے ایسا تذکرہ نہیں کیا کہ ابوبکر نے حضور کی وفات کے بعد اجارہ کی تجدید کی ہو۔

البیع[۱۲۳۰](۷۵) وتنفسخ الاجارة بالاعذار[۱۲۳۱](۷۶) کمن استأجر دکانا فی السوق لیتجر فیه فذهب ماله.

تشریح عقد اجارہ کرلیا پھر کہا کہ مجھے تین دن کا اختیار دو، مجھے سوچنے دو کہ یہ اجارہ قائم رکھوں یا نہیں تو ایسا خیار شرط لے سکتا ہے۔

وجہ بیع کرنے کے بعد اس میں خیار شرط لے سکتا تھا تو اجارہ بھی عقد ہے اس لئے اس میں بھی خیار شرط لے سکتا ہے (۲) بیع کے لئے خیار شرط کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ان المتبایعین بالخیار فی بیعهما مالم یتفرقا** (الف) (بخاری شریف، باب کم یجوز الخیار ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۷ مسلم شریف، باب ثبوت خیار المجلس للمتبایعین ج ثانی ص ۶ نمبر ۱۵۳۱) اور دار قطنی میں ہے ۔ **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال الخیار ثلاثة ایام** (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۴۸ نمبر ۲۹۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بائع اور مشتری کو تین دن کے خیار شرط لینے کا اختیار ہے۔ اس لئے اجارہ میں بھی تین دن تک خیار شرط لینے کا اختیار رہوگا۔

[۱۲۳۰] (۷۵) اور اجارہ فسخ ہو جائے گا عذروں کی وجہ سے۔

تشریح مستاجر نے مثلا دوکان اجرت پر لی اور دوکان برقرار رکھنے کی رقم ختم ہوگئی اب اگر دوکان کرایہ پر رکھتا ہے تو مشقت شدیدہ کا خطرہ ہے ۔ ایسی مشقت شدیدہ کے وقت اجارہ ختم ہو جائے گا تا کہ انسان کو مشقت شدیدہ سے بچایا جا سکے۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ قال لا ضرر ولا ضرار من ضار ضره الله ومن شاق شق الله علیه** (ج) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۶۴ نمبر ۳۰۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلا وجہ آدمی کو نہ نقصان دینا چاہئے اور نہ مشقت میں پھانسنا چاہئے ۔ اور مستاجر چونکہ کرایہ کی وجہ سے ناگہانی مشقت میں پھنس گیا ہے اس لئے اجارہ فسخ ہو جائے گا (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من اقال مسلما اقاله الله عثرته** (د) (ابو داؤد شریف، باب فی فضل الاقالة ص ۱۳۴ نمبر ۳۴۶۰) اس حدیث میں ہے کہ بیع کرنے کے بعد اس کو واپس لے لے اور اقالہ کر لے تو اللہ تعالی اس کے گناہ کو معاف کر دیں گے۔ اسی طرح مجبوری کے وقت اجارہ فسخ کرنے کی گنجائش دے تو اللہ تعالی اس کے گناہ کو معاف فرمائیں گے۔

[۱۲۳۱] (۷۶) جیسے اجرت پر لیا دکان کو بازار میں تا کہ اس میں تجارت کرے پھر اس کا مال ضائع ہو گیا۔

تشریح بازار میں دکان کرایہ پر لیا تا کہ اس میں تجارت کرے لیکن بعد میں تجارت کرنے کا مال ضائع ہو گیا۔ اب تجارت کرنے سے مجبور ہے۔ پس اگر ابھی بھی دکان کرائے پر رکھے گا تو خواہ مخواہ مستاجر پر کرایہ چڑھے گا۔ اس لئے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

نوٹ اگر عذر پوشیدہ ہو اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو قاضی کے ذریعہ اجارہ توڑوائے خود اجارہ نہیں توڑ سکتا ہے۔ اور اگر عذر ظاہر ہے اور سبھی دیکھ رہے ہیں کہ مستاجر مجبور ہو گیا تو خود بھی اجارہ توڑ سکتا ہے۔ (وجہ اوپر گزر گئی)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بائع اور مشتری کو بیع میں خیار شرط ہے جب تک دونوں الگ نہ ہوں (ب) آپؐ نے فرمایا خیار شرط تین دن تک ہوتا ہے (ج) آپؐ نے فرمایا نہ نقصان دو اور نہ نقصان اٹھاؤ۔ جس نے کسی کو نقصان دیا اللہ اس کو نقصان دے گا، جس نے کسی کو مشقت میں ڈالا تو اللہ اس کو مشقت میں ڈالے گا (د) جس نے کسی مسلمان سے اقالہ کیا اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

[۱۲۳۲] (۷۷) وکمن آجر دارا او دکانا ثم افلس فلزمته دیون لا یقدر علی قضائها الا من ثمن ما آجر فسخ القاضی العقد و باعها فی الدین[۱۲۳۳] (۷۸) ومن استأجر دابة لیسافر علیها ثم بدا من السفر فهو عذر[۱۲۳۴] (۷۹) وان بدا للمکاری من السفر فلیس ذلک عذر.

[۱۲۳۲] (۷۷) یا کسی نے گھر یا دکان اجرت پر دی پھر مفلس ہو گیا اور اس کو اتنا دین لازم ہو گیا کہ اس کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہے مگر جس چیز کو اجرت پر رکھا ہے اس کی قیمت سے تو قاضی فسخ کر دے گا عقد کو اور بیچ دے گا اس کو دین میں۔

تشریح مثلا زید نے دکان کرایہ پر کسی کو دی۔ بعد میں زید مفلس ہو گیا اور اس پر لوگوں کا قرض آ گیا۔ اب اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ اجرت پر دی ہوئی دکان بیچے اور اس کی قیمت سے قرض ادا کرے تو ایسی صورت میں قاضی عقد اجارہ کو فسخ کرے گا اور زید کی دکان کو بیچے گا اور اس کی قیمت سے لوگوں کا قرض ادا کرے گا۔

اصول عذر شدید سے اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے۔

[۱۲۳۳] (۷۸) کسی نے اجرت پر چوپایہ لیا تا کہ اس پر سفر کرے پھر ارادہ ملتوی ہو گیا تو یہ عذر ہے۔

تشریح سفر پر جانے کے لئے اجرت پر چوپایہ لیا پھر بعد میں خیال ہوا کہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سفر پر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تو یہ بھی عذر ہے جسکی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

وجہ مثلا حج پر جانا تھا اور حج کا وقت نکل گیا یا قرض وصول کرنے جانا تھا اور گھر پر ہی قرض دے گیا اب اس کے باوجود سفر کرے گا تو مشقت شدیدہ ہو گی اس لئے یہ عذر ہے اور اس کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

لغت بدا : ظاہر ہوا، ارادہ ملتوی ہو گیا۔

[۱۲۳۴] (۷۹) اور اگر کرایہ پر دینے والے کا ارادہ ملتوی ہو گیا سفر سے تو یہ عذر نہیں ہے۔

تشریح مثلا زید نے کہا تھا کہ میں عمر کو اپنے چوپائے پر بٹھا کر سفر پر لے جاؤں گا اور اتنی اجرت لوں گا۔ بعد میں زید کا ارادہ ملتوی ہو گیا یا کوئی عذر پیش آ گیا تو یہ عذر نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے اجارہ فسخ نہیں کر سکتا۔

وجہ خود نہ جا سکے تو کسی شاگرد کو یا کسی مزدور کو چوپایہ دے کر زید کے ساتھ بھیج سکتا ہے۔ اس لئے زید کے ارادہ کا ملتوی ہونا کوئی عذر نہیں ہے

نوٹ یہ اس صورت میں ہے کہ زید بہت مجبور نہ ہو۔ دوسرا مزدور ملتا ہو اور دوسرے کے ہاتھ میں دینے سے جانور خراب نہ ہو جائے۔ پس اگر زید جانے سے مجبور ہو مثلا بیمار ہو گیا اور مزدور بھی جانے کے لئے نہ ملتا ہو یا مزدور کے ہاتھ میں دینے سے گاڑی یا چوپایہ خراب ہونے کا خطرہ ہو یہ عذر ہے جس کی وجہ سے زید مکری اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

لغت المکاری : کرایہ پر دینے والا آدمی۔

﴿ کتاب الشفعة ﴾

[۱۲۳۵](۱) الشفعة واجبة للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع کالشرب

﴿ کتاب الشفعۃ ﴾

ضروری نوٹ شفعہ کے معنی ہیں ملانا، چونکہ اپنی زمین کے ساتھ دوسرے کی زمین کو ملانا ہوتا ہے اس لئے اس کو حق شفعہ کہتے ہیں۔کسی کی زمین یا غیر منقول جائداد بک رہی ہو اور دوسروں کو نہ خریدنے دے اور شریک یا پڑوس خود خرید لے اس کو حق شفعہ کہتے ہیں۔اس حق کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔سمع ابا رافع سمع النبی ﷺ یقول الجار احق بسقبه(الف)(ابوداؤد شریف، باب فی الشفعۃ ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۶/بخاری شریف، باب عرض الشفعۃ علی صاحبھا قبل البیع ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۸/ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعۃ للغائب ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوس کو حق شفعہ ہے۔

[۱۲۳۵](۱) شفعہ واجب ہے نفس مبیع میں شریک کے لئے، پھر حق مبیع مثلا پانی اور راستے میں شریک کے لئے، پھر پڑوس کے لئے۔

تشریح زمین اور جائداد کے ساتھ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ایک تو وہ جو خود زمین میں شریک ہو کہ مثلا آدھی اس کی زمین ہے اور آدھی اس کی زمین ہے۔اس کو 'مبیع میں شریک' کہتے ہیں۔زمین بکے تو اس کو خریدنے کا زیادہ حق ہے ورنہ دوسرا کوئی خراب شریک آئے گا تو اس کو نقصان ہوگا۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو خود زمین میں تو شریک نہیں ہیں لیکن زمین کا جو حق ہے مثلا زمین پر آنے کا راستہ یا زمین میں پانی آنے کی نالی اس میں لوگ شریک ہیں ان کو 'حق مبیع میں شریک' کہتے ہیں۔ان کو دوسرے نمبر پر حق شفعہ ملتا ہے کہ مبیع میں شریک نہ لے تو حق مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق ہوگا۔تیسرے وہ لوگ ہیں جو نہ مبیع میں شریک ہیں اور نہ مبیع کے راستے یا پانی میں شریک ہیں۔البتہ مبیع سے سٹی ہوئی اس کی زمین ہے جس کو پڑوس کہتے ہیں ان کو تیسرے نمبر پر حق شفعہ ملے گا۔مبیع میں شریک اور حق مبیع میں شریک نہ لیں تو اب مبیع کے پڑوس والوں کو شفعہ کا حق ملے گا کہ وہ لوگ اس بکنے والی زمین کو حق شفعہ کے ماتحت خریدیں۔اور یہ تینوں قسم کے لوگ نہ خریدیں تب باہر کے لوگوں کو خریدنے کا حق ہوگا۔

وجہ (۱)اگر ان لوگوں کو حق شفعہ نہ ملے اور دوسرے لوگ بیچ میں آجائیں تو ان لوگوں کو تکلیف ہوگی اس لئے شریعت نے مناسب قیمت میں ان لوگوں کو پہلے خریدنے کا حق دیا ہے۔ترتیب کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔سمعت الشعبی یقول قال رسول الله ﷺ الشفیع اولی من الجار والجار اولی من الجنب (ب)(مصنف عبدالرزاق، باب الشفعۃ بالجواز او الخلیط احق، ج ثامن، ص ۷۹، نمبر ۱۴۳۹۰/مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۲ من کان یقضی بالشفعۃ للجار، ج رابع، ص ۵۲۱ نمبر ۲۲۷۱۷)اس حدیث میں شفیع سے مراد شریک ہے کیونکہ دوسرے اثر میں الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق ممن سواه(ج)(مصنف عبدالرزاق ج، ثامن، ص ۷۸، نمبر ۱۴۳۸۶) کی عبارت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حق شریک فی نفس المبیع کا، دوسرا حق شریک فی حق المبیع کا اور تیسرا حق پڑوس کا ہے۔اور

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا پڑوس شفعہ کا زیادہ حقدار ہے(ب) آپؐ نے فرمایا شفیع یعنی شریک زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے قریب والے سے(ج) شریک زیادہ حقدار ہے شفیع سے اور شفیع زیادہ حقدار ہے اس کے علاوہ سے۔

والطریق ثم للجار [۱۲۳۶](۲)ولیس للشریک فی الطریق والشرب والجار شفعة مع

ہرایک کوحق کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن جابر قال قضی رسول الله بالشفعة فی کل شرکة لم تقسم ربعة او حائط لا یحل له ان یبیع حتی یوذن شریکه فان شاء اخذ وان شاء ترک فاذا باع ولم یوذنه فھو احق به (الف)(مسلم شریف، باب الشفعة ص ۲۰ نمبر ۱۶۰۸/۴۱۲۸/ابوداؤدشریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک کوحق شفعہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین اور باغ جو غیر منقول جائداد ہیں ان میں حق شفعہ ہے۔ اور پڑوس کوحق شفعہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سمرة عن النبی ﷺ جار الدار احق بدار الجار او الارض (ب)(ابوداؤدشریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۷/ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعة ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوس کوبھی حق شفعہ ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف شریک فی المبیع اور شریک فی حق المبیع یعنی مبیع کے راستے اور پانی پلانے کے حق میں شریک ہیں صرف ان کو حق شفعہ ملتا ہے۔ جو صرف پڑوس میں ہیں ان کوحق شفعہ نہیں ملتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال قضی النبی ﷺ بالشفعة فی کل مالم یقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة (ج)(بخاری شریف، باب الشفعة فیما لم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۷/ابوداؤدشریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۴/ترمذی شریف، باب ماجاء اذا حدت الحدود ووقعت السھام فلا شفعة ص ۲۵۴ نمبر ۱۳۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرکت ختم ہوجائے اور دونوں کے راستے الگ الگ ہوجائیں یعنی مبیع کے راستے میں بھی شریک نہ ہو تو اب شفعہ نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل اوپر کی حدیث ہے۔

لغت الخلیط : شریک

[۱۲۳۶](۲) راستے میں اور پانی پلانے میں شریک کے لئے اور پڑوس کے لئے حق شفعہ نہیں ہے مبیع میں شریک کے ہوتے ہوئے۔ پس اگر شریک چھوڑ دے تو راستے میں شریک کے لئے ہوگا، پس اگر وہ بھی چھوڑ دے تو اس کو پڑوس لے گا۔

تشریح اوپر گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے مبیع میں شریک کوحق شفعہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے حق مبیع میں شریک یا پڑوس کوحق نہیں ہے۔ وہ نہ لے تو حق مبیع میں شریک کوحق شفعہ ہے۔ حق مبیع میں شریک کا مطلب یہ ہے کہ مبیع کے راستے میں شریک ہے یا مبیع میں پانی آنے کی نالی میں شریک ہے۔ وہ بھی نہ ہو یا ہو لیکن نہ لینا چاہتا ہو تو پڑوس کوحق شفعہ ہے۔ اور وہ بھی نہ ہو یا ہو لیکن نہ لینا چاہتا ہو تب دوسروں کو لینے کا حق ہے

وجہ اوپر حدیث مرسل میں اس ترتیب کا تذکرہ گزر چکا ہے. سمعت الشعبی یقول قال رسول الله ﷺ الشفیع اولی من الجار والجار اولی من الجنب (د)(مصنف عبد الرزاق، باب الشفعة بالجوار والخلیط احق، ج ثامن، ص ۷۹، نمبر ۱۴۳۹۰/مصنف ابن ابی شیبة

حاشیہ : (الف) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر شرکت کی چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو، زمین ہو یا باغ ہو۔ نہیں حلال ہے کہ بیچے یہاں تک کہ شریک اس کی اجازت دے۔ پس اگر چاہے تو شریک لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ پس اگر بیچا اور شریک کو اطلاع نہیں دی تو وہ اس مبیع کا زیادہ حقدار ہے (ب) آپؐ سے مروی ہے کہ گھر کا پڑوسی گھر اور زمین کا زیادہ حقدار ہے (ج) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوتی ہو۔ پس جب حدود واقع ہوجائیں اور راستے بدل جائیں تو کوئی شفعہ نہیں ہے (د) آپؐ نے فرمایا شفیع یعنی شریک زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے قریب والے سے۔

الخلیط فان سلم الخلیط فالشفعة للشریک فی الطریق فان سلم اخذها الجار [۱۲۳۷](۳) والشفعة تجب بعقد البیع وتستقر بالاشهاد وتملک بالاخذ اذا سلمها

۴۰۲ من کان یقضی بالشفعۃ للجار، ج رابع ،ص ۲۲۷۱۷) اس حدیث سے اس ترتیب کا پتہ چلا (۲) یوں بھی مبیع میں شریک زیادہ قوی ہے۔اور حق مبیع میں شریک اس سے کم اور پڑوس ان سے بھی کم ہے اس لئے اس ترتیب سے حق شفعہ ملنا چاہئے۔ایک اور اثر ہے۔عن شریح قال الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق من الجار والجار احق ممن سواہ (الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۲ من کان یقضی بالشفعۃ للجار ج خامس ص ۳۲۶) اس اثر سے بھی ترتیب کا پتہ چلا۔

لغت سلم : سپرد کر دیا، چھوڑ دیا۔ شرب : زمین میں پانی پلانے کا حق، نالی۔

[۱۲۳۷] (۳) شفعہ ثابت ہوتا ہے عقد بیع کے بعد اور پختہ ہو جاتا ہے گواہ بنانے سے اور مالک ہو جاتا ہے لے لینے سے جب مشتری شفیع کو دیدے یا حاکم دینے کا حکم کر دے۔

تشریح اس عبارت میں تین باتیں بیان کی ہیں۔پہلی یہ ہے کہ حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب بائع اس زمین کو بیچ رہا ہو اور اپنی ملکیت سے نکال رہا ہو تب شفیع کو حق شفعہ کے ذریعہ سے اس کو لینے کا حق ہوتا ہے۔

وجہ (۱) اگر زمین بیچ نہیں رہا ہو تو حق شفعہ کیسے ہوگا؟ (۲) حدیث میں ہے۔عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ... فان باع فھو احق بہ حتی یؤذنہ (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعۃ ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بیچے تب شفیع کو حق شفعہ ہوگا (۳) اثر میں ہے۔قال ابن ابی لیلی لا یقع لہ شفعۃ حتی یقع البیع فان شاء اخذ وان شاء ترک (ج) (۳) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا، ج ثامن، ص ۸۳، نمبر ۱۴۴۰۴) اس اثر میں ہے کہ بیع واقع ہو تب حق شفعہ ہوگا ورنہ نہیں۔دوسری بات یہ بیان کی کہ شفعہ کے ذریعہ زمین لینے پر شفیع فوری طور پر گواہ بنائے تب حق شفعہ مضبوط ہوگا۔کیونکہ آگے قاضی کے ذریعہ اپنے لئے شفعہ کا فیصلہ بھی کروانا ہے اس لئے اس بات پر گواہ نہیں بنایا کہ ہاں میں نے علم ہوتے ہی کہا تھا کہ اس زمین کو لوں گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ دوسرے کی زمین اپنے لئے کرنا ہے اس لئے علم ہونے کے بعد ذرا سا بھی اعراض کرے گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ الشفعۃ کحل العقال (د) (ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعۃ ص ۳۵۸ نمبر ۲۵۰۰ رسنن للبیھقی ، باب روایۃ الفاظ منکرۃ یذکرھا بعض الفقھاء فی مسائل الشفعۃ، ج سادس، ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۵۸۹) اس حدیث میں شفعہ کا معاملہ ایسا ہے جیسے اونٹ کی رسی کو کھولنا یعنی اس کو جلدی سے طلب کرو ورنہ حق ساقط ہو جائے گا (۳) اثر میں ہے۔عن الشعبی قال من

حاشیہ : (الف) حضرت شریح نے فرمایا شریک فی المبیع زیادہ حقدار ہے شفیع سے اور شفیع زیادہ حقدار ہے پڑوس سے اور پڑوس زیادہ حقدار ہے اس کے علاوہ سے نوٹ : یہاں شفیع سے مراد راستے میں شریک ہے (ب) آپؐ نے فرمایا...پس اگر زمین بیچی تو شفیع زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ وہ اس کو اطلاع دے (ج) حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ بیع واقع ہو۔پس اگر چاہے تو لے اور چاہے تو چھوڑ دے (د) آپؐ نے فرمایا شفعہ رسی کھولنے کی طرح ہے۔

المشتری او حکم بها حاکم[۱۲۳۸] (۴) واذا علم الشفیع بالبیع اشهد فی مجلسه ذلک علی المطالبة ثم ینهض منه فیشهد علی البائع ان کان المبیع فی یده او علی

بیعت شفعته وهو شاهد لا ینکرها فقد ذهبت شفعته (الف) (بخاری شریف، باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۸ رمصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتها ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۵) اس اثر میں ہے کہ بیع ہوتے دیکھ رہا ہو اور شفیع اس پر انکار نہ کرے تو حق شفعہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے بکنے کا علم ہوتے ہی اس کو اپنے لینے پر گواہ بنانا چاہئے۔ اگر اعراض کیا تو ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن شریح قال انما الشفعة لمن واثبها (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتها؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جلدی سے کود کر حق شفعہ کا دعوی کرے گا تو اس کو حق ملے گا اور اگر اعراض کیا تو یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے جلدی سے دعوی کرنے پر گواہ بنانا ضروری ہے تا کہ قاضی کے سامنے یہ ثابت کیا جا سکے کہ میں نے بکنے کا علم ہوتے ہی حق شفعہ کا دعوی کیا تھا۔ اور تیسری بات اس عبارت میں یہ بیان کی کہ مشتری مبیع کو شفیع کے حوالے کر دے یا قاضی فیصلہ کر دے کہ یہ مبیع شفیع کی ہے تب شفیع اس مبیع کا مالک ہو جائے گا۔

وجہ بک جانے اور بیع کی بات طے ہو جانے کی وجہ سے یہ مبیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے مشتری اس مبیع سے دست بردار ہو جائے یا پھر قاضی اس کے لئے فیصلہ کر دے تو یہ مبیع شفیع کی ملکیت ہو جائے گی۔

لغت تستقر : پختہ ہو جانا، مضبوط ہو جانا۔

[۱۲۳۸] (۴) جب شفیع کو بیع کا علم ہوا تو گواہ بنا لے اسی مجلس میں مطالبے پر، پھر وہاں سے اٹھ کر گواہ بنائے بائع پر اگر مبیع اس کے ہاتھ میں ہو یا مشتری پر یا زمین پر، پس جبکہ یہ کر لیا تو اس کا حق شفعہ پختہ ہو گیا۔

تشریح حق شفعہ ثابت کرنے کے لئے چار کام کرنے پڑیں گے۔ پہلا یہ کہ جیسے ہی بکنے کا علم ہو تو فورا کہے کہ میں اس زمین کو خریدنا چاہتا ہوں۔ دوسرا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ اس دعوی پر گواہ بنائے۔ تیسرا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ بائع کے ہاتھ میں مبیع ہے اس پر اور مشتری کے ہاتھ مبیع ہے تو اس پر یا پھر جائداد کے پاس جا کر گواہ بنائے کہ تم سب سن لو میں اس زمین کو حق شفعہ کے ماتحت خریدنا چاہتا ہوں۔ اور چوتھا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ بلا تاخیر قاضی کے پاس جا کر دعوی کرے کہ میں اس زمین کو حق شفعہ کے ماتحت لینا چاہتا ہوں۔ اور گواہی پیش کر کے اپنا حق ثابت کرے تا کہ قاضی اس کے لئے زمین لینے کا فیصلہ کر سکے۔

وجہ چونکہ دوسرے کی زمین صرف ایک حق کے ماتحت لینی ہے اس لئے ذرا سے اعراض کرنے سے حق ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر حدیث گزری الشفعة کحل العقال (ج) (ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعة ص ۳۵۶ نمبر ۲۵۰۰) کہ شفعہ رسی کھولنے کی طرح ہے کہ جوں ہی اعراض کیا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا (۳) قاضی شریح کا قول گزرا انما الشفعة لمن واثبها (د) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا جس کے سامنے شفعہ کی چیز بک رہی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو اور اس کا انکار نہیں کرتا تو اس کا شفعہ ختم ہو گیا (ب) حضرت شریح فرماتے ہیں کہ حق شفعہ اس کو ہے جو اس کو کود کر لے لے (ج) حق شفعہ رسی کے کھولنے کی طرح ہے (د) حق شفعہ اس کو ہے جو اس کو کود کر لے لے۔

المبتاع او عند العقار فاذا فعل ذلک استقرت شفعته[۱۲۳۹] (۵) ولم تسقط بالتاخیر عند ابی حنیفة رحمه الله وقال محمد ان ترکها من غیر عذر شهرا بعد الاشهاد بطلت شفعته[۱۲۴۰](۶) والشفعة واجبة فی العقار وان کان مما لا یقسم کالحمام والرحی

یأذن قبل البیع وکم وقتھا ؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۶) کہ حق شفعہ اس کو ملے گا جو دوڑ کرلے۔اس لئے اس دوڑ نے پر اور مطالبے پر دو موقع پر گواہ بنانا ہوگا۔ا ایک معلوم ہونے کی مجلس میں اور دوسرا بائع کے پاس اگر اس کے پاس مبیع ہو یا مشتری کے پاس یا پھر زمین کے اوپر۔

[۱۲۳۹] (۵) امام ابوحنیفہ کے نزدیک تاخیر کرنے سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔اور فرمایا امام محمد نے اگر چھوڑ دیا بغیر عذر کے ایک ماہ گواہ بنانے کے بعد تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح مجلس علم میں بھی گواہ بنالیا اور بائع کے پاس بھی حق شفعہ کے ماتحت لینے پر گواہ بنالیا لیکن بغیر کسی عذر کے قاضی کے پاس مطالبے کے لئے نہیں گیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ دو جگہ گواہ بنانے کے بعد حق شفعہ مضبوط ہو گیا اس لئے مضبوط ہونے کے بعد قاضی کے پاس جانے میں تاخیر ہونے سے حق ساقط نہیں ہوگا۔جب تک کہ زبان سے حق لینے کا انکار نہ کرے۔

اصول حق شفعہ مضبوط ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوگا۔

امام محمد نے فرمایا کہ بغیر عذر کے قاضی کے پاس جانے میں زیادہ تاخیر کرنے سے مشتری کو نقصان ہوگا۔وہ بلا وجہ انتظار میں رہے گا۔اس لئے تاخیر کی حد متعین کر دی جائے کہ بغیر عذر کے ایک ماہ سے زیادہ تاخیر کرے تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ ایک ماہ کو قریب کی مدت کہتے ہیں اور ایک ماہ سے زیادہ کو دیر کی مدت کہتے ہیں،اس لئے ایک ماہ سے زیادہ تاخیر کرے گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

[۱۲۴۰] (۶) شفعہ ثابت ہوتا ہے جائداد میں اگر چہ وہ ایسی ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام، پن چکی، کنواں اور چھوٹے مکان۔

تشریح جو زمین ہو یا زمین کی جنس سے ہو اس میں حق شفعہ ہوتا ہے۔اب چاہے وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو ہر حال میں حق شفعہ ہوتا ہے۔جیسے حمام، پچھلے زمانے کے خاص قسم کے غسلخانے کہ وہ تقسیم ہونے اور ٹکڑے ہونے سے کسی کام کے نہیں رہیں گے۔پھر بھی اگر وہ بک رہے ہوں تو پڑوس کو حق شفعہ ہوگا۔یا پن چکی اور اس کی زمین کہ اس کو تقسیم کرنے سے کسی کام کی نہیں رہے گی۔یا کنواں اور چھوٹے مکان دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔لین یہ بک رہے ہوں تو ان میں حق شفعہ ہوگا۔

وجہ حق شفعہ پڑوسیت کے نقصان کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔اور زمین کے علاوہ منقول جائداد ایسی ہے کہ وہ ایک جگہ نہیں رہتی کہ پڑوسیت کا نقصان ہو۔البتہ زمین اور اس پر بننے والی عمارتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ ایک جگہ رہیں گی۔جس کی وجہ سے پڑوسیوں کا نقصان ہوگا اس لئے زمین اور زمین پر بننے والی عمارتوں میں حق شفعہ ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔عن جابر قال قضی رسول الله ﷺ بالشفعة فی

والبئر والدور الصغار [۱۲۴۱] (۷) ولا شفعة فی البناء والنخل اذا بیع بدون العرصة [۱۲۴۲] (۸) ولا شفعة فی العروض والسفن.

کل شرکة لم تقسم ربعة او حائط (الف) (مسلم شریف، باب الشفعة ج ثانی ص ۳۲ نمبر ۱۶۰۸/ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰، نمبر ۳۵۱۳) اس حدیث میں تصریح ہے کہ زمین یا باغ میں حق شفعہ ہے اس لئے زمین اور اس کی جنس میں حق شفعہ ہوگا (۳) عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ لا شفعة الا فی دار او عقار (ب) (سنن للبیہقی، باب لاشفعة فیما ینقل ویحوی، ج سادس، ص ۱۸۰، نمبر ۱۱۵۹۷) اس حدیث میں تو صراحت ہے کہ زمین اور گھر کے علاوہ کسی چیز میں حق شفعہ نہیں ہے۔

اور دونوں حدیثوں میں کل کا لفظ لگا ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ چاہے وہ چیز تقسیم اور ٹکڑا ہوسکتی ہو تب بھی حق شفعہ ہے اور تقسیم وٹکڑا نہ ہوسکتی ہو تب بھی حق شفعہ ہے۔ بخاری میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال قضی النبی بالشفعة فی کل مالم یقسم (ج) (بخاری شریف، باب الشفعة فیا لم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۷/ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۱۴۰ نمبر ۳۵۱۴) اس حدیث میں ہے کہ وہ چیز تقسیم نہ ہوسکتی ہو پھر بھی اس میں حق شفعہ ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جو چیز تقسیم ہونے سے قابل استعمال نہ رہتی ہو اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

لغت الحمام : خاص قسم کا غسلخانہ۔ الرحی : پن چکی۔ البئر : کنواں

[۱۲۴۱] (۷) اور حق شفعہ نہیں ہے عمارت میں اور باغ میں جب بغیر زمین کے فروخت ہوں۔

تشریح عمارت کی دیوار بک رہی ہے لیکن اس کی زمین نہیں فروخت ہو رہی ہے، اسی طرح باغ فروخت ہو رہا ہے لیکن اس کی زمین فروخت نہیں کر رہا ہے تو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ حق شفعہ زمین کے بکنے سے ہوتا ہے اور یہاں زمین نہیں بک رہی ہے تو عمارت اور باغ منقولی جائداد کی طرح ہو گئے اس لئے ان میں شفعہ نہیں ملے گا۔ حدیث اوپر گزر گئی۔

لغت العرصة : میدان، زمین۔

[۱۲۴۲] (۸) سامان میں اور کشتیوں میں حق شفعہ نہیں ہے۔

تشریح سامان واسباب فروخت ہو رہے ہوں یا کشتی فروخت ہو رہی ہو تو ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکا ہے کہ یہ منتقل ہوتی رہتی ہیں اس لئے ان میں پڑوسیت کا نقصان نہیں ہے (۲) یہ بھی گزری کہ عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ لا شفعة الا فی دار او عقار (د) (سنن للبیہقی، باب لاشفعة فیما ینقل ویحول، ج سادس، ص ۱۸۰، نمبر ۱۱۵۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر اور زمین کے علاوہ میں شفعہ نہیں ہے اس لئے اسباب اور کشتیوں میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر شرکت کی چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو زمین یا باغ (ب) آپؐ نے فرمایا نہیں شفعہ ہے مگر گھر میں یا زمین میں (ج) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو (د) آپؐ نے فرمایا نہیں شفعہ مگر گھر میں یا زمین میں۔

[۱۲۴۳] (۹) والمسلم والذمی فی الشفعة سواء[۱۲۴۴] (۱۰) واذا ملک العقار بعوض هو مال وجبت فیه الشفعة[۱۲۴۵] (۱۱) ولا شفعة فی الدار التی یتزوج الرجل

فائدہ امام مالکؒ کے نزدیک اگر شرکت ہو تو سامان میں بھی حق شفعہ ہوگا۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کی حدیث بخاری ہے۔**قضی النبی ﷺ بالشفعة فی کل مالم یقسم** کہ تمام وہ چیزیں جو تقسیم نہ ہوئی ہوان میں حق شفعہ ہے۔اس لئے سامان میں بھی اگر شرکت ہو تو اس میں بھی حق شفعہ ہوگا (۲) حدیث مرسل میں ہے۔**قال ابن ابی ملیکة قضی رسول الله ﷺ بالشفعة فی کل شیء (الف)** (مصنف عبد الرزاق، باب ھل فی الحیوان اوالبئر اوالنخل اوالدین شفعة ج ثامن ص ۸۷ نمبر ۱۴۴۲۵ رسنن للبیہقی، باب لا شفعة فیما ینقل ویحول، ج سادس، ص ۱۸۱، نمبر ۱۱۶۰۰) اس حدیث سے امام مالکؒ سامان اور کشتیوں میں بھی شفعہ کا حق دیتے ہیں۔

لغت السفن : جمع ہے سفینة کی کشتی۔

[۱۲۴۳] (۹) مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں۔

تشریح یعنی جس طرح مسلمان کو حق شفعہ ہوگا اگر ذمی مسلمان کے پڑوس میں ہے تو اس کو بھی حق شفعہ ہوگا۔

وجہ دار الاسلام میں ٹیکس دینے کے بعد ذمی کا حق بھی ان چیزوں میں مسلمان کی طرح ہو گیا اس لئے ذمی کو بھی حق شفعہ ملے گا (۲) اثر میں ہے۔**کتب عمر ابن عبد العزیز ان للیھودی شفعة (ب)** (مصنف عبد الرزاق، باب ھل للکافر شفعة وللاعرابی ج ثامن ص ۸۴ نمبر ۱۴۴۱۲) اس اثر میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہودی کو حق شفعہ دیا ہے جو کافر کے درجے میں ہے۔اس لئے کافر کو بھی حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۴۴] (۱۰) جب مالک ہو جائداد کا ایسے عوض کے بدلے جو مال ہو تو اس میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ مشتری ایسی چیز کے بدلے زمین لے جو خود شفیع بھی دے سکتا ہو مثلا درہم، دنانیر، چاول اور گیہوں کے بدلے میں زمین خریدے جو شفیع بھی دے سکتا ہے۔لیکن اگر ایسی چیز کے بدلے میں مشتری لے جو شفیع نہیں دے سکتا تو حق شفعہ کیسے ہوگا۔مثلا بیوی کو مہر میں زمین دے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیوی بضعہ کے بدلے زمین لے رہی ہے اور شفیع بضعہ نہیں دے سکتا اس لئے ایسی صورت میں شفیع کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۵] (۱۱) اور نہیں شفعہ ہے اس گھر میں کہ شادی کرے آدمی اس پر۔

تشریح آدمی گھر کے بدلے میں شادی کرے یعنی گھر مہر میں دے تو اس گھر میں شفیع کو حق شفعہ نہیں ہے۔

وجہ مہر ہوتا ہے بضع کے بدلے میں اور شفیع بضع نہیں دے سکتا اس لئے اس صورت میں حق شفعہ نہیں ہوگا (۲) مہر مال نہیں ہے۔حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب مال کے بدلے زمین فروخت ہو۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فیصلہ فرمایا شفعہ کا ہر چیز میں (ب) حضرت عمر ابن عبد العزیز نے لکھا کہ یہودی کے لئے بھی حق شفعہ ہے۔

علیھا [۱۲۴۶] (۱۲) او تخالع المرأة بھا او یستاجر بھا دارا او یصالح من دم عمد او یعتق علیھا عبدا[۱۲۴۷] (۱۳) او یصالح بانکار او سکوت [۱۲۴۸] (۱۴) فان صالح عنھا باقرار وجبت فیه الشفعة.

[۱۲۴۶] (۱۲) یا عورت خلع کرے گھر کے بدلے یا اجرت پر لے اس کے بدلے کسی گھر کو یا صلح کرے دم عمد کے بدلے یا آزاد کرے گھر کے بدلے غلام کو۔

تشریح عورت گھر کو خلع میں شوہر کو دے تو اس گھر میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ خلع مال نہیں ہے۔ نیز خلع میں بضعہ چھڑانا ہوتا ہے جو شفیع نہیں دے سکتا۔ اس عبارت میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ گھر کے بدلے میں کسی دوسرے کو اجرت پر لے تو اجرت پر لینا مال نہیں ہے جب تک کہ اس کو عقد کر کے مال کی حیثیت نہ دے۔ اس لئے اس گھر میں بھی حق شفعہ نہیں ہے۔ اس میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ آدمی نے عمدا اور جان بوجھ کر قتل کر دیا تھا اس قتل کے بدلے گھر دے کر صلح کی تو اس گھر میں حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ دم عمد مال نہیں ہے۔ گھر شفیع دم عمد میں نہیں دے سکتا۔ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ غلام سے گھر لیا اور اس کے بدلے غلام کو آزاد کیا تو اس گھر میں حق شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ غلام آزاد کرنا مال نہیں ہے اور شفیع گھر کے بدلے آزاد کرنا نہیں دے سکتا اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۷] (۱۳) یا صلح کرے گھر کے بدلے انکار یا سکوت کے بدلے۔

تشریح مثلا زید نے عمر پر دعوی کیا کہ تم پر میرے ایک ہزار درہم ہیں۔ عمر نے انکار کیا یا عمر چپ رہا۔ بعد میں عمر نے مجبوری کی وجہ سے گھر کے بدلے زید سے صلح کر لی تو اس صورت میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ انکار کرنے کے بعد یا چپ رہنے کے بعد جو صلح ہوتی ہے وہ مال کے بدلے میں نہیں ہوتی ہے بلکہ زید کے دباؤ اور مجبوری کی وجہ سے صلح کی ہے۔ تو چونکہ مال کے بدلے میں صلح نہیں ہے اس لئے حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۲۴۸] (۱۴) اگر صلح کی گھر کے بدلے اقرار کے ساتھ تو اس میں شفعہ ثابت ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر پر ایک ہزار درہم کا دعوی کیا۔ عمر نے اقرار کیا کہ ہاں! مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم ہیں۔ البتہ اس کے بدلے صلح کے طور پر میرا گھر لے لیجئے تو اس صورت میں شفعہ ثابت ہوگا۔

وجہ اس صورت میں ایک ہزار قرض ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اس لئے اس گھر میں حق شفعہ ہوگا۔

اصول جہاں مبادلۂ مال بالمال پایا جائے اور بیع کی صورت ہو وہاں حق شفعہ ہوگا۔ اس اصول کے لئے اس حدیث میں اشارہ ہے۔ **عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال من کانت له ارض فاراد بیعھا فلیعرضھا علی جارہ** (الف) (ابن ماجہ شریف، باب من باع رباعا فلیؤذن شریکہ ص ۳۵۷ نمبر ۲۴۹۳) اس حدیث میں ہے کہ جو بیچنے کا ارادہ کرے وہ پڑوس کو بتائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جہاں بیچنے کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس کی زمین ہو اور اس کو بیچنے کا ارادہ کرے تو اس کو اپنے پڑوس پر پیش کرنا چاہئے۔

[۱۲۴۹] (۱۵) واذا تقدم الشفيع الى القاضى فادعى الشراء وطلب الشفعة سأل القاضى المدعى عليه عنها فان اعترف بملكه الذى يشفع به والا كلفه باقامة البينة فان عجز عن البينة استحلف المشترى بالله ما يعلم انه مالک للذى ذكره مما يشفع به فان نكل عن اليمين او قامت للشفيع بينة سأله القاضى هل ابتاع ام لا فان انكر الابتياع قيل للشفيع اقم البينة فان عجز عنها استحلف المشترى بالله ما ابتاع او بالله ما يستحق على هذه الدار شفعة [۱۲۵۰] (۱۶) وتجوز المنازعة فى الشفعة وان لم يحضر الشفيع الثمن

صورت نہ ہو وہاں حق شفعہ نہیں ہوگا۔اس کے علاوہ بھی کئی حدیثیں اور اثر پہلے گزر گئے۔

[۱۲۴۹] (۱۵) جب شفیع قاضی کے پاس جائے اور دعوی کرے خرید کا اور شفعہ طلب کرے تو قاضی مدعی علیہ یعنی مشتری کو پوچھے گا اس کے بارے میں۔پس اگر وہ اقرار کرے اس مکان کی ملکیت کا جس سے شفعہ کا دعوی کر رہا ہے تو بہتر ہے ورنہ مدعی کو مکلّف بنائے گا بینہ قائم کرنے کا۔پس اگر مدعی بینہ سے عاجز ہو جائے تو مشتری سے قسم لے گا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ میں اس مکان کا مالک ہوں جس کے شفعہ کا یہ دعوی کرتا ہے۔اور اگر وہ انکار کرے قسم کھانے سے یا قائم ہو جائے شفیع کے لئے بینہ تو قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے پوچھے گا کہ تم نے خریدا ہے یا نہیں۔پس اگر انکار کرے مشتری خریدنے کا تو شفیع سے کہا جائے گا کہ اس خریدنے پر ثبوت لاؤ۔پس اگر شفیع بینہ لانے سے عاجز ہو جائے تو قسم لے مشتری سے کہ بخدا میں نے نہیں خریدا ہے۔یا بخدا یہ اس مکان پر اس طرح شفعہ کا مستحق نہیں ہے جس طرح اس نے ذکر کیا ہے۔

تشریح اس لمبی عبارت میں یہ ذکر کیا ہے کہ شفیع قاضی کے پاس جا کر شفعہ کا مطالبہ کرے تو قاضی کس طرح مقدمے کی کاروائی کرے اور کس سے پہلے پوچھے۔اس کاروائی میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ایک یہ کہ مدعی علیہ سے پوچھا جائے گا کہ مدعی جس بات کا دعوی کر رہا ہے کیا واقعی وہ بات صحیح ہے۔اگر وہ اعتراف کر لے تو فیصلہ کر دیا جائے گا۔اور اگر وہ اعتراف نہ کرے تو مدعی سے گواہ طلب کیا جائے گا۔اور وہ گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعی علیہ یعنی مشتری سے قسم لی جائے گی کہ مدعی جس بات کا دعوی کر رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کا دعوی صحیح ہے اس لئے پھر اس کے دعوی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔اس پوری عبارت کا حاصل یہی ہے۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ان رسول الله ﷺ قال البينة على من ادعى واليمين على من انكر الا فى القسامة (الف) (دار قطنی نمبر ۳۱۶۶)

[۱۲۵۰] (۱۶) شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے چاہے شفیع مجلس قضاء میں قیمت حاضر نہ کیا ہو۔اور جب قاضی اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ کر دے تو اس کو ثمن حاضر کرنا لازم ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا گواہ اس پر ہے جس نے دعوی کیا اور قسم اس پر ہے جس نے انکار کیا مگر قسامت میں۔

الی مجلس القاضی واذا قضی القاضی له بالشفعة لزمه احضار الثمن[۱۲۵۱](۱۷) وللشفیع ان یرد الدار بخیار العیب والرؤیة [۱۲۵۲](۱۸) وان احضر الشفیع البائع والمبیع فی یده فله ان یخاصمه فی الشفعة ولا یسمع القاضی البینة حتی یحضر

تشریح قاضی نے ابھی شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا ہے صرف مطالبہ شفعہ کا جھگڑا اٹھانا ہے تو چاہے ساتھ جائداد کی قیمت نہ لے گیا ہو پھر بھی جھگڑا اٹھانا جائز ہے۔البتہ جب قاضی شفعہ کا فیصلہ کردے تو جائداد کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔

وجہ شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد جائداد کو لینا ہے اس لئے اس کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔ورنہ جائداد کیسے لے گا؟

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ پہلے قیمت حاضر کرے تب قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شفیع مفلس ہو اس کے پاس جائداد کی قیمت نہ ہو تو اس کے لئے جائداد کا فیصلہ کرنا غلطی ہوگی۔اس لئے پہلے مجلس قضا میں قیمت حاضر کرے بعد میں قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے۔

[۱۲۵۱](۱۷) شفیع کے لئے جائز ہے کہ گھر کو خیار عیب اور خیار رویت کے ماتحت واپس کردے۔

تشریح حق شفعہ کے ماتحت گھر لینے کے بعد اس میں عیب دیکھا تو خیار عیب کے ماتحت گھر مالک کو واپس کرسکتا ہے۔اسی طرح گھر کو دیکھا نہیں تھا اور حق شفعہ کے ماتحت خرید لیا اور بعد میں پسند نہیں آیا تو خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کرسکتا ہے۔

وجہ حق شفعہ کے ماتحت لینا بھی خریدنا ہے اس لئے جو خیار عام بیوع میں ملتے ہیں وہ حق شفعہ کے ماتحت خریدنے سے بھی ملیں گے۔اور عام بیوع میں خیار عیب اور خیار رویت ملتے ہیں اس لئے حق شفعہ میں بھی ملیں گے۔

[۱۲۵۲](۱۸) اگر شفیع نے بائع کو حاضر کیا اور مبیع اسی کے ہاتھ میں ہو تو شفیع کے لئے جائز ہے کہ شفعہ کی بابت میں بائع سے جھگڑا کرے۔اور قاضی بینہ کو نہیں سنے گا یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے۔پس بیع فسخ کرے مشتری کی موجودگی میں۔اور شفعہ کا فیصلہ کرے بائع پر اور خرچہ بھی اسی پر ڈالے۔

تشریح بیع ہونے کے بعد مبیع مشتری کی ہو جاتی ہے۔اور اس پر مشتری کا قبضہ ہو جائے تو بائع ایک اعتبار سے اجنبی سا ہو جاتا ہے اس لئے شفعہ کا مقدمہ مشتری پر چلتا ہے۔اور فیصلہ بھی گویا مشتری کے خلاف ہوتا ہے۔اور شفیع مشتری ہی سے جائداد لیتا ہے۔اس صورت میں مقدمہ اور لین دین کے تمام امور مشتری اور شفیع کے درمیان طے ہوتے ہیں۔لیکن اگر مبیع پر مشتری کا ابھی قبضہ نہ ہوا ہو اور جائداد بائع کے ہاتھ میں ہو اور شفیع بائع کو مجلس قضا میں حاضر کرے تو مقدمہ بائع پر چلتا ہے اور لین دین کے سارے امور بائع اور شفیع کے درمیان طے ہوتے ہیں۔لیکن چونکہ بیع کی وجہ سے مبیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے قاضی کو دو کام کرنا ہوں گے۔ایک تو یہ کہ مشتری کی موجودگی کے بغیر شفیع کے گواہ کی گواہی نہیں سنیں گے۔اور دوسرا یہ کہ مشتری کو مجلس قضاء میں حاضر کرے۔اور پہلے بائع اور مشتری کے درمیان ہونے والی بیع کو توڑ دے۔اس بیع کو توڑنے کے بعد پھر مقدمہ اور لین دین کے سارے امور بائع اور شفیع کے درمیان طے کرے۔اور شفعہ کا فیصلہ بھی بائع پر کرے۔**ویجعل العهدة** کا یہی مطلب ہے۔

المشتری فیفسخ البیع بمشهد منه ویقضی بالشفعة علی البائع ویجعل العهدة علیه [۱۲۵۳](۱۹) واذا ترک الشفیع الاشهاد حین علم بالبیع وهو یقدر علی ذلک بطلت شفعته[۱۲۵۴](۲۰) وکذلک ان اشهد فی المجلس ولم یشهد علی احد المتعاقدین ولا عند العقار [۱۲۵۵](۲۱) وان صالح من شفعته علی عوض اخذه بطلت الشفعة

وجہ مبیع بائع کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے شفعہ کا ذمہ دار بائع ہوگا۔لیکن چونکہ بیع ہو چکی ہے اور مبیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لئے اس کو بھی حاضر ہونا ہوگا۔اور پہلی بیع کو قاضی فسخ کرے گا۔

اصول چیز جس کے قبضے میں ہوتی ہے مقدمہ کا رخ اسی کی طرف ہوتا ہے۔

لغت العہدۃ : بیع وشراء میں ہونے والے امور۔

[۱۲۵۳](۱۹) اگر چھوڑ دیا شفیع نے گواہ بنانا جب بیع کا علم ہوا حالانکہ وہ گواہ بنانے پر قادر تھا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح شفیع کو معلوم ہوا کہ فلاں جائداد فروخت ہو رہی ہے اور اوہ اس وقت حق شفعہ کے طور پر لینے کے لئے گواہ بنانے پر قدرت رکھتا تھا۔پھر بھی گواہ نہیں بنایا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ گواہ نہ بنانا لینے سے اعراض کی دلیل ہے۔اس لئے اعراض سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا (۲) اس نے طلب کے لئے مواثبت اور کودنے کا انداز اختیار نہیں کیا جو اثر اور حدیث کی رو سے ضروری تھا۔اس لئے حق شفعہ باطل ہو جائے گا (۳) حدیث اوپر گزر گئی۔ایک اثر یہ بھی ہے۔قال الشعبی من بیعت شفعته وهو شاهد لا یغیرها فلا شفعة له (الف) (بخاری شریف، باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع ص ۳۰۰ نمبر ۲۲۵۸) اس اثر میں ہے کہ فروخت ہوتے دیکھ رہا ہو اور شفیع کچھ حرکت نہیں کرتا ہے یعنی نہ طلب مواثبت کرتا ہے اور نہ اس پر گواہ بناتا ہے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائیگا۔

نوٹ مجبوری کی وجہ سے گواہ نہ بنا سکا تو حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۲۵۴](۲۰) ایسے ہی اگر مجلس میں گواہ بنایا اور نہیں گواہ بنایا بائع اور مشتری میں سے کسی ایک پر اور نہ زمین کے پاس۔

تشریح شفیع کو دو مقامات پر گواہ بنانا چاہئے تھا (۱) جس مجلس میں فروخت ہونے کا علم ہوا اس میں۔اور دوسری مرتبہ ان تمام جگہوں میں سے کسی ایک کے پاس، یا بائع کے پاس یا مشتری کے پاس یا کم از کم زمین کے پاس جا کر۔لیکن شفیع نے مجلس علم میں گواہ بنایا لیکن بائع یا مشتری یا زمین کے پاس گواہ نہیں بنایا تو دوسری مرتبہ چونکہ گواہ نہیں بنایا اس لئے اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ گواہ نہ بنانے سے اعراض کا پتہ چلتا ہے۔اور طلب مواثبت کی کمی ہو گئی اس لئے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

[۱۲۵۵](۲۱) اگر صلح کر لی اپنے شفعہ سے کسی عوض کے بدلے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور عوض لوٹا دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا جس کے شفعہ کی چیز بیچی جا رہی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو اور اس کو بدلتا نہیں ہے تو اس کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔

ویرد العوض [۱۲۵۶](۲۲) واذا مات الشفیع بطلت شفعته[۱۲۵۷] (۲۳) واذا مات المشتری لم تسقط الشفعة[۱۲۵۸] (۲۴) وان باع الشفیع ما یشفع به قبل ان یقضی له

تشریح مثلا زید کو حق شفعہ تھا لیکن زمین لینے کے بجائے حق شفعہ کے بدلے مشتری سے کچھ مال لے لیا تا کہ حق شفعہ چھوڑ دے تو اس عوض لینے کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جس عوض پر صلح ہوئی تھی وہ بھی شفیع کو نہیں ملے گا۔

وجہ شفیع کو حق شفعہ ملا تھا زمین لینے کے لئے لیکن اس نے عوض لے کر زمین چھوڑ دی تو معلوم ہوا کہ زمین لینے سے اعراض کر رہا ہے۔ اور جوں ہی اعراض کا پتہ چلے گا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جب حق شفعہ ہی نہیں رہا تو اس کے بدلے میں عوض کیسے لے گا؟ (۲) حق شفعہ کوئی مال نہیں ہے کہ اس کے بدلے میں عوض لے۔ وہ تو صرف ایک معنوی حق ہے۔ جب وہ باطل ہو گیا تو عوض جو لیا تھا وہ بھی واپس کرنا ہوگا۔

[۱۲۵۶] (۲۲) جب مر جائے شفیع تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح مجلس علم میں گواہ بنایا، پھر مشتری پر گواہ بنایا، پھر قاضی کے یہاں حق شفعہ کا دعوی کیا۔ لیکن شفعہ کے فیصلے سے پہلے پہلے شفیع کا انتقال ہو گیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اب اس بنیاد پر شفیع کے ورثہ کو حق شفعہ کے دعوی کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

وجہ یہ ایک قسم کا معنوی حق ہے۔ اور معنوی حقوق ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ اس لئے حق شفعہ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا (۲) قاضی کے فیصلے کے وقت حق شفعہ بحال ہونا چاہئے تب وہ شفعہ کا فیصلہ کر سکیں گے۔ اور شفیع کی موت کی وجہ سے حق شفعہ بحال نہ رہ سکا اس لئے وہ اب شفعہ کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ البتہ قاضی شفعہ کا فیصلہ کر چکے ہوں اور جائداد کی قیمت لانے سے پہلے شفیع کا انتقال ہو گیا تو چونکہ فیصلہ ہو چکا ہے صرف قیمت حاضر کرنا باقی ہے اس لئے شفیع کے ورثہ اس چیز کو قیمت دے کر لیں گے (۲) اثر میں ہے۔ قال الثوری سمعنا ان الشفعة لا تباع ولا توهب ولا تورث ولا تعار وهی لصاحبها الذی وقعت له (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتها؟ ج ثامن ص ۸۳ نمبر ۱۴۴۰۷) اس اثر میں ہے کہ حق شفعہ وراثت کے طور پر منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ جس کے لئے حق شفعہ واقع ہوا ہو اسی کے لئے رہے گا۔ اور اس کے انتقال کے بعد حق شفعہ ختم ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وارث کو حق شفعہ ملے گا۔

[۱۲۵۷] (۲۳) اگر مشتری مر جائے تو شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ بیع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد مشتری مرا ہے اس لئے یہ جائداد مشتری کی ہو چکی ہے۔ اس لئے اس کے مرنے سے حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ حق شفعہ والا یعنی شفیع موجود ہے۔ اور بیع ہو چکی ہے جس کی وجہ سے حق شفعہ ملتا ہے۔

[۱۲۵۸] (۲۴) اگر شفیع بیچ دے اس زمین کو جس کے ذریعہ اس کو حق شفعہ تھا اس کے لئے شفعہ کے فیصلے سے پہلے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائیگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ثوری نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ شفعہ نہ بیچا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے، نہ وارث ہو سکتا ہے اور نہ عاریت پر لیا جا سکتا ہے۔ وہ اسی شفیع کے لئے ہے جس کے لئے شفعہ واقع ہوا۔

بالشفعة بطلت شفعته [۱۲۵۹](۲۵) ووكيل البائع اذا باع وهو الشفيع فلا شفعة له[۱۲۶۰] (۲۶) وكذلك ان ضمن الشفيع الدرك عن البائع[۱۲۶۱](۲۷) ووكيل المشترى اذا ابتاع وهو الشفيع فله الشفعة.

تشریح جس زمین کی وجہ سے شفیع کو حق شفعہ ملتا تھا شفعہ کے فیصلے سے پہلے وہ زمین بیچ دی تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ جس زمین کی بنا پر حق شفعہ ملا تھا وہ زمین ہی شفیع کے پاس نہیں رہی تو حق شفعہ کا فیصلہ کیسے ہوگا ؟ کیونکہ فیصلہ ہونے تک زمین شفیع کے پاس رہنی چاہئے تب قاضی حق شفعہ کا فیصلہ کر سکے گا۔

اصول فیصلہ تک حق شفعہ کا سبب بحال رہنا ضروری ہے۔

[۱۲۵۹](۲۵) بائع کا وکیل اگر بیچے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کو اپنا گھر بیچنے کا وکیل بنایا اور عمر پڑوسی ہونے کی وجہ سے اس گھر کا شفیع تھا۔ اب عمر نے گھر بیچا تو عمر کو اس گھر کا حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ وکیل بیچنے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب اس نے بیچا اور بیچتے وقت خود خریدنے کا اظہار نہیں کیا تو گویا کہ اس نے لینے سے اعراض کیا اور طلب مواثبت نہیں کی اس لئے اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا (۲) اثر گزر چکا ہے۔ **وقال الشعبی من بیعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له** (الف) (بخاری شریف، نمبر ۲۲۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فروخت ہوتے دیکھ رہا ہو اور کوئی حرکت نہیں کرتا ہو تو اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

[۱۲۶۰](۲۶) اور ایسے ہی اگر شفیع ضامن بن جائے عوارض کا بائع کی طرف سے۔

تشریح بائع نے زمین بیچی اور جو شفیع بننے والا تھا اس نے مشتری سے کہا کہ اگر اس زمین میں کسی کا حق وغیرہ نکلا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اس زمین میں کسی کا حق نہیں ہے آپ بے فکر ہو کر خرید لیجئے تو اب اس شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ جب خود ہی کہا کہ اس زمین میں کسی کا حق وغیرہ نہیں ہے تو اب خود حق شفعہ کا دعوی کیسے کرے گا ؟ یہ گویا کہ حق شفعہ سے اعراض کر رہا ہے۔ اس لئے اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اصول اور دلائل اوپر کئی بار گزر چکے ہیں۔

لغت الدرک : پانا، زمین و جائداد میں کسی کا حق ثابت ہونا۔

[۱۲۶۱](۲۷) مشتری کا وکیل جب خریدے اور وہ شفیع بھی ہو تو اس کے لئے حق شفعہ ہوگا۔

وجہ مشتری کے وکیل نے مشتری کے لئے خریدا ہی اس لئے کہ یہ بیع ہوگی تو مجھے حق شفعہ کا دعوی کرنے کا موقع ملے گا۔ اس لئے اس کے خریدنے سے شفعہ سے اعراض کا پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ ایک گونہ طلب مواثبت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے مشتری کے وکیل کو حق شفعہ ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا جس کے سامنے شفعہ کی چیز بیچی جا رہی ہو اور وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور اس کو بدلتا نہ ہو تو اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

[۱۲۶۲] (۲۸) ومن باع بشرط الخیار فلا شفعة للشفیع [۱۲۶۳](۲۹) فان اسقط البائع الخیار وجبت الشفعة [۱۲۶۴](۳۰) وان اشتری بشرط الخیار وجبت الشفعة[۱۲۶۵] (۳۱) ومن ابتاع دارا شراء فاسدا فلا شفعة فیها[۱۲۶۶](۳۲) ولکل

[۱۲۶۲](۲۸)اگر بیچا شرط خیار کے ساتھ تو شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔

تشریح بائع نے زمین بیچی لیکن ابھی خیار شرط لیا ہے کہ تین دن تک سوچنے دیں کہ اس زمین کو بیچوں گا یا نہیں۔تو ابھی شفیع کو حق شفعہ کا دعوی کرنے کا حق نہیں ہے۔

وجہ بیع تو ہوگئی ہے لیکن بائع کے خیار شرط کی وجہ سے نہ بیع مکمل ہوئی ہے اور نہ ان کی ملکیت سے مبیع نکلی ہے۔اس لئے ابھی شفیع کو حق شفعہ کے دعوی کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ہاں! جب خیار شرط ختم کر کے بیع مکمل کر دے اور مبیع مشتری کی ملکیت میں چلی جائے گی تب حق شفعہ کے دعوی کا حق ہوگا۔

[۱۲۶۳](۲۹)پس اگر بائع خیار شرط کو ساقط کر دے تو شفعہ ثابت ہو جائے گا۔

وجہ خیار شرط ساقط کرنے کی وجہ سے بیع مکمل ہوگئی اور مبیع مشتری کی ملکیت میں چلی گئی۔اس لئے اب شفیع کو حق شفعہ ہوگا (۲) اثر میں ہے۔قال ابن ابی لیلی لا یقع له شفعة حتی یقع البیع (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا؟ ج ثامن ص۸۳ نمبر ۱۴۴۰۴)اس اثر میں ہے کہ بیع مکمل ہونے کے بعد شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۶۴](۳۰)اور اگر شرط خیار کے ساتھ خریدا تو شفعہ ثابت ہے۔

تشریح مشتری نے زمین خریدی اور تین دن تک سوچنے کے لئے خیار شرط لی اور بائع نے خیار شرط نہیں لی بلکہ اس نے اپنی جانب سے بیع مکمل کر دی تو شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔

وجہ چاہے مشتری کی ملکیت میں مبیع داخل نہیں ہوئی ہو لیکن بائع کے بیع مکمل کرنے کی وجہ سے اس کی ملکیت سے مبیع نکل چکی ہے۔اور اس کی جانب سے بیع مکمل ہو چکی ہے اس لئے اس میں جو شفعہ ابھی سے ثابت ہو جائے گا۔

[۱۲۶۵](۳۱)کسی نے گھر بیع فاسد کے ماتحت خریدا تو اس میں شفعہ نہیں ہے۔

وجہ بیع فاسد کو حتی الامکان توڑ دینا چاہئے۔اس لئے مشتری کے قبضے سے پہلے تو بائع کی ملکیت سے مبیع نکلی ہی نہیں۔اس لئے حق شفعہ نہیں ہوگا۔اور مشتری کا قبضہ ہو گیا ہو پھر بھی بیع توڑ دینے کا امکان ہے اس لئے ابھی حق شفعہ نہیں ہوگا۔ہاں! بیع بالکل مکمل ہی کر دے اور توڑنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے تب حق شفعہ ہو جائے گا۔

[۱۲۶۶](۳۲)اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو حق ہے بیع فسخ کرنے کا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن ابی لیلی نے فرمایا شفیع کے لئے شفعہ واقع نہیں ہوگا جب تک کہ بیع واقع نہ ہو جائے۔

واحد من المتعاقدين الفسخ[۱۲۶۷] (۳۳) فان سقط الفسخ وجبت الشفعة[۱۲۶۸] (۳۴) واذا اشترى الذمى دارا بخمر او خنزير وشفيعها ذمى اخذها بمثل الخمر وقيمة الخنزير[۱۲۶۹] (۳۵) وان كان شفيعها مسلما اخذها بقيمة الخمر والخنزير [۱۲۷۰](۳۶) ولا شفعة فى الهبة الا ان تكون بعوض مشروط.

وجہ بیع فاسد اچھی بیع نہیں ہے اس لئے بائع اور مشتری دونوں کو حق ہے کہ اس کو توڑ دے۔

[۱۲۶۷](۳۳) اگر فسخ ساقط کر دے تو شفعہ واجب ہے۔

تشریح بیع فاسد کو بحال ہی رکھا اور توڑنے کا امکان ختم ہو گیا تو اب شفعہ ہوگا۔

وجہ کیونکہ اب مکمل طور پر مبیع بائع کی ملکیت سے نکل گئی ہے۔ اس لئے اب اس کو حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۶۸](۳۴) اگر ذمی نے گھر شراب یا سور کے بدلے میں خریدا اور اس کا شفیع ذمی ہے تو گھر کو لے گا شراب کی مثل اور سور کی قیمت کے عوض۔

تشریح ذمی نے کسی ذمی سے شراب کے بدلے یا سور کے بدلے گھر بیچا۔ اور اس گھر کا شفیع ذمی ہے تو جتنے شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی شراب دے کر گھر لے لے۔

وجہ شراب مثلی چیز ہے اس لئے جتنی شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی شراب میں گھر لے لے۔ اور ذمی کے لئے شراب جائز ہے اس لئے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور سور کے بدلے گھر بکا ہے تو سور ذوات القیم ہے۔ اس لئے اس سور کی قیمت جتنی ہو سکتی ہے اتنی رقم دے کر گھر لے لے۔

[۱۲۶۹](۳۵) اور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو لے گا گھر کو شراب اور سور کی قیمت کے بدلے۔

وجہ شفیع مسلمان ہے اس لئے یہ نہ شراب دے سکتا ہے اور نہ سور دے سکتا ہے۔ اس لئے دونوں کی جتنی جتنی قیمت ہوگی اتنی رقم دے کر گھر لے لے۔

[۱۲۷۰](۳۶) اور ہبہ میں شفعہ نہیں ہے مگر یہ کہ عوض کی شرط لگائی گئی ہو۔

تشریح مثلا زید نے عمر کو زمین ہبہ کی تو اس زمین میں کسی کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ ہبہ میں مفت دینا ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں نہ بیع کی صورت پائی گئی اور نہ مبادلة المال بالمال پایا گیا جو شفعہ ثابت ہونے کے لئے ضروری تھی۔ اس لئے ہبہ میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔ البتہ اگر ہبہ کرتے وقت مالک زمین نے شرط لگائی کہ اتنی رقم دو تب ہبہ کروں گا تو اس صورت میں حق شفعہ ہوگا۔

وجہ اس صورت میں ظاہری طور پر ہبہ ہے لیکن حقیقت میں بیع ہے۔ کیونکہ ایک طرف سے زمین دینا اور دوسری طرف سے رقم لینا ہے جو

[۱۲۷۱](۳۷) واذا اختلف الشفیع والمشتری فی الثمن فالقول قول المشتری [۱۲۷۲] (۳۸) فان اقاما البینة فالبینة بینة الشفیع عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله [۱۲۷۳](۳۹) وقال ابو یوسف رحمه الله البینة بینة المشتری [۱۲۷۴](۴۰) واذا ادعی المشتری ثمنا اکثر وادعی البائع اقل منه ولم یقبض الثمن اخذها الشفیع بما قال

مبادلۃ المال بالمال کی شکل ہے۔اس لئے اس صورت میں حق شفعہ ہوگا۔

[۱۲۷۱](۳۷)اگر شفیع اور مشتری اختلاف کر جائے ثمن میں تو مشتری کے قول کا اعتبار ہوگا۔

تشریح مثلا مشتری کہتا ہے کہ اس زمین کو میں نے بائع سے ایک ہزار درہم میں خریدی ہے۔اور شفیع کہتا ہے کہ تم نے آٹھ سو درہم میں خریدا ہے۔اور مجھ کو تم سے آٹھ سو میں زمین لینے کا حق ہے۔اور شفیع کے پاس آٹھ سو پر بینہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مشتری کی بات مان لی جائے گی۔

وجہ شفیع آٹھ سو درہم دے کر زمین لینے کا مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے۔اور مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے مشتری منکر کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔

[۱۲۷۲](۳۸)پس اگر شفیع اور مشتری دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو شفیع کا بینہ معتبر ہوگا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک۔

تشریح شفیع نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ مشتری نے اس زمین کو آٹھ سو میں خریدا ہے۔اور مشتری نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ میں نے ایک ہزار میں خریدی ہے۔تو طرفین فرماتے ہیں کہ شفیع کا بینہ قابل قبول ہوگا،مشتری کا نہیں۔

وجہ شفیع مدعی ہے کم قیمت سے خریدنے کا اور مشتری منکر ہے۔اور حدیث کے اعتبار سے مدعی کی گواہی قابل قبول ہے۔اس لئے شفیع کی گواہی معتبر ہوگی۔

[۱۲۷۳](۳۹)اور فرمایا امام ابو یوسف نے مشتری کا بینہ معتبر ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مشتری زیادہ رقم میں خریدنے کا دعویدار ہے۔اس لئے اس مسئلے میں وہ مدعی ہو گیا اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائیگی۔

اصول اس مسئلے میں اصل بات یہ ہے کہ مدعی کون ہے اور منکر کون ہے؟ جس امام کے یہاں جو مدعی ٹھہرا اس کی گواہی معتبر ہوئی اور جو منکر ٹھہرا اس کی بات قسم کے ساتھ مانی گئی۔

[۱۲۷۴](۴۰)اگر دعوی کرے مشتری زیادہ ثمن کا اور بائع دعوی کرے اس سے کم کا اور بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفیع اس کو لے گا اس قیمت میں جو بائع نے کہی۔اور یہ مشتری کے ذمہ سے قیمت کم کرنا ہوگا۔

تشریح مثلا عمر مشتری نے کہا کہ اس زمین کو زید سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہوں۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ خالد شفیع کو بھی ایک ہزار میں یہ زمین دوں گا۔اور زید بائع نے کہا کہ میں نے عمر کے ہاتھ آٹھ سو میں زمین بیچی ہے۔اور زید بائع نے ابھی تک زمین کی قیمت عمر مشتری سے نہیں لی ہے تو خالد شفیع اس زمین کو عمر مشتری سے آٹھ سو درہم میں لے گا۔اور یوں سمجھا جائے گا کہ زید بائع نے مشتری کے لئے دو سو درہم بعد

البائع وکان ذلک حطا عن المشتری[۱۲۷۵] (۴۱) وان کان قبض الثمن اخذھا بما قال المشتری ولم یلتفت الی قول البائع[۱۲۷۶] (۴۲) واذا حط البائع عن المشتری بعض الثمن یسقط ذلک عن الشفیع [۱۲۷۷](۴۳) وان حط جمیع الثمن لم یسقط عن الشفیع [۱۲۷۸](۴۴) واذا زاد المشتری للبائع فی الثمن لم تلزم الزیادة للشفیع

میں کم کر دیئے۔اور اب زید بائع بھی عمر مشتری سے آٹھ سو درہم ہی لے گا۔کیونکہ اس نے خود ہی اقرار کیا کہ میں نے آٹھ سو درہم میں بیچی ہے۔

لغت حط : کم کرنا۔

[۱۲۷۵] (۴۱) اور اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا ہے تو لے گا شفیع اس قیمت میں جو مشتری نے کہی اور نہ توجہ دی جائے گی بائع کے قول کی طرف

وجہ بائع نے قیمت پر قبضہ کرلیا تو اب وہ اس معاملے سے اجنبی ہوگیا۔اب اس کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔اب معاملہ رہا شفیع اور مشتری کا۔اور اوپر گزر چکا ہے کہ اس صورت میں شفیع مدعی ہے اور مشتری منکر ہے۔اس لئے قسم کے ساتھ مشتری کی بات مان لی جائے گی مشتری کی۔اور بینہ قبول کیا جائے گا شفیع کا۔

اصول اجنبی کی بات پر توجہ نہیں دی جائے گی۔

لغت لم یلتفت : توجہ نہیں دی جائے گی۔

[۱۲۷۶] (۴۲) اگر بائع نے مشتری سے بعض قیمت کم کر دی تو اتنی مقدار شفیع سے کم ہو جائے گی۔

تشریح مثلا بائع نے پہلے ایک ہزار میں زمین بیچی تھی، بعد میں مشتری سے دو سو کم کر دی اور آٹھ سو میں دی تو شفیع سے بھی دو سو کم ہو جائیں گے۔اور وہ اب آٹھ سو میں زمین لے گا۔

وجہ جس قیمت میں مشتری نے خریدی ہے قاعدہ یہ ہے کہ اسی قیمت میں شفیع بھی خریدنے کا حقدار ہے۔

اصول جس قیمت میں فروخت ہوئی ہے اسی قیمت میں شفیع خریدے گا۔

[۱۲۷۷] (۴۳) اور اگر تمام قیمت کم کر دے تو شفیع سے کچھ ساقط نہیں ہوگی۔

تشریح مثلا ایک ہزار میں زمین بیچی، بعد میں بائع نے سب معاف کر دی تو شفیع سے کچھ ساقط نہیں ہوگی۔

وجہ کچھ معاف کرتا تو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتا اور شفیع سے بھی کم ہو جاتا۔لیکن پوری قیمت معاف کر دی تو اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی۔بلکہ الگ سے بعد میں معاف کرنا ہوا۔اس لئے شفیع کو اب پوری قیمت ہی دینی ہوگی۔

[۱۲۷۸] (۴۴) اگر مشتری بائع کے لئے زیادہ کر دے ثمن میں تو شفیع کو یہ زیادتی لازم نہیں ہوگی۔

تشریح مثلا ایک ہزار میں زمین بیچی، بعد میں مشتری نے اپنی خوشی سے بارہ سو دے دیئے تو یہ دو سو شفیع کو لازم نہیں ہوں گے۔شفیع پہلی قیمت

[۱۲۷۹](۴۵) واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بينهم على عدد رؤسهم ولا يعتبر باختلاف الاملاک[۱۲۸۰](۴۶) ومن اشترى دارا بعرض اخذها الشفيع بقيمته.

ایک ہزار میں ہی زید سے لے گا۔

وجہ یہ بہت ممکن ہے کہ مشتری نے زیادہ دے کر شفیع کو دوسو درہم کے نقصان دینے کا ارادہ کیا ہوگا۔اس لئے شریعت اس نقصان کی تلافی کرے گی اور بیع میں جو پہلی قیمت طے ہوئی ہے شفیع کو وہی لازم ہوگی (۲) لا ضرر ولا ضرار،الحدیث.

[۱۲۷۹](۴۵) اگر کئی شفیع جمع ہو جائیں تو حق شفعہ ان کے درمیان ان کی تعداد کے مطابق ہوگا اور ملکیتوں کے اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

تشریح مثلا ایک زمین فروخت ہوئی اس کے چاروں طرف چار پڑوسی تھے یا چار حصے دار تھے۔کسی کا حصہ زیادہ تھا کسی کا کم۔تو چاروں کو برابر حق شفعہ ملے گا۔حصے کی کمی زیادتی سے حق شفعہ میں کم زیادہ نہیں ہوگا۔

وجہ حق شفعہ اتصال کی وجہ سے ملتا ہے یا شرکت کی وجہ سے ملتا ہے۔اور اتصال اور شرکت میں سب شفیع برابر ہیں۔حصے میں کمی زیادتی اور چیز ہے۔اس لئے حق شفعہ کی وجہ سے جو زمین ملے گی وہ سب کو برابر زمین ملے گی (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن الشعبی قال الشفعة على رؤوس الرجال و کذلک قال ابراهيم** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالحصص او علی الرؤوس، ج ثامن، ص ۸۵، نمبر ۱۴۴۱۵/۱۴۴۱۶/مصنف ابن ابی شیبة ۳۶۹ فی الشفعة علی رؤوس الرجال، ج رابع، ص ۵۰۳، نمبر ۲۲۵۳۰) اس اثر سے پتہ چلا کہ شفعہ تعداد شفیع کے اعتبار سے ہوگا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک جس شفیع کا جتنا حصہ ہے اس حصے کی کمی زیادتی کی وجہ سے زمین بھی کم زیادہ ملے گی۔

وجہ اثر میں ہے۔**عن عطاء قال الشفعة بالحصص** (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الشفعة بالحصص او علی الرؤوس، ج ثامن، ص ۸۵، نمبر ۱۴۴۱۸/مصنف ابن ابی شیبة ۳۶۹ فی الشفعة علی رؤوس الرجال، ج رابع، ص ۵۰۳، نمبر ۲۲۵۲۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حصوں کے اعتبار سے شفعہ کی زمین تقسیم ہوگی۔جس کا حصہ زیادہ ہوگا اس کو زمین زیادہ ملے گی اور جس کا حصہ کم ہوگا اس کو زمین کم ملے گی اور قیمت بھی کم دینی ہوگی۔

[۱۲۸۰](۴۶) کسی نے گھر سامان کے بدلے خریدا تو شفیع اس کو اس کی قیمت سے لے گا۔

تشریح مشتری نے سامان کے بدلے زمین خریدی تو شفیع اس سامان کی قیمت دے کر زمین خریدے گا۔اس سامان کی جو قیمت ہوگی وہ دے کر مشتری سے زمین لے گا۔

وجہ سامان ذوات القیم ہے۔اس کی قیمت ہی لگتی ہے۔اس کا مثل نہیں ہوتا اس لئے سامان کی قیمت دیکر زمین لے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی نے فرمایا شفعہ آدمیوں کی تعداد کے اعتبار سے ہے۔حضرت ابراہیم نخعی نے بھی ایسا ہی فرمایا (ب) حضرت عطاء نے فرمایا شفعہ حصوں کے اعتبار سے ہے۔

[۱۲۸۱](۴۷) وان اشتراها بمكيل او موزون اخذها بمثله [۱۲۸۲](۴۸) وان باع عقارا بعقار اخذ الشفيع كل واحد منهما بقيمة الآخر[۱۲۸۳] (۴۹) واذا بلغ الشفيع انها بيعت بالف فسلم الشفعة ثم علم انها بيعت باقل من ذلک او بحنطة او شعير قيمتها

[۱۲۸۱](۴۷)اور اگر گھر کو کیلی یا وزنی چیزوں کے بدلے لیا ہے تو اس کو اس کے مثل لے لے۔

تشریح مثلا دوسو کیلو گیہوں کے بدلے گھر خریدا ہے تو شفیع گیہوں کے مثل دوسو کیلو گیہوں دے کر گھر مشتری سے لیگا۔

وجہ گیہوں کیلی چیز ہے اور مثلی ہے۔اس لئے اس کا مثل دے کر شفیع لے گا۔

[۱۲۸۲](۴۸)اگر بیچا زمین کو زمین کے بدلے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے شفیع لیں گے دوسرے کی قیمت کے بدلے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کی زمین اپنی زمین کے بدلے خریدی جس کی بنا پر زید کی زمین کے شفیع کھڑے ہوئے اور عمر کی زمین کے شفیع بھی کھڑے ہوئے۔اب زید کی زمین کی قیمت ایک ہزار تھی اور عمر کی زمین کی بازاری قیمت آٹھ سو تھی۔اس لئے زید کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ عمر کی زمین کی قیمت جو آٹھ سو ہے اس کے بدلے میں لیں گے۔اور عمر کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ زید کی زمین کی جو قیمت ایک ہزار ہے اس کے بدلے میں لیں گے۔

وجہ زید کی زمین کی قیمت عمر کی زمین ہے۔اس لئے زید کے شفیع کے لئے عمر کی زمین کی قیمت لگے گی۔اور عمر کی زمین کے شفیع کے لئے زید کی زمین کی قیمت لگے گی۔

لغت عقار : زمین۔

[۱۲۸۳](۴۹)اگر شفیع کو خبر ملی کے گھر ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس لئے شفعہ چھوڑ دیا۔پھر معلوم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے۔یا گیہوں کے بدلے میں یا جو کے بدلے میں فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے یا اس سے زیادہ ہے تو اس کا چھوڑنا باطل ہے اور اس کو حق شفعہ ہوگا۔

تشریح شفیع کو خبر ملی کہ گھر ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس وقت اس نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔بعد میں علم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے۔تو پہلا چھوڑنا باطل ہوگا اور دوبارہ اس کو حق شفعہ ملے گا۔

وجہ شفیع نے کثرت ثمن کی وجہ سے حق شفعہ چھوڑا تھا۔اس لئے اس کو اعراض نہیں کہا جا سکتا ہے۔اور بعد میں قیمت کی کمی کی وجہ سے شفعہ کا دعوی کیا ہے۔اسی طرح بعد میں معلوم ہوا کہ ایک ہزار کے بدلے میں بکا ہے اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔بعد میں معلوم ہوا کہ گیہوں کے بدلے بکا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے کے بدلے فروخت ہوا ہے تو اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

وجہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دیہاتی کے لئے ہزار درہم ادا کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن گیہوں کا ادا کرنا آسان ہوتا ہے اس لئے جب گیہوں کی خبر ملی تو رغبت پیدا ہوگئی اس لئے پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے۔اس لئے اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔یہی حال ہر اس صورت میں ہے

الف او اکثر فتسلیمه باطل وله الشفعة[۱۲۸۴](۵۰) وان بان انها بیعت بدنانیر قیمتها الف فلا شفعة له [۱۲۸۵](۵۱) واذا قیل له ان المشتری فلان فسلم الشفعة ثم علم انه غیره فله الشفعة [۱۲۸۶](۵۲) ومن اشتری دارا لغیره فهو الخصم فی الشفعة الا ان

جب پہلے خبر ملے کہ اور جنس سے فروخت ہوا ہے جس پر شفیع نے انکار کر دیا اور بعد میں خبر ملے کے دوسری جنس سے فروخت ہوا ہے تو اس کو دو بارہ حق شفعہ ملے گا۔ کیونکہ پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے۔

اصول خلاف جنس کی خبر ملی تو حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۲۸۴](۵۰) اور اگر ظاہر ہوا کہ فروخت ہوا ہے دینار کے بدلے جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی تو شفیع کو شفعہ نہیں ملے گا۔

تشریح شفیع کو خبر ملی کہ گھر دینار کے بدلے فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے۔ اس پر شفعہ کا انکار کر دیا۔ بعد میں خبر ملی کہ ایک ہزار درہم کے بدلے فروخت ہوا ہے اور اب دوبارہ حق شفعہ کا دعوی کرتا ہے تو اس کو اب حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ کیونکہ درہم اور دینار دونوں ثمن ہیں اور دونوں گویا ایک ہی جنس ہیں اس لئے پہلے ایک ہزار کی خبر ملی جس پر انکار کر دیا تو دوبارہ ایک ہزار کی خبر ملنے پر کیسے شفعہ کا دعوی کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ حق شفعہ نہیں ملے گا۔

لغت بان : ظاہر ہوا۔

[۱۲۸۵](۵۱) اور اگر شفیع سے کہا گیا کہ خریدار فلاں ہے پس شفعہ چھوڑ دیا پھر جانا کہ اس کے علاوہ ہے تو اس کو حق شفعہ ہوگا۔

تشریح شفیع کو خبر ملی کہ فلاں زمین کا خریدار مثلا زید ہے اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ بعد میں اطلاع ملی کہ خریدار عمر ہے تو اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

وجہ حق شفعہ ضرر جوار سے بچانے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے شفیع کو جب معلوم ہوا کہ زید خرید رہا ہے جو شریف آدمی ہے۔ اس کی پڑوسیت سے نقصان نہیں ہوگا۔ اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ عمر خرید رہا ہے جو خطرناک آدمی ہے۔ اس کی پڑوسیت سے نقصان ہوگا اس لئے حق شفعہ کا دعوی کیا تو کر سکتا ہے۔ کیونکہ پہلا انکار اعراض پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

اصول ان مسائل میں یہی اصول کار فرما ہے کہ جو حرکت اعراض پر دلالت کرتی ہو اس سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جو حرکت اعراض پر دلالت نہ کرتی ہو اس سے حق شفعہ بحال رہے گا۔

[۱۲۸۶](۵۲) کسی نے دوسرے کے لئے گھر خریدا تو وہی مدعی علیہ ہوگا شفعہ میں۔ مگر یہ کہ گھر کو مؤکل کے سپرد کر دے۔

تشریح مثلا زید نے عمر کا وکیل بن کر عمر کے لئے گھر خریدا تو شفیع حق شفعہ کے لئے زید ہی کو مدعی علیہ بنائے گا اور اسی پر مقدمہ دائر کرے گا۔ ابھی عمر کو نہیں۔ ہاں! اگر زید نے گھر عمر مؤکل کو سپرد کر دیا تو اب شفیع عمر مؤکل کو مدعی علیہ بنائے گا۔

وجہ جو گھر خریدتا ہے مشتری وہی مانا جاتا ہے۔ چاہے دوسرے کے لئے خریدا ہو۔ اور دعوی وغیرہ کے سارے حقوق خریدنے والے ہی ہر لادا

يسلمها الى الموكل[۱۲۸۷] (۵۳) واذا باع دارا الا مقدار ذراع فی طول الحد الذی یلی الشفیع فلا شفعة له [۱۲۸۸](۵۴) وان ابتاع منها سهما بثمن ثم ابتاع بقیتها فالشفعة للجار فی السهم الاول دون الثانی [۱۲۸۹](۵۵)واذا ابتاعها بثمن ثم دفع الیه

جاتا ہے۔تو اس صورت میں زید وکیل نے ظاہری طور پر خریدا ہے اس لئے وہی مدعی علیہ بنیں گے۔اور مؤکل کے ہاتھ میں جانے کے بعد اب وہ گویا کہ اصل خریدار بن گئے اس لئے وہ مدعی علیہ بنیں گے۔

اصول تمام حقوق وکیل پر عائد ہوتے ہیں۔

لغت الخصم : مدمقابل،مدعی علیہ۔

[۱۲۸۷](۵۳)اگر گھر بیچا مگر ایک ہاتھ چھوڑ کر اس طرف کی لمبائی سے جو شفیع سے متصل ہے تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح شفیع کو نہ دینے کا حیلہ کرنا ہے اس لئے پورا گھر بیچا مگر جس طرف شفیع کی زمین پڑتی ہے اور اس کی پڑوسیت لگتی ہے اس طرف ایک ایک ہاتھ پوری لمبائی میں چھوڑ دیا نہیں بیچا۔اب پڑوس شفیع کو حق شفعہ کا دعوی کرنے کا موقع نہیں ہوگا۔

وجہ پڑوسیت کی وجہ سے حق شفعہ کا دعوی اس وقت کر سکتا تھا جب اس کے پڑوس کی متصل زمین فروخت ہو۔اور یہاں ایسا ہوا کہ پڑوسیت کی زمین ایک ایک ہاتھ بکی ہی نہیں اس لئے شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔اس نقشہ میں بیچ کا حصہ نہیں بیچا اس لئے شفیع کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

لغت : یلی : متصل ہے۔

[۱۲۸۸](۵۴) اگر خریدا گھر میں سے ایک حصہ کچھ قیمت میں، پھر خریدا اس کا باقی حصہ تو پڑوس کے لئے شفعہ پہلے حصہ میں ہوگا۔

تشریح مثلا ایک گھر ہے جس کی قیمت آٹھ ہزار درہم ہے۔بائع نے اس کے آٹھ حصے بنائے اور ایک حصہ بیچ کر مشتری کو گھر میں شریک بنا لیا۔بعد میں باقی سات حصے اسی مشتری کے ہاتھ بیچے۔اب جو پڑوس شفیع تھا اس کو پہلی مرتبہ جو ایک حصہ فروخت ہوا تھا اس میں حق شفعہ ملے گا۔دوسری مرتبہ جو سات حصے فروخت ہوئے ان میں اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔وہ سات حصے شریک کے ہی ہوں گے۔

وجہ پہلے مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق ملتا ہے، پھر راستے میں شریک کو اور تیسرے درجے میں پڑوس کو شفعہ کا حق ملتا ہے۔اس قاعدہ سے پہلی مرتبہ جب ایک حصہ فروخت ہو رہا تھا اس وقت اس گھر کا کوئی شریک نہیں تھا۔اس لئے پڑوس کو حق شفعہ مل گیا۔لیکن دوسری مرتبہ جب سات حصے فروخت ہو رہے تھے اس وقت مشتری اول گھر میں شریک ہو چکا تھا اس لئے شریک کو حق شفعہ ہوگا۔پڑوس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

نوٹ یہ بھی پڑوسی شفیع کو شفعہ سے محروم کرنے کا حیلہ ہے۔

[۱۲۸۹](۵۵)اگر خریدا گھر کو ایک قیمت سے پھر بائع کو اس کے بدلے میں کپڑے دیئے تو شفعہ قیمت میں ہے نہ کہ کپڑے میں۔

تشریح مثلا زید نے عمر سے ایک ہزار درہم کے بدلے زمین خریدی، بعد میں ایک ہزار درہم کے بجائے کپڑا دے دیا تو شفیع مشتری سے ایک

ثوبا عوضا عنه فالشفعة بالثمن دون الثوب [۱۲۹۰](۵۶) ولا تکره الحیلة فی اسقاط الشفعة عند ابی یوسف رحمه الله وقال محمد رحمه الله تکره[۱۲۹۱] (۵۷) واذا بنی المشتری او غرس ثم قضی للشفیع بالشفعة فهو بالخیار ان شاء اخذها بالثمن وقیمة

ہزار درہم کے بدلے زمین لے گا، کپڑے کے بدلے زمین نہیں لے گا۔

وجہ زمین کی اصل قیمت شروع میں ایک ہزار درہم ہیں نہ کہ کپڑا۔اس لئے ایک ہزار درہم کے بدلے زمین لے گا۔اور اس میں شفیع سے جان چھڑانے کا حیلہ یہ ہے کہ تھوڑی سی زمین کی قیمت دو گنے، تین گنے دراہم رکھ دیئے جائیں اور بعد میں اس درہم کے بدلے تھوڑے سے کپڑے دے دیئے جائے۔اب شفیع خریدے گا تو دوگنی تین گنی قیمت دے کر خریدے گا۔جس سے بائع اور مشتری کی جان چھوٹ جائے گی۔

[۱۲۹۰](۵۶) حیلہ مکروہ نہیں ہے شفعہ کے ساقط کرنے میں امام ابو یوسف کے نزدیک،امام محمد نے فرمایا مکروہ ہے۔

وجہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ شفیع کا حق ابھی ثابت نہیں ہوا ہے اس لئے اس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے حیلہ کر سکتا ہے۔حضرت کی نگاہ بائع اور مشتری کے نقصان کی طرف گئی ہے۔اور امام محمد نے فرمایا کہ اس طرح حیلوں کا دروازہ کھول دیا جائے تو حق شفعہ کا حکم ہی ختم ہو جائے گا۔اس لئے ایسا حیلہ کرنا مکروہ ہے۔ان کی نگاہ شفیع کے ضرر کی طرف گئی ہے۔

[۱۲۹۱](۵۷) اگر مشتری نے مکان بنا لیا یا باغ لگایا پھر شفیع کے لئے شفعہ کا فیصلہ کیا گیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو لے قیمت سے اور اکھڑے ہوئے مکان اور کٹے باغ کی قیمت دیکر اور چاہے تو مشتری کو اکھاڑنے پر مجبور کرے۔

تشریح مشتری نے زمین خریدی اس کے بعد اس پر مکان بنا لیا یا باغ لگا لیا۔اس کے بعد اس زمین کا فیصلہ شفیع کے لئے ہوا تو شفیع زمین کی قیمت دے گا۔اور ٹوٹے ہوئے مکان کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے گا۔اور زمین اور مکان اور باغ کو لے گا۔یا پھر مشتری کو مجبور کرے گا کہ مکان توڑے اور باغ اکھاڑے۔اور زمین مکمل خالی کر کے شفیع کے حوالے کرے۔

وجہ مشتری نے زمین بائع سے خریدی ہے۔حق شفعہ کے فیصلے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حقیقت میں شفیع کی زمین تھی جس کو مشتری نے لی تھی۔اور شفیع کی اجازت کے بغیر مشتری نے مکان بنایا تھا اور باغ لگایا تھا اس لئے مشتری پر مکان توڑنا اور باغ کو کاٹنا لازم ہے۔**عن عبد الله بن عمر قال من بنی فی ارض قوم بغیر اذنهم فله نقضه و ان بنی باذنهم فله قیمته** (سنن للبیھقی، باب من بنی اوغرس فی ارض غیرہ ج سادس ص۹۱) اس اثر میں ہے کہ بغیر اجازت کے مکان بنایا تو اس کو توڑنا ضروری ہے۔اس لئے یا تو ٹوٹے ہوئے مکان اور کٹے ہوئے باغ کی قیمت لیکر زفیع کے حوالے کرے۔جو کم قیمت بہت کم ہوگی۔یا مشتری باضابطہ مکان توڑے اور باغ کاٹے۔

فائدہ امام ابو یوسف اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشتری کو مکان توڑنے اور باغ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔بلکہ شفیع چاہے تو زمین کی قیمت اور موجودہ حالت میں مکان اور باغ کی قیمت دے کر اس کو خریدے۔

وجہ اس لئے کہ یہ زمین پہلے بائع کی تھی اور اس سے خریدی ہے۔اور گویا کہ مشتری نے اپنی زمین میں مکان بنایا اور باغ لگایا ہے۔شفیع کا حق تو

البناء والغرس مقلوعين وان شاء كلف المشتری بقلعه [۱۲۹۲](۵۸) وان اخذها الشفيع فبنى او غرس ثم استحقت رجع بالثمن ولا يرجع بقيمة البناء والغرس[۱۲۹۳] (۵۹) واذا انهدمت الدار او احترقت بناؤها او جف شجر البستان بغير عمل احد

بہت بعد میں ظاہر ہوا۔اس لئے مکان بنانے اور باغ لگانے میں مشتری حق بجانب ہے۔اس لئے اس کو مکان توڑنے اور باغ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

لغت غرس : باغ لگایا، درخت بویا۔ المقلوع : اکھڑا ہوا قلع سے مشتق ہے۔

[۱۲۹۲](۵۸) اگر شفیع نے زمین لی پھر مکان بنایا یا باغ لگایا پھر زمین کسی کی مستحق نکل گئی تو قیمت واپس لیگا۔اور نہیں واپس لے سکتا مکان اور باغ کی قیمت۔

تشریح شفیع نے خالی زمین مشتری سے لی پھر اس میں مکان بنایا یا باغ لگایا۔بعد میں کسی نے دعوی کر کے اس زمین میں اپنا حق ثابت کر دیا اور لے لیا تو شفیع نے مشتری کو زمین کی قیمت دی تھی اس لئے شفیع مشتری سے صرف زمین کی قیمت وصول کرے گا۔بعد میں جو کچھ مکان بنایا یا باغ لگایا اس کی قیمت مشتری سے یا اصل بائع سے وصول نہیں کرے گا۔

وجہ مشتری نے شفیع کو زمین لینے پر مجبور نہیں کیا تھا اور نہ اس نے زمین میں مکان بنانے اور باغ لگانے کہا تھا۔بلکہ شفیع نے خود مشتری کو مجبور کر کے زمین لی ہے اور اپنی مرضی سے مکان بنایا یا باغ لگایا۔اس لئے مکان اور باغ کی قیمت مشتری سے وصول نہیں کر پائے گا۔البتہ زمین کی قیمت مشتری نے لی تھی اور ابھی مستحق نے شفیع سے مفت زمین لی ہے اس لئے صرف زمین کی قیمت شفیع مشتری سے وصول کر سکے گا۔

اصول اپنی مرضی سے دھوکہ کھایا ہے تو اس کی قیمت دوسروں سے وصول نہیں کر سکے گا۔

[۱۲۹۳](۵۹) اگر گھر منہدم ہو گیا، یا اس کی دیوار جل گئی یا باغ کا درخت خشک ہو گیا کسی کے کچھ کئے بغیر تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو اس کو لے پوری قیمت سے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح مشتری نے بائع سے مثلا ایک ہزار درہم میں زمین، اس پر مکان اور باغ خریدا تھا۔اس درمیاں آفت سماوی سے مکان جل گیا یا باغ اجڑ گیا جس کی وجہ سے چار سو درہم قیمت کم ہوگئی۔اب شفیع مشتری سے زمین لینا چاہے تو ایک ہزار ہی میں لے گا۔چار سو درہم کم نہیں ہوں گے۔

وجہ زمین اصل ہے۔مکان اور باغ اس کے تابع ہیں۔اور آفت سماوی سے مکان جلا ہے یا باغ اجڑا ہے۔کسی نے کوئی حرکت نہیں کی ہے۔اس لئے زمین کو اصل مان کر پوری قیمت اسی پر لگے گی۔اور شفیع کو ایک ہزار درہم دے کر لینے کا حق ہوگا۔اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ تابع کی قیمت نہیں لگے گی، سارا مدار اصل پر ہوگا۔

لغت انہدم : گر گیا، منہدم ہو گیا۔ جف : خشک ہو گیا۔

فالشفیع بالخیار ان شاء اخذها بجمیع الثمن وان شاء ترک[۱۲۹۴] (۶۰) وان نقض المشتری البناء قیل للشفیع ان شئت فخذ العرصة بحصتها وان شئت فدع[۱۲۹۵] (۶۱) ولیس له ان یأخذ النقص[۱۲۹۶] (۶۲) ومن ابتاع ارضا وعلی نخلها ثمر اخذها

[۱۲۹۴] (۶۰) اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا کہ خالی زمین اس کے حصے سے لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح مشتری نے مثلا ایک ہزار درہم میں زمین، اس پر مکان سمیت خریدا تھا۔ بعد میں مشتری نے خود مکان توڑ دیا جس کی وجہ سے چار سو درہم کم قیمت ہوگئی۔ اب شفیع لینا چاہے تو صرف زمین کی جو قیمت ہے چھ سو درہم وہ دے کر صرف خالی زمین لے لے اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ مشتری نے مکان خود توڑا ہے اس لئے اس کے توڑنے کی وجہ سے مکان اصل ہو گیا۔ اب زمین کے تابع نہیں رہا اس لئے مکان کے ٹوٹنے کی وجہ سے جتنی قیمت کم ہوئی ہے وہ کم ہو جائے گی اور زمین کی قیمت جواب ہے وہ دے کر شفیع لے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جان کر مشتری نے تابع کو نقصان کیا ہے تو وہ اصل بن جائے گا اور اس کی قیمت شفیع سے کم ہو جائے گی۔

[۱۲۹۵] (۶۱) اور شفیع کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ٹوٹ پھوٹ لے۔

تشریح مشتری کے مکان توڑنے کے بعد اینٹ لکڑی وغیرہ جو زمین سے الگ ہو گئے اس میں شفیع کا حق شفعہ نہیں ہے۔ اس کو حق شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔

وجہ زمین اور زمین سے متصل چیزوں میں حق شفعہ ہوتا ہے۔ اور اینٹ اور لکڑی وغیرہ زمین اور مکان سے الگ ہو چکے ہیں۔ اب وہ زمین کے تابع نہیں رہے۔ اس لئے اس کو حق شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔ الگ سے قیمت دے کر مشتری کی خوشی سے لینا چاہے تو لے سکتا ہے

اصول زمین سے الگ ہونے کے بعد وہ چیز زمین کے تابع نہیں رہتی۔ اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

لغت النقض : ٹوٹی ہوئی چیز۔

[۱۲۹۶] (۶۲) اگر مشتری نے زمین خریدی اور اس کے درخت پر پھل ہیں تو شفیع اس کو پھل کے ساتھ لے گا۔

تشریح مشتری نے ایسی زمین خریدی جس میں باغ ہے اور باغ میں پھل بھی لگے ہوئے ہیں تو شفیع کو حق ہے کہ پھل سمیت مشتری سے باغ لے۔

وجہ درخت کی بیع میں پھل شامل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن یہاں مشتری نے بائع سے پھل بھی خریدا ہے اس لئے پھل زمین کے تابع ہو گیا۔ اس لئے زمین کے حق شفعہ کے ساتھ پھل میں بھی حق شفعہ ہوگا۔ اور پھل کو بھی اسی قیمت میں خریدنے کا حقدار ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ زمین کے ساتھ کوئی چیز متصل ہو اور اس کے تابع ہو تو زمین کے ساتھ اس میں حق شفعہ ہوگا۔

لغت ابتاع : خرید اباع سے مشتق ہے۔ ارضا : سے مراد باغ والی زمین ہے۔

الشفیع بثمر[۱۲۹۷] (۶۳) فان جده المشتری سقط عن الشفیع حصته [۱۲۹۸](۶۴) واذا قضی للشفیع بالدار ولم یکن رآھا فله خیار الرؤیة فان وجدبھا عیبا فله ان یردھا به

[۱۲۹۷](۶۳)اور اگر مشتری نے پھل توڑا تو ساقط ہوجائے گا اس کے حصے کے مطابق۔

تشریح مشتری نے پھل کے ساتھ باغ خریدا تھا جس کی وجہ سے شفیع کو پھل کے ساتھ اتنی قیمت میں لینے کا حق تھا۔لیکن مشتری نے پھل توڑ لیا تو پھل کی جتنی قیمت ہوسکتی ہے اتنی قیمت کم کر کے شفیع مشتری سے باغ لے گا۔

وجہ پوری قیمت پھل کے ساتھ تھی اس لئے پھل توڑ لیا تو پھل کے برابر قیمت کم ہوجائے گی (۲) مشتری نے خود توڑا ہے، آفت سماوی کی وجہ سے نہیں ٹوٹا ہے اس لئے پھل تابع نہیں رہا بلکہ باغ کی طرح اصل ہوگیا۔اس لئے اس کی قیمت کم ہوگی۔

[۱۲۹۸](۶۴)اگر فیصلہ کردے شفیع کے لئے گھر کا اور اس کو دیکھا نہ ہو تو اس کے لئے خیار رویت ہے، پس اگر اس میں عیب پائے تو شفیع کے لئے حق ہے کہ اس کو لوٹا دے عیب کی وجہ سے اگر چہ مشتری نے اس عیب سے برائت کی شرط کر لی ہو۔

تشریح شفیع نے گھر دیکھا نہیں تھا اور اس کے لئے حق شفعہ کی وجہ سے گھر کا فیصلہ ہوگیا تو اس کو دیکھنے کے بعد خیار رویت ملے گا۔اسی طرح اگر مبیع میں عیب نکلے تو خیار عیب کے ماتحت شفیع اس کو مشتری کی طرف واپس کرسکتا ہے۔چاہے مشتری نے جب خریدا تھا تو بائع کو اس عیب سے بری کردیا تھا۔لیکن شفیع کو اس عیب کے ماتحت واپس کرنے کا حق ہوگا۔

وجہ چاہے حق شفعہ کی وجہ سے لیا ہو۔لیکن یہ مشتری اور شفیع کے درمیان بیع جدید ہے اس لئے بیع کے سارے خیار شفیع کو ملیں گے۔چنانچہ مبیع کو نہ دیکھا ہو تو خیار رویت کے ماتحت مبیع کو واپس کرے گا۔اور عیب ہو تو خیار عیب کے ماتحت واپس کرے گا (۲) حدیث میں دونوں خیاروں کے متعلق یہ حدیث ہے۔**عن ابی ھریرۃ قال قال رسول الله ﷺ من اشتری شیئا لم یرہ فھو بالخیار اذا رآہ** (الف)(دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵ نمبر ۲۷۷۹ سنن للبیھقی، باب من قال یجوز بیع العین الغائبۃ، ج خامس ص ۴۴۰، نمبر ۱۰۴۲۶)اس حدیث میں خیار رویت کا اختیار ہے۔اور خیار عیب کے لئے یہ حدیث ہے۔**عن عائشة ان رجلا ابتاع غلاما فاقام عنده ماشاء الله ان یقیم ثم وجد به عیبا فخاصمه الی النبی ﷺ فردہ علیه** (ب)(ابوداؤد شریف، باب فیمن اشتری عبدا فاستعملہ ثم وجد بہ عیبا، ص ۱۳۹، نمبر ۳۵۱۰ سنن للبیھقی، باب المشتری یجد بما اشتراہ عیبا وقد استغلہ زمانا، ج خامس ص ۵۲۶، نمبر ۱۰۷۴۲)اس حدیث میں ثبوت ہے کہ غلام میں عیب پایا تو اس کو بائع کی طرف واپس کردیا۔

نوٹ مشتری نے بائع کو عیب سے بری کردیا تھا وہ اس کی مرضی تھی۔لیکن شفیع مشتری سے نئے سرے سے خرید رہا ہے اس لئے اس کو اختیار ہوگا کہ مشتری کو عیب سے بری کرے یا مبیع واپس کرے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری سے شفیع کا خریدنا بیع جدید ہے اس لئے ان کو بھی کے خیار ملیں گے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے کوئی چیز بغیر دیکھے خریدی تو اس کو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے (ب) ایک آدمی نے غلام خریدا وہ غلام اس کے پاس جتنی مدت ہوسکا ٹھہرا پھر اس غلام میں عیب پایا تو حضورؐ کے سامنے شکایت لے گیا تو آپؐ نے اس غلام کو بائع پر واپس کردیا۔

وان كـان المشترى شرط البراء ة مـنـه[۱۲۹۹] (۶۵) واذا ابتـا ع بثمن مؤجل فالشفيع بـالـخيـار ان شاء اخذها بثمن حال وان شاء صبر حتى ينقضى الاجل ثم يأخذها[۱۳۰۰] (۶۶) واذا اقتسـم الشـر كـاء العـقـار فـلا شـفـعة لجارهم بالقسمة[۱۳۰۱] (۶۷) واذا اشتـرى دارا فسـلـم الشفيع الشفعة ثم ردها المشترى بخيار رؤية وشرط او بعيب بقضاء

[۱۲۹۹] (۶۵) اگر مشتری نے ادھار قیمت سے خریدا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو نقد قیمت سے لے لے اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک کہ مدت ختم ہو جائے پھر گھر کو لے۔

تشریح مثلا مشتری نے بائع سے گھر خریدا اور قیمت بعد میں دینے کی شرط کی۔ اب شفیع اس گھر کو خریدنا چاہتا ہے تو اس کو گھر کی قیمت نقد دینی ہوگی۔ مشتری کو ادھار کی سہولت ملنے کی وجہ سے شفیع کو ادھار کی سہولت نہیں ملے گی۔ یا پھر ابھی شفعہ کا دعوی کرے اور ادھار کی مدت ختم ہو جائے تو اس وقت نقد قیمت دے کر مشتری سے خرید لے۔

وجہ مشتری کے مانگنے کی وجہ سے بائع نے مشتری پر اعتماد کرکے ادھار کی سہولت دی تھی۔ اس لئے اس کا تعلق بیع سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بائع کے اعتماد سے ہے۔ بیع کا عام قاعدہ نقد ہی ادا کرنے کا ہے۔ اور یہ نئی بیع مشتری اور شفیع کے درمیان ہو رہی ہے اس لئے یہاں بیع کے عام قاعدے سے نقد قیمت ہی دینی ہوگی۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ مشتری بھی شفیع پر اعتماد کرے اور ادھار دے۔ اس لئے شفیع پر نقد قیمت دینا واجب ہوگا۔

نوٹ مشتری اپنی مرضی سے شفیع کو ادھار دے تو دے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ادھار لینے یا دینے کا معاملہ بائع اور مشتری کے اعتماد اور رضامندی پر ہے۔ اصل بیع میں شامل نہیں ہے۔ اصل بیع تو نقد قیمت پر ہی واقع ہوگی۔ ایک ہاتھ سے لو اور دوسرے ہاتھ سے دو۔ اس پر دلائل گزر چکے ہیں۔

لغت ینقضی : مدت ختم ہو جائے۔ الاجل : مدت۔

[۱۳۰۰] (۶۶) اگر شرکاء زمین تقسیم کریں تو تقسیم کرنے کی وجہ سے ان کے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ حق شفعہ ہوتا ہے زمین فروخت ہونے کی وجہ سے اور مبادلۃ المال بالمال پائے جانے کی وجہ سے۔ اور یہاں بیع نہیں پائی گئی ہے بلکہ اپنا اپنا حصہ الگ الگ کیا گیا ہے۔ اس لئے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہوگا (۲) حدیث اور آثار گزر چکے ہیں۔

[۱۳۰۱] (۶۷) اگر گھر خریدا، پس شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر گھر کو مشتری نے خیار رویت یا خیار شرط یا خیار عیب کے ماتحت قضاء قاضی سے واپس کیا تو شفیع کو دوبارہ شفعہ نہیں ہے۔

تشریح مشتری نے گھر خریدا، اس وقت شفیع نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ مشتری نے قضاء قاضی کے ذریعہ خیار رویت، یا خیار شرط یا خیار عیب کے ماتحت گھر واپس کیا تو اس واپس کرنے کی وجہ سے دوسری مرتبہ شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

قاض فلا شفعة للشفيع [۱۳۰۲](٦٨) وان ردها بغير قضاء قاض او تقايلا فللشفيع الشفعة.

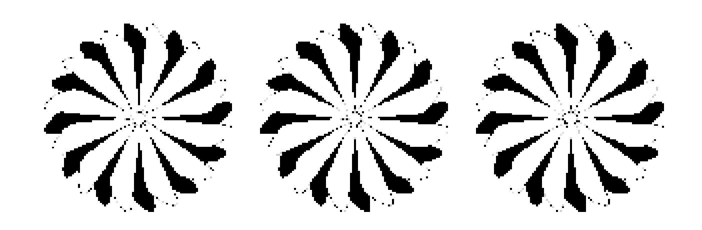
وجہ قاضی نے جب مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو پہلی بیع کو منسوخ کیا۔کوئی نئی بیع نہیں ہوئی۔اس لئے شفیع کو دوبارہ حق شفعہ نہیں ملے گا۔اگر نئی بیع ہوتی تو شفیع کو دوبارہ حق شفعہ ملتا۔

[۱۳۰۲](٦٨)اور اگر گھر کو واپس کیا بغیر قضاء قاضی کے یا بائع اور مشتری نے اقالہ کیا تو شفیع کے لئے دوبارہ حق شفعہ ہوگا۔

وجہ بغیر قاضی کے فیصلے کے مشتری نے بائع کی طرف گھر واپس کیا تو اگر چہ ان دونوں کے حق میں پہلی بیع کو توڑنا ہے۔لیکن تیسرا آدمی دیکھ رہا ہے کہ مشتری کی جانب سے مبیع بائع کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔اور مبادلۃ المال بالمال بھی ہے اس لئے شفیع کے حق میں بیع جدید ہے اس لئے شفیع کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جب جب نئی بیع ہو تو شفیع کو حق شفعہ ملے گا۔اور جب جب پہلی بیع کو فسخ کرنا ہو تو شفیع کو حق شفعہ نہیں ملیگا.

لغت تقایلا : اقالۃ سے مشتق ہے، رضامندی سے بیع کو واپس کرنا، اقالہ کرنا۔



﴿کتاب الشرکة﴾

[۱۳۰۳](۱)الشرکة علی ضربین شرکة املاک و شرکة عقود فشرکة الاملاک العین یرثها رجلان او یشتریانها.

﴿کتاب الشرکة﴾

ضروری نوٹ کسی چیز میں چند آدمیوں کے شریک ہونے کو شرکت کہتے ہیں۔شرکت کا ثبوت اس آیت میں ہے۔**فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث** (الف) (آیت ۱۲ سورۃ النساء۴) اس آیت میں زیادہ وارثین کو تہائی وراثت میں شریک کیا گیا ہے۔جس سے شرکت کا پتہ چلتا ہے(۲) حدیث میں ہے۔**عن ابی ھریرۃ رفعہ قال ان اللہ تعالی یقول انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما صاحبہ فاذا خانہ خرجت من بینھم** (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی الشرکۃ ص۱۲۴ نمبر ۳۳۸۳) اس سے بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے اس لئے شرکت جائز ہے۔

[۱۳۰۳](۱) شرکت دو طرح کی ہیں (۱) شرکت املاک (۲) اور شرکت عقود۔پس شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں جائیں یا دونوں ملکر ایک چیز خریدیں۔

تشریح شرکت دو طرح کی ہوتی ہیں۔ایک کو شرکت املاک کہتے ہیں اور دوسری کو شرکت عقود کہتے ہیں۔شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ با ضابطہ ایجاب اور قبول کر کے کسی چیز میں شریک نہ ہوئے ہوں، بلکہ ناگہانی طور پر دونوں ایک چیز میں شریک ہو گئے۔مثلا والد کا انتقال ہوا اور ایک چیز دو بیٹوں کے درمیان وراثت میں آگئی۔اور دونوں بیٹے اس چیز میں وراثت کے طور پر شریک ہو گئے تو دونوں ایجاب وقبول کر کے شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ وراثت کے طور پر شریک ہوئے ہیں۔چونکہ دونوں ملکیت کے طور پر شریک ہوئے اس لئے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔یا دو آدمیوں نے ایک چیز کو خریدلیا اور دونوں ایک چیز کے مالک بن گئے تو چونکہ ملکیت کے اعتبار سے شرکت ہوئی اس لئے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔

وجہ شرکت وراثت کا ثبوت اوپر کی آیت ہے۔فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث (آیت ۱۲ سورۃ النساء۴) اور خریدنے میں شرکت کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن زھرۃ بن معبد انہ کان یخرج بہ جدہ عبد اللہ بن ھشام الی السوق فیشتری الطعام فیلقاہ ابن عمر وابن الزبیر فیقولان لہ اشرکنا فان النبی ﷺ قد دعا لک بالبرکۃ فیشرکھم** (ج)(بخاری شریف، باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ ص۳۴۰ نمبر ۲۵۰۲ رسنن للبیھقی، باب الشرکۃ فی البیع، ج سادس، ص۳۰، نمبر ۱۱۴۲۶) اس اثر میں خریدی ہوئی چیز میں صحابی شریک ہوئے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں شریک کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) اگر اس سے زیادہ بھائی ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے (ب) میں دو شریکوں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان میں سے ایک ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے۔پس جب خیانت کی تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں (ج) عبد اللہ بن ہشام بازار جاتے اور غلہ خریدتے تو ان سے ابن عمر اور ابن زبیر فرماتے مجھے بھی بیع میں شریک کر لیجئے۔اس لئے کہ حضورؐ نے آپ کے لئے برکت کی دعا کی ہے تو وہ ان کو بیع میں شریک کر لیتے۔

[۱۳۰۴](۲) فلا یجوز لاحدهما ان یتصرف فی نصیب الآخر الا باذنه وکل واحد منهما فی نصیب صاحبه کالاجنبی [۱۳۰۵](۳) والضرب الثانی شرکة العقود وهی علی اربعة اوجه مفاوضة و عنان وشرکة الصنائع و شرکة الوجوه [۱۳۰۶](۴) فاما شرکة

[۱۳۰۴](۲) پس نہیں جائز ہے دونوں میں سے ایک کے لئے کہ تصرف کرے دوسرے کے حصے میں مگر اس کی اجازت سے۔اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔

وجہ اگر چہ ایک ہی چیز میں دونوں شریک ہیں لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لئے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اس کے لئے باری مقرر کردے اور باری باری استعمال کرے (۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔**عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله ﷺ فی حجة الوداع بمنی فسمعته یقول لا یحل لامرأ من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه** (الف) (دار قطنی ، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۲۲، نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کی اجازت کے بغیر اس کی چیز کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔چاہے وہ شریک ہی کیوں نہ ہو۔

[۱۳۰۵](۳) اور دوسری قسم شرکت عقود ہے۔اور اس کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) اور شرکت وجوہ۔

تشریح شرکت عقود کو عقود اس لئے کہتے ہیں کہ اس شرکت میں باضابطہ عقد کرتے ہیں اور ایجاب اور قبول کے ذریعہ شرکت اور منفعت طے ہوتی ہے۔اس لئے اس کو شرکت عقود کہتے ہیں۔اس کی چار قسموں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۳۰۶](۴) بہر حال شرکت مفاوضہ وہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں، پس دونوں برابر ہوں مال میں، تصرف میں اور قرض میں۔

تشریح مفاوضہ کے معنی ہیں برابری، اس لئے دونوں شریک برابر مال جمع کریں۔دونوں شریک خریدنے اور بیچنے میں برابر اختیار رکھتے ہوں اور تجارت کی نسبت سے جو قرض سر پر آئے وہ دونوں کے سر پر آئے اور دونوں اس کو ادا کرنے کے برابر طریقے پر ذمہ دار ہوں تو اس کو شرکت مفاوضہ کہتے ہیں۔

وجہ شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن صالح بن صهیب عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ ثلاث فهن البرکة البیع الی اجل والمفاوضة واختلاط البر بالشعیر للبیت لا للبیع** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الشرکۃ والمضاربۃ، ص ۳۲۶، نمبر ۲۲۸۹) اس حدیث میں اکثر روایت المقارضہ قرض سے ہے۔اور دوسری میں المفاوضۃ وفاضۃ سے ہے۔عام روایت میں مقارضۃ ہے۔اس روایت سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔البتہ مفاوضہ والی روایت سے شرکت مفاوضہ کی فضیلت ظاہر ہوگی (۲) اثر میں ہے۔عن ابن

حاشیہ : (الف) حضور کو منی میں کہتے سنا کہ کسی انسان کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کی خوشدلی سے (ب) آپؐ نے فرمایا تین چیزوں میں برکت ہے۔ادھار بیع، شرکت مفاوضہ اور گھر میں گیہوں کو جو کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا، بیچنے کے لئے ملانا نہیں۔

المفاوضة فهی ان یشرک الرجلان فیتساویان فی مالهما وتصرفهما ودینهما[۱۳۰۷] (۵) فیجوز بین الحرین المسلمین البالغین العاقلین ولا یجوز بین الحر والمملوک.

سیرین قال المفاوضة فی المال اجمع (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین...احدهما اویرث مالا ھل یکون بینھما، ج ثامن، ص ۲۵۹، نمبر ۱۵۱۳۸) اس اثر سے شرکت مفاوضہ کے جواز کا پتہ چلا۔ اور دونوں شریکوں کے مال برابر ہوں اس کے لئے یہ اثر ہے۔ اخبرنا سفیان قال لا تکون المفاوضة حتی تکون سواء فی المال وحتی یخلطا اموالهما ولا تکون المفاوضة والشرکة بالعروض۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں دونوں کے مال برابر ہوں۔ اسی اثر کا اگلا ٹکڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بھی دونوں برابر ہوں۔ وما ادان واحد من المتفاوضین فقال قد ادنت کذا وکذا فهو مصدق علی صاحبه وان مات احدهمااخذ الآخر وان شاء الغریم یأخذ ایهما باع سلعته اخذ المبتاع ایهما شاء (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین، ج ثامن، ص ۲۵۹، نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ ایک کا بیچنا، خریدنا اور اقالہ کرنا دوسرے کے لئے ہوں گے۔ اس سے تصرف میں برابر ہونے کا پتہ چلا۔

[۱۳۰۷] (۵) پس جائز ہے شرکت مفاوضہ دو آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل کے درمیان اور نہیں جائز ہے آزاد اور مملوک کے درمیان۔

تشریح دونوں آدمی آزاد ہوں، دونوں مسلمان ہوں، دونوں عاقل اور بالغ ہوں تو ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے۔ لیکن ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو تو ان کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔

وجہ اصل میں شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی ہوتے ہیں۔ یعنی کچھ خریدے تو آدھا اپنے لئے خریدتے ہیں اور آدھا وکیل کے طور پر شریک کے لئے خریدتے ہیں۔ اور کسی پر کوئی دین اور قرض ہو جائے تو آدھا اس پر ہوتا ہے اور آدھا کفیل اور ذمہ دار کے طور پر دوسرے شریک پر ہوتا ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل اسی وقت بن سکتے ہیں جب دونوں آزاد ہوں۔ اگر ایک مملوک اور غلام ہو تو وہ نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کفیل۔ اس لئے وہ شرکت مفاوضہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے آزاد اور مملوک کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اوپر اثر میں تھا۔ فاذا کانت شرکة مفاوضة فامر کل واحد جائز علی صاحبه فی البیع والشراء والاقالة (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین الخ، ص ۳۵۹، نمبر ۱۵۱۳۷) کہ شرکت مفاوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا شرکت مفاوضہ تمام ہی مال میں ہو سکتی ہے (ب) جو کچھ ایک نے قرض لیا شرکت مفاوضہ میں اور کہا کہ میں نے ایسا قرض لیا تو اس کے ساتھی پر بھی اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر دونوں میں سے ایک مر گیا تو دوسرے سے لے گا۔ اور اگر قرض خواہ جن سے چاہے لے چاہے جس سے سامان بیچا ہو۔ اور مشتری چاہے جس سے قیمت لے (ج) ابن سیرین سے منقول ہے کہ اگر شرکت مفاوضہ ہو تو ہر ایک کا معاملہ اس کے شریک پر بھی ہوگا بیع، شراء اور اقالہ میں۔

[۱۳۰۸] (٦) ولا بين الصبى والبالغ ولا بين المسلم والكافر [۱۳۰۹](۷) فتنعقد على الوكالة والكفالة [۱۳۱۰](۸) وما يشتريه كل واحد منهما يكون على الشركة الا طعام

[۱۳۰۸](٦)اورنہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ بچےاور بالغ کے درمیان اور نہ مسلمان اور کافر کے درمیان۔

وجہ اوپر گزر گیا کہ شرکت مفاوضہ میں ہرایک شریک دوسرے کے کفی بھی ہوتے ہیں اور وکیل بھی ہوتے ہیں۔اور بچہ نہ کفیل بن سکتا ہے اور نہ وکیل۔اس لئے بچہ اور بالغ کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

اور مسلمان اور کافر کے درمیان اس لئے نہیں ہوگی کہ مثلا کافر شراب اور سور خریدے تو وہ مسلمان کی وکالت میں نہیں خرید سکتا اور ایسا کرسکتا کہ آدھی شراب اور آدھا سور اپنے لئے ہو اور آدھی شراب اور آدھا سور مسلمان کے لئے ہو۔ یا وہ سود کا کاروبار کرے تو کفیل ہونے کے ماتحت آدھا سودا اپنے لئے اور آدھا سود مسلمان کے لئے ہو۔ایسا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ شراب،سور اور سود مسلمان کے لئے حرام ہیں تو چونکہ بہت سے مقامات پر کافر مسلمان کی وکالت اور کفالت نہیں کرسکتا جو شرکت مفاوضہ میں ضروری ہیں۔اس لئے مسلمان اور کافر کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوسکتی۔شرکت عنان،شرکت صنائع اور شرکت وجوہ ہوسکتی ہیں (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔**قلت لابن عباس ان ابی جلاب الغنم وانه مشارک الیهودی والنصرانی قال لا تشارک یهودیا ولا نصرانیا ولا مجوسیا قلت لم ؟ قال لانهم یربون الربوا لایحل** (الف)(سنن للبیہقی، باب کراهیة مبایعة من اکثر ماله من الربا وثمن المحرم، ج خامس، ص۵۴۷، نمبر۱۰۸۲۲رمصنف ابن ابی شیبة ۳ فی مشارکة الیهودی والنصرانی، ج رابع، ص۲۷۴، نمبر۱۹۹۷۳) اس اثر میں یہودی۔نصرانی اور مجوسی کو شریک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ سود کا کاروبار کرتے ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں وہ شریک نہیں بن سکتے۔

فائدہ امام ابو یوسف کے نزدیک کافر کے ساتھ شرکت مفاوضہ جائز ہے۔البتہ مکروہ ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ کافر عاقل بالغ ہے اس لئے وہ وکیل اور کفیل بننے کا اصل ہے۔اس لئے اس کے ساتھ شرکت مفاوضہ ہوسکتی ہے۔

[۱۳۰۹](۷) شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر۔

تشریح یعنی دونوں شریکوں میں سے ہرایک دوسرے کے وکیل ہیں کہ جو کچھ خریدیں گے ان میں آدھا اپنا ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کا ہوگا۔اور جو قرض سر پر آئے گا اس میں سے آدھا اپنے سر ہوگا اور آدھا کفیل ہونے کے ماتحت شریک کے ذمے ہوگا۔

وجہ اثر گزر چکا ہے۔(مصنف عبدالرزاق،نمبر۱۵۱۳۷/۱۵۱۴۰)

[۱۳۱۰](۸) دونوں شریکوں میں سے ہرایک جو کچھ خریدے گا وہ شرکت پر ہوگی سوائے بیوی بچوں کے کھانے اور کپڑے کے۔

تشریح دونوں شریکوں میں سے ہرایک تجارت کے متعلقات خریدے گا اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کے لئے ہوگا۔البتہ بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان کی ضروریات زندگی کے سامان متعلقات تجارت میں سے نہیں ہیں اس لئے وہ

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ میرے والد بکریوں کو لاتے ہیں اور وہ یہودی اور نصرانی کو شریک کرتے ہیں۔تو ابن عباس نے فرمایا کہ یہودی اور نصرانی کو شریک نہ کرو اور نہ مجوسی کو۔میں نے کہا کیوں؟ فرمایا وہ سود کا معاملہ کرتے ہین جو حلال نہیں ہے۔

اهلہ و کسوتھم [۱۳۱۱](۹) وما یلزم کل واحد من الدیون بدلا عما یصح فیہ الاشتراک فالآخر ضامن لہ[۱۳۱۲] (۱۰) فان ورث احدھما مالا مما تصح فیہ

جب بھی خریدے گا تو وہ صرف اپنے لئے ہوں گے۔ شریک کے لئے نہیں ہوں گے۔

وجہ کیونکہ ان میں نہ شرکت ہے اور نہ ان میں کفالت ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے کہ صرف متعلقات تجارت میں کفالت ہوگی۔ عن ابن سیرین ...فاذا کانت شرکة مفاوضة فامر کل واحد جائز علی صاحبہ فی البیع والشراء والاقالة (الف) مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳۷) اس اثر میں ہے کہ خرید و فروخت اور اقالہ دوسرے شریک پر ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ متعلقات تجارت دوسرے شریک پر ہوں گے اور اہل وعیال کی ضروریات متعلقات تجارت میں نہیں ہیں اس لئے وہ کفالت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول شرکت مفاوضہ میں متعلقات تجارت وکالت اور کفالت میں شامل ہوں گے باقی نہیں۔

لغت کسوة : کپڑا وغیرہ۔

[۱۳۱۱](۹) اور جو کچھ دونوں میں سے ہر ایک کو قرض لازم ہو اس کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا

تشریح تجارت اور اس کے متعلقات کی وجہ سے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک پر قرض لازم ہو گیا تو دوسرا شریک بھی اس کا ضامن ہوگا اور اس کو ادا کرنا ہوگا۔

وجہ شریک پر جو کچھ بھی قرض آئے دوسرا شریک اس کا کفیل ہے۔ اس لئے کفالت کی وجہ سے وہ بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے۔ اخبرنا سفیان ... وما ادان واحد من المتفاوضین فقال قد ادنت کذا وکذا فھو مصدق علی صاحبہ وان مات احدھما اخذ الآخر وان شاء الغریم یأخذ ایھما باع سلعتہ اخذ المبتاع ایھما شاء (ب) مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ قرض دینے والا اپنا قرض شریک مفاوضہ میں سے کسی سے بھی وصول کر سکتا ہے۔

[۱۳۱۲](۱۰) پس اگر وارث ہوا دونوں شریکوں میں سے ایک ایسے مال کا جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دیا گیا اور پہنچ گیا اس کے ہاتھ تک تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور بدل کر شرکت عنان ہو جائے گی۔

تشریح آگے آ رہا ہے کہ شرکت مفاوضہ صرف درہم، دنانیر اور رائج سکوں میں ہوتی ہے ان کے علاوہ میں نہیں۔ پس اگر دونوں شریکوں میں سے ایک درہم، دنانیر یا رائج سکوں کا وارث بن گیا یا کسی نے اس کو ہبہ کر دیا اور شریک نے ان پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے

(الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا اگر شرکت مفاوضہ ہو تو ہر ایک کا معاملہ جائز ہے اس کے شریک پر بیع، شراء اور اقالہ میں (ب) حضرت سفیان نے فرمایا...شریک مفاوضہ میں سے کوئی قرض لے۔ پس کہا میں نے ایسا قرض لیا۔ میں نے ایسا قرض لیا تو وہ اس کے ساتھی پر تصدیق کی جائے گی (یعنی ساتھی پر بھی اس کی ذمہ داری ہوگی) اور اگر دونوں میں سے ایک مر گیا تو دوسرے سے لے گا۔ اور قرضخواہ چاہے تو قیمت لے جس سے بھی اپنا سامان بیچا ہو اور مشتری سے بھی چاہے لے گا۔

الشـركة او وهـب لـه ووصـل الـى يده بطلت المفاوضة وصارت الشركة عنانا[۱۳۱۳] (۱۱) ولا تنعقد الشركة الا بالدراهم والدنانير والفلوس النافقة.

گی اور شرکت عنان بن جائے گی۔

وجہ شرکت مفاوضہ میں تجارت کے متعلقات تمام ہی چیزوں میں شرکت ہوتی ہے۔اور اوپر گزرا کہ دونوں شریکوں کے مال برابر ہونے چاہئے۔اور یہاں وراثت اور ہبہ کے ذریعہ مالک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال برابر نہ رہے بلکہ ایک کا زیادہ ہو گیا اس لئے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔البتہ چونکہ شرکت عنان میں مال کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ مال کم زیادہ ہو تب بھی شرکت عنان جائز ہے۔اس لئے وہ شرکت عنان بن جائے گی (۲) اثر میں ہے **اخبرنا سفيان قال لاتكون المفاوضة حتى تكون سواء فى المال وحتى يخلطا اموالهما** (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ دونوں کے مال برابر ہونے چاہئے اور دونوں کو ملانا بھی چاہئے۔اور یہاں ایک کا مال زیادہ ہو گیا اس لئے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔ **عن الشعبى قال كل شريك بيعه جائز فى شركة الا شريك الميراث** (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳۹) اس سے پتہ چلا کہ میراث میں شرکت نہیں ہوگی۔

نوٹ ایسے مال کا وارث بنا جس میں شرکت مفاوضہ درست نہیں جیسے سامان وغیرہ کا مالک بنا تو اس سے شرکت مفاوضہ باطل نہیں ہوگی۔اس لئے کہ وہاں دونوں شریکوں کے مال میں کمی زیادتی کا معاملہ نہیں ہوا۔

لغت ووصل الی یدہ : ہبہ کی چیز پر شریک کا قبضہ ہو اس کی شرط اس لئے لگائی کہ ہبہ میں قبضہ سے پہلے آدمی اس چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا۔اس لئے یہ قید لگائی کہ ہبہ ہوا ہو اور اس پر قبضہ بھی ہو گیا ہو تب شرکت مفاوضہ باطل ہوگی۔

[۱۳۱۳] (۱۱) اور شرکت مفاوضہ نہیں منعقد ہوگی مگر درہم، دینار اور رائج سکوں سے۔

تشریح جو ثمن ہیں ان میں شرکت مفاوضہ ہوگی، سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ہاں سامان بیچ کر پھر برابر برابر درہم یا دینار ملائے اور شرکت کرے تو ہوگی۔

وجہ (۱) اثر میں ہے۔**اخبرنا سفيان قال لاتكون المفاوضة حتى تكون سواء فى المال وحتى يخلطا اموالهما ولا تكون المفاوضة والشركة بالعروض ان يجيئ هذا بعرض وهذا بعرض** (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر میں ہے کہ سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اوپر اثر میں آیا کہ دونوں کے مال برابر ہوں۔لیکن سامان بیچا اور کسی کی قیمت زیادہ آئی اور کسی کی کم تو مال میں برابری نہیں ہوئی اس لئے سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت سفیان نے فرمایا شرکت مفاوضہ میں نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال میں برابر ہو اور یہاں تک کہ دونوں کے مال ملائے جائیں (ب) حضرت سفیان نے فرمایا مفاوضہ اور شرکت نہیں ہوگی یہاں تک کہ مال میں برابر ہو اور یہاں تک کہ دونوں مال خلط ملط نہ کر دیئے جائیں اور مفاوضہ اور شرکت نہیں ہوگی سامان کے ذریعہ کہ یہ سامان لے کر آئے اور یہ سامان لے کر آئے۔

[۱۳۱۴](۱۲) ولا یجوز فیما سوی ذلک الا ان یتعامل الناس به کالتبر والنقرة فتصح الشرکة بهما [۱۳۱۵](۱۳) وان اراد الشرکة بالعروض باع کل واحد منهما نصف ماله بنصف مال الآخر ثم عقد الشرکة [۱۳۱۶](۱۴) واما شرکة العنان فتنعقد علی

فائدہ امام مالک فرماتے ہیں کہ کیلی اور وزنی چیز ہو اور دونوں شریک کی ایک جنس ہو مثلا دونوں گیہوں ملا کر شرکت کرے تو جائز ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابن سیرین قال المفاوضة فی المال اجمع (الف)(مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۵۹ نمبر ۱۵۱۳۸)اس اثر میں ہے کہ تمام مالوں میں شرکت مفاوضہ کر سکتے ہیں۔

[۱۳۱۴](۱۲)اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ ان کے علاوہ میں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں، جیسے سونے چاندی کی ڈلی، پس صحیح ہے شرکت ان دونوں سے۔

تشریح درہم، دینار اور رائج سکوں کے علاوہ میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلا چاندی اور سونے کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہو جائے گی۔

وجہ چاندی اور سونے کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہیں۔کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی ہیں۔

لغت التبر : سونے کی ڈلی۔ النقرة : چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔

[۱۳۱۵](۱۳)اور اگر سامان کے ذریعہ شرکت کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر عقد شرکت کرے۔

تشریح چونکہ دونوں کے مالوں کا برابر ہونا ضروری ہے اس لئے سامان میں شرکت کرنا چاہئے تو یہی صورت ہے کہ اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر شرکت ملک کر کے شرکت مفاوضہ کرے۔

وجہ براہ راست سامان ملا کر شرکت مفاوضہ کرنا صحیح نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔عن محمد ابن سیرین قال لا یکون الشرکة والمضاربة بالدین والودیعة والعروض والمال الغائب (ب)(مصنف ابن ابی شیبة ۳۲۸ فی الشرکة بالعروض، ج رابع ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴)اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔

[۱۳۱۶](۱۴) بہر حال شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر۔

تشریح عنان کے معنی اعراض کرنا ہے۔چونکہ اس شرکت میں کفالت سے اعراض کرنا ہے اس لئے اس کو شرکت عنان کہتے ہین۔اس شرکت میں ہر ایک شریک سامان خریدنے میں دوسرے کا وکیل بنتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابن سیرین نے فرمایا شرکت مفاوضہ تمام مالوں میں ہو سکتی ہے (ب) محمد ابن سیرین نے فرمایا شرکت اور مضاربت نہیں ہوگی دین سے، امانت کے مال سے اور سامان سے اور غائب کے مال سے۔

الوكالة دون الكفالة[١٣١٧] (١٥) ويصح التفاضل فی المال و يصح ان يتساويا فی المال ويتفاضلا فی الربح[١٣١٨] (١٦) ويجوز ان يعقدها كل واحد منهما ببعض ماله دون بعض[١٣١٩] (١٧) ولا تصح الا بما بينا ان المفاوضة تصح به.

آدھا شریک کے لئے ہوگا۔البتہ کفیل نہیں ہوتا یعنی شریک پر جو قرض آئے گا اس کا آدھا دوسرے شریک پر نہیں ڈالے گا۔ بلکہ پورا قرض اسی کے ذمہ ہوگا جس نے قرض لیا۔

[١٣١٧] (١٥) اور صحیح ہے کمی بیشی مال میں، اور صحیح ہے کہ برابر ہوں مال میں اور کمی بیشی ہو نفع میں۔

تشریح شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ ایک شریک کا مال کم ہو اور ایک کا مال زیادہ ہو۔ اور نفع بھی کم وبیش ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں لیکن نفع میں کسی کو کم ملنے کی شرط ہو اور کسی کو زیادہ ملنے کی شرط ہو۔

وجہ کوئی آدمی زیادہ عقلمند ہوتا ہے اور کوئی کم عقلمند ہوتا ہے اس لئے مال کم ڈالنے کے باوجود اپنی عقلمندی اور مہارت کی وجہ سے زیادہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے اگر شرط کرلے کہ میں زیادہ نفع لوں گا اور دوسرا شریک اس پر راضی ہو جائے تو شرکت عنان میں یہ جائز ہے (۲) اثر میں ہے. عن جابر بن زيد قالوا الربح على ما اصلحوا عليه والوضيعة على المال هذا فی الشريكين فان هذا بمائة وهذا بمائتين (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب نفقۃ المضارب وضیعۃ ص ۲۴۸ نمبر ۱۵۰۸۹) حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ والربح على ما اصلحوا عليه (ب) (مصنف عبد الرزاق، ص ۲۴۸، نمبر ۱۵۰۸۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ نفع آپس میں جو طے ہو جائے برابر سرابر یا کم زیادہ وہ جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شریک ایک سو جمع کرے اور دوسرا دو سو جمع کرے یعنی مال میں کمی زیادتی ہو تب بھی جائز ہے۔

[١٣١٨] (١٦) جائز ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کرے نہ کہ کل سے۔

تشریح مثلا زید کے پاس چھ سو درہم ہیں ان میں سے تین سو درہم سے شرکت کریں اور تین سو درہم سے شرکت عنان نہ کرے یہ جائز ہے۔

وجہ اوپر بتایا کہ دونوں شریکوں کا برابر برابر مال ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے جتنا مال شرکت میں لگانا چاہے لگا سکتا ہے اور جتنا مال نہیں لگانا چاہے نہ لگائے۔

[١٣١٩] (١٧) اور شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی مگر اس نقدوں کے ذریعہ جس کو میں نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ ان سے صحیح ہے۔

تشریح اوپر بیان کیا تھا کہ درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت مفاوضہ صحیح ہے۔ اور چاندی اور سونے کی ڈلی سے لوگ شرکت مفاوضہ

حاشیہ : (الف) جابر بن زید نے فرمایا نفع اس کے مطابق ہوگا جس پر صلح ہوئی ہو اور اخراجات مال پر ہوں گے، یہ دونوں شریک ہوں گے، یہ ایک سو جمع کرے اور یہ دو سو جمع کرے (ب) نفع اس پر ہوگا جس پر صلح ہو جائے یعنی جو طے ہو جائے۔

[۱۳۲۰](۱۸) ویجوز ان یشترکا ومن جهة احدهما دنانیر ومن جهة الآخر دراهم [۱۳۲۱](۱۹) وما اشتراه کل واحد منهما للشرکة طولب بثمنه دون الآخر ویرجع علی شریکه بحصته منه[۱۳۲۲] (۲۰) واذا اهلک مال الشرکة او احد المالین قبل ان

کرنا شروع کر دیں تو ان سے بھی صحیح ہے۔اسی طرح شرکت عنان بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہوگی۔سامان کے ذریعہ شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ اثر گزر چکا ہے۔عن محمد قال لایکون الشرکة والمضاربة بالدین والودیعة والعروض والمال الغائب (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲۸ فی الشرکة بالعروض، ج رابع ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴ رمصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین، ج ثامن، ص ۲۵۹، نمبر ۱۵۱۴۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ شرکت عنان جائز نہیں ہے۔

[۱۳۲۰] (۱۸) اور جائز ہے کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک جانب سے دینار ہوں اور دوسری جانب سے دراہم ہوں۔

وجہ چونکہ دونوں ثمن ہیں اور تقریبا ایک جنس مانے جاتے ہین اس لئے ایک شریک کی جانب سے درہم ہوں اور دوسرے شریک کی جانب سے دینار ہوں اور شرکت کرے تو جائز ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی خلط ملط کرنا ضروری ہے۔اور درہم، دینار دو جنس ہونے کی وجہ سے خلط ملط نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے یہاں درست نہیں ہے۔

[۱۳۲۱] (۱۹) جو کچھ خریدا دونوں میں سے ہر ایک نے اس کی قیمت اسی سے طلب کی جائے گی نہ کہ دوسرے سے، اور رجوع کرے گا اس کے شریک سے اس کا حصہ۔

تشریح ایک شریک نے شرکت کے لئے مال خریدا تو اس کی قیمت خریدنے والے شریک پر ہی ہوگی۔البتہ جتنی قیمت شریک پر ہو سکتی ہے وہ اس سے وصول کرے۔

وجہ اس شرکت میں شریک دوسرے کا صرف وکیل ہوتا ہے اس لئے جو بھی خریدے گا اس کا آدھا دوسرے شریک کا ہوگا۔لیکن چونکہ کفیل نہیں ہوتا اس لئے بائع آدھا قرض دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا۔البتہ چونکہ آدھا مال شریک کے لئے ہے اس لئے اس کا حصہ اس سے وصول کرے گا۔

[۱۳۲۲] (۲۰) اگر شرکت کا کل مال ہلاک ہو جائے یا کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ایک کا مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی

تشریح شرکت کا سارا مال ہلاک ہو گیا تو ظاہر ہے کہ مال ہی نہیں رہا تو شرکت کس چیز سے ہوگی؟ اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔دوسری شکل یہ ہے کہ دونوں نے ابھی مال خلط ملط نہیں کیا تھا اور کوئی چیز خریدی بھی نہیں تھی کہ ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا تب بھی شرکت ختم ہو جائے گی

حاشیہ : (الف) حضرت محمد بن سیرین نے فرمایا شرکت اور مضاربت نہیں ہوگی دین سے، امانت کے مال سے، سامان سے اور غائب کے مال سے۔

یشتریا شیئا بطلت الشرکة[۱۳۲۳] (۲۱) وان اشتری احدھما بمالہ شیئا وھلک مال الآخر قبل الشراء فالمشتری بینھما علی ما شرطا ویرجع علی شریکہ بحصتہ من ثمنہ [۱۳۲۴](۲۲) ویجوز الشرکة وان لم یخلطا المال [۱۳۲۵](۲۳) ولا یصح الشرکة

وجہ جس کا مال تھا اسی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تب تو ابھی شرکت ہی نہیں ہوئی اور مال ختم ہو گیا تو اب شرکت کس میں ہوگی؟ اور اگر دوسرے شریک کے ہاتھ سے مال ہلاک ہوا تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت تھا اور امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔اور مال خلط ملط ہونے یا کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو اب شرکت کس چیز کے ذریعہ کرے گا؟ اس لئے شرکت باطل ہو جائے گی۔

[۱۳۲۳](۲۱) اور اگر دونوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خرید لیا اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان ہوگی شرط کے مطابق۔اور خریدنے والا شریک سے اس کے حصے کے مطابق ثمن وصول کرے گا۔

تشریح دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خریدا، دوسرے شریک نے ابھی کچھ خریدا نہیں تھا کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز شرط کے مطابق دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔اور جتنا حصہ دوسرے شریک کا ہوتا ہے اتنے حصے کی قیمت اس سے وصول کرے گا۔

وجہ چونکہ شرکت میں مال خریدا جا چکا ہے اس لئے وہ مال شرکت کا ہی ہوگا۔اور خریدنے والا دوسرے شریک کا وکیل ہوگا۔اور چونکہ خریدنے والے نے اپنا مال دیا تھا اس لئے اپنے شریک سے اس کے حصے کی قیمت وصول کرے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شریک نے وکالت کے طور پر خرید لیا تو دوسرے شریک کا بھی شرط کے مطابق حصہ ہوگا۔

[۱۳۲۴](۲۲) اور شرکت عنان جائز ہے اگر چہ دونوں نے مال خلط ملط نہ کیا ہو۔

تشریح دونوں شریکوں کو اپنا اپنا مال دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دینا چاہئے لیکن شرکت عنان میں یہ گنجائش ہے کہ خلط ملط نہ کیا پھر بھی شرکت صحیح ہو جائے گی۔

وجہ یہاں شرکت کا مدار تصرف پر ہے۔اور جو بھی خریدے گا تو آدھا مال اپنے لئے ہوگا اور آدھا مال وکالت کے طور پر شریک کے لئے ہوگا۔ اور جب اس کو بیچیں گے تو شرط کے مطابق اسی مناسبت سے نفع بھی دونوں کے لئے ہوگا۔اس لئے ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی مال کو ملانا ضروری ہے۔

وجہ ان کی دلیل اوپر کا اثر ہے جو شرکت مفاوضہ میں گزرا۔

[۱۳۲۵](۲۳) اور نہیں صحیح ہے شرکت اگر شرط لگا لے کسی ایک کے لئے نفع میں سے متعین درہم۔

تشریح مثلا یوں شرط لگائی کہ نفع میں سے پہلے پچاس درہم مجھے دو گے باقی جو بچیں گے ان میں سے آدھے آدھے، تو اس قسم کی شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے۔

اذا اشترط لاحدهما دراهم مسماة من الربح [۱۳۲۶](۲۴) ولکل واحد من المفاوضین وشریکی العنان ان یبضع المال ویدفعه مضاربة ویوکل من یتصرف فیه ویرهن ویسترهن ویستأجر الاجنبی علیه ویبیع بالنقد والنسیئة [۱۳۲۷](۲۵)ویده فی المال ید امانة

وجہ مان لیا جائے کہ کسی موقع پر صرف پچاس درہم ہی نفع ہوا تو وہ صرف ایک کو مل جائے گا اور دوسرا منہ تکتا رہ جائے گا جس سے اس کو ضرر ہوگا۔اس لئے متعین درہم ایک کے لئے مخصوص ہو اس شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس قسم کے تخصص کو منع فرمایا ہے۔عن رافع بن خدیج قال حدثنی عمی انهم کانوا یکرون الارض علی عهد النبی ﷺ بما ینبت علی الاربا ع او بشیء یستثنیه صاحب الارض فنهی النبی ﷺ عن ذلک (الف)(بخاری شریف، باب کراء الارض بالذهب والفضة ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶)اس حدیث میں ہے کہ زمین کی بٹائی میں کچھ مخصوص زراعت کو مستثنی کر لینے کو آپؐ نے منع فرمایا ہے۔اس لئے شرکت میں کچھ خاص نفع کو مستثنی کر لینا بھی جائز نہیں ہے(۳)عن ابن المسیب قال یکره ان یبیع النخل ویستثنی منه کیلا معلوما (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب بیع الثمرة ویشترط منها کیلا ج ثامن ص ۲۶۲ نمبر ۱۵۱۵۰)

[۱۳۲۶](۲۴) مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دیدے بضاعت کے طور پر اور مضاربت کے طور پر اور وکیل بنائے ایسے آدمی کو جو مال شرکت میں تصرف کرے اور رہن کو دے یا رہن پر رکھ لے اور کسی اجنبی کو نوکر رکھ لے اور بیچ دے نقد اور ادھار

تشریح یہ مسائل اس قاعدے پر ہیں کہ تجارت کرنے میں جن جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے یا جن جن کاموں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے وہ کام شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریک کر سکتے ہیں۔مثلا مال بضاعت پر کسی کو دیدے یعنی کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور اس کا نفع بڑھاؤ۔کچھ اجرت دے دیں گے اس کو بضاعت پر دینا کہتے ہیں۔یا کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور نفع میں دونوں شریک ہوں گے اس کو مضاربت پر دینا کہتے ہیں۔یا کسی کو مال خریدنے کا وکیل بنا دے تا کہ وہ اس میں تصرف کرے یعنی خرید و فروخت کرے ۔یا کسی کا قرض آگیا تو اس کی وجہ سے شرکت کا مال رہن پر رکھ دیا اس کو رہن رکھنا کہتے ہیں۔یا کسی کو شرکت کا مال دیا جس کی وجہ سے اس کی کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ لے جس کو رہن پر لینا کہتے ہیں۔یا کام کرنے کے لئے کسی اجنبی آدمی کو نوکر رکھ لیا۔اسی طرح شرکت کا مال نقد بھی بیچ سکتا ہے اور ادھار بھی بیچ سکتا ہے۔تجارت میں ان کاموں کی ضرورت پڑتی ہے ۔ یہ عام رواج ہے اس لئے اوپر کے سارے کام شریک کر سکتے ہیں۔

اصول شریک تجارت کے فوائد کے سارے کام کر سکتے ہیں۔

[۱۳۲۷](۲۵)اور شریک کا قبضہ مال میں امانت کا قبضہ ہے۔

حاشیہ : (الف)میرے چچا نے مجھے بیان کیا کہ لوگ حضور کے زمانے میں زمین کو کرایہ پر دیتے تھے جو اگتا تھا اونچی جگہ پر یا کوئی خاص چیز مستثنی کر لیتا زمین والا۔تو حضورؐ نے اس سے منع فرمایا(ب)ابن مسیب مکروہ سمجھتے تھے یہ کہ درخت بیچے اور معلوم کیل مستثنی کرے۔

[۱۳۲۸](۲۶) واما شرکة الصنائع فالخیاطان والصباغان یشترکان علی ان یتقبلا الاعمال ویکون الکسب بینهما فیجوز ذلک وما یتقبله کل واحد منهما من العمل یلزم

تشریح یعنی شریک کے ہاتھ میں شریک کا جو مال ہے وہ امانت کے طور پر ہے۔اور بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ وجہ (۱) شریک کی اجازت سے اس کا قبضہ ہے۔اور کسی بدلے کے بغیر قبضہ ہے اس لئے امانت کا قبضہ ہوگا (۲) ان کا استدلال اس اثر سے بھی ہے۔عن صالح بن دینار ان علیاً کان لا یضمن الاجیر المشترک (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟ ج رابع، ص ۳۱۶، نمبر ۲۰۴۸۹) اس اثر میں اجیر مشترک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لئے اس پر حضرت علیؓ نے ضمان لازم نہیں کیا۔اسی طرح شریک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اس لئے اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوگا (۲) اثر میں ہے۔عن الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدی امرک (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح، ج ثامن، ص ۲۵۵، نمبر ۱۵۱۲۱) اس اثر میں مضارب امین ہے تو شریک بھی امین ہوگا اور جو مال اس کے ہاتھ میں ہے وہ امانت کا مال ہے۔

[۱۳۲۸](۲۶) اور شرکت صنائع یہ ہے کہ دو درزی یا دو رنگریز شریک ہو جائیں اس بات پر کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم ہوگی، پس یہ جائز ہے۔اور دونوں جو کام قبول کریں گے تو اس کو بھی لازم ہوگا اور اس کے شریک کو بھی لازم ہوگا۔

تشریح دو کاریگر شریک ہو جائیں کہ ہم دونوں کام لیں گے اور کام کر کے دیں گے اور جو نفع ہوگا اس میں دونوں آدھا آدھا لے لیں گے یا شرط کے مطابق لیں گے۔ چونکہ کاریگری میں شرکت کی ہے اس لئے اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں۔اس صورت میں ایک شریک جو کام لے گا وہ دوسرے پر لازم ہوگا۔اور دوسرا شریک بھی اس کام کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ (۱) شرکت صنائع کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن عبد الله قال اشترکت انا و عمار و سعد فیما نصیب یوم بدر قال فجاء سعد باسیرین ولم اجئ انا و عمار بشیء (ب) (۲) (ابو داؤد شریف، باب فی الشرکة علی غیر رأس مال ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۸ / نسائی شریف، باب شرکة الابدان ص ۱۴۱ نمبر ۳۹۶۹ / ابن ماجہ شریف، باب الشرکة والمضاربة ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۸) اس حدیث میں تین آدمیوں نے کام کرنے اور قیدی لانے پر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت صنائع جائز ہے۔اور نفع کے سلسلہ میں اثر گزر چکا ہے۔عن علی فی المضاربة والربح علی ما اصطلحوا علیه (ج) (مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۵۰۸۷) کہ جس پر بات طے ہو جائے وہ نفع ہوگا (۲) یہ نفع اس بنیاد پر ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے کام کا ذمہ دار ہے اور کام کر بھی رہا ہے۔اس لئے شرکت بھی صحیح ہے اور نفع لینا بھی صحیح ہے۔

فائدہ امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک شرکت صنائع صحیح نہیں ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ نفع اور شرکت کا مدار رأس المال ہے اور یہاں رأس المال نہیں ہے۔اس لئے شرکت صحیح نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) صالح بن دینار فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اجیر مشترک کو ضامن نہیں بناتے تھے (ب) عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں اور عمار اور سعد شریک ہوئے اس بارے میں کہ جنگ بدر کے دن جو کچھ حاصل ہو اس میں۔پس حضرت سعد دو قیدی اور میں اور عمار کچھ بھی نہیں لائے (ج) مضاربت کے بارے میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ نفع اس کے مطابق ہوگا جس پر صلح ہوگئی۔

شـریـکہ[۱۳۲۹] (۲۷) فان عمل احدهما دون الآخر فالکسب بینهما نصفان [۱۳۳۰] (۲۸) واما شرکة الوجوه فالرجلان یشترکان ولا مال لهما علی ان یشتریا بوجوههما ویبیعا فتصح الشرکة علی هذا [۱۳۳۱] (۲۹) وکل واحد منهما وکیل الآخر فیما

نوٹ کسی کا کام زیادہ ہو اور نفع کم لے تب بھی جائز ہے۔

وجہ اوپر اثر گزر چکا ہے کہ جو شرط کرے اس کے مطابق نفع لے سکتا ہے (۲) بعض مرتبہ نفع کا مدار کام پر نہیں ہوتا بلکہ مہارت اور چالاکی پر ہوتا ہے جبکہ وہ کام کم کرتا ہے لیکن چالاکی کی وجہ سے وہ نفع زیادہ لے جاتا ہے۔اس لئے کام کم ہو اور نفع زیادہ ہو تب بھی جائز ہے۔

[۱۳۲۹] (۲۷) پس اگر دونوں میں سے ایک نے کام کیا اور دوسرے نے نہیں کیا پھر بھی کمائی آدھی آدھی ہوگی۔

وجہ چونکہ ایک نے کام لیا تو وکالت کے طور پر آدھا کام دوسرے کے ذمے بھی ہو گیا تو گویا کہ اس نے بھی کام کیا (۲) کام نہ کرے تو کام کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔لیکن شرط آدھے آدھے نفع کی طے ہوئی ہے اس لئے شرط کے مطابق نفع آدھا آدھا ہی ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نفع کی تقسیم کا مدار شرط طے ہونے کے مطابق ہے۔

[۱۳۳۰] (۲۸) شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں اور ان دونوں کے پاس مال نہ ہو اس بات پر کہ دونوں اپنے اپنے تعلقات سے خریدیں گے اور بیچیں گے تو اس طرح شرکت صحیح ہے۔

تشریح شرکت وجوہ کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے پاس مال نہ ہوں بلکہ اپنے اپنے تعلقات سے دوسروں کے مال ادھار خریدیں اور بیچیں اور نفع کمائیں۔اس طرح دو آدمی شرکت کر لے تو جائز ہے۔اور اس شرکت کو وجوہ اس لئے کہتے ہیں کہ چہرہ اور رعب سے مال خرید اور بیچ رہا ہے۔اس لئے اس شرکت کو شرکت وجوہ کہتے ہیں۔

وجہ اس شرکت کے جواز کا ثبوت اس لمبے اثر میں ہے۔**قال اخبرنی ابی قال کنت ابیع البز فی زمان عمر بن الخطاب وان عمر قال لایبیعه فی سوقنا اعجمی فانهم لم یفقهوا فی الدین ولم یقیموا فی المیزان والمکیال قال یعقوب فذهبت الی عثمان بن عفان فقلت له هل لک غنیمة باردة ؟ قال ماهی ؟ قلت بز قد علمت مکانه ببیعه صاحبه برخص لایستطیع بیعه اشتریه لک ثم ابیعه لک قال نعم الخ** (الف) (موطا امام محمد، باب الشرکۃ فی البیع ص ۳۴۷) اس اثر میں حضرت یعقوب کے پاس مال نہیں تھا، حضرت عثمان سے کپڑا لیکر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت وجوہ جائز ہے۔

[۱۳۳۱] (۲۹) دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جو خریدا۔

حاشیہ : (الف) میرے باپ نے خبر دی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کپڑے کی تجارت کرتا تھا حضرت عمر کے زمانے میں۔حضرت عمر نے فرمایا میرے بازار میں کوئی عجمی تجارت نہ کرے۔اس لئے کہ وہ دین کو نہیں سمجھتے ہیں اور وزن صحیح نہیں کرتے ہیں۔حضرت یعقوب فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان کے پاس گیا اور پوچھا کیا آپ کے پاس غنیمت باردہ ہے۔انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا کپڑا۔میں اس کے بیچنے کی جگہ رخصت کے ساتھ جانتا ہوں جو اس کو بیچ نہیں سکتے ہیں۔آپ کے لئے بیچوں گا پھر آپ کے لئے خریدوں گا۔حضرت عثمان نے فرمایا ہاں۔

یشتریہ [۱۳۳۲] (۳۰) فان شرطا ان یکون المشتری بینھما نصفان فالربح کذلک ولا یجوز ان یتفاضلا فیہ وان شرطا ان المشتری بینھما اثلاثا فالربح کذلک [۱۳۳۳] (۳۱) ولا یجوز الشرکۃ فی الاحتطاب والاحتشاش والاصطیاد وما اصطادہ کل واحد منھما او

تشریح ایک شریک جو کچھ خریدے گا اس میں سے آدھا اس کا ہوگا اور آدھا شریک کا ہوگا۔

وجہ اس شرکت میں بھی شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔ اس لئے جو کچھ خریدے گا دوسرے کی وکالت کی وجہ سے آدھا اس کا ہوگا۔

[۱۳۳۲] (۳۰) پس اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کی آدھی آدھی ہوگی تو نفع بھی ایسا ہی ہوگا یعنی آدھا آدھا ہوگا۔ اور اس سے کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔ اور اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔

تشریح اگر دونوں کا خریدا ہوا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔ اس سے کم زیادہ نفع لینا کسی شریک کے لئے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ ایک آدمی کی خریدی ہوئی چیز ایک تہائی ہوگی اور دوسرے کی دو تہائی ہوگی تو نفع بھی ہر ایک کو اسی مناسبت سے ہوگا۔ یعنی جس کی ایک تہائی ہے اس کو ایک تہائی نفع ملے گا اور جس کی دو تہائی ہے اس کو دو تہائی نفع ملے گا۔ اس سے کم زیادہ نفع کی شرط کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) نفع لینے کا مدار تین باتوں میں سے ایک پر ہوتا ہے۔ یا تو مال کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضاربت میں مال والے کا مال ہوتا ہے اس لئے وہ نفع لیتا ہے۔ یا کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذمہ داری اور ضمان کی وجہ سے نفع لیتا ہو۔ شرکت وجوہ میں نفع لینے کی وجہ یہ تیسری شکل ہے۔ کیونکہ کسی کے پاس مال تو ہے نہیں اور نہ کوئی کام کرنے کی بنیاد پر نفع لے رہے ہیں۔ اس لئے اپنی ذمہ داری پر جتنا مال لائے گا اسی حساب سے نفع لینے کا مستحق ہوگا۔ اس سے زیادہ نفع لینے سے بغیر ذمہ داری کے نفع لینا ہوگا۔ اس لئے نفع مالم یضمن کے ماتحت ناجائز ہوگا (۲) اور ربح مالم یضمن کی حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ابن عمر قال رسول اللہ ﷺ لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالیس عندک** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندہ ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۴) اس لئے اس حدیث کی بنا پر جتنی ذمہ داری لے گا اتنا ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مال یا عمل نہ ہو بلکہ صرف ذمہ داری کی وجہ سے نفع کا حقدار ہو تو جتنی ذمہ داری ہوگی اتنے ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

[۱۳۳۳] (۳۱) نہیں جائز ہے شرکت ایندھن لانے میں، گھاس جمع کرنے میں اور شکار کرنے میں۔ اور ان میں جو کوئی بھی شکار کرے گا یا ایندھن لائے گا وہ اسی کا ہوگا نہ کہ دوسرے کا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ادھار بھی ہو اور بیع بھی ہو یہ جائز نہیں۔ اور ایک بیع میں دو شرطیں ہوں یہ بھی جائز نہیں۔ اور جس چیز کا ذمہ دار نہ ہو اس کا نفع لینا بھی جائز نہیں ہے۔ اور جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔

احتطبه فهو له دون صاحبه[۱۳۳۴] (۳۲) واذا اشترکا ولاحدهما بغل وللآخر راویة یستقی علیها الماء والکسب بینهما لم تصح الشرکة والکسب کله للذی استقی الماء وعلیه اجر مثل الراویة وان کان العامل صاحب البغل وان کان صاحب الراویة فعلیه اجر

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو چیزیں مباح ہیں اور اس پر جو قبضہ کرلے اسی کی مفت ہوجاتی ہیں۔ان میں شرکت کی ضرورت نہیں اور نہ ان میں وکالت درست ہے۔

وجہ کیونکہ جوں ہی اس پر قبضہ کرلیا وہ چیز اس کی ہوگئی تو دوسرے کی وکالت کی کیا ضرورت ہے؟ مثلا ایندھن کی لکڑی جنگلوں میں مفت ملتی ہے جو اس کو چنے گا اسی کی ہوجائے گی۔گھاس جنگلون میں مفت ملتی ہے اس لئے جو اس کو کاٹے گا اسی کی ہوجائے گی۔یہی حال شکار کے جانور کا ہے(۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جوان مباح چیزوں پر قبضہ کرے گا اسی کی ہوجائے گی۔عن ابیض بن جمال ... فقال رسول الله ﷺ هو منک صدقة وهو (الملح) مثل الماء العد من ورده اخذه (الف)(ابن ماجہ شریف،باب اقطاع الانہار والعیون ص ۳۵۵ نمبر ۲۴۷۵)اس حدیث میں ہے کہ نمک وغیرہ پر جو قبضہ کرے گا اسی کا ہوجائے گا۔

نوٹ اگر دونوں نے ملکر لکڑی چنی تو دونوں کو آدھی آدھی لکڑی ملے گی۔اور اگر ایک نے لکڑی جمع کی اور دوسرے نے اس کی مدد کی تو مدد کرنے والے کو اس کی اجرت ملے گی اور لکڑی تمام کی تمام جمع کرنے والے کی ہوگی۔

اصول مباح چیزوں میں شرکت صحیح نہیں ہے۔

لغت الاحتطاب : حطب سے مشتق ہے،جمع کرنا۔ الاحتشاش : حشیش سے مشتق ہے،گھاس کاٹنا۔ الاصطیاد : صید سے مشتق ہے،شکار کرنا۔

[۱۳۳۴](۳۲)اگر دو آدمی شریک ہوجائے ان مین سے ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے۔کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے۔ہاں اس پر مشک کی اجرت مثل واجب ہوگی اگر کام کرنے والا خچر والا ہے۔اور اگر کام کرنے والا مشک والا ہے تو اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہوگی۔

تشریح دو آدمی ملے،ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچ کر پلائیں گے اور نفع کمائیں گے۔تو اس صورت میں جس نے کام کیا ہے پوری اجرت اسی کی ہوگی۔اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔پس اگر خچر والے نے پانی پلایا تو نفع اس کا ہوگا اور مشک والے کو مشک کی اجرت واجب ہوگی۔اور مشک والے نے کام کیا ہے تو نفع مشک والے کا ہوگا اور خچر والے کو خچر کی اجرت ملے گی۔ **وجہ** پانی مباح ہے اس کے نکالنے میں شرکت کرنا شرکت فاسدہ ہے اس لئے شرکت فاسد ہوگی۔اس لئے جس آدمی نے پانی پر قبضہ کیا پانی اسی کا ہوا اور نفع بھی اسی کا ہوا۔اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا یہ تمہاری جانب سے صدقہ ہے اور نمک تیار کئے ہوئے پانی کی طرح ہے جو اس پر آئے گا وہ اس کو لے لیگا۔

مثل البغل[۱۳۳۵] (۳۳) وکل شرکۃ فاسدۃ فالربح فیھا علی قدر رأس المال ویبطل شرط التفاضل[۱۳۳۶] (۳۴) واذا مات احد الشریکین او ارتد ولحق بدار الحرب بطلت الشرکۃ.

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شرکت فاسدہ میں مدد کرنے والے کو یا جس کا سامان استعمال ہوا ہے ان کو اس کی اجرت مثل مل جائیگی

لغت استقی : پانی پلانا، سیراب کرنا۔ الراویۃ : مشک، چرس۔

[۱۳۳۵] (۳۳) ہر فاسد شرکت میں نفع اس میں اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔

تشریح جن جن موقعوں پر شرکت فاسد ہو جائے تو جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر حصہ سے زیادہ نفع لینے کی شرط ہو تو وہ باطل ہوگی۔

وجہ شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے۔ جس طرح مزارعت فاسدہ میں غلہ بیج کے تابع ہو کر تمام غلہ بیج والے کو مل جاتا ہے۔ پس جب نفع اصل مال کے تابع ہوا تو جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم ہوگا (۲) نفع اصل مال کے تابع ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن مجاھد قال اشترک اربعۃ رھط علی عھد رسول اللہ ﷺ فی زرع فقال احدھم قبلی الارض وقال الآخر قبلی الفدان وقال الآخر قبلی البذر وقال الآخر علی العمل فلما استحصد الزرع تفاتوا فیہ الی النبی ﷺ فجعل الزرع لصاحب البذر والغی صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان شیئا معلوما و جعل لصاحب العمل درھما کل یوم** (الف) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۷۷ القوم یشترکون فی الزرع، ج رابع، ص ۵۰۶، نمبر ۲۲۵۵۶) اس اثر میں پوری زراعت دانے والے کو دی گئی۔ کیونکہ زراعت پیدا ہونے کی اصل جڑ بیج ہی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے نفع اصل مال کی پیداوار ہے اس لئے نفع مال کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ اور کمی زیادتی کی شرط باطل ہوگی۔ مصنف عبد الرزاق نمبر ۱۵۱۱۰ میں حضرت ابوقلابہ کا یہ جملہ ہے۔ **عن ابی قلابۃ الضمان علی من تعدی والربح لصاحب المال** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح ج ثامن ص ۲۵۳ نمبر ۱۵۱۱۰)

[۱۳۳۶] (۳۴) اگر شریک میں سے کوئی ایک مر جائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

وجہ شرکت کے لئے شریک کا وکیل ہونا شرط ہے۔ اور مر جانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔ مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا تو گویا کہ مرنے کے حکم میں ہو گیا

حاشیہ : (الف) مجاہد نے فرمایا کہ حضورؐ کے زمانے میں چار آدمی ایک کاشتکاری میں شریک ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا میری جانب سے زمین ہے۔ دوسرے نے کہا میری جانب سے بیل ہیں۔ تیسرے نے کہا میری جانب سے بیج ہے۔ اور چوتھے نے کہا کہ کام کرنا میرے ذمے ہے۔ پس جب کھیتی کٹی تو حضورؐ کے پاس اختلاف لے کر آئے تو آپؐ نے کاشتکاری بیج والے کو دی۔ اور زمین والے کو لغو قرار دیا۔ اور بیل والے کو کچھ معلوم چیز دی۔ اور کام والے کو ہر دن کے لئے ایک ایک درہم دیا (ب) ابی قلابہ فرماتے ہیں کہ ضمان اس پر ہے جس نے زیادتی کی اور نفع مال والے کے لئے ہوگا۔

[١٣٣٧] (٣٥) وليس لواحد منهما لصاحبه ان يؤدی زكوة مال الآخر الا باذنه[١٣٣٨] (٣٦) فان اذن كل واحد منهما لصاحبه ان يؤدی زكوته فادی كل واحد منهما فالثانی ضامن سواء علم باداء الاول او لم يعلم عند ابی حنيفة رحمه الله تعالی وقالا رحمهما الله تعالی ان لم يعلم لم يضمن .

اس لئے وکالت ختم ہوگئی۔

[١٣٣٧] (٣٥) شریک میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے مال کی زکوۃ ادا کرے مگر اس کی اجازت سے۔

تشریح دوسرے شریک کے حصے میں جو مال آتا ہے اگر وہ نصاب زکوۃ کی مقدار ہے تو پہلے شریک کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر اس کے حکم اور اجازت کے اس کی زکوۃ ادا کرے، ہاں اگر وہ زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے تو زکوۃ ادا کر سکتا ہے۔

وجہ زکوۃ دینا تجارت کے اعمال میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا اختیار نہیں رکھتا۔

[١٣٣٨] (٣٦) پس اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی، پھر دونوں میں سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کر دی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا چاہے اس کو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام صاحب کے نزدیک۔ اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح ہر ایک شریک نے دوسرے کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ پھر دونوں اپنی اپنی زکوۃ بھی ادا کی اور شریک کی بھی ادا کر دی۔ تو جس شریک نے بعد میں اپنے شریک کی زکوۃ ادا کی وہ تو زکوۃ واجب نہیں ہوئی وہ تو نفلی صدقہ ادا ہو گیا۔ کیونکہ پہلے شریک نے تو اپنی زکوۃ پہلے ہی ادا کر دی تھی۔ اس لئے بعد والے کا نفلی صدقہ ہوا۔ اب بعد میں ادا کرنے والا پہلے والے کا ضامن ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ چاہے بعد والے کو پہلے والے کے ادا کرنے کی خبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں وہ ضامن ہوگا۔

وجہ پہلے شریک نے جوں ہی زکوۃ ادا کی تو دوسرا شریک زکوۃ ادا کرنے کی وکالت سے معزول ہو گیا۔ اور جب وہ معزول ہو گیا تو اس کا ادا کرنا بیکار ہو گیا اس لئے جو کچھ شرکت کے مال سے ادا کیا اس کا حصے دار کے لئے ضمان ہوگا۔ چاہے اس کو معزول ہونے کی خبر نہ ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر بعد والے کو پہلے کے ادا کرنے کی خبر ہو تو تب تو ضامن ہوگا اور اگر خبر نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ بعد میں ادا کرنے والے شریک کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنانے کی اجازت تھی، چاہے وہ واجب زکوۃ کے طور پر ہو یا نفلی زکوۃ کے طور پر۔ اور اس کے حکم کے مطابق اس نے کی۔ اور اس کو پہلے والے کی زکوۃ ادا کر دینے کی خبر نہیں تھی اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا (٢) ادائیگی زکوۃ کی خبر کے بغیر اس نے اجازت کے مطابق عمل کیا ہے اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ علم کے بغیر وہ ادائیگی زکوۃ سے معزول نہیں ہوا۔

found.

﴿كتاب المضاربة﴾

[۱۳۳۹](۱) المضاربة عقد على الشركة فى الربح بمال من احد الشريكين وعمل من الآخر [۱۳۴۰](۲) ولا تصح المضاربة الا بالمال الذى بينا ان الشركة تصح به.

﴿كتاب المضاربة﴾

ضروری نوٹ مضاربت ضرب فی الارض سے مشتق ہے۔ چونکہ مضارب زمین میں سفر کرتا ہے اور تجارت کر کے نفع کماتا ہے اس لئے اس تجارت کو مضاربت کہتے ہیں۔ اس تجارت میں ایک آدمی کی جانب سے مال ہوتا ہے جس کو رأس المال کہتے ہیں۔ اور دوسرے کی جانب سے کام ہوتا ہے جس سے وہ نفع کماتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اس تجارت کا ثبوت اس حدیث سے ہے۔ عن عروة يعنى ابن الجعد البارقى قال اعطاه النبى ﷺ دينارا يشترى به اضحية او شاة فاشترى شاتين فباع احداهما بدينار فاتاه بشاة ودينار فدعا له بالبركة فى بيعه فكان لو اشترى ترابا لربح فيه (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب يخالف ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مضاربت کی تجارت کر سکتا ہے۔

[۱۳۳۹](۱) مضاربت شرکت کا عقد ہے نفع میں شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ۔

تشریح مضاربت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے کام اور عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث اس کا ثبوت ہے (۲) اثر میں ہے۔ قال خرج عبد الله و عبيد الله ابنا عمر بن الخطاب فى جيش الى العراق فلما قفلا مرا على ابى موسه الاشعرى وهو امير البصرة فرحب بهما وسهل ثم قال لو اقدر لكما على امر انفعكما به لفعلت ثم قال بلى ههنا مال من مال الله اريد ان ابعث به الى امير المؤمنين فاسلفكماه فتبتاعان به متاعا من متاع العراق ثم تبيعانه بالمدينة فتؤديان رأس المال الى امير المؤمنين فيكون لكما الربح فقال وددنا ففعل (ب) (موطا امام مالک، کتاب القراض ماجاء فی القراض ص ۶۱۷ / دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مضاربت جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے عمل ہو۔

[۱۳۴۰](۲) اور نہیں صحیح ہے مضاربت مگر اس مال سے جن کو میں نے شرکت میں بیان کیا کہ ان سے درست ہے۔

حاشیہ : (الف) ابن جعد بارقی فرماتے ہیں کہ ان کو حضورؐ نے قربانی کی بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا یا بکری خریدنے کے لئے دیا تو انہوں نے دو بکریاں خریدی۔ پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دی۔ پس حضورؐ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے۔ پس آپؐ نے ان کو بیع میں برکت کی دعا دی۔ پس ایسا ہوتا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں نفع ہوتا (ب) حضرت عمرؓ کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ عراق کے لشکر میں گئے، پس جب ابوموسی اشعریؓ کے پاس واپس آئے جبکہ وہ بصرہ کے حاکم تھے تو دونوں کو مرحبا کہا اور سہولت دی۔ پھر فرمایا کہ اگر میں تم دونوں کو نفع پہنچا سکتا تو ضرور پہنچاتا۔ پھر فرمایا ہاں! یہاں اللہ کا مال ہے میں چاہتا ہوں کہ امیر المؤمنین کو روانہ کروں۔ پس تم دونوں کو دیتا ہوں، تم دونوں اس سے عراق کا سامان خریدلو پھر اس کو مدینہ میں بیچنا اور اصل مال امیر المؤمنین کو ادا کر دینا تو تم دونوں کو نفع ہو جائے گا۔ دونوں کہنے لگے ہم ایسا چاہتے ہیں، پس ایسا کیا۔

[۱۳۴۱] (۳) ومن شرطها ان یکون الربح بینهما مشاعا لا یستحق احدهما منه دراهم

تشریح شرکت میں بیان کیا کہ درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت صحیح ہے۔ سامان کے ذریعہ نہیں۔ اسی طرح مضاربت بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہے، سامان کے ذریعہ نہیں۔

نوٹ سامان دے دے اور کہے کہ اس کو بیچ کر جو درہم یا دینار آئے اس میں مضاربت کریں تو درست ہے۔ کیونکہ وکالت کے طور پر پہلے سامان بیچے گا پھر جو قیمت آئے گی وہاں سے مضاربت شروع ہوگی تو گویا کہ درہم یا دینار سے مضاربت شروع ہوئی۔

وجہ اثر میں ہے۔ **عن ابراھیم انه کره البز مضاربة یقول لا، الا الذھب والفضة، قال سفیان ونحن نقول له اجر مثله اذا اعطاه العروض مضاربة** (الف) مصنف عبد الرزاق، باب المضاربة بالعروض ج ثامن ص ۲۵۰ نمبر ۱۵۰۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ مضاربت صحیح نہیں ہے۔ البتہ سامان بیچنے کے بعد اس کی قیمت میں مضاربت شروع ہوگی اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن حماد فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فقوم المتاع الف درھم ثم باعه بتسع مائة قال رأس المال تسع مائة** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۱۹۹ فی الرجل یدفع الی الرجل الشیء مضاربة، ج رابع ص ۴۱۳، نمبر ۲۱۵۷۱ رموطا امام مالک، باب القراض فی العروض ص ۶۲۱) اس اثر میں سامان نوسو میں فروخت ہوا تو نوسو درہم مضاربت کا رأس المال ٹھہرا اور وہاں سے مضاربت شروع ہوئی۔

[۱۳۴۱] (۳) اور مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ نفع دونوں کے درمیان مشترک ہو۔ ان دونوں میں سے ایک متعین درہم کا مستحق نہ ہو

تشریح جو کچھ نفع ہو اس میں سے شرط کے مطابق دونوں کا ہو، ایسا نہ ہو کہ مثلا نفع میں سے پچاس درہم ایک شریک کو پہلے دے دیا جائے باقی جو بچے اس میں سے دونوں تقسیم کریں، ایسی شرط نہ ہو۔

وجہ ممکن ہے کہ صرف پچاس درہم ہی نفع ہو تو وہ ایک کو مل جائیں گے اور دوسرے شریک کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے ایسی شرط فاسد ہے (۲) کئی مرتبہ حدیث گزر چکی ہے کہ متعین درہم مستثنی کرنا درست نہیں ہے۔ **عن رافع بن خدیج قال حدثنی عمائی انھم کانوا یکرون الارض علی عھد النبی ﷺ بما ینبت علی الاربعاء او بشیء یستثنیه صاحب الارض فنھی النبی ﷺ عن ذلک** (ج) (بخاری شریف، باب کراء الارض بالذھب والفضة ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث میں مستثنی کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اثر میں ہے **عن قتادة فی رجل قال له ابیعک ثمر حائطی بمائة دینار الا خمسین فرقا فکرھه** (د) (مصنف عبد الرزاق، باب بیع الثمر ویشترط منھا کیلا ج ثامن ص ۲۶۱ نمبر ۱۵۱۴۸) اس اثر میں بھی متعین چیز کو مستثنے کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اس لئے نفع میں سے متعین درہم کو

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نخعی کپڑے کو مضاربت کے طور پر دینے کو مکروہ سمجھتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ایسا مت کرو سوائے سونے اور چاندی کے۔ حضرت سفیان نے فرمایا ہم کہتے ہیں کہ مضارب کو اجرت مثل ملے گی اگر سامان کو مضاربت پر دیا (ب) حضرت حماد فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے مال مضاربت پر دیا اور سامان کی قیمت ایک ہزار لگائی، پھر اس کو نوسو میں بیچا تو مضاربت کا رأس المال نوسو ہی ہے (ج) رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ میرے چچا فرماتے تھے کہ حضورؐ کے زمانے میں لوگ زمین کو کرایہ پر لیتے اس کے بدلے جو اونچی جگہ پر اگتی، یا زمین والا کچھ خاص چیز مستثنی کر لیتا تو حضورؐ نے اس سے منع فرمایا (د) حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے کہا میں آپ سے باغ کا پھل سو دینار میں بیچتا ہوں مگر پچاس فرق تو حضرت قتادہ نے اس کو ناپسند فرمایا۔

مسماة[۱۳۴۲] (۴) ولا بد ان يكون المال مسلما الى المضارب ولا يد لرب المال فيه [۱۳۴۳](۵) فاذا صحت المضاربة مطلقة جاز للمضارب ان يشترى ويبيع ويسافر ويبضع ويوكل [۱۳۴۴](۶) وليس له ان يدفع المال مضاربة الا ان يأذن له رب المال

مستثنی کرنے سے مضاربت صحیح نہیں ہوگی۔

[۱۳۴۲](۴) اور ضروری ہے کہ مال سپرد کیا ہوا ہو مضارب کی طرف اور مال والے کا اس پر قبضہ نہ ہو۔

تشریح مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مال مضارب کو مکمل طور پر سپرد کردے تاکہ وہ تجارت کر سکے اور اس پر مال والے کا کوئی قبضہ نہ ہو۔

وجہ اگر مال والے کا قبضہ ہوگا تو مضارب اپنی مرضی سے تجارت نہیں کر سکے گا اور کما حقہ نفع نہیں کما سکے گا۔ اس لئے مضارب کو مکمل طور پر مال سپرد کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ہو کہ صاحب مال کا اس پر قبضہ نہ رہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں حضورؐ نے عروۃ کو مکمل طور پر دینار سپرد کیا تھا جس کی وجہ سے وہ دو بکری خریدے اور ایک بکری بیچ کر ایک دینار نفع لیکر آئے جس سے معلوم ہوا کہ مال پورے طور پر سپرد کرنا ضروری ہے۔

[۱۳۴۳](۵) پس جب مضاربت مطلق ٹھہر جائے تو مضارب کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور سفر کرے اور بضاعت پر دے اور وکیل بنائے۔

تشریح جب مضاربت صحیح ہو جائے اور وہ بھی مطلق ہو، اس میں کسی قسم کی قید نہ ہو تو وہ تمام کام کر سکتا ہے جو تجارت کے لئے مفید ہو اور نفع بخش ہو۔ مثلا اس کے رأس المال سے کوئی چیز خرید سکتا ہے پھر اس کو بیچ سکتا ہے۔ اس مال کو لیکر سفر کر سکتا ہے۔ کیونکہ ضرب کے معنی ہی سفر کرنا ہے۔ اور اس مال کو بضاعت پر دے سکتا ہے۔ بضاعت کا مطلب ہے کہ کسی کو کام کرنے کیلئے مال دے کہ اس پر کچھ مزدوری دے دیں گے۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضاربت کے مال کو لیکر ایسا سفر نہیں کر سکتا جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **ان حكيم بن حزام صاحب رسول الله ﷺ كان يشرط على الرجل اذا اعطاه مالا مقارضة يضرب له به ان لا تجعل مالى فى كبد رطبة ولا تحمله فى بحر ولا تنزل به بطن مسيل فان فعلت شيئا من ذلك فقد ضمنت مالى** (الف) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۴) اور سنن بیہقی میں اس حدیث میں یہ جملہ زیادہ ہے **فرفع شرطه الى رسول الله ﷺ فاجازه** (ب) (سنن للبیہقی، کتاب القراض، ج سادس، ص ۱۸۴، نمبر ۱۱۶۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط لگانا جائز ہے جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

[۱۳۴۴](۶) اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ مال کو مضاربت پر دے مگر یہ کہ مال والا اس کی اجازت دے، یا کہہ دے کہ اپنی رائے

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے صحابی حکیم بن حزام آدمی پر شرط لگاتے جب مال مضاربت پر دیتے کہ جب اس کو لیکر سفر کرے تو میرا مال کسی جاندار کے خریدنے میں نہ لگائیں اور نہ اس کو لیکر سمندر کا سفر کرے اور اس کو لیکر کسی وادی میں قیام نہ کریں، پس اگر آپ نے ایسا کیا تو میرے مال کے ضامن ہوں گے (ب) حضورؐ کے سامنے یہ شرطیں رکھی تو آپؐ نے اس کی اجازت دی۔

فی ذلک او یقول له اعمل علی رأیک[۱۳۴۵](۷) وان خص له رب المال التصرف فی بلد بعینه او فی سلعة بعینها لم یجز له ان یتجاوز عن ذلک [۱۳۴۶](۸) وکذلک

کے مطابق عمل کریں۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو عہدہ اس کو سپرد کیا ہے اسی قسم کا عہدہ دوسرے کو اپنے اختیار سے نہیں دے سکتا۔ مثلا مال والے نے اس کو مضارب بنایا ہے تو یہ اپنے اختیار سے اس مال کا کسی کو مضارب نہیں بنا سکتا اور اس مال کو مضاربت پر نہیں دے سکتا۔ ہاں! اس کو مضارب بنانے کا اختیار دیا ہو یا کہا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کیا کریں تو اب اس مال کو دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔

وجہ صاحب مال نے مضاربت کے بارے میں مضارب پر اعتماد کیا ہے، کسی دوسرے پر نہیں اس لئے بغیر اختیار دیئے ہوئے دوسرے کو مضاربت پر مال نہیں دے سکتا (۲) مضاربت پر دینا تجارت کے حقوق میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

[۱۳۴۵] (۷) اگر مال والے نے تصرف کرنا کسی متعین شہر میں خاص کیا یا متعین سامان میں خاص کیا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے تجاوز کرے۔

تشریح مال والے نے شرط لگائی کہ صرف فلاں شہر میں تجارت کریں گے یا صرف فلاں چیز کی تجارت کریں گے۔ مثلا کپڑے کی تجارت کریں گے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اور ایسی شرط کی مخالفت کرنا مضارب کے لئے جائز نہیں ہے۔

وجہ یہ شرطیں اس لئے لگائی جاتی ہیں تا کہ مال ہلاک نہ ہو یا نفع زیادہ ہو، اس لئے ایسی شرط لگانا جائز ہے۔ اور چونکہ شرط ہوگئی اس لئے مضارب کو اس کی پاسداری کرنا ضروری ہے (۲) پہلے گزر چکی ہے۔ **وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطھم** (الف) (بخاری شریف نمبر ۲۲۷۴) (۲) اوپر دار قطنی اور سنن بیہقی کی حدیث گزری کہ حکیم بن حزام اور حضرت عباس مضارب کو دیتے وقت شرط لگاتے تھے کہ میرے مال سے کوئی جاندار نہیں خریدنا۔ اس کو لیکر سمندر کا سفر نہ کرنا، اس کو لیکر کسی وادی میں قیام نہ کرنا، اور تم نے ایسا کیا اور مال ہلاک ہوا تو تم اس کے ذمہ دار ہوگے (دار قطنی نمبر ۳۰۱۴ رسنن للبیھقی، کتاب القراض ج سادس ص ۱۱۱) جس سے معلوم ہوا کہ ایسی شرط لگانا جائز ہے۔

اصول مضاربت میں تعین شہر اور تعین سامان جائز ہے۔

لغت سلعۃ : سامان۔

[۱۳۴۶] (۸) ایسے ہی اگر مالک نے مضاربت کی مدت متعین کر دی تو جائز ہے اور عقد اس وقت کے گزرنے سے باطل ہو جائے گا۔

تشریح مثلا مالک نے کہا کہ تین مہینے تک مضاربت پر مال لے سکتے ہو اس کے بعد مضاربت ختم، تو اس طرح مضاربت کے لئے وقت متعین کرنا جائز ہے۔ اور جب معینہ وقت گزر جائے گا تو مضاربت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

وجہ شرط متعین کرنے کے لئے اوپر دار قطنی اور بیہقی کی حدیث گزر چکی ہے (۲) مالک کا مال ہے اس لئے وہ اپنی سہولت کے لئے وقت متعین کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان ان کے شرطوں کے پاسبان ہیں۔

ان وقت المضاربة بعينها جاز وبطل العقد بمضيها [۱۳۴۷](۹) وليس للمضارب ان يشترى ابا رب المال ولا ابنه ولا من يعتق عليه فان اشتريٰهم كان مشتريا لنفسه دون المضاربة [۱۳۴۸](۱۰) وان كان فى المال ربح فليس له ان يشترى من يعتق عليه وان اشتريٰهم ضمن مال المضاربة وان لم يكن فى المال ربح جاز له ان يشتريهم.

[۱۳۴۷](۹)اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے مال والے کے باپ کو اور نہ اس کے بیٹے کو اور نہ ایسے آدمی کو جو اس پر آزاد ہو جائے، پس اگر ان لوگوں کو خریدا تو اپنے لئے خریدنا ہوگا نہ مضاربت کے لئے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے مال والے کو نقصان اٹھانا پڑے۔ مثلا مال والے کے باپ کو خریدے گا تو وہ مال والے پر آزاد ہو جائے گا تو اس سے رب المال کو نفع کے بجائے نقصان ہوگا۔ اسی طرح اس کے بیٹے کو خریدے گا۔ یا ایسے آدمی کو خریدا جو مال والے پر آزاد ہو سکتے ہوں مثلا اس کے قریبی رشتہ دار کو خریدا تو ایسی صورت میں وہ مضاربت کے لئے نہیں ہوگا بلکہ خود مضارب کے لئے ہوگا۔

وجہ (۱) ایک تو اوپر دار قطنی اور سنن بیہقی کی حدیث گزری کہ فائدے کی شرط لگا سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن ابن سيرين قال اذا خالف المضارب ضمن (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان القارض اذا تعدی ولمن الربح ؟ ج ثامن ص ۲۵۲ نمبر ۱۵۱۰۷) اس سے معلوم ہوا کہ مضارب نے مخالفت کی تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

[۱۳۴۸](۱۰) اگر مال میں نفع ہوا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے ایسے آدمی کو جو مضارب پر آزاد ہو جائے اور اگر اس کو خریدا تو مضاربت کے مال کا ضامن ہو جائے گا۔ اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو خریدے۔

تشریح اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لئے یہ جائز نہیں کہ مضارب اپنے ایسے رشتہ دار کو خریدے جو مضارب پر آزاد ہو سکتا ہو، مثلا اپنے باپ یا بیٹے وغیرہ کو، البتہ اگر نفع نہیں ہے تو ایسے رشتہ دار کو خرید سکتا ہے۔

وجہ اگر مال میں نفع ہے تو کچھ نہ کچھ نفع مضارب کا بھی ہوگا اس لئے جتنا حصہ مضارب کا ہوگا اتنا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ اب رب المال کو نقصان ہوگا کہ اس کو بھی آزاد کرنا ہوگا یا سعی کروانا ہوگا۔ اور یہ نقصان مضارب کے اپنے رشتہ دار کو خریدنے سے ہوا اس لئے مضارب اس کے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو نہیں خرید سکتا۔ البتہ اگر مال میں نفع نہیں ہے تو مضارب کا حصہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے اس لئے مضارب کا رشتہ دار آزاد نہیں ہوگا۔ اس لئے ایسی صورت میں مضارب اپنا آزاد ہونے والے رشتہ دار خرید سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ بھی اوپر کے اصول پر ہے کہ مضارب کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے رب المال کو نقصان ہو۔

حاشیہ : (الف) حضرت محمد ابن سیرین نے فرمایا مضارب شرط کی مخالفت کرے تو ضامن ہوگا۔

[۱۳۴۹](۱۱) فان زادت قیمتهم عتق نصیبه منهم ولم یضمن لرب المال شیئا ویسعی المعتق لرب المال فی قیمة نصیبه منه[۱۳۵۰] (۱۲) واذا دفع المضارب المال مضاربة علی غیره ولم یأذن له رب المال فی ذلک لم یضمن بالدفع ولا بتصرف المضارب

[۱۳۴۹](۱۱) پس اگر غلام کی قیمت زیادہ ہوگئی تو مضارب کا حصہ غلام سے آزاد ہو جائے گا اور مضارب رب المال کا کچھ ضامن نہیں ہوگا۔اور آزاد ہونے والا غلام رب المال کے لئے اس کے حصے کی قیمت میں سعی کرے گا۔

تشریح مال میں نفع نہیں تھا ایسی صورت میں مضارب نے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو خرید لیا جو اس کے لئے جائز تھا، بعد میں اس غلام کی قیمت بڑھ گئی، مثلا ایک ہزار میں غلام خریدا تھا اب اس کی قیمت بارہ سو درہم ہوگئی تو دو سو درہم میں سے ایک سو نفع رب المال کا ہوا اور ایک سو نفع مضارب کا ہوا اس لئے مضارب کا جو ایک سو نفع ہے وہ حصہ آزاد ہو جائے گا۔لیکن چونکہ آزاد ہونے میں مضارب کی کوئی حرکت نہیں ہے، خود بخود آزاد ہوا ہے اس لئے مضارب رب المال کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔اب غلام کا چونکہ بارہ سو میں ایک سو آزاد ہوا ہے باقی گیارہ سو رب المال کا ہے اس لئے غلام گیارہ سو درہم سعایت کر کے رب المال کو ادا کرے گا جو رب المال کا حصہ ہے اور پھر غلام مکمل آزاد ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حادثاتی طور پر مضارب کی بغیر کسی حرکت کے رب المال کو نقصان ہو جائے تو مضارب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔اور دوسرا اصول یہ ہے کہ مضارب نے آزاد نہیں کیا ہے بلکہ غلام خود آزاد ہوا ہے اس لئے مضارب سے غلام کی بقیہ قیمت وصول نہیں کی جائے گی بلکہ غلام رب المال کا حصہ سعی کر کے ادا کرے گا۔

لغت یسعی : سعایت کرے گا، غلام مال کما کر مولی کو ادا کرے گا تا کہ مکمل آزاد ہو جائے۔

[۱۳۵۰](۱۲) اگر مضارب نے مال دوسرے کو مضاربت پر دیا حالانکہ رب المال نے اس کو مضاربت پر دینے کی اجازت نہیں دی تھی تو صرف دینے سے ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح رب المال نے مضارب کو مضاربت پر مال دینے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے باوجود اس نے دوسرے کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب رب المال کے مال کا ضامن ہوگا۔لیکن کب ہوگا اس بارے میں اختلاف ہے۔امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف مال حوالے کرنے سے نہیں ہوگا۔اسی طرح مضارب ثانی کے کام شروع کرنے سے ضامن نہیں ہوگا بلکہ جب مضارب ثانی کام کر کے اس میں کچھ نفع کما لے گا تب مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف مال حوالہ کرنے سے ابھی مضاربت شروع نہیں ہوئی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ابھی امانت کے طور پر مضارب ثانی کے پاس مال ہے۔اور جب کام شروع کرے گا تو کہا جا سکتا ہے کہ بضاعت کے طور پر کام کر رہا ہے یعنی اجرت لے کر کام کر رہا ہے۔لیکن جب نفع حاصل ہو گیا تو اب نفع میں شریک ہونے کی وجہ سے مضارب ثانی حقیقت میں مضارب بن گیا۔جس کی رب المال کی جانب سے اجازت نہیں

الثانی حتی یربح [١٣۵١](١٣) فاذا ربح ضمن المضارب الاول المال لرب المال [١٣۵٢](١٤) واذا دفع اليه مضاربة بالنصف فاذن له ان يدفعها مضاربة فدفعها بالثلث جاز [١٣۵٣](١۵) فان كان رب المال قال له على ان ما رزق الله تعالى بيننا نصفين فلرب المال نصف الربح وللمضارب الثانی ثلث الربح وللاول السدس[١٣۵٤] (١٦) وان كان قال على ان ما رزقک الله بيننا نصفين فللمضارب الثانی الثلث وما بقی بين

تھی۔اس لئے اب مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضاربت میں ضمان کا معاملہ حقیقی مضاربت شروع ہونے کے بعد ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مضارب ثانی نے کام شروع کر دیا تو مضاربت شروع ہوگئی۔اس لئے کام شروع کرنے پر مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔ چاہے ابھی نفع حاصل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

[۱۳۵۱] (۱۳) پس جب نفع ہو مضارب اول مالک کے لئے مال کا ضامن ہوگا۔

تشریح مال سپرد کر دیا پھر مضارب ثانی نے کام شروع کیا پھر جب نفع ہوا تب مضارب اول رب المال کے مال کا ضمان ہوگا۔

وجہ کیونکہ اب حقیقت میں مضارب ثانی مضارب بن گیا اور نفع میں بھی شریک ہوگیا۔

[۱۳۵۲] (۱۴) اگر مالک نے مضارب کو آدھے نفع پر مضاربت پر دیا پھر اس کو اجازت دی کہ دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔پس اس نے تہائی نفع پر دیا تو جائز ہے۔

تشریح مالک نے مضارب کو مال دیا اور یہ بھی کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان نفع آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔البتہ آپ اس مال کو دوسروں کو بھی مضاربت کے طور پر دے سکتے ہیں۔اب اس نے دوسرے مضارب کو تہائی نفع پر مال دیا تو جائز ہے۔اب آگے مالک نے کس انداز سے تقسیم نفع کا حساب طے کیا اس کی تین صورتیں ہیں جو آگے آ رہی ہیں۔

[۱۳۵۳] (۱۵) پس اگر مالک نے مضارب سے کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس کا ہم دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مالک کا آدھا نفع ہوگا اور مضارب ثانی کی ایک تہائی ہوگی اور مضارب اول کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

تشریح چونکہ مالک نے یہ کہا تھا کہ جتنا نفع ہوگا اس میں آدھا میرا ہوگا تو باقی آدھا نفع رہا۔اس میں سے ایک تہائی مضارب ثانی کو دے دیا۔مثلا چھ درہم نفع ہوا، آدھا یعنی تین درہم مالک کا ہوگیا اور ایک تہائی یعنی دو درہم مضارب ثانی کے ہوگئے، باقی ایک درہم یعنی چھٹا حصہ باقی رہا یہ مضارب اول کے ملے گا۔اس دور کا کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا مالک کا سو میں سے 50% مضارب ثانی کا 33.33% مضارب اول کا حصہ 16.66% ہوگا۔

[۱۳۵۴] (۱٦) اور اگر مالک نے کہا ہو جو کچھ آپ کو اللہ دے اس میں سے ہمارے اور آپ کے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مضارب ثانی لئے

رب المال والمضارب الاول نصفان [١٣٥٥] (١٧) فان قال على ان ما رزق الله فلی فلی نصفه فدفع المال الی آخر مضاربة بالنصف فللثانی نصف الربح ولرب المال النصف ولا شیء للمضارب الاول [١٣٥٦] (١٨) فان شرط للمضارب الثانی ثلثی الربح فلرب المال نصف الربح و للمضارب لثانی نصف الربح ویضمن المضارب الاول

تہائی اور جونفع باقی رہا وہ مالک اور مضارب اول کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح پہلے قول اور اس قول میں فرق ہے۔اس لئے نفع تقسیم ہونے میں فرق ہو گیا۔ پہلے میں مالک نے مضارب سے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو اس تمام میں سے مجھے آدھا چاہئے، باقی آپ جانیں۔اور اس مسئلے میں یہ ہے کہ مالک نے مضارب اول سے یہ کہا کہ جو کچھ آپ کو نفع ہوگا اس آپ کے نفع میں سے مجھے آدھا نفع دیں۔اس صورت میں ایک تہائی مضارب ثانی کے پاس چلا گیا۔اب باقی دو تہائی رہے۔اس دو تہائی میں سے آدھا آدھا یعنی ایک ایک تہائی مالک اور مضارب اول تقسیم کریں گے۔کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا۔مضارب ثانی کے لئے 33.33% باقی نفع رہا 66.66% اس میں سے آدھا مالک کو ملے گا 33.33% اور مضارب اول کو ملے گا 33.33 % گویا کہ تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

[١٣٥٥](١٧) اور اگر مالک نے کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس میں سے میرا آدھا ہوگا پھر بھی دوسرے کو مال مضاربت کے طور پر آدھے پر دیا ہو تو مضارب ثانی کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

تشریح مالک نے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو سب میں سے آدھا میرا ہوگا۔اس کے باوجود مضارب نے دوسرے کو آدھے نفع کی شرط پر مضاربت پر دے دیا تو اس صورت میں آدھا نفع مالک کو ملے گا 50 % اور آدھا نفع مضارب ثانی کو ملے گا 50% اب باقی کچھ نہیں رہا اس لئے مضارب اول کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

[١٣٥٦](١٨) اور اگر شرط کیا مضارب ثانی کے لئے نفع کی دو تہائی تو مالک کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب اول مضارب ثانی کے لئے نفع کے چھٹے کی مقدار کا ضامن ہوگا اپنے مال میں سے۔

تشریح مالک نے کہا تھا کہ میں پورے نفع کا آدھا لوں گا۔اور مضارب اول نے دوسرے مضارب کو پورے نفع کی دو تہائی پر دے دیا تو آدھے نفع میں سے بھی ایک چھٹا حصہ زیادہ نفع دے دیا تو اس چھٹے حصے کا ذمہ دار مضارب اول ہوگا۔

وجہ کیونکہ اسی نے ہی دو تہائی نفع دینے کا وعدہ کیا ہے۔کلکیو لیٹر والا حساب اس طرح ہوگا۔مالک کا آدھا ہوگا 50 % مضارب ثانی کا 66.66% دو تہائی اور مضارب اول اپنے مال میں سے ادا کرے گا 16.66% ایک چھٹا حصہ۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جیسی جیسی شرطیں آپس میں طے ہوئی ہیں نفع اسی کے مطابق تقسیم کیا جائے گا (٢) المسلمون عند شروطهم (بخاری شریف نمبر ٢٢٧٤)

للمضارب الثانی مقدار سدس الربح من ماله [۱۳۵۷] (۱۹) واذا مات رب المال او المضارب بطلت المضاربة [۱۳۵۸] (۲۰) واذا ارتد رب المال عن الاسلام ولحق بدار الحرب بطلت المضاربة [۱۳۵۹] (۲۱) وان عزل رب المال المضارب ولم یعلم بعزله حتی اشتری او باع فتصرفه جائز [۱۳۶۰] (۲۲) وان علم بعزله والمال عروض فی یده

[۱۳۵۷] (۱۹) اگر مالک یا مضارب کا انتقال ہو گیا تو مضاربت باطل ہو جائے گی۔

وجہ مضاربت میں مضارب مالک کا وکیل ہوتا ہے اور انتقال ہونے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لئے دونوں میں سے کسی ایک کے انتقال سے مضاربت باطل ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشیاء (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت، ج ثانی، ص ۴۲، نمبر ۲۸۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انتقال سے مضاربت باطل ہو جائے گی۔

[۱۳۵۸] (۲۰) اگر مالک اسلام سے مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی۔

تشریح اسلام سے مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے اندازہ ہے کہ کبھی واپس نہیں آئے گا تو وہ مرنے کے درجے میں ہو گیا۔اس لئے ان مضاربت باطل ہو جائے گی

وجہ حدیث اوپر گزر گئی اذا مات الانسان انقطع عنه عمله۔

[۱۳۵۹] (۲۱) اگر مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو اپنے معزول ہونے کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ خریدا یا بیچا تو اس کا تصرف جائز ہے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدہ پر ہے کہ مالک اپنے اختیار سے معزول کرنا چاہے تو اس وقت معزول ہو گا جب مضارب کو اپنی معزولی کا علم ہو جائے گا۔اس سے قبل وہ مضارب بحال رہے گا اس لئے معزول کرنے کے بعد علم ہونے سے پہلے مضارب نے جو کچھ تصرف کیا، خریدا یا بیچا تو وہ جائز ہے۔

اصول اختیاری معزولی میں وکیل کو علم سے پہلے وہ معزول نہیں ہو گا۔

[۱۳۶۰] (۲۲) اور اگر معزول کرنے کی اطلاع ہوئی اور مال اس کے ہاتھ میں سامان تھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو بیچے اور معزول کرنا مضارب کو بیچنے سے نہیں روکے گا۔پھر اس کی قیمت سے اور چیز خریدنا جائز نہیں ہے۔

تشریح مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو معزولی کی اطلاع بھی ہوئی لیکن اس وقت اس کے پاس مضاربت کا سامان تھا تو وہ سامان بیچ سکتا ہے۔البتہ جب سامان کی قیمت آجائے تو اس قیمت سے مزید کوئی چیز نہ خریدے۔

وجہ مضارب کے نفع کا حساب نقد مال یعنی درہم اور دینار میں ہو سکے گا، سامان میں نہیں ہو سکے گا اور مضارب کا نفع میں حق ہے اس لئے

فلہ ان یبعھا ولا یمنعہ العزل من ذلک ثم لا یجوز ان یشتری بثمنھا شیئا آخرؤ ۱۳۶۱] (۲۳) وان عزلہ ورأس المال دراھم او دنانیر قد نضت فلیس لہ ان یتصرف فیھا[۱۳۶۲] (۲۴) واذا افترقا وفی المال دیون وقد ربح المضارب فیہ اجبرہ الحاکم علی اقتضاء الدیون وان لم یکن فی المال ربح لم یلزمہ الاقتضاء ویقال لہ وکل رب

سامان بیچ کر نقد بنا سکتا ہے تا کہ نقد ہونے کے بعد نفع کا حساب کر سکے۔البتہ اس قیمت سے اب دوسری چیز نہ خریدے تا کہ مضاربت کا معاملہ آگے نہ بڑھے اور مالک کو نقصان نہ ہو۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چاہے مضارب کو معزول کر دیا ہو لیکن اگر اس کا نقصان ہو رہا ہو تو نقصان کی تلافی تک وہ معزول نہیں ہوگا۔لا ضرر ولا ضرار.

[۱۳۶۱] (۲۳) اور اگر مضارب کو معزول کیا اس حال میں کہ رأس المال نقد درہم یا دینار ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرے۔

وجہ سامان تھا اس لئے بیچنے کی اجازت تھی کہ نقد درہم یا دینار یا سکہ ہو جائے اور آسانی سے نفع کا حساب کر سکے لیکن پہلے سے نقد درہم، دینار یا سکہ ہوں تو اب اس کو تصرف کیوں کرے۔اس لئے کہ اب اس میں تصرف کرنے میں مالک کا نقصان ہوگا کہ بغیر اس کی مرضی کے مضاربت کی میعاد بڑھتی جائے گی۔اس لئے اب اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

لغت نضت : سامان کے بعد نقد ہوا ہو۔

[۱۳۶۲] (۲۴) اگر مالک اور مضارب علیحدہ ہوئے اور مال ادھار میں ہے اور مضارب اس سے نفع لے چکا ہے تو حاکم اس کو ادھار وصول کرنے پر مجبور کرے گا۔اور اگر مال میں نفع نہ ہوا ہو تو مضارب کو ادھار وصول کرنا لازم نہیں ہے۔اس کو کہا جائے گا کہ مالک کو وصول کرنے کا وکیل بنا دے۔

تشریح مالک اور مضارب مضاربت سے جدا جدا ہو رہے ہیں۔اور صورت حال یہ ہے کہ کچھ مال مضاربت ادھار پر گیا ہوا ہے، اب اس کی قیمت کون وصول کرے؟ مالک یا مضارب؟ تو فرماتے ہیں کہ اگر مضارب اس مال سے نفع لے چکا ہے تو ادھار وصول کرنا مضارب کا کام ہے۔

وجہ جب مضارب نے نفع لیا تو گویا کہ وہ اجیر کے مانند ہو گیا۔اس نے بیچنے، خریدنے اور ادھار وصول کرنے کی اجرت لے لی۔اس لئے ادھار وصول کرنا اس پر لازم ہوگا۔اور اگر نفع نہیں لیا ہے تو مضارب تبرع اور احسان کے طور پر بیچنے خریدنے کا وکیل بنا ہوا ہے۔اور تبرع اور احسان والے کو مزید کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔اس لئے حاکم اس کو ادھار وصول کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔البتہ مضارب اس ادھار کو وصول کرنے کا وکیل مالک کو بنا دے تا کہ اس کی وکالت میں وہ ادھار وصول کر سکے اور اس کا مال ضائع نہ ہو۔

المال فی الاقتضاء [۱۳۶۳](۲۵) وما هلک من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال [۱۳۶۴](۲۶) فان زاد الهالک علی الربح فلا ضمان علی المضارب فیه.

نوٹ چونکہ مضارب نے عقد کیا تھا اس لئے ادھار وصول کرنا اس کے حقوق میں سے تھا۔ اس لئے وہ مالک کو باضابطہ وکیل بنائے تاکہ وہ اس کی وکالت میں ادھار وصول کر سکے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تبرع اور احسان میں کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لغت دیون : قرض، ادھار۔ اقتضاء : وصول کرنا۔

[۱۳۶۳](۲۵) جو کچھ ہلاک ہو جائے مضاربت کے مال سے تو وہ نفع سے ہوگا نہ کہ اصلی پونجی سے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مال کی ہلاکت پہلے نفع میں سے وضع کی جائے گی۔ ہلاکت اس سے بھی زیادہ ہو تو اصل پونجی سے جائے گی۔ شروع میں ہی ہلاکت اصل پونجی سے وضع نہیں کریں گے۔ اس لئے مال ہلاک ہو جائے تو پہلے نفع سے وضع کی جائے گی اصل پونجی سے نہیں۔

وجہ (۱) نفع تابع ہے اور پونجی اصل ہے۔ اس لئے ہلاکت پہلے تابع سے وضع کی جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابن سیرین و ابو قلابه قالا فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فضاع بعضه او وضع قالا ان کان صاحب المال لم یحاسبه حتی ضرب به اخری فربح فلا ربح للمقارض حتی یستوفی صاحب المال رأس ماله وان کان قد حاسبه او آجره ثم ضرب به مرة اخری اقتسما الربح بینهما' وکان الوضیع الاول علی المال** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب به مرة اخری ج ثامن ص ۲۵۱ نمبر ۱۵۰۹۹) اس اثر میں ہے کہ کچھ مال ہلاک ہو جائے اور پہلے نفع کا حساب نہ کیا ہو تو ہلاکت نفع میں سے وضع کی جائے گی۔ اور اس وقت تک مضارب کو نفع نہیں ملے گا جب تک پونجی پوری نہ ہو جائے۔ اور اگر پہلا حساب ہو چکا ہو یعنی پہلا عقد ختم ہو چکا ہو پھر دوسرے عقد میں نفع ہوا ہو تو یہ نفع پہلی پونجی میں وضع نہیں کیا جائے گا۔

[۱۳۶۴](۲۶) پس اگر ہلاک ہونے والا مال نفع سے بڑھ جائے تو مضارب پر اس میں ضمان نہیں ہے۔

تشریح مثلا ایک ہزار درہم پونجی تھی اور دو سو درہم نفع کمایا تھا۔ بعد میں تین سو درہم ہلاک ہو گئے تو دو سو درہم نفع میں سے وضع کئے جائیں گے اور بعد میں ایک سو درہم اصل پونجی سے جائے گا۔ اور مضارب اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ (۱) مضارب امین ہے اور بغیر تعدی کے امین سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے مضارب پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) پہلے اثر میں گزرا **وکان الوضیع الاول علی المال** (الف) (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۰۹۹) (۳) حضرت علی کا

حاشیہ : (الف) ابن سیرین اور ابو قلابہ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کو مال مضاربت پر دے، پس کچھ مال ضائع ہو گیا یا ہلاک ہو گیا تو فرمایا اگر مال والے نے حساب نہ کیا ہو یہاں تک کہ دوسری مرتبہ سفر کیا اور نفع اٹھایا تو مضارب کے لئے نفع نہیں ہوگا یہاں تک کہ مالک پونجی پوری کر لے۔ اور اگر حساب کر چکا ہے یا اجرت پر دیا ہے پھر دوسری مرتبہ سفر کیا تو نفع آپس میں تقسیم کریں گے اور پہلی ہلاکت مال میں شمار ہوگی (ب) اور پہلی ہلاکت مال میں شمار ہوگی۔

[۱۳۶۵] (۲۷) وان کانا یقسمان الربح والمضاربة علی حالها ثم هلک المال کله او بعضه تراد الربح حتی یستوفی رب المال رأس المال [۱۳۶۶] (۲۸) فان فضل شیء

اثر ہے۔عن علی فی المضاربة ،الوضیعة علی المال والربح علی ما اصطلحوا علیه (الف) مصنف عبدالرزاق، باب نفقۃ المضارب ووضیعتہ ج ثامن ص ۲۴۸ نمبر ۱۵۰۸۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲من قال الربح علی ما اصطلح علیہ والوضیعۃ علی رأس المال، ج رابع ،ص ۲۷۲،نمبر۱۹۹۵۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہلاکت پونجی سے شمار کی جائے گی۔اس لئے مضارب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

[۱۳۶۵] (۲۷) اور اگر دونوں نفع تقسیم کر چکے ہوں اور مضاربت اپنی حالت پر ہو، پھر کل پونجی ہلاک ہو جائے یا بعض ہلاک ہو جائے تو دونوں نفع واپس لوٹائیں گے یہاں تک کہ مالک اصل پونجی پوری کر لے۔

تشریح مضارب اور مالک نفع تقسیم کر چکے تھے لیکن مضاربت کا عقد اپنی حالت پر بدستور تھا اس کو ختم نہیں کیا تھا کہ اسی دوران پوری پونجی یا کچھ پونجی ہلاک ہوگئی تو قاعدہ یہ ہے کہ دونوں نے جو نفع تقسیم کیا تھا وہ واپس کرے اور اصل پونجی میں شامل کرے تاکہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے۔

وجہ جب پونجی ہلاک ہوگئی تو معلوم ہوا کہ نفع تقسیم کرنا صحیح نہیں تھا۔اس لئے کہ نفع اصل پونجی پوری ہونے کے بعد ہوتا ہے۔اور یہاں اصل پونجی میں کمی واقع ہوگئی۔اس لئے نفع واپس کر کے اصل پونجی پوری کی جائے گی (۲) اصل پونجی نفع سے پوری نہ کریں تو مالک کو بلا وجہ نقصان ہوگا جس سے بچانا ضروری ہے (۳) ابھی اوپر گزرا۔عن ابن سیرین وابی قلابة قالا فی رجل دفع الی رجل مالا مضاربة فضاع بعضه او وضع قالا ان کان صاحب المال لم یحاسبه حتی ضرب به اخری فربح فلا ربح للمقارض حتی یستوفی صاحب المال رأس ماله (ب) مصنف عبدالرزاق، باب اختلاف المضاربین اذا ضرب بہ مرۃ اخری ج ثامن ص ۲۵۱ نمبر ۱۵۰۹۹)اس اثر میں ہے کہ مضارب کو اس وقت تک نفع نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اصل پونجی پوری نہ ہو جائے۔اس لئے واپس لوٹا کر اصل پونجی پوری کی جائے گی۔

[۱۳۶۶] (۲۸) پس اگر کچھ نفع بچ جائے تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔اور اگر پونجی میں کچھ کم رہ جائے تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح نفع دونوں نے واپس کیا پھر بھی ہلاکت اتنی تھی کہ اصل پونجی پوری نہیں ہو پائی تو اب اس نقص کا ذمہ دار مضارب نہیں ہوگا۔مثلا ایک ہزار درہم اصل پونجی تھی۔پھر دو سو درہم نفع کمایا تھا۔لیکن ہلاکت تین سو درہم تھی اس لئے نفع کے دو سو درہم واپس کئے۔پھر بھی ایک سو درہم پونجی میں سے باقی رہ گئے تو اس ایک سو درہم کا ضمان مضارب نہیں دے گا۔

وجہ پہلے گزر گیا ہے کہ مضارب امین ہے (۲) اثر میں تھا الوضیعة علی المال (مصنف عبدالرزاق نمبر ۱۵۰۸۷)اس لئے مضارب اس

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مضاربت کے بارے میں ہلاکت مال پر ہوگی اور نفع صلح کے مطابق ہوگا (ب) ابن سیرین اور ابو قلابہ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کو مال مضاربت پر دے پس کچھ مال ضائع ہو جائے؟ فرمایا اگر مال والے نے حساب نہیں کیا ہو یہاں تک کہ دوسری مضاربت ہوئی اور نفع اٹھایا تو مضارب کو نفع نہیں ملے گا یہاں تک کہ مالک اپنی پونجی پوری کر لے۔

كان بينهما وان نقص من رأس المال لم يضمن المضارب [۱۳۶۷](۲۹)وان كانا اقتسما الربح وفسخا المضاربة ثم عقداها فهلك المال او بعضه لم يترادا الربح الاول [۱۳۶۸](۳۰) ويجوز للمضارب ان يبيع بالنقد والنسيئة [۱۳۶۹](۳۱) ولا يزوج عبدا ولا امة من مال المضاربة.

نقص کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

[۱۳۶۷](۲۹)اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا ہو اور مضاربت توڑ دی ہو پھر دونوں نے عقد مضاربت کیا ہو پھر کل مال ہلاک ہوا تو پہلا نفع نہیں لوٹائیں گے۔

وجہ پہلا عقد بالکل ختم ہو گیا ہے۔اور یہ دوسرا عقد عقد جدید ہے۔اس لئے اس کی پونجی کی ہلاکت پہلے میں شامل نہیں ہوگی۔اور پہلا نفع واپس کر کے اس پونجی کو پوری نہیں کی جائے گی (۲)اثر میں تھا۔عن ابن سيرين وابی لابة ...وان كان قد حاسبه او آجره ثم ضرب به مرة اخرى اقتسما الربح بينهما وكان الوضيع الاول على المال (الف)(مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۰۹۹)اس اثر میں ہے کہ پہلے عقد کا حساب ہو گیا ہو تو دوسرے عقد کا اثر پہلے پر نہیں پڑے گا۔

[۱۳۶۸](۳۰)مضارب کے لئے جائز ہے کہ نقد بیچے یا ادھار بیچے۔

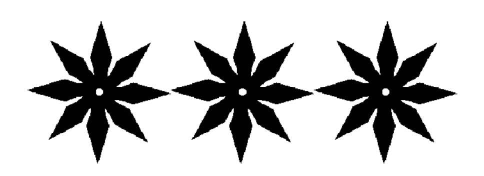
وجہ چونکہ تجارت میں نقد اور ادھار دونوں طرح بیچنے کا رواج ہے اس لئے مضارب کو دونوں طرح بیچنے کا حق ہوگا۔

[۱۳۶۹](۳۱)اور مضارب نہ شادی کرائے غلام کی یا باندی کی مضاربت کے مال سے۔

تشریح مضاربت کے مال سے غلام یا باندی خریدا ہو اور اس کی شادی کروانا چاہے تو مالک کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کرواسکتا۔

وجہ باندی کی شادی کرانے سے مہر ملے گا، نفقہ ملے گا اور بچہ پیدا ہوگا تو وہ بھی غلام ہوگا یہ سب فوائد تو ہیں لیکن یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہیں اس لئے مضارب باندی یا غلام کی شادی بغیر مالک کی اجازت کے نہیں کرواسکتا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضارب متعلقات تجارت کا کام کر سکتا ہے اور جو متعلقات تجارت نہ ہو ایسا کام نہیں کر سکتا۔



(الف)اور اگر حساب کر لیا ہو یا اجرت پر دیا ہو پھر دوسری مرتبہ سفر کیا تو نفع آپس میں تقسیم کریں گے اور مال کی پہلی ہلاکت پونجی میں شمار کی جائے۔

﴿کتاب الوکالة﴾

[۱۳۷۰](۱) کل عقد جاز ان یعقده الانسان بنفسه جاز ان یوکل به غیره [۱۳۷۱](۲) ویجوز التوکیل بالخصومة فی سائر الحقوق وباثباتها ویجوز بالاستیفاء.

﴿کتاب الوکالة﴾

ضروری نوٹ وکالت کے معنی سپرد کرنا، خود کوئی کام نہ کرے اور دوسرے کو کام کرنے کا وکیل بنائے اس کو وکالت کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔**بابعثوا احدکم بورقکم هذه الی المدینة فلینظر ایها ازکی طعاما فلیأتکم برزق منه**(الف)(آیت ۱۹ سورة الکہف ۱۸)اس آیت میں اصحاب کہف کے ساتھیوں نے کھانا خریدنے کا وکیل بنایا ہے(۲) حدیث میں ہے۔**عن علیؓ قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان اتصدق بجلال البدن التی نحرت وبجلودها** (ب)(بخاری شریف، باب وکالة الشریک الشریک فی القسمة وغیرہا ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۹۹)اس حدیث میں اونٹ ذبح کرنے اور اس کی کھال کو صدقہ کرنے کا وکیل حضرت علی کو آپؐ نے بنایا۔

[۱۳۷۰](۱) ہر وہ عقد جو انسان خود کر سکتا ہو، جائز ہے کہ اس کا دوسرے کو بھی وکیل بنائے۔

تشریح جو کام خود کر سکتا ہے اس کام کے کرنے کا دوسروں کو بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے حضرت علی کو اونٹ ذبح کرنے اور کھال صدقہ کرنے کا وکیل بنایا۔اور یہ کام حضورؐ خود بھی کر سکتے تھے (۲) بعض مرتبہ آدمی خود ایک کام نہیں کر سکتا ہے تو مجبوری ہوتی ہے کہ دوسروں سے وہ کام کروائے (۳) اوپر کی آیت میں بھی کہف کے ساتھیوں نے دوسرے کو کھانا خریدنے کا وکیل بنایا ہے۔

[۱۳۷۱](۲) اور جائز ہے وکیل بنانا تمام حقوق میں جھگڑا کرنے کا اور ان کے ثابت کرنے کا اور جائز ہے حقوق حاصل کرنے کے لئے۔

تشریح تمام حقوق میں خصومت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔خصومت کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرے، پھر اس کو ثابت کرے، گواہ پیش کرے اور اپنے حق میں فیصلہ کے لئے زور لگائے۔ان تمام کاروائیوں کو وکیل بالخصومت کہتے ہیں۔اسی طرح حق کو ثابت کرنے اور حق کو وصول کرنے کے لئے بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ (۱) ہر آدمی قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے خصومت کا وکیل بنانا جائز ہے (۲) حضورؐ نے مسیلمہ کذاب کو جواب دینے کے سلسلے میں ثابت بن قیس کو وکیل بنایا ہے۔اس لمبی حدیث کا ٹکڑا پیش خدمت ہے۔**عن ابن عباس قال قدم مسیلمة الکذاب علی عهد النبی ﷺ ... وهذا ثابت بن قیس یجیبک عنی ثم انصرف عنه** (ج)(بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة بن اثال، کتاب المغازی ص ۶۲۷ نمبر ۴۳۷۳)(۳) مقدمہ پیش کرنے کے لئے عبدالرحمن بن سہل آگے

حاشیہ : (الف) تم میں سے ایک کو ان سکوں کو لیکر شہر بھیجیں تو وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاک ہے تو اس سے کچھ کھانے کا لائے (ب) حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ اونٹ کی جل کو صدقہ کروں جس کو میں نے ذبح کیا ہے اور اس کی کھال کو صدقہ کروں (ج) مسیلمہ کذاب حضورؐ کے زمانے میں آیا... یہ ثابت بن قیس ہیں، یہ میری جانب سے تم کو جواب دیں گے، پھر آپؐ واپس چلے آئے۔

[۱۳۷۲] (۳) الا فی الحدود والقصاص فان الوکالۃ لا تصح باستیفائھما مع غیبۃ الموکل عن المجلس [۱۳۷۳] (۴) وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی لا یجوز التوکیل

بڑھے جوان لوگوں میں سے چھوٹے تھے تو آپ نے بات کرنے کے لئے بڑے کو خصومت کا وکیل بنایا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**قال انطلق عبد اللہ بن سھل ومحیصۃ بن مسعود بن زید الی خیبر ... فذھب عبد الرحمن یتکلم فقال ﷺ کبر کبر وھو احدث القوم فسکت فتکلما** (الف) (بخاری شریف، باب الموادعۃ والمصالحۃ مع المشرکین بالمال وغیرہ ص ۴۵۰ نمبر ۳۱۷۳) اس حدیث میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے بڑے کو وکیل بنایا جس سے معلوم ہوا کہ خصومت کے لئے وکیل بنا سکتا ہے (۴) اثر میں ہے۔**عن عبد اللہ بن جعفر قال کان علی بن ابی طالب یکرہ الخصومۃ فکان اذا کانت لہ خصومۃ وکل فیھا عقیل بن ابی طالب فلما کبر عقیل وکلنی** (ب) (سنن للبیھقی، باب التوکیل فی الخصومات مع الحضور والغیبۃ، ج سادس، ص ۱۳۴، نمبر ۱۱۴۳۷) اس اثر میں ہے کہ حضرت علی خود خصومت نہیں کرتے بلکہ حضرت عقیل کو خصومت کا وکیل بناتے۔

[۱۳۷۲] (۳) مگر حدود اور قصاص میں کہ ان کو حاصل کرنے کی وکالت صحیح نہیں ہے اس مجلس میں موکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں

تشریح مجلس میں موکل موجود نہ ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کی وکالت صحیح نہیں ہے۔ہاں! مجلس میں موکل موجود ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کا وکیل بنایا جا سکتا ہے۔

وجہ حدود اور قصاص شبہ سے بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔اور موکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ ہے کہ موکل نے اخیر وقت میں حدود یا قصاص لینے سے معاف کر دیا ہو۔اس لئے اس کی موجودگی کے بغیر وکیل بنانا جائز نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود اور قصاص کو ساقط کرنے کی کوشش کرو اور وکیل بنانے میں اس کو مضبوط کرنا ہوگا۔حدیث میں ہے۔**عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ ادرء وا الحدود عن المسلمین مااستطعتم ،فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبۃ** (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحدود ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۴ ابن ماجہ شریف، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبہات ص ۳۶۵ نمبر ۲۵۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود وقصاص کو ساقط کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

[۱۳۷۳] (۴) امام ابو حنیفہ نے فرمایا خصومت کی وکالت جائز نہیں ہے مگر مقابل کی رضامندی سے، مگر یہ کہ موکل بیمار ہو یا غائب ہو اس طرح کہ تین دن یا اس سے زیادہ کے سفر پر ہو۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مدمقابل راضی ہو یا پھر موکل کو مجبوری ہو مثلا بیمار ہو کہ مجلس قضا میں نہیں آ سکتا ہو یا تین دن کے سفر پر ہو تو مد

حاشیہ : (الف) حضرت عبد الرحمن بات کرنے لگے تو آپ نے فرمایا بڑے بات کریں، بڑے بات کریں۔کیونکہ عبد الرحمن قوم میں سے چھوٹے تھے تو وہ چپ رہے اور بڑے دونوں نے حضور سے بات کی (ب) حضرت علی مقدمہ کو ناپسند فرماتے تھے۔پس ان کے لئے کوئی مقدمہ ہوتا تو وہ اس میں عقیل بن ابی طالب کو وکیل بناتے۔پس جب حضرت عقیل بوڑھے ہو گئے تو مجھے وکیل بنانے لگے (ج) آپ نے فرمایا جب تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کیا کرو۔پس اگر ان کے لئے نکلنے کا کوئی راستہ ہو تو راستہ چھوڑ دو۔اس لئے کہ امام معافی میں غلطی کرے یہ زیادہ بہتر ہے کہ سزا میں غلطی کرے۔

بالخصومة الا برضا الخصم الا ان یکون الموکل مریضا او غائبا مسیرة ثلاثة ایام فصاعدا

[۱۳۷۴](۵) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما اللہ یجوز التوکیل بغیر رضا الخصم

[۱۳۷۵](۶) ومن شرط الوکالة ان یکون الموکل ممن یملک التصرف ویلزمه

مقابل کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی چالا کی میں فرق ہوتا ہے۔اس لئے یہ ممکن ہے کہ وکیل اپنی چالا کی سے مدمقابل کو خواہ مخواہ نقصان دے اور حق فیصلہ کرانے میں دشواری پیدا کرے۔اس لئے مجبوری یا رضامندی کے بغیر خصومت کا وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

نوٹ وکیل بنالے اور فیصلہ ہو جائے تو درست ہو جائے گا۔

[۱۳۷۴](۵) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا بغیر مقابل کی رضامندی کے وکیل بنانا جائز ہے۔

وجہ اوپر اثر گزرا کہ حضرت علی بغیر کسی مجبوری کے حضرت عقیل کو خصومت کا وکیل بنایا کرتے تھے۔**عن عبد اللہ بن جعفر قال کان علی بن طالب یکره الخصمةفکان اذا کانت له خصومة وکل فیها عقیل بن ابی طالب فلما کبر عقیل وکلنی (الف)** (سنن للبیہقی ، باب التوکیل فی الخصومات مع الحضور والغیبة ، ج سادس ، ص ۱۳۴، نمبر ۱۱۴۳۷) اس سے معلوم ہوا کہ مجبوری نہ ہو اور خصم راضی نہ ہو تب بھی خصومت کا وکیل بنا سکتا ہے (۲) وہ فرماتے ہیں کہ وکیل بنانا موکل کا اپنا ذاتی حق ہے۔اس لئے مقابل کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ بغیر اس کی رضامندی کے بھی خصومت میں وکیل بن سکتا ہے۔

اصول پہلے ایک اصول گزر چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نظر مدمقابل کے نقصان کی طرف جاتی ہے، جبکہ صاحبین کی نظر خود موکل کے نقصان کی طرف جاتی ہے۔

[۱۳۷۵](۶) اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ موکل ان میں سے ہو جو تصرف کرنے کا مالک ہو اور اس کو احکام لازم ہوتے ہوں۔

تشریح وکالت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ خود وکیل بنانے والا جس چیز کا وکیل بنا رہا ہو اس کام کو کر سکتا ہو۔

وجہ اگر وہ خود نہیں کر سکتا ہے تو وہ دوسروں کو کرنے کا حکم کیسے دے گا؟ اور دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکام اس پر لازم ہوتے ہوں، یعنی وہ خود عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔اگر وہ عاقل، بالغ اور آزاد نہیں ہے تو اس پر شریعت کے احکام لازم نہیں ہونگے۔جب اس پر لازم نہیں ہوتے تو دوسرے کو احکام لازم کرنے کا حکم کیسے دے؟ یعنی اس کام کو کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔

وجہ حدیث میں ہے نابالغ اور مجنون سے احکام اٹھا دیئے گئے ہیں۔**عن علی ان رسول اللہ ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یشب وعن المعتوه حتی یعقل (ب)** (ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن لا یجب علیہ الحد

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ مقدمہ کو ناپسند فرماتے تھے۔پس ان کے لئے کوئی مقدمہ ہوتا تو وہ اس میں عقیل بن ابی طالب کو وکیل بناتے۔پس جب حضرت عقیل بوڑھے ہو گئے تو مجھے وکیل بنانے لگے (ب) آپؐ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھا دیا گیا ہے سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے جب تک بالغ نہ ہو جائے اور معتوہ سے جب تک عقل والا نہ ہو جائے۔

الاحکام [۱۳۷۶](۷) والوکیل ممن یعقل البیع ویقصده[۱۳۷۷] (۸) واذا وکل الحر البالغ او الماذون مثلھما جاز[۱۳۷۸] (۹) وان وکلا صبیا محجورا یعقل البیع والشراء

ص ۲۶۳ نمبر ۱۴۲۳ /ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق اویصیب حدا ص ۲۵۶ نمبر ۴۳۹۹) اس لئے اگر موکل بچہ یا مجنون ہو تو وکیل نہیں بنا سکے گا۔ یا جو کام موکل نہیں کر سکتا تو اس میں وکیل نہیں بنا سکے گا۔ مثلا موکل اجنبیہ عورت کو طلاق نہیں دے سکتا تو کسی کو اجنبیہ عورت کو طلاق دینے کا وکیل بھی نہیں بنا سکے گا۔

[۱۳۷۶] (۷) اور وکیل ان میں سے ہو جو بیع کو سمجھتا اور اس کا قصد کرتا ہو۔

تشریح اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وکیل بھی عاقل بالغ ہو۔ اور بیع وشراء کیا چیز ہے ان کو سمجھتا ہو اور قصد وارادہ سے ان کا ارتکاب کرتا ہو۔ مذاق اور کھیل نہ سمجھتا ہو۔ تب وہ وکیل بن سکتا ہے۔

وجہ اوپر حدیث گزری کہ بچے اور معتوہ کے معاملات کا اعتبار نہیں ہے اس لئے ان کو وکیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے وکیل بھی عاقل وبالغ ہو یا کم از کم بیع وشراء سمجھتا ہو۔

[۱۳۷۷] (۸) اگر آزاد اور بالغ یا عبد ماذون اپنے جیسوں کو وکیل بنائے تو جائز ہے۔

تشریح ماذون غلام یا ماذون بچہ ان کو کہتے ہیں جن کو مولی نے یا والی نے خرید وفروخت کرنے کی اجازت دی ہو۔ اس لئے اگر آزاد اور بالغ آدمی کسی کو وکیل بنائے یا تجارت کی اجازت دیا ہوا غلام یا تجارت کی اجازت دیا ہوا بچہ کسی کو خرید وفروخت کا وکیل بنائے تو جائز ہے۔

وجہ غلام عاقل بالغ ہے تو صرف مولی کو نقصان نہ ہو اس کی وجہ سے غلام کو خرید وفروخت کرنے سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر وہ اجازت دیدے تو غلام خود بھی خرید وفروخت کر سکتا ہے اور خرید وفروخت کا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔ یہی حال ہے سمجھدار بچے کا کہ اس کا ولی اس کو تھوڑی بہت خرید وفروخت کی اجازت دیدے تو خود بھی خرید وفروخت کر سکتا ہے اور خرید وفروخت کا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔

وجہ چھوٹے موٹے کام کی ضرورت پڑتی ہے کہ سمجھدار بچے کو بھیج دے تاکہ وہ دکان سے سودا خرید لائے یا کسی کو ہدیہ پہنچا دے۔ اس لئے اس کو وکیل بنانا جائز ہے (۲) عبد ماذون کے وکیل بنانے کا اشارہ اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن مالک قال حجم ابو طیبة رسول اللہ فامر لہ بصاع من تمر وامر اھلہ ان یخففوا من خراجہ** (الف) (بخاری شریف، باب ذکر الحجام ص ۲۸۳ نمبر ۲۱۰۲) اس حدیث میں ابوطیبہ غلام ہیں اور ان کو تجارت کرنے کی اجازت ہے۔

[۱۳۷۸] (۹) اور اگر مجبور بچے کو وکیل بنایا جو بیع وشراع سمجھتا ہو یا مجور غلام کو وکیل بنایا تو جائز ہے اور حقوق ان دونوں سے متعلق نہیں ہوں گے بلکہ ان کے موکلوں سے متعلق ہوں گے۔

تشریح کسی نے ایسے بچے کو وکیل بنایا جو اتنا بڑا ہے کہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہے لیکن ہے بچہ اور اس کے ولی نے اس کو خرید وفروخت کرنے کی اجازت بھی نہیں دی ہے تو ایسے بچے کو وکیل بنانا جائز ہے۔ لیکن بیع وشراع کے جتنے حقوق لین دین کے ہیں وہ وکیل بنانے والے سے متعلق ہو

حاشیہ : (الف) حضرت ابوطیبہ نے حضور کو پچھنا لگایا تو آپؐ نے ان کو ایک صاع کھجور دینے کا حکم دیا اور ان کے اہل کو حکم دیا کہ ان کا ٹیکس کم کر دیں۔

او عبدا محجورا جاز ولا یتعلق بهما الحقوق ویتعلق بموکلیهما[۱۳۷۹] (۱۰) والعقود التی یعقدها الوکلاء علی ضربین کل عقد یضیفه الوکیل الی نفسه مثل البیع والشراء والاجارة فحقوق ذلک العقد یتعلق بالوکیل دون الموکل فیسلم المبیع ویقبض الثمن

جائیںگے بچے سے متعلق نہیں ہوں گے۔اور نہ بچے اس کے ذمہ دار ہوں گے۔

وجہ کیونکہ حدیث کی وجہ سے ان سے قلم اٹھا دیا گیا ہے اور وہ مرفوع القلم ہیں۔اس طرح اگر محجور غلام سے حقوق متعلق ہو جائیں تو اس کے مولی کا نقصان ہوگا اس لئے غلام وکالت میں کام تو کر دے گا کیونکہ وہ عاقل بالغ ہے لیکن خرید وفروخت کے حقوق وکیل بنانے والے کے ساتھ متعلق ہوں گے، وہی لین دین ادا کرے گا۔غلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ کفیل نہیں بن سکتا تو وہ وکیل بھی نہیں بن سکتا کیونکہ کفالت میں وکالت بھی ہوتی ہے۔عن جابر عن عامر قالا لا کفالة للعبد (الف) (مصنف ابن ابی شیبة ۴۲۹ فی العبد یکفل، ج رابع، ص ۵۳۴، نمبر ۲۲۸۷۷) اس اثر میں ہے کہ غلام کے لئے کفالۃ نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ محجور کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہوتے۔اوپر حدیث گزری رفع القلم عن ثلاثۃ (ترمذی شریف، نمبر ۱۴۲۳) سمجھدار بچے کو وکیل بنانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ام سلمۃ سے حضورؐ نے نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کئی معذرتیں پیش کیں۔آپؐ نے سب کا حل فرمایا پھر حضرت ام سلمہ نے اپنے لڑکے عمر بن ابی سلمہ جو نابالغ تھے لیکن سمجھدار تھے ان کو نکاح کا وکیل بنایا۔عن ام سلمة لما انقضت عدتها ... فقالت لابنها یا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه (نسائی شریف، باب نکاح الابن امہ ج ثانی ص ۶۳ نمبر ۳۲۵۶)

[۱۳۷۹] (۱۰) وہ عقد جو وکلاء کرتے ہیں دو قسم کے ہیں۔ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے مثلا خرید اور فروخت اور اجارہ تو ان عقدوں کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوں گے نہ کے موکل سے، پس وہی مبیع کو سپرد کرے گا اور وہی قیمت پر قبضہ کرے گا۔اسی سے قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا جب وہ کچھ خریدے اور وہی مبیع پر قبضہ کرے گا اور اسی سے عیب مین جھگڑا ہوگا۔

تشریح وکالت میں جو عقد اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور موکل کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں مثلا میں بیع کرتا ہوں یا مین خریدتا ہوں یا مین اجارہ کرتا ہوں تو ان مین عقود کے تمام حقوق خود وکیل سے متعلق ہوتے ہیں موکل سے متعلق نہیں ہوتے۔اس کی چند مثالیں متن میں بیان کی ہیں۔مثلا وکیل ہی مبیع مشتری کو سپرد کرے گا، وکیل ہی مبیع کی قیمت پر قبضہ کرے گا۔اگر وکیل نے کچھ خریدا ہے تو وکیل ہی سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا۔اور اگر مبیع میں کوئی عیب نظر آیا تو وکیل ہی مقدمہ میں خصم ہوگا۔

وجہ (۱) وہی عاقد ہے اور اس نے اپنی طرف عقد منسوب کیا ہے اس لئے وہی حقوق کا ذمہ دار ہوگا (۲) ایک لمبی حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضورؐ کے لئے ایک یہودی سے قرض لیا تھا تو یہودی نے حضرت بلال ہی سے قرض کا مطالبہ کیا اور بعد میں حضرت بلال ہی نے یہودی کو قرض ادا کیا۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔حدثنی عبد الله الهوزنی یعنی ابا عامر الهوزنی قال لقیت بلالا مؤذن النبی

حاشیہ : (الف) حضرت جابرؓ اور حضرت عامر دونوں سے مروی ہے کہ غلام کے لئے کوئی کفالت نہیں ہے۔

ویطالب بالثمن اذا اشتری ویقبض المبیع ویخاصم فی العیب[۱۳۸۰] (۱۱) وکل عقد یضیفہ الوکیل الی موکلہ کالنکاح والخلع والصلح عن دم العمد فان حقوقہ یتعلق بالموکل دون الوکیل فلا یطالب وکیل الزوج بالمہر ولا یلزم وکیل المرأۃ تسلیمہا

صلی اللہ علیہ وسلم بحلب ... فاذا المشرک فی عصابۃ من التجار فلما رآنی قال یا حبشی قلت یا لبیہ فتجہمنی وقال قولا غلیظا ... قلت من کان یطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینا فلیحضر فما زلت ابیع واقضی واعرض واقضی حتی لم یبق علی رسول اللہ دین فی الارض (الف) (سنن للبیہقی، باب التوکیل فی المال وطلب الحقوق وقضائہا الخ ج، سادس، ص۱۳۳، نمبر ۱۱۴۳۵) اس حدیث میں یہودی نے حضرت بلال وکیل ہی سے قرض طلب کیا اور انہوں نے ہی حضور کے پاس آئے ہوئے ہدیہ سے قرض ادا کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکیل ان حقوق کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۳۸۰] (۱۱) اور ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، دم عمد سے صلح، پس ان کے حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں نہ کہ وکیل ساتھ۔ اس لئے شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور نہ عورت کے وکیل پر عورت کو سونپنا لازم ہوگا

تشریح جن جن عقدوں میں وکیل عقد کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا کہ میں کر رہا ہوں بلکہ موکل کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مثلا شادی میں وکیل یوں کہتا ہے کہ میں آپ سے فلاں کی شادی کروا رہا ہوں، یوں نہیں کہتا کہ میں خود شادی کر رہا ہوں یا خلع میں وکیل یوں نہیں کہتا کہ میں خود خلع کر رہا ہوں بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں فلاں کی جانب سے خلع کر رہا ہوں تو ایسے عقدوں میں تمام حقوق موکل سے متعلق ہوں گے وکیل سے نہیں۔ بلکہ وکیل عقد کر کے فارغ ہو جائے گا۔ چنانچہ نکاح میں عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں کرے گی بلکہ شوہر سے کرے گی۔

وجہ (۱) ان عقود میں وکیل صرف سفیر محض ہوتا ہے کہ موکل کی بات مقابل کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی لئے عقد کو اپنی طرف نسبت کرنے کے بجائے موکل کی طرف نسبت کرتا ہے۔ ورنہ عقد کرنے والا حقیقت میں موکل ہی ہوتا ہے۔ اس لئے تمام حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوں گے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ خاموش رہے تو ایک صحابی نے فرمایا میری ان سے شادی کروا دیجئے تو آپ نے پوچھا تمہارے پاس مہر کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس قرآن کریم کی کچھ آیتیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں! پس آپؐ نے ان سے شادہ کروا دی اور مہر کی ذمہ داری ان پر رکھی۔ آپؐ ان کے وکیل تھے پھر بھی مہر ادا کرنے کی ذمہ داری آپؐ پر نہیں تھی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا پیش خدمت ہے۔ **سمعت سہل بن سعد الساعدی یقول انی لفی القوم عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ قامت امرأۃ فقالت ... قال ہل معک من**

حاشیہ : (الف) فرمایا میں نے حلب میں حضورؐ کے مؤذن بلال سے ملاقات کی ... اس وقت ایک مشرک تجار کی جماعت میں تھا۔ پس جب مجھ کو دیکھا تو کہنے لگا اے حبشی! میں نے کہا کیا ہے؟ پھر مجھ کو برا بھلا کہا اور سخت باتیں کہیں ... میں نے کہا جو حضورؐ سے دین طلب کرتے ہوں وہ آ جائیں۔ تو میں بیچتا رہا اور ادا کرتا رہا اور پیش کرتا رہا اور ادا کرتا رہا یہاں تک کہ حضورؐ پر زمین پر کوئی قرض باقی نہیں رہا۔

[۱۳۸۱](۱۲) واذا طالب الموکل المشتری بالثمن فله ان یمنعه ایاه[۱۳۸۲] (۱۳) فان دفعه الیه جاز ولم یکن للوکیل ان یطالبه ثانیا[۱۳۸۳](۱۴) ومن وکل رجلا بشراء

القرآن شیء؟ قال معی سورۃ کذا وسورۃ کذا قال اذهب فقد انکحتک بما معک من القرآن (الف) (بخاری شریف ، باب التزوج علی القرآن وبغیر صداق ص ۷۷۳ نمبر ۵۱۴۹) اس حدیث کے اخیر ٹکڑے میں ہے کہ میں نے قرآن کی وجہ سے شادی کروائی جس کا مطلب یہ ہوا کہ مہر وغیرہ دینے کی ذمہ داری خود تمہاری ہے میری نہیں۔

لغت صلح عن دم عمد : جان کر قتل کیا ہو جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم تھا، لیکن اس کے بدلے میں کچھ رقم پر صلح کر لی تو اس کو صلح عن دم عمد کہتے ہیں۔

[۱۳۸۱](۱۲) اگر موکل نے مشتری سے قیمت کا مطالبہ کیا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ موکل کو اس سے روک دے۔

تشریح قیمت مانگنے کا حق وکیل کو تھا موکل کو نہیں تھا اور نہ مشتری موکل کو جانتا ہے اس لئے اگر موکل مشتری سے چیز کی قیمت مانگے تو مشتری کو حق ہے کہ موکل کو نہ دے۔ اور یوں کہے کہ میں آپ کے وکیل کو دوں گا۔

وجہ عقد وکیل نے کیا ہے۔ اور اسی کو قیمت مانگنے کا حق ہے موکل کو نہیں۔

[۱۳۸۲](۱۳) اور اگر مشتری نے موکل کو قیمت دیدی تو جائز ہے۔ اور اب وکیل کے لئے درست نہیں ہے کہ اس سے دوبارہ مطالبہ کرے۔

تشریح مشتری کو وکیل کو قیمت دینی چاہئے لیکن اس نے موکل کو مبیع کی قیمت دیدی تب بھی جائز ہے۔ اور اب وکیل کو حق نہیں ہے کہ دوبارہ مشتری سے قیمت وصول کرے۔

وجہ حقیقت میں یہ قیمت موکل کی ہی تھی اور اس کو پہنچ گئی تو چیز اپنے مقام تک پہنچ گئی اس لئے جائز ہو گیا۔ اور جو کام ہونا تھا وہ ہو گیا اس لئے وکیل کو مشتری سے دوبارہ قیمت مانگنے کا حق نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حق حقدار کو پہنچ گیا تو کوئی بات نہیں۔

[۱۳۸۳](۱۴) کسی نے کسی آدمی کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو ضروری ہے اس کی جنس اور اس کی صفت اور قیمت کی مقدار کا بتانا، مگر یہ کہ عام وکیل بنائے اور کہے کہ جو مناسب سمجھیں میرے لئے خرید لیں۔

تشریح وکیل بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنا رہا ہے یا جو کام کرنے کا وکیل بنا رہا ہے اس کی جنس متعین کر دے۔ مثلا بکری خرید کر لاؤ۔ اس کی صفت متعین کرے۔ مثلا عمدہ بکری خرید کر لاؤ۔ اور اس کی قیمت کی مقدار متعین کرے مثلا ایک دینار کی بکری خرید کر لاؤ۔ تب وکالت بنانا درست ہوگا۔ ہاں! وکیل کو وکالت عامہ دیدے اور یوں کہہ دے کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں خرید کر لائیں تو پھر وکیل بنانا درست ہوگا۔

حاشیہ : (الف) حضرت سعد ساعدی فرماتے ہیں کہ قوم کے ساتھ میں حضور کی خدمت میں تھا کہ ایک عورت کھڑی ہو کر کہنے لگی... آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ قرآن کی سورتیں ہیں؟ فرمایا مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ جو کچھ قرآن ہے اس کی وجہ سے میں نے تمہارا نکاح کروادیا۔

شیء فلا بد من تسمیة جنسه و صفته و مبلغ ثمنه الا ان یوکله وکالة عامة فیقول ابتع لی مارأیت[۱۳۸۴] (۱۵) واذا اشتری الوکیل وقبض المبیع ثم اطلع علی عیب فله ان یرده

وجہ حدیث میں وکیل بناتے وقت جنس اور قیمت طے کی ہے۔ **عن عروۃ یعنی ابن الجعد البارقی قال اعطاہ النبی ﷺ دینارا یشتری بہ اضحیۃ او شاۃ فاشتری شاتین** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی المضارب یخالف ص۱۲۴ نمبر۳۳۸۴ رترمذی شریف، باب الشراء والبیع الموقوفین ص نمبر۱۲۵۸) اس حدیث میں بکری جو جنس ہے اور ایک دینار قیمت وکیل کے لئے متعین کی ہے۔ اور قیمت سے بکری کی صفت بھی معلوم ہوگئی کہ کس قسم کی بکری چاہئے۔ اس لئے جنس، صفت اور قیمت متعین کرنا ضروری ہے۔ اور وکالت عامہ کی دلیل لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ **عن جابر بن عبد اللہ قال کنت مع النبی ﷺ فی سفر ... فلما قدمنا المدینۃ قال یا بلال اقضہ وزدہ فاعطاہ اربعۃ دنانیر وزادہ قیراطا** (ب)(بخاری شریف، باب اذا وکل رجل رجلا ان یعطی شیئا ولم یبین کم یعطی فاعطی علی ما یتعارفہ الناس ص۳۰۹ نمبر۲۳۰۹) اس حدیث میں حضرت بلال کو یہ نہیں فرمایا کہ اتنا دو بلکہ وکیل عام بنا دیا کہ قرض ادا کرنے کے علاوہ جو آپؐ مناسب سمجھیں وہ زیادہ دیں تو حضرت بلال نے عرف عام کے اعتبار سے ایک قیراط مناسب سمجھا اور ایک قیراط زیادہ دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وکیل عام بنا دینے سے وکیل کے مناسب سمجھنے پر ہوگا۔ اور ایسا وکیل بنانا درست ہے (۲) اگر ایسی جنس بیان کی کہ اس میں کافی جہالت ہے تو وکالت درست نہیں ہوگی کیونکہ وکیل کس جنس کے متعلق کام کرے گا؟ اور کیسے اس کو انجام دے گا؟ البتہ تھوڑی بہت جہالت ہو تو چل جائے گا۔ کیونکہ اس کے تعین میں حرج ہوگا اور حرج مدفوع ہے۔ اس لئے جہالت یسیرہ سے بھی وکیل بنے گا۔

[۱۳۸۴](۱۵) اگر وکیل نے خریدا اور مبیع پر قبضہ کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ عیب کی وجہ سے واپس کر دے جب تک مبیع اس کے قبضہ میں ہے، پس اگر مبیع کو موکل کو سپرد کر دیا تو اس کو نہیں لوٹائے گا مگر موکل کی اجازت سے۔

تشریح وکیل نے مبیع خریدا پھر اس پر قبضہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ اس مبیع میں عیب ہے تو جب تک مبیع اس کے ہاتھ میں ہے اس وقت تک اس کو عیب کے ماتحت بائع کی طرف واپس کر سکتا ہے۔ اور اگر مبیع کو موکل کے حوالے کر دیا تو اب موکل کی اجازت کے بغیر مبیع کو عیب کے ماتحت واپس نہیں کر سکتا۔

وجہ کیونکہ جیسے ہی موکل کے حوالے کیا تو اس کی وکالت ختم ہوگئی۔ اس لئے وکالت ختم ہونے سے پہلے واپس کر سکتا تھا۔ وکالت ختم ہونے کے بعد موکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکالت ختم ہونے سے پہلے اختیار استعمال کر سکتا ہے، وکالت ختم ہونے کے بعد اختیار استعمال نہیں کر سکتا

لغت سلمہ : سپرد کر دیا، حوالہ کر دیا۔

حاشیہ : (الف) ابن جعد بارقی کو حضورؐ نے ایک دینار دیا تا کہ اس سے قربانی کا جانور یا بکری خریدے تو انہوں نے دو بکریاں خریدیں (ب) حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھا... جب ہم مدینہ آئے تو آپؐ نے فرمایا اے بلال! ان کو قرض دو اور زیادہ بھی دو تو حضرت بلال نے حضرت جابر کو چار دینار دیئے اور ایک قیراط زیادہ دیا۔

بالعيب مادام المبيع فی يده فان سلمه الی موكل لم يرده الا باذنه [۱۳۸۵](۱۶) ويجوز التوكيل بعقد الصرف والسلم[۱۳۸۶] (۱۷)فان فارق الوكيل صاحبه قبل القبض بطل العقدولا يعتبر مفارقة الموكل [۱۳۸۷](۱۸) واذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله وقبض المبيع فله ان يرجع به علی الموكل[۱۳۸۸](۱۹) فان هلك المبيع فی يده قبل

[۱۳۸۵](۱۶)عقد صرف یا عقد سلم کا بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

تشریح جس طرح عام تجارت میں وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح بیع صرف اور بیع سلم میں بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

وجہ اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عمر کو صرف میں وکیل بنایا تھا۔وقد وكل عمر ابن عمر فی الصرف (الف)(بخاری شریف، باب الوکالة فی الصرف والمیز ان ص ۳۰۸ نمبر ۲۳۰۲)(۲) آدمی کو عام تجارت کی طرح بیع صرف اور بیع سلم کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔اس لئے ان میں وکالت جائز ہوگی۔

[۱۳۸۶](۱۷)پس اگر جدا ہو گیا وکیل معاملہ والے سے قبضہ سے پہلے تو عقد باطل ہو جائے گا۔اور نہیں اعتبار ہے موکل کے جدا ہونے کا۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ بیع صرف میں ثمن اور مبیع پر قبضہ سے پہلے بائع یا مشتری جدا ہو گئے تو بیع فاسد ہو جائے گی لیکن یہاں چونکہ حقوق وکیل سے متعلق ہیں اور عقد بھی اسی نے کیا ہے اس لئے وکیل کے جدا ہونے کا اعتبار ہوگا،موکل کے جدا ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا۔اس لئے اگر وکیل قبضہ سے پہلے جدا ہو گیا تو بیع صرف یا بیع سلم فاسد ہو جائے گی۔موکل کے جدا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔کیونکہ وہ عاقد نہیں ہے۔

[۱۳۸۷](۱۸)اگر خریدنے کے وکیل نے قیمت اپنے مال سے دی اور مبیع پر قبضہ کیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ موکل سے وہ قیمت وصول کرے۔

تشریح کسی چیز کے خریدنے کا وکیل تھا اس لئے اس نے وہ چیز خریدی اور قیمت اپنے پاس سے دی اور مبیع پر قبضی کیا تو اس کو حق ہے کہ موکل سے پہلے چیز کی قیمت وصول کرے پھر وہ چیز حوالہ کرے۔

وجہ (۱) جب موکل نے وکیل بنایا تو گویا کہ وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ وکیل اپنے پاس سے قیمت دیں تو میں اس کو ادا کر دوں گا (۲) اب وکیل اور موکل گویا بائع اور مشتری ہیں۔وکیل بائع ہے اور موکل مشتری ہے۔اس لئے بائع مشتری سے قیمت وصول کرے گا۔اس لئے اس کو قیمت وصول کرنے کا حق ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل نے اپنی رقم موکل کے لئے پھسائی ہے تو وہ اس سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

[۱۳۸۸](۱۹)پس اگر مبیع ہلاک ہو جائے وکیل کے ہاتھ میں اس کو روکنے سے پہلے تو موکل کے مال میں سے ہلاک ہوا اور ثمن ساقط نہیں ہوگا

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے ابن عمر کو بیع صرف کا وکیل بنایا۔

حبسه هلک من مال الموکل ولم یسقط الثمن وله ان یحبسه حتی یستوفی الثمن [۱۳۸۹](۲۰) فان حبسه فهلک فی یده کان مضمونا ضمان الرھن عند ابی یوسف

تشریح اس عبارت میں دو باتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ وکیل کو حق ہے کہ اپنے پاس سے دی ہوئی قیمت کو وصول کرنے کے لئے مبیع روک لے اور جب تک موکل قیمت نہ دے تب تک وکیل مبیع اس کے حوالہ نہ کرے۔اس کی وجہ گزر چکی ہے کہ وکیل اور موکل اب بائع اور مشتری کے درجے میں ہو گئے ہیں۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر وکیل دی ہوئی قیمت وصول کرنے کے لئے ابھی تک مبیع روکی نہیں تھی کہ مبیع وکیل کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی تو یہ موکل کی چیز ہلاک ہوئی وکیل کی نہیں۔اور وکیل ابھی بھی اپنی جانب سے دی ہوئی قیمت موکل سے وصول کر سکتا ہے۔

وجہ (۱) جب تک وکیل موکل کو روکے نہیں اس وقت تک مبیع وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔اس لئے موکل کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا اس لئے جو کچھ ہلاک ہوا وہ موکل کا ہلاک ہوا۔اس لئے وکیل اپنی دی ہوئی قیمت موکل سے لے سکتا ہے (۲) بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے کہ ابو ہریرہ کو زکوۃ کے مال کی حفاظت کا وکیل بنایا۔لیکن شیطان تین دن تک اس سے چرایا۔اور آپ نے ابو ہریرہ پر اس ضائع ہونے پر ضمان لازم نہیں کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ وکالت کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ قال وکلنی رسول اللہ ﷺ بحفظ زکوۃ رمضان فاتانی آت فجعل یحثو من الطعام فاخذتہ وقلت لارفعنک الی رسول اللہ ﷺ قال انی محتاج و علی عیال ولی حاجۃ شدیدۃ قال فخلیت عنہ** (الف) (بخاری شریف، باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا فاجازہ الموکل فھو جائز وان اقرضہ الی اجل مسمی جاز ص ۳۱۰ نمبر ۲۳۱۱) اس حدیث میں شیطان کے چرانے کا ضمان حضرت ابو ہریرہ پر لازم نہیں ہوا (۳) **عن الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدی امرک** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح ج ثامن ص ۲۵۵ نمبر ۱۵۱۲۱) جب مضارب امین ہیں تو وکیل بھی امین ہوں گے۔

[۱۳۸۹] (۲۰) پس اگر مبیع روک لیا پھر ہلاک ہو گئی وکیل کے ہاتھ میں تو مضمون ہو گی رہن کے ضمان کی طرح امام ابو یوسف کے نزدیک اور مبیع کے ضمان کی طرح امام محمد کے نزدیک۔

تشریح اگر وکیل نے قیمت لینے کے لئے موکل سے مبیع روک لی تو اب یہ مبیع امانت نہیں رہی بلکہ مضمون ہو گئی اس لئے اب ہلاک ہوئی تو یہ وکیل کے مال میں سے ہلاک ہو گی۔اب اس میں اختلاف ہے کہ کس طرح کا ضمان وکیل پر آئے گا۔مبیع کا ضمان یا رہن کا ضمان۔امام محمد کے نزدیک مبیع کا ضمان ہو گا۔

وجہ جب وکیل نے مال روکا تو وہ بائع کی طرح ہو گیا کہ بائع جب قیمت لینے کے لئے مشتری کو دینے سے روکتا ہے اور پھر مبیع ہلاک ہو جائے تو

حاشیہ : (الف) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے رمضان کی زکوۃ کی حفاظت کا وکیل بنایا، پس ایک آدمی آیا اور کھانے سے لپ بھرنے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا، اور میں نے کہا میں تم کو حضور کے پاس لے جاؤں گا۔ کہنے لگا میں محتاج ہوں اور مجھ پر عیال کا بوجھ ہے اور مجھے سخت ضرورت ہے۔حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے اس کو چھوڑ دیا (ب) حضرت حسن فرماتے ہیں مضارب امانت دار ہے اگرچہ آپ کے معاملہ میں تعدی کیا ہو۔

رحمه الله وضمان المبیع عند محمد رحمه الله[۱۳۹۰] (۲۱) واذا وکل رجل رجلین فلیس لاحدهما ان یتصرف فیما وکلا فیه دون الآخر[۱۳۹۱] (۲۲) الا ان یوکلهما بالخصومة او بطلاق زوجته بغیر عوض او بعتق عبده بغیر عوض او برد ودیعة عنده او

مبیع کی جتنی قیمت تھی سب ساقط ہو جائے گی اور مشتری سے کچھ بھی نہیں لے سکے گا۔ کیونکہ مشتری کو کچھ دیا ہی نہیں کہ اس سے کوئی قیمت لے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رہن کا ضمان ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رہن والے کے پاس شیء مرہون ہلاک ہو جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شیء مرہون کی قیمت کتنی تھی اور قرض کتنا تھا۔ جتنا قرض تھا اتنا ساقط ہو جائے گا اور زیادہ کی قیمت ہو وہ راہن کی طرف واپس لوٹائے گا۔ مثلا قرض ایک ہزار تھا اور شیء مرہون کی قیمت بارہ سو تھی اور شیء مرہون ہلاک ہو گئی تو ایک ہزار قیمت ایک ہزار قرض کے بدلے ساقط ہو جائے گی۔ اور دو سو درہم جو زیادہ تھے وہ واپس کرنا لازم ہوگا۔ یہی صورت یہاں ہوگی کہ اگر مبیع کی بازاری قیمت دیئے ہوئے ثمن سے کم ہو تو جتنی بازاری قیمت ہوگی وہ ساقط ہو جائے گی اور اس سے زائد جو ثمن ہوگا وہ وکیل موکل سے وصول کرے گا۔ مثلا چیز کی بازاری قیمت ایک ہزار ہے اور ثمن جو وکیل نے ادا کیا ہے وہ بارہ سو تھا تو دو سو وکیل موکل سے وصول کرے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ مبیع کو روکنے سے پہلے مضمون نہیں تھی۔ یہ روکنے کے بعد مضمون ہوئی تو یہی حال رہن میں ہوتا ہے کہ شیء مرہون کے روکنے سے پہلے امانت ہے اور روکنے کے بعد بقدر قرض مضمون ہوتی ہے۔

اصول وکالت کی شیء روکنے سے مضمون ہوتی ہے اس سے پہلے امانت کی ہوتی ہے۔

[۱۳۹۰] (۲۱) اگر کسی نے دو آدمیوں کو وکیل بنایا تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو چھوڑ کر اس میں تصرف کرے جس کا وکیل بنایا ہے۔

تشریح دو آدمیوں کو کسی کام کا وکیل بنایا تو اس میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو چھوڑ کر اکیلا وہ کام کر لے، بلکہ اس کام میں دونوں وکیلوں کو شریک ہونا ضروری ہے۔

وجہ موکل نے دونوں کی رائے پر اعتماد کیا ہے ایک کی رائے پر اعتماد نہیں کیا ہے اس لئے دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے۔ البتہ جن کاموں میں رائے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف موکل کی بات کو پیش کرنا ہے وہاں دونوں وکیلوں میں سے ایک نے بھی کام کر لیا تو جائز ہوگا۔

اصول جہاں رائے مشورے کی ضرورت ہے وہاں دو آدمیوں کو وکیل بنایا تو دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے۔

[۱۳۹۱] (۲۲) مگر یہ کہ دونوں کو وکیل بنائے مقدمہ کے لئے یا بغیر عوض کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے یا بغیر عوض کے اپنے غلام کو آزاد کرنے کے لئے یا اس کے پاس جو امانت تھی اس کو واپس کرنے کے لئے یا اس پر جو قرض تھا اس کو ادا کرنے کے لئے۔

تشریح یہاں پانچ مثالیں دی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جن کاموں میں رائے کی ضرورت نہیں ہے صرف موکل کی بات پیش کرنا ہے ان میں اگر دو آدمیوں کو وکیل بنایا اور ایک وکیل نے کام کر لیا تب بھی درست ہو جائے گا۔ مثلا اگر خصومت کے لئے دو آدمیوں کو وکیل بنایا اور

بقضاء دین علیه[۱۳۹۲] (۲۳) ولیس للوکیل ان یوکل فیما وکل به الا ان یأذن له الموکل او یقول له اعمل برأیک[۱۳۹۳] (۲۴) فان وکل بغیر اذن موکله فعقد وکیله بحضرته جاز[۱۳۹۴](۲۵) وان عقد بغیر حضرته فاجازه الوکیل الاول جاز[۱۳۹۵]

دونوں مجلس قضاء میں بولنے لگیں تو شور ہوگا اور آداب مجلس کے خلاف ہے۔اس لئے ایک وکیل کا بولنا کافی ہے۔اسی طرح بغیر عوض کے بیوی کو طلاق دینا ہے تو چونکہ عوض نہیں لینا صرف شوہر کی بات کو نقل کرنا ہے جس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔اس لئے اس میں دوسرے وکیل کے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے ایک ہی وکیل کام کرلے تو درست ہے۔بغیر عوض کے غلام آزاد کرنے میں بھی یہی حال ہے۔اپنے پاس کسی کی امانت ہے اس کو واپس بہر حال کرنا ہے اس لئے دوسرے وکیل کی رائے کی ضرورت نہیں۔یا قرض ادا کرنا ہے جو بہر حال کرنا ہی ہے اس لئے دوسرے وکیل کے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔اس لئے ایک وکیل کر دے تو درست ہو جائے گا۔

نوٹ اگر یوں کہا کہ اگر چاہو تو تم دونوں وکیل طلاق دیدو تو چونکہ یہاں رائے کی ضرورت ہے اس لئے دونوں وکیلوں کی ضرورت ہوگی۔

[۱۳۹۲](۲۳) وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کام میں دوسرے کو وکیل بنائے جس میں اس کو وکیل بنایا ہے مگر یہ کہ اجازت دیدے موکل یا اس کو موکل کہہ دے کہ اپنی صواب دید کے مطابق کریں۔

تشریح جس کام کا موکل نے وکیل بنایا ہے۔وکیل چاہے کہ اس کام کا وکیل کسی دوسرے کو بنادے ایسا نہیں کر سکتا۔ہاں! موکل دوسرے کو وکیل بنانے کی اجازت دیدے یا یوں کہے کہ آپ اپنی صواب دید کے مطابق کام کر سکتے ہیں تو وہ دوسرے کو وکیل بنا سکتے ہیں۔

وجہ موکل نے وکیل کی رائے پر اعتماد کیا ہے۔وکیل کے وکیل کی رائے پر اعتماد نہیں کیا ہے اس لئے وہ وکیل نہیں بنا سکتا (۲) قاعدہ یہ ہے کہ جو عہدہ آپ کو سپرد کیا ہے وہ بغیر اجازت کے کسی اور کو سپرد نہیں کر سکتے۔ہاں! اجازت دیدے تو وکیل بنا سکتا ہے۔لیکن بعد میں وہ وکیل خود اصل موکل کا وکیل ہوگا وکیل کا وکیل نہیں ہوگا۔

[۱۳۹۳](۲۴) پس اگر موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنایا، پس اس کے وکیل نے اس کے سامنے عقد کیا تو جائز ہے۔

تشریح وکیل نے موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنادیا۔پھر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کے سامنے وہ کام کیا تو درست ہو جائے گا۔

وجہ وکیل بنانے میں اصل مقصود رائے ہے۔پس جب دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں کام کیا تو پہلے وکیل کی رائے اس کام میں شامل ہوگئی۔اس لئے دوسرے وکیل کا کام کرنا درست ہے۔گویا کہ پہلے ہی وکیل نے کام انجام دیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل اول کی رائے شامل ہونا کافی ہے۔

[۱۳۹۴](۲۵) اور اگر وکیل کی غیر موجودگی میں کام کیا پھر وکیل نے اجازت دیدی تو جائز ہو جائے گا۔

تشریح وکیل نے بغیر موکل کی اجازت کے وکیل بنایا تھا پھر اس نے وکیل اول کی غیر موجودگی میں کام انجام دیا پھر وکیل اول نے اس کو پسند کیا اور اجازت دیدی تب بھی جائز ہو گیا۔

(۲۶) وللموکل ان یعزل الوکیل عن الوکالۃ فان لم یبلغہ العزل فھو علی وکالتہ وتصرفہ جائز حتی یعلم[۱۳۹۶] (۲۷) وتبطل الوکالۃ بموت الموکل وجنونہ جنونا مطبقا

وجہ وکیل اول کی رائے شامل ہونا اصل تھی وہ ہوگئی اس لئے اس کا کام کرنا جائز ہوگیا۔

[۱۳۹۵](۲۶) اور موکل کے لئے جائز ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے، پس اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ پہنچے تو وہ اپنی وکالت پر ہے اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اس کو علم ہو جائے۔

تشریح موکل نے وکیل کو وکیل بنایا ہے اور اس کا حق بھی ہے اس لئے اس کو حق بھی ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے۔ البتہ معزول ہونے کے لئے وکیل کو خبر ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب تک کہ وکیل کو اپنے معزول ہونے کی خبر نہ ہو اس وقت تک وہ وکیل رہے گا۔ اور اس درمیان اس کا خریدنا بیچنا جائز ہوگا۔

وجہ معزول تو اس لئے کر سکتا ہے کہ موکل کا حق ہے۔ اور وکیل کو علم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اگر اس کو علم نہ ہو تو وہ کیسے تصرف کرنے سے رکے گا، وہ تو اپنے علم کے مطابق خرید و فروخت کرتا چلا جائے گا۔ پھر اس درمیان اگر اپنا روپیہ دے دیا ہوگا تو موکل سے بھی رقم واپس لینی ہے۔ پس اگر علم کے بغیر معزول ہو جائے تو وکیل کو بلا وجہ ضرر و نقصان ہوگا۔

نوٹ معزول ہونے کے تین قسم کے حالات ہیں اور تینوں کے حکم الگ الگ ہیں۔ پہلا یہ کہ موکل وکیل کو معزول کرے تو وکیل کو خبر ملے بغیر معزول نہیں ہوگا۔ دوسرا یہ کہ قدرتی حالات سے وکیل معزول ہو جائے مثلا موکل کا انتقال ہو گیا یا معین عورت سے شادی کرنے کا وکیل بنایا تھا اور وہ مرگئی تو ان قدرتی حادثات کی شکل میں وکیل خود بخود معزول ہو جائے گا۔ چاہے وکیل کو معزول ہونے کی اطلاع ہو یا نہ ہو۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا موکل نے خود وہ کام کر لیا تو چاہے وکیل کو علم نہ ہو پھر بھی وہ معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ جب وہ کام ہی نہیں رہا تو وکیل کیسے رہے گا؟ مثلا موکل نے غلام بیچنے کا وکیل بنایا پھر اس نے خود ہی بیچ دیا یا آزاد کر دیا تو چاہے وکیل کو اس کا علم نہ ہو وکالت باطل ہو جائے گی۔ آگے کے مسئلے میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

اصول اختیاری طور پر معزول کرے تو وکیل کو علم ہونا ضروری ہے۔

[۱۳۹۶](۲۷) وکالت باطل ہو جاتی ہے موکل کے مرنے سے، اس کے بالکل مجنون ہو جانے سے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے

تشریح موکل ایسی حالت میں چلا گیا کہ وکیل بنانے کے قابل ہی نہیں رہا اس سے بھی وکالت باطل ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں وکیل کو معزول ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ بغیر اطلاع کے بھی معزول ہو جائے گا۔ مثلا وہ مر گیا یا مکمل طور پر پاگل ہو گیا۔ مکمل طور پر پاگل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مہینہ بھر پاگل رہا یا مرتد ہو گیا اور دار الحرب میں بھاگ گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا تو بغیر خبر ملے بھی وکیل کی وکالت باطل ہو جائے گی۔

وجہ شروع میں اوپر کی صورت پیش آ جائے تو وکیل نہیں بنا سکتا تو اب وکالت بحال کیسے رہے گی؟ (۲) موکل ہی دنیا میں نہیں رہا تو اس کا وکیل کیسا؟ (۳) وکیل فرع ہے اور موکل اصل ہے۔ اور اصل میں کام کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی تو وکیل جو فرع ہے اس میں کام کرنے کی

ولحاقه بدار الحرب مرتدا [۱۳۹۷] (۲۸) واذا وکل المکاتب رجلا ثم عجز او الماذون له فحجر علیه او الشریکان فافترقا فهذه الوجوه کلها تبطل الوکالة علم الوکیل او لم یعلم[۱۳۹۸] (۲۹) واذا مات الوکیل او جن جنونا مطبقا بطلت وکالته[۱۳۹۹]

اہلیت کیسے باقی رہے گی؟

نوٹ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جنون سے اور دار الحرب چلے جانے سے آدمی مین تصرف کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہتی۔

اصول قدرتی حادثہ سے وکیل کو خبر نہ بھی ملے پھر بھی اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔

نوٹ حاکم اور امیر کے جتنے وکیل ہیں ان کے مرنے سے وکیلوں کی وکالت ختم نہیں ہوگی وہ اپنی وکالت پر بحال رہیں گے۔

وجہ وہ اصل میں حاکم اور امیر کے وکیل نہیں ہیں بلکہ عوام کے وکیل ہیں اور وہ زندہ ہیں اس لئے ان کی وکالت باطل نہیں ہوگی (۲) حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپؐ کے متعین کردہ تمام وکیل اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے رہے، کوئی آپ کی وفات سے معزول نہیں ہوا۔

نوٹ مرتد اگر ابھی دار الحرب نہیں گیا ہے تو اس کا تصرف موقوف رہتا ہے اس لئے اس کا وکیل معزول نہیں ہوگا۔ صرف موکل کی طرح اس کا تصرف موقوف رہے گا۔

لغت مطبق : عقل کو ڈھانک لینے والا جنون، مکمل پاگل۔

[۱۳۹۷](۲۸) اگر مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ عاجز ہو گیا یا ماذون غلام نے وکیل بنایا پھر وہ مجور ہو گیا یا دو شریکوں نے وکیل بنایا پھر وہ دونوں جدا ہو گئے تو یہ کل وجہیں وکالت کو باطل کر دیتی ہیں، چاہے وکیل کو علم ہو یا نہ ہو۔

تشریح مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر مکاتب اپنا مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا اور پھر سے غلام بن گیا تو اس کا جو وکیل تھا وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ چاہے اس کو اپنے موکل کے عاجز ہونے کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح غلام کو تجارت کی اجازت تھی جس کی وجہ سے اس نے وکیل بنایا تھا۔ اب اس کے مولی نے اس کو تجارت سے روک دیا اور مجور کر دیا تو ایسا کرتے ہی غلام کے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح دو شریک تھے جنہوں نے وکیل بنایا تھا اب دونوں جدا ہو گئے جس کی وجہ سے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جب شرکت ہی نہیں رہی تو شرکت کے ماتحت عقد کیسے کریں گے؟

وجہ یہ سب قدرتی حادثات ہیں جن کی وجہ سے موکل میں عقد کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی اور اسی بنیاد پر وکیل میں اہلیت تصرف ختم ہو جائے گی اور وکالت ختم ہو جائے گی۔ اور غیر اختیاری طور پر قدرتی حادثات کی بنا پر وکیل کی وکالت ختم ہوتی ہو تو معزول ہونے کے لئے وکیل کو اطلاع ملنا ضروری نہیں ہے (۲) اس کی ایک دلیل آگے آ رہی ہے جو عمرؓ کا فیصلہ ہے۔

اصول وکیل بحال رکھنے کے لئے خود موکل میں اہلیت بحال رہنا ضروری ہے ورنہ وکالت ختم ہو جائے گی۔

[۱۳۹۸](۲۹) اور اگر وکیل مرجائے یا مکمل مجنون ہو گیا تو اس کی وکالت باطل ہو گئی۔

(۳۰) وان لحق بدار الحرب مرتدا لم یجز له التصرف الا ان یعود مسلما [۱۴۰۰]

(۳۱) ومن وکل رجلا بشیء ثم تصرف المو کل بنفسه فیما وکل به بطلت الوکالة.

وجہ وکالت بحال رہنے کے لئے وکیل میں اہلیت تصرف ہونا ضروری ہے کہ وہ عاقل بالغ اور آزاد ہو۔لیکن جب مکمل مجنون ہو گیا تو اہلیت تصرف ختم ہوگئی یا مر گیا تو ختم ہو گیا اس لئے وکالت خود بخود باطل ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکالت بحال رہنے کے لئے وکیل میں اہلیت تصرف برقرار رہنا ضروری ہے ورنہ وکالت باطل ہو جائیگی۔

نوٹ گھنٹہ دو گھنٹہ کے جنون سے وکالت باطل نہیں ہوگی۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے۔**اذا مات الانسان انقطع عنه عمله** (الف) (ابو داؤد شریف نمبر ۲۸۸۰)

لغت مطبق : گھیرا ہوا ہو مکمل جنون ہو، کافی دیر تک افاقہ نہ ہوتا ہو۔

[۱۳۹۹] (۳۰) اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو اس کے لئے وکالت کا تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آ جائے۔

تشریح وکیل مسلمان تھا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو اس کی اہلیت تصرف ختم ہو گئی اس لئے وہ وکیل نہیں رہے گا۔لیکن اگر مسلمان ہو کر واپس دار الاسلام آ جائے تو کیا دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے؟ تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہاں! دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ عاقل، بالغ اور آزاد ہے۔اس لئے اس کی اہلیت تصرف مکمل ختم نہیں ہوئی تھی صرف دار الحرب جانے کی وجہ سے عقد کرنے سے عاجز تھا لیکن جب واپس دار الاسلام مسلمان ہو کر آ گیا تو اب عقد کرنے سے عاجز نہیں رہا اس لئے عقد کر سکتا ہے اور وکالت بحال ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد کی وکالت موقوف رہے گی، مسلمان ہو کر واپس آنے پر بحال ہو جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دار الحرب جانے کی وجہ سے گویا کہ وہ مردہ ہو گیا اس لئے واپس آنے سے اس کی وکالت بحال نہیں ہوگی۔البتہ موکل نئے سرے سے وکیل بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ دار الحرب جانے سے اہلیت مکمل ختم ہو گئی۔

[۱۴۰۰] (۳۱) کسی نے کسی کو کام کا وکیل بنایا پھر موکل نے خود ہی وہ کام کر لیا جس کا وکیل بنایا تھا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

تشریح جس کام کا وکیل بنایا موکل نے خود ہی وہ کام کر لیا تو وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔

وجہ (۱) جس خاص کام کا وکیل بنایا وہ کام ہی نہیں رہا تو وکیل کس چیز کا رہے گا۔اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی چاہے وکیل کو اس کا علم نہ ہو (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**قال قضی عمر فی امة غزا مولاها وامر رجلا ببیعها ثم بدا لمولاها فاعتقها واشهد علی ذلک وقد بیعت الجاریة فحسبوا فاذا عتقها قبل بیعها فقضی عمر ان یقضی بعتقها ویرد ثمنها ویوخذ صداقها لما کان قد وطئها** (ب) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی الوکیل ینعزل اذا عزل وان لم یعلم بہ، ج سادس، ص ۱۳۶، نمبر ۱۱۴۴۵) اس اثر میں ہے

حاشیہ : (الف) جب انسان مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے (ب) حضرت عمرؓ نے ایک باندی کے بارے میں فیصلہ کیا، باندی کا مولی (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۴۰۱] (۳۲) والوکیل بالبیع والشراء لایجوز له ان یعقد عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی مع ابیه وجده وولده وولد ولده وزوجته وعبده ومکاتبه[۱۴۰۲] (۳۳) وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی یجوز بیعه منهم بمثل القیمة الا فی عبده ومکاتبه.

کہ مولی نے باندی کو بیچنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی آزاد کر دیا۔اور حساب سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنا بیچنے سے پہلے تھا تو حضرت عمرؓ نے باندی کے آزاد ہونے کا فیصلہ کیا اور گویا کہ موکل کے تصرف کرنے کی وجہ سے چاہے وکیل کو معلوم نہ ہو اس کی وکالت باطل ہوگئی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کام کا وکیل بنایا وہ کام ہوگیا تو اب وکالت کس چیز کی رہے گی۔

[۱۴۰۱] (۳۲) بیچنے اور خریدنے کے وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ عقد کرے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اپنے باپ، اپنے دادا، اپنے لڑکے، اپنے پوتے، اپنی بیوی، اپنے غلام اور اپنے مکاتب غلام کے ساتھ۔

تشریح امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے باپ، دادا، بیٹے، پوتے، بیوی، غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ خرید و فروخت کرے۔

وجہ ان لوگوں کا رشتہ بہت قریب کا ہے۔اس لئے موکل کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں سے مہنگا خریدا ہے یا سستا بیچا ہے۔اس تہمت کی بنیاد پر ان لوگوں سے خریدنا بیچنا جائز نہیں ہے۔**اتقوا مواضع التهم**۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تہمت کی جگہ سے بچنا چاہئے۔

[۱۴۰۲] (۳۳) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ان سے مثل قیمت میں بیچنا جائز ہے، مگر اپنے غلام میں اور مکاتب میں۔

تشریح امام صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان رشتہ داروں سے اتنی قیمت میں بیچ سکتا ہے جتنی بازار میں اس کی قیمت ہے۔جس کو مثل قیمت کہتے ہیں۔

وجہ موکل نے مطلق بیع کرنے کے لئے کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مثل قیمت میں کسی سے بھی بیچ خرید سکتا ہے۔اس لئے ان رشتہ داروں سے بیچ خرید سکتا ہے۔البتہ اپنے غلام اور مکاتب سے بیچ یا خرید نہیں سکتا۔

وجہ اس لئے کہ غلام کا مال اور مکاتب کا مال خود وکیل کا مال ہے تو گویا کہ اپنے ہی مال سے بیچا جو جائز نہیں ہے۔کیونکہ اپنے مال سے بیچنے میں تہمت ہے۔اس لئے اپنے غلام اور مکاتب سے نہیں بیچ سکتا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مثلی قیمت سے بیچنے میں تہمت نہیں ہے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) غزوہ کرنے گیا اور ایک آدمی کو اس کے بیچنے کا حکم دیا پھر مولی کو خیال آیا اور اس کو آزاد کر دیا اور اس پر گواہ بنایا، اور باندی کو وکیل نے بیچ دیا تھا۔پھر لوگوں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ بیچنے سے پہلے آزاد کیا ہے۔تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا اس کے آزاد ہونے کا اور اس کی قیمت واپس کرنے کا۔اور اس کا مہر لیا جائے کیوں کہ اس سے وطی کی تھی۔

[۱۴۰۳](۳۴) والوکیل بالبیع یجوز بیعه بالقلیل والکثیر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا لا یجوز بیعه بنقصان لا یتغابن الناس فی مثله[۱۴۰۴] (۳۵) والوکیل بالشراء یجوز عقده بمثل القیمة وزیادة یتغابن الناس فی مثلها ولا یجوز بما لایتغابن

[۱۴۰۳](۳۴) بیچنے کے وکیل کے لئے جائز ہے کہ ان کو بیچے کم میں اور زیادہ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے اس کا بیچنا اتنی کمی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح کسی کو کسی چیز کے بیچنے کا وکیل بنایا تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے کہ کم قیمت میں بیچے یا زیادہ قیمت میں، دونوں طرح بیچنا درست ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب موکل نے کوئی قید نہ لگائی ہو بلکہ مطلق چھوڑا ہو۔

وجہ امام صاحب کی نظر مطلق لفظ کی طرف گئی ہے کہ دونوں طرح کے بیچنے کو بیچنا کہتے ہیں۔ اور موکل نے مطلق بیع کا وکیل بنایا ہے کوئی قید نہیں لگائی ہے اس لئے کمی بیشی جیسے بھی بیچے گا اس کو بیچنا کہیں گے اور بیع درست ہوگی۔

اصول مطلق بولا ہو تو اطلاق کی طرف جائیگا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنی کمی میں بیچنا درست نہیں ہوگا جتنی کمی میں اس جیسی مبیع کو بیچنے کا عام رواج نہ ہو۔

وجہ ان کی نظر اس بات کی طرف گئی ہے کہ مطلق سے مراد عام عرف ہے کہ موکل نے اگرچہ مطلق کہا ہے کہ اس کو بیچو، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عام عرف میں جتنی اس کی قیمت ہے اس کے عوض بیچو۔ اتنی کمی میں مت بیچو جتنے کا رواج نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کہیں مطلق بولا ہو تو اس کا مدار عام عرف پر ہوگا۔ **متاعا بالمعروف حقا علی المتقین(الف)**

لغت لایتغابن الناس : جتنے میں لوگ عام طور پر دھوکہ نہ کھاتے ہوں، جتنے کا رواج نہ ہو۔

[۱۴۰۴](۳۵) خریدنے کا وکیل جائز ہے اس کا عقد مثل قیمت سے اور اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج ہو اور نہیں جائز ہے اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح خریدنے کا وکیل بنایا تھا تو اتنا زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز ہوگا جتنا رواج ہے کہ اس جیسی چیز میں لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز نہیں ہوگا۔

وجہ یہاں یہ شبہ ہے کہ وکیل نے وہ چیز اپنے لئے زیادہ قیمت میں خریدی تھی پھر اس کو موافق نہیں آئی تو وہ موکل کو حوالے کرنے لگا ہے۔ اس شبہ اور تہمت کی وجہ سے مایتغابن الناس سے زیادہ سے خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔

نوٹ موکل نے کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے کہا ہو تو زیادہ قیمت سے بھی خرید سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وکیل اپنے لئے نہیں خرید سکتا ہے۔ اس لئے اپنے لئے خریدنے کی تہمت نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) فائدہ اٹھانا ہے معروف کے ساتھ یہ حق ہے متقین پر۔

الناس فی مثله[۱۴۰۵] (۳۶) والذی لا یتغابن الناس فیه مالا یدخل تحت تقویم المقومین [۱۴۰۶] (۳۷) واذا ضمن الوکیل بالبیع الثمن عن المبتاع فضمانه باطل [۱۴۰۷](۳۸) فاذا وکله ببیع عبده فباع نصفه جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی

[۱۴۰۵](۳۶) جس کا لوگوں میں رواج نہیں وہ قیمت ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے مین داخل نہ ہو۔

تشریح اس عبارت میں ما یتغابن الناس کی تشریح کر رہے ہیں کہ جو قیمت لگانے کے ماہرین ہیں ان کی قیمت لگانا جہاں تک پہنچے وہ ما یتغابن الناس ہے۔ اور اس سے اوپر کی قیمت لا یتغابن الناس ہے۔ کیونکہ عموما لوگ اتنا دھوکہ نہیں کھاتے ہیں۔

[۱۴۰۶](۳۷) اگر بیچنے کا وکیل مشتری کی جانب سے قیمت ضامن ہو جائے تو اس کا ضمان باطل ہے۔

تشریح کسی چیز کے بیچنے کا وکیل تھا اس کو بیچا اور مشتری کی جانب سے خود ہی قیمت کا ضامن بن گیا کہ میں خود قیمت دے دوں گا تو یہ ضامن بننا باطل ہے۔

وجہ وکیل وصول کرنے کا ذمہ دار تھا اور یہ خود قیمت دینے کا ذمہ دار بن گیا تو ایک ہی آدمی دینے اور لینے کا ذمہ دار بنا اس لئے یہ ذمہ داری باطل ہے (۲) وکیل کے پاس مبیع امانت کے طور پر تھی اور اس کی قیمت کا ذمہ دار بنا تو وہ ضمانت کے طور پر ہو جائے گی اور امانت اور ضمانت میں تضاد ہے اس لئے یہ ضمانے باطل ہے۔

[۱۴۰۷](۳۸) اگر وکیل بنایا اپنے غلام کے بیچنے کا، پس اس کا آدھا بیچا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ بیچنے کے حکم میں آدھا بیچنا اور پورا بیچنا دونوں شامل ہے۔ اس لئے جب بیچنے کا حکم دیا تو آدھا بھی بیچ سکتا ہے اور پورا بھی بیچ سکتا ہے۔

اصول امام اعظم کے نزدیک مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ آدھا بیچا اور جھگڑا اسے پہلے باقی آدھا بیچا تو درست ہے۔ اور اگر باقی آدھا نہ بیچ سکا تو پہلا آدھا بیچنا درست نہیں۔

وجہ پہلا آدھا بیچا تو کہا جا سکتا ہے یہ آدھا بیچنا باقی آدھا بیچنے کا وسیلہ ہے۔ اس لئے وہ آدھا بیچنا درست ہے۔ لیکن باقی آدھا نہ بیچ سکا تو معلوم ہوا کہ پہلا آدھا بیچنا باقی آدھا بیچنے کے لئے وسیلہ نہیں ہے۔ اس لئے پہلا آدھا بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں موکل اور مشتری کے درمیان شرکت ہو گئی۔ اور صاحبین کا قاعدہ گزر چکا ہے کہ موکل کا حکم اگر چہ مطلق ہو لیکن اس کا مدار معروف پر ہوتا ہے۔ اور معروف یہ ہے کہ اس طرح بیچیں کہ شرکت کا ضرر مجھے نہ ہو۔ اور وکیل نے آدھا بیچ کر شرکت کا ضرر کیا اس لئے آدھا بیچنا جائز نہیں ہے۔

اصول صاحبین کا اصول گزر چکا ہے کہ مطلق حکم میں معروف طریقے کا حکم مراد ہوتا ہے (۲) ان کا استدلال اس اثر سے ہے۔ **عن ابراهیم قال یأکل ویلبس بالمعروف وقال الربیع عن الحسن یأکل بالمعروف** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب نفقة المضارب ووضیعته ج ثامن ص ۲۴۷ نمبر ۱۵۰۸۳ / بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس اثر میں اگر چہ مضارب کے بارے

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا مضارب کھا سکتا ہے اور پہن سکتا ہے معروف کے ساتھ۔ اور حضرت حسن نے فرمایا کھا سکتا ہے معروف کے ساتھ۔

[۱۴۰۸](۳۹) وان وکله بشراء عبد واشتری نصفه فاشراء موقوف فان اشتری باقیه لزم الموکل[۱۴۰۹] (۴۰) واذا وکله بشراء عشرۃ ارطال لحم بدرهم فاشتری عشرین

میں ہے کہ وہ معروف انداز سے کھا سکتا ہے اور پہن سکتا ہے۔لیکن یہ قاعدہ ہر جگہ جاری ہوگا کہ جہاں بھی مطلق ہوگا وہاں دیکھا جائے گا کہ معاشرے میں اس کا کیا مطلب ہے اور اسی پر فیصلہ ہوگا جس کو معروف کہتے ہیں۔

[۱۴۰۸](۳۹) اگر کسی غلام خریدنے کا وکیل بنایا اور اس کا آدھا خریدا تو خریدنا موقوف ہوگا، پس اگر باقی آدھا خریدا تو موکل کو لازم ہوگا۔

تشریح غلام خریدنے کا وکیل بنایا لیکن وکیل نے پورا غلام خریدنے کے بجائے آدھا غلام خریدا، پس اگر باقی آدھا بھی خرید لیا تو موکل کو یہ غلام لازم ہوگا۔اور باقی آدھا نہ خرید سکا تو یہ آدھا موکل کو لازم نہیں ہوگا۔بلکہ یہ آدھا خود وکیل کے لئے ہو جائے گا۔

وجہ یہاں قوی شبہ ہے کہ آدھا وکیل نے اپنے لئے خریدا تھا لیکن اس کو پسند نہ آیا تو موکل کے ماتھے پر ڈال دیا اور موکل کو شرکت کے ضرر میں پھسا دیا۔اس لئے یہ آدھا خریدنا موکل کو لازم نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا بشرطیکہ تہمت کا شبہ نہ ہو، جہاں تہمت کا شبہ ہو وہاں مطلق نہیں رہے گا بلکہ مقید ہو جائے گا۔

[۱۴۰۹](۴۰) اگر وکیل بنایا دس رطل گوشت خریدنے کا ایک درہم کے بدلے، پس خرید لیا بیس رطل ایک درہم کے بدلے ایسا گوشت جو بیچا جاتا ہو دس رطل ایک درہم کے بدلے تو موکل کو اس سے دس رطل لازم ہوگا آدھے درہم کے بدلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوگا موکل کو بیس رطل۔

تشریح ایک آدمی کو ایک درہم کے بدلے دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل بنایا۔اس نے ایسا ہی عمدہ گوشت جو ایک درہم میں دس رطل بکتا ہو ایک درہم میں بیس رطل خرید لایا تو یہ بیس رطل موکل کو لازم ہوگا یا آدھے درہم کے بدلے دس رطل لازم ہوگا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔امام ابو حنیفہؒ کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ موکل کو صرف دس رطل گوشت کی ضرورت ہے اگر چہ اس کا خیال یہ تھا کہ دس رطل ایک درہم میں ملے گا اس لئے ایک درہم دے دیا۔اب دس رطل آدھے درہم میں مل گیا تو آدھا درہم ہی لازم ہوگا اور دس رطل لینا لازم ہوگا اس سے زیادہ نہیں۔البتہ وہ اپنی خوشی سے لے لے تو اور بات ہے۔ورنہ آدھا گوشت یعنی دس رطل وکیل کو لینا پڑے گا اور آدھا درہم اپنی جیب سے دینا ہوگا۔

اصول امام اعظم کی نگاہ دس رطل گوشت کی طرف گئی ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عروۃ یعنی ابن الجعد البارقی قال اعطاہ النبی ﷺ دینارا یشتری به اضحیة او شاۃ فاشتری شاتین فباع احداهما بدینار فاتاہ بشاۃ و دینار فدعا له بالبرکة فی بیعه** (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی المضارب یخالف ج ثانی ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۴ ر ترمذی شریف نمبر ۱۲۵۷) اس حدیث میں ایک

حاشیہ : (الف) جعد بارقی فرماتے ہیں کہ اس کو حضورؐ نے ایک دینار دیا تاکہ قربانی یا بکری خرید کر لائے، پس دو بکریاں خرید کر لائے، پس ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچا پھر ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے تو آپؐ نے اس کی بیع میں برکت کی دعا کی۔

رطلا بدرهم من لحم یباع مثله عشرة ارطال بدرهم لزم الموکل منه عشرة ارطال بنصف درهم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی وقالا رحمهما الله یلزمه العشرون[۱۴۱۰] (۴۱) وان وکله بشراء شیء بعینه فلیس له ان یشتریه لنفسه[۱۴۱۱] (۴۲) وان وکله بشراء عبد بغیر عینه فاشتری عبدا فهو للوکیل الا ان یقول نویت الشراء للموکل او یشتریه بمال الموکل[۱۴۱۲] (۴۳) والوکیل بالخصومة وکیل بالقبض عند ابی حنیفة وابی

دینار میں ایک بکری خریدنے کے لئے کہا تو راوی نے دو بکریاں خریدی لیکن راوی کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ ضرورت ایک بکری کی ہے اس لئے ایک بکری بیچ کر ایک دینار اور ایک بکری لے کر واپس آئے۔ جس سے پتہ چلا کہ ضرورت کی طرف نظر جانی چاہئے۔

اور صاحبین کی نظر رقم خرچ کرنے کی طرف گئی ہے کہ ایک درہم خرچ کرنے کے لئے دیا ہے اس سے چاہے دس رطل گوشت آجائے چاہے بیس رطل گوشت آجائے۔ موکل نے سمجھا کہ ایک درہم میں دس رطل ہی گوشت آئے گا اس لئے اس نے دس رطل لانے کے لئے کہا۔ اس لئے اگر بیس رطل لے آیا تو اس کے لئے خیر کا کام کیا۔ اس لئے ایک درہم میں بیس رطل گوشت موکل پر لازم ہو جائے گا۔

اصول ان کا اصول ہے کہ پوری رقم خرچ کرنا ہے چاہے جتنا گوشت آجائے۔

لغت رطل : ایک خاص قسم کا وزن جو آدھا کیلو کا ہوتا ہے جو 442.25 گرام کا ہوتا ہے۔

[۱۴۱۰] (۴۱) اگر کسی متعین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اپنے لئے خریدے۔

وجہ موکل نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ میرے لئے خریدے گا اور وکیل نے اپنے لئے خرید لیا تو اس میں ایک قسم کا دھوکہ دینا ہوا۔ اس لئے وکیل متعین چیز کو اپنے لئے نہیں خرید سکتا۔

[۱۴۱۱] (۴۲) اور اگر کسی غیر متعین غلام کو خریدنے کا وکیل بنایا، پس اس نے غلام خریدا تو وکیل کے لئے ہوگا، مگر یہ کہ کہے میں نے موکل کے لئے خریدنے کی نیت کی تھی یا اس کو موکل کے مال سے خریدے۔

تشریح غیر متعین غلام خریدنے کا وکیل بنایا تھا۔ ایسی صورت میں ایک غلام خریدا تو جب کوئی ایسی علامت نہ ہو کہ یہ موکل کے لئے خریدا ہے اس وقت تک وہ غلام وکیل کے لئے ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ عموما آدمی اپنے لئے ہی خریدتا ہے۔ موکل کے لئے خریدنے کی علامت میں سے یہ ہے کہ خریدتے وقت موکل کی نیت کرے یا کم از کم موکل کے مال سے غلام خریدے تو وہ غلام موکل کے لئے ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موکل کے لئے خریدنے کی علامت ہو تو موکل کے لئے ہوگا ورنہ اپنی ذات کے لئے ہوگا۔

[۱۴۱۲] (۴۳) مقدمے کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح کسی کو مقدمہ اور خصومت کا وکیل بنایا تو فیصلے کے بعد دین اور چیز پر قبضہ بھی کر سکتا ہے۔

وجہ کسی چیز کا وکیل بنایا تو اس کے پورے لوازمات کے ساتھ وکیل ہوگا۔ اور خصومت کے لوازمات میں سے قبضہ کرنا بھی ہے۔ اس لئے

یوسف و محمد رحمهم الله تعالی[۱۴۱۳](۴۴) والوکیل بقبض الدین وکیل بالخصومة فیه عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی[۱۴۱۴] (۴۵) واذا اقر الوکیل بالخصومة علی موکله عند القاضی جاز اقراره ولا یجوز اقراره علیه عند غیر القاضی

قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی چیز کا وکیل بنائیں تو اس کے پورے لوازم کے ساتھ وکیل بنے گا۔

فائدہ امام زفر فرماتے ہیں کہ خصومت کا وکیل امانت دار نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو دین پر قبضہ کرنے کی گنجائش دیں تو پھر وہ دین موکل کو واپس ہی نہیں دے گا۔اس لئے خصومت کا وکیل قبضہ کا وکیل نہیں ہوگا۔اور خیانت عامہ کی وجہ سے آج کل اسی پر فتوی ہے۔

[۱۴۱۳](۴۴) قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمے کا بھی وکیل ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح وجہ یہ ہے کہ قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بعض مرتبہ مقدمہ بھی کرنا پڑتا ہے۔اور پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ کسی کام کا وکیل بنائیں تو اس کے پورے لوازمات کے ساتھ وکیل بنانا پڑتا ہے۔اس لئے قرض کا وکیل مقدمہ اور خصومت کا بھی وکیل ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمے کا وکیل نہیں ہوگا۔

وجہ دین پر قبضہ کرنا اور چیز ہے جو امانت دار کا کام ہے اور مقدمہ کرنا اور چیز ہے جو چالاک اور ماہرین قانون کا کام ہے۔اس لئے دونوں دو الگ الگ کام ہیں۔اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو امانت دار ہو وہ قانون کا ماہر بھی ہو۔اور اس پر قانونی اعتماد بھی کیا جائے۔اس لئے قبضہ کا وکیل خصومت اور مقدمہ کا وکیل نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر گئے ہیں کہ قبضہ اور خصومت دو الگ الگ کام ہیں۔ایک پر اعتماد کرنے سے دوسرے کام میں اعتماد کرنا لازم نہیں آتا۔

[۱۴۱۴](۴۵) اگر مقدمے کا وکیل اپنے موکل پر اقرار کرے قاضی کے پاس تو اس کا اقرار جائز ہے اور وکیل کا اقرار قاضی کے علاوہ کے پاس جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مگر یہ کہ وہ مقدمہ سے نکل جائے گا۔

تشریح ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ میری جانب سے قاضی کے سامنے خصومت اور مقدمے کے وکیل بنیں تو اس کے دو مطلب ہیں۔ایک تو یہ کہ آپ اس بات کے وکیل ہیں کہ آپ موکل کے جرم کا اقرار نہ کریں بلکہ ہمیشہ انکار ہی کرتے چلے جائیں یا زیادہ سے زیادہ خاموش رہیں۔اسی لئے آپ کو خصومت کا وکیل مقرر کیا ہے۔اگر اقرار کرنا ہوتا تو میں خود اقرار کر لیتا آپ کو وکیل خصومت بنانے کی ضرورت کیا تھی؟ یہی مطلب امام زفر اور ائمہ ثلاثہ لیتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ خصومت کا مطلب ہی جھگڑا کرنا اور انکار کرنا ہے، اور اقرار کرنا اس کی ضد ہے۔اس لئے وکیل ضد کا مالک کیسے بنے گا؟ اس لئے وکیل یا انکار کرے یا دیکھے کہ میرا موکل واقعی مجرم ہے تو خاموش رہے۔البتہ اقرار نہ کرے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلق جواب کا وکیل ہے جس میں اقرار بھی شامل ہے اور انکار بھی شامل ہے اور خاموش بھی رہ سکتا ہے۔وہ تینوں طریقوں کا مالک ہے۔کیونکہ مطلق خصومت میں تینوں طریقے شامل ہیں۔البتہ چونکہ خصومت کا وکیل ہے اور خصومت ہوتی ہے قاضی کی مجلس

عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالی الا انه یخرج من الخصومة.

میں اس لئے قاضی کی مجلس ہی میں اقرار کا اعتبار ہوگا تا کہ خصومت ہو، اس سے باہر اقرار کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ مطلب امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔

وجہ (۱) امام اعظم کی نظر پہلے کی طرح لفظ مطلق کی طرف گئی ہے (۲) ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ وکیل موکل پر اقرار کرسکتا ہے اور امام کے سامنے اقرار کا اعتبار ہے۔ لمبی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ قید ہوکر آئے، پھر قبیلہ ہوازن کے لوگ تائب ہوکر آئے اور اپنے قیدی مانگنے لگے۔ آپ نے مسلمانوں سے قیدی چھوڑنے کی ترغیب دی تو مسلمان اس پر راضی ہو گئے، آپ نے فرمایا اتنی رضامندی سے دلی رضامندی کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ لوگ اپنے اپنے قبیلے کے سرداروں کے پاس اس کا اقرار کریں اور سردار آپ کی وکالت میں آکر میرے سامنے اقرار کرے کہ آپ لوگ قیدی چھوڑنے پر راضی ہیں تب صحیح ہوگا۔ بعد میں سارے سردار آئے اور حضور کے سامنے اپنی اپنی قوم کی وکالت کرتے ہوئے اقرار کیا کہ وہ لوگ قیدی چھوڑنے پر دل سے راضی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکیل موکل کے اوپر اقرار کر سکتے ہیں۔ اور قاضی اور امیر کے سامنے اقرار کرے تب اس کا اعتبار معتبر ہوگا۔ حدیث کا ٹکڑا یوں ہے۔ **زعم عروة ان مروان بن الحکم والمسور بن مخرمة اخبراه ان رسول الله قام حین جاء ہ وفد ھوازن مسلمین ... فقال رسول الله ﷺ انا لاندری من اذن منکم فی ذلک ممن لم یأذن فارجعوا حتی یرفعو الینا عرفاؤکم امرکم فرجع الناس فکلمھم عرفاؤھم ثم رجعوا الی رسول الله ﷺ فاخبروہ انھم قد طیبوا و اذنوا** (الف) (بخاری شریف، باب اذا وھب شیئا لوکیل او شفیع قوم جاز ص ۳۰۹ نمبر ۲۳۰۷) اس حدیث میں سرداروں نے قوم کی وکالت میں حضور کے سامنے اقرار کیا کہ وہ قیدی چھوڑنا چاہتے ہیں اور حضور قاضی بھی تھے۔ اس لئے قاضی کے سامنے اقرار کیا جاسکتا ہے (۳) جانتے ہوئے کہ میرا موکل مجرم ہے پھر بھی جرم کا یا رقم کا اقرار نہ کرے تو ظلم پر اعانت ہوگی جو حدیث میں ممنوع ہے۔ **عن ابن عمر عن النبی ﷺ بمعناہ قال و من اعان علی خصومة بظلم فقد باء بغضب من الله عز و جل** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یعین علی خصومة من غیر ان یعلم امرھا ج ثانی ص ۱۵۰ نمبر ۳۵۹۸) اس حدیث کی بنا پر موکل پر اقرار کرنا بھی جائز ہے۔

البتہ اگر غیر قاضی کے سامنے اقرار کیا اور گواہ سے اس کا ثبوت مل گیا کہ وکیل نے ایسا کیا ہے تو وہ وکالت سے نکل جائے گا۔ کیونکہ اس نے خلاف قاعدہ کیا ہے۔ اور اب موکل کے دین پر اس کو قبضہ نہیں دیا جائے گا یہی 'الا انه یخرج من الخصومة' کا مطلب ہے۔

اصول مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے، ہاں کو بھی اور انکار کو بھی۔ اسی قاعدہ پر یہ مسئلہ جاری ہے۔

حاشیہ : (الف) جب ہوازن کا وفد مسلمان بن کر آیا تو آپ کھڑے ہو گئے... آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہین تم میں سے کس نے اجازت دی اور کس نے اجازت نہیں دی۔ واپس جاؤ یہاں تک کہ تمہارا معاملہ تمہارے سردار لے کر آئے۔ پس لوگ لوٹے اور ان کے سرداروں نے ان سے بات کی۔ پھر حضور کے پاس آئے اور خبر دی کہ وہ خوشی سے اجازت دیتے ہیں (ب) آپ نے فرمایا کسی نے ظالم کے جھگڑے میں مدد کی تو اللہ کے غصے کا مستحق ہوگیا۔

[۱۴۱۵](۴۶) و قال ابو یوسف رحمه الله تعالی یجوز اقراره علیه عند غیر القاضی [۱۴۱۶] (۴۷) ومن ادعی انه وکیل الغائب فی قبض دینه فصدقه الغریم امر بتسلیم الدین الیه فان حضر الغائب فصدقه جاز والا دفع الیه الغریم الدین ثانیا ویرجع به علی الوکیل ان کان باقیا فی یده [۱۴۱۷](۴۸) وان قال انی وکیل بقبض الودیعة فصدقه

[۱۴۱۵](۴۶) امام ابو یوسف نے فرمایا جائز ہے وکیل کا اقرار کرنا موکل پر قاضی کے علاوہ کے پاس بھی۔

تشریح وکیل نے قاضی کی مجلس کے علاوہ میں موکل پر اقرار کر لیا تب بھی اقرار ہو جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ وکیل موکل کے درجے میں ہے اور موکل قاضی کی مجلس کے علاوہ میں کسی چیز کا اقرار کرے تو اقرار ہو جاتا ہے تو وکیل بھی قاضی کی مجلس کے علاوہ میں اقرار کرے تو اقرار ہو جائے گا۔

[۱۴۱۶](۴۷) کسی نے دعوی کیا کہ وہ غائب کا وکیل ہے اس کے قرض کے قبضہ کرنے میں، پس مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو مقروض کو حکم دیا جائے گا قرض سپرد کرنے کا، پس اگر غائب حاضر ہو گیا اور اس نے وکیل کی تصدیق کر دی تو جائز ہو گیا ورنہ تو مقروض موکل کی طرف دین دوبارہ ادا کرے گا اور دین لے گا وکیل سے اگر اس کے ہاتھ میں باقی ہو۔

تشریح مثلا زید نے دعوی کیا کہ وہ عمر کا وکیل ہے اس بات کا کہ اس نے کہا ہے کہ خالد سے قرض وصول کر لو۔ اور خالد مقروض نے تصدیق کر دی کہ واقعی تم عمر کے وکیل ہو تو خالد نے چونکہ تصدیق کر دی کہ زید کا عمر وکیل ہے اور مال خالد کا ذاتی ہے، وہ اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے اس لئے خالد کو حکم دیا جائے گا کہ عمر کا قرض زید کے حوالے کر دے۔ پھر عمر باہر سے واپس آیا اور تصدیق کر دی کہ زید میرا وکیل ہے تو بات بن گئی اور خالد کا ادا کیا ہوا قرض عمر کو ادا ہو گیا۔ اور اگر عمر موکل نے کہا کہ زید میرا وکیل نہیں ہے تو خالد کو کہا جائے گا کہ تم دوبارہ عمر کا قرض عمر کو ادا کرو۔

وجہ کیونکہ عمر نے خالد کو باضابطہ نہیں کہا تھا کہ زید میرے دین پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے۔ بلکہ یہ تو زید اور خالد کی ملی بھگت تھی کہ خالد نے تصدیق کر دی کہ تم عمر کے وکیل ہو۔ اس لئے خالد کو دوبارہ قرض عمر کی طرف ادا کرنا ہوگا۔ اور زید کے ہاتھ میں دی ہوئی رقم موجود ہو تو اس سے خالد واپس لے گا اور وہ رقم ہلاک ہو گئی تو اس سے قانونی طور پر واپس نہیں لے سکے گا۔

وجہ وہ مال زید کے ہاتھ میں امانت کا تھا اس لئے اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے مال میں کسی کو وکیل تسلیم کر سکتا ہے اور اس کو اپنا مال حوالے کر سکتا ہے۔

[۱۴۱۷](۴۸) اور اگر کہا کہ میں امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور امانت رکھنے والے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس کو حوالہ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

تشریح مثلا زید خالد سے کہتا ہے کہ عمر کی جو امانت ہے اس پر قبضہ کرنے کا میں عمر کی جانب سے وکیل ہوں اور عمر غائب تھا اور خالد نے تصدیق

المودع لم يؤمر بالتسليم اليه.

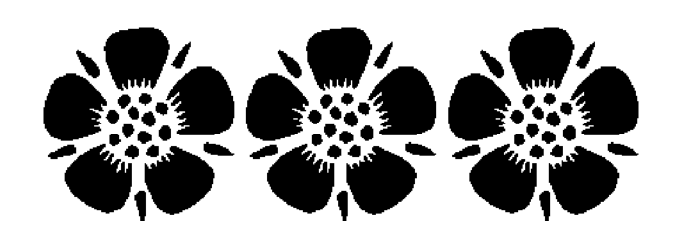
کردی کہ تم عمر کے وکیل ہو تو خالد کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ امانت کی چیز اس کو دیدو۔

وجہ امانت کی چیز میں وہی چیز دی جاتی ہے جو امانت رکھی گئی ہے۔امانت رکھنے والا اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں دے سکے گا۔اس لئے خالد نے تصدیق کردی کہ زید وکیل ہے تو عمر کی امانت شدہ چیز زید کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔کیونکہ عمر نے نہیں کہا ہے کہ زید میرا وکیل ہے۔وہ اب تک غائب ہے اس لئے امانت کی چیز وکیل کے حوالے کرنے نہیں کہا جائے گا۔

نوٹ اوپر کے مسئلے میں تو قرض کی رقم خود خالد کی رقم تھی اس لئے دینے کو کہا گیا، یہاں امانت کی رقم عمر کی ہے خالد کی نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس پر ہے کہ دوسرے کی چیز وکالت کی تصدیق کے باوجود حوالے کرنے نہیں کہا جائے گا۔

لغت مودع : امانت پر رکھنے والا آدمی، ودع سے مشتق ہے۔



﴿ کتاب الکفالة ﴾

[۱۴۱۸](۱)الکفالة ضربان کفالة بالنفس و کفالة بالمال[۱۴۱۹] (۲) فالکفالة بالنفس

﴿ کتاب الکفالة ﴾

ضروری نوٹ کفالہ کا مطلب یہ ہے کہ مثلا زید پر قرض ہے تو میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں، وہ نہیں دے گا تو میں دوں گا۔ کفالت کی صورت میں دونوں آدمی قرض ادا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور قرض دینے والا دونوں میں سے کسی ایک سے قرض وصول کر سکتا ہے۔ اس کے قریب قریب حوالہ ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ اصل مدیون اب قرض ادا نہیں کرے گا۔ اس کے بدلے اب صرف میں قرض ادا کروں گا۔ اس صورت میں قرض دینے والا صرف ذمہ دار سے قرض وصول کر سکتا ہے۔ کفالت صحیح ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ قالوا نفقد صواع الملک ولمن جاء به حمل بعیر وانا به زعیم (الف) (آیت ۷۲ سورۂ یوسف ۱۲) اس آیت میں زعیم کا لفظ ہے جس کے معنی ذمہ دار اور کفیل کے ہیں۔ آیت کا مطلب ہے کہ جو بادشاہ کا پیالہ لا دے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں۔ اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں ہے۔ وکفلها زکریا (ب) (آیت ۳۷ سورۂ آل عمران ۳) کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی کفالت لی۔ اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔

کفالت میں چار الفاظ ہیں (۱) کفیل: جو خود ذمہ دار بنا، ضامن، اس کو زعیم اور حمیل بھی کہتے ہیں (۲) مکفول عنہ: مقروض جس کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل لے رہا ہے (۳) مکفول لہ: قرض دینے والا، جس کے لئے کفیل بن رہا ہے (۴) مکفول بہ: وہ مال جس کے ادا کرنے کا کفیل بن رہا ہے، یا وہ آدمی جس کو مجلس قضاء میں حاضر کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ ابھی اس کو ضمانت پر چھوڑ دیں۔ وقت مقررہ پر اس کو میں مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں بشرطیکہ وہ زندہ ہو۔

[۱۴۱۸](۱) کفالہ کی دو قسمیں ہیں، کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال۔

تشریح کفالت کی قسمیں: کفالت کی دو قسمیں ہیں۔ کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال۔ کفالہ بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی مجلس قضاء میں مقدمہ کے لئے مطلوب ہے اس کو ابھی چھوڑ دیں، میں اس کو وقت مقررہ پر مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں۔ اس کو کفالہ بالنفس کہتے ہیں۔ کیونکہ ذات اور نفس حاضر کرنے کا کفیل بنا۔

دوسرا ہے کفالہ بالمال: اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی پر اتنا قرض ہے اس کو ادا کرنے کا میں کفیل اور ذمہ دار ہوں، وہ ادا نہیں کرے گا تو میں اس قرض کو ادا کر دوں گا۔ اس کو کفالہ بالمال کہتے ہیں۔ کیونکہ مال ادا کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے۔

[۱۴۱۹](۲) پس کفالہ بالنفس جائز ہے اور اس کی ذمہ داری مکفول بہ کو حاضر کرنا ہے۔

تشریح کفالہ بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ مکفول بہ یعنی جس کی ذمہ داری لی ہے اس کو مقررہ وقت میں مجلس قضاء میں حاضر کرنا ہے۔ اس کا

حاشیہ : (الف) ہم لوگ بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں۔ اور جو اس کو لائے گا اس کو ایک اونٹ مال ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں (ب) حضرت زکریا حضرت مریم کے کفیل بنے۔

جائزة والمضمون بها احضار المکفول به[۱۴۲۰] (۳) وتنعقد اذا قال تکفلت بنفس فلان او برقبته او بروحه او بجسده او برأسه او بنصفه او بثلثه.

مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سزا نہیں بھگتے گا تو میں اس کے بدلے سزا بھگت لوں گا۔

وجہ کفالہ بالنفس جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ... ثم قال العاریة مؤداة والمنحة مردودة والدین مقضی والزعیم غارم** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریة ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۵/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریة موداة ص ۲۳۹ نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث میں الزعیم غارم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کفیل ذمہ دار ہے۔ اور اس میں دونوں قسم کے کفیل شامل ہو سکتے ہیں، کفیل بالنفس بھی اور کفیل بالمال بھی۔ اس سے کفالہ بالنفس کا ثبوت ہوا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت حمزہؓ نے مجرم کے لئے کفالہ بالنفس لیا تھا۔ **حمزة بن عمرو الاسلمی عن ابیه ان عمر بعثه مصدقا فوقع رجل علی جاریة امرأته فاخذ حمزة من الرجل کفلاء حتی قدم علی عمر وکان عمر قد جلده مأة جلدة فصدقهم وعذرهم بالجهالة** ۔ اسی اثر کے دوسرے حصے میں ہے۔ **وقال جریر والاشعث لعبد الله بن مسعود فی المرتدین استتبهم وکفلهم فتابوا وکفلهم عشائرهم وقال حماد اذا تکفل بنفس فمات فلا شیء علیه** (ب) (بخاری شریف، باب الکفالة فی القرض والدیون بالابدان وغیرھا ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۰) ان دونوں اثر سے معلوم ہوا کہ کفالہ بالنفس لینا جائز ہے **فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ دوسرے کی ذات پر کفیل کا بس نہیں چلے گا اس لئے کفالہ بالنفس لینا جائز نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسرے کو حاضر کرنے کی استطاعت تو ہے اس لئے کفالہ بالنفس جائز ہے۔

[۱۴۲۰] (۳) کفالہ بالنفس منعقد ہوتا ہے اگر کہے میں فلاں کی جان کا کفیل بنا یا اس کی گردن کا یا اس کی روح یا اس کے جسم یا اس کے سر یا اس کے آدھے کا یا اس کی تہائی کا کفیل ہوں۔

تشریح یہاں سے یہ ذکر ہے کہ کس طرح کہنے سے یا کن کن الفاظ سے کفالہ بالنفس ثابت ہو جائے گا۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس سے پورا انسان مراد ہوتا ہو ان الفاظ سے کفالہ بالنفس ہو جائے گا۔ مثلا نفس سے پورا انسان مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح گردن بولنے سے پورا انسان مراد لیتے ہین۔ اسی طرح روح، جسم اور سر سے پورا انسان مراد لیتے ہیں۔ اور آدھا اور تہائی کا لفظ پورے انسان میں شائع ہوتے ہیں اس لئے ان لفظوں سے بھی پورا انسان مراد ہوگا اور کفالہ بالنفس ثابت ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپ فرماتے تھے عاریت پر لی ہوئی چیز ادا کی جائے گی، عطیہ واپس کیا جائے گا اور دین ادا کیا جانا چاہئے اور کفیل ضامن ہوتا ہے (ب) حضرت عمر نے حمزہ بن عمر اسلمی کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ پس ایک آدمی نے حضرت عمر کی بیوی کی باندی سے بدکاری کر لی تو حمزہ نے اس آدمی سے کفیل بالنفس لئے یہاں تک کہ حضرت عمر آجائے۔ اور حضرت عمر نے اس کو سو کوڑے لگائے تھے۔ پس اس کی تصدیق کی۔ اور نہ جاننے کی وجہ سے اس کو معذور قرار دیا۔ عبد اللہ بن مسعود نے مرتدین سے توبہ کروائی اور اس سے کفیل لیا، پس ان لوگوں نے توبہ کی اور ان کے خاندان والوں نے کفیل بالنفس دیا۔ اور حماد نے فرمایا کوئی کفیل بالنفس بنا پھر مکفول لہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں ہے۔

[۱۴۲۱] (۴) وکذلک ان قال ضمنتہ اوھو علیَّ او الیَّ او انا بہ زعیم او قبیل بہ[۱۴۲۲] (۵) فان شرط فی الکفالۃ تسلیم المکفول بہ فی وقت بعینہ لزمہ احضارہ اذا طالبہ بہ فی ذلک الوقت فان احضرہ والا حبسہ الحاکم.

[۱۴۲۱] (۴) اور ایسے ہی کہا کہ میں اس کا ضامن ہوں یا وہ میرے اوپر ہے یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا میں اس کا کفیل ہوں

تشریح ان الفاظ کے کہنے سے بھی کفیل ہو جائے گا۔

وجہ کیونکہ یہ الفاظ کفالت پر دلالت کرتے ہیں۔ لفظ علیَّ بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آتا ہے۔ حدیث میں ہے۔عن جابر قال کان النبی ﷺ لا یصلی علی رجل علیہ دین ... قال انا اولی بکل مؤمن من نفسہ من ترک دین فعلی ومن ترک مالا فلورثتہ (الف) (نسائی شریف، باب الصلوۃ من علیہ دین ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴) اس حدیث میں فَعَلَیَّ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کفالت کے معنی میں ہے کہ جس نے دین چھوڑا میں اس کا کفیل ہوں۔ اس لئے علیَّ کی وجہ سے بھی کفالت ہو جائے گی۔ اور اِلَیَّ کا لفظ بھی ذمہ داری اور کفالت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے۔عن ابی ھریرۃ انہ قال من ترک مالا فللورثۃ ومن ترک کلا فالینا (ب) (مسلم شریف، باب من ترک مالا فلورثتہ ص ۳۵ نمبر ۱۶۱۹/ ۴۱۶۱) اس حدیث میں فَاِلَیْنَا کفیل بننے کے معنی میں ہے۔ا لزعیم کا لفظ کفیل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لئے قرآن کی آیت اور حدیث الزعیم غارم گزر گئی ہے۔ اور قبیل کے لفظ سے کفالہ ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے قبالہ آتا ہے چیک کے معنی میں۔ اور قبالہ بھی کفالت کے معنی میں ہوتا ہے۔

[۱۴۲۲] (۵) پس اگر کفالہ میں شرط کی گئی ہو مکفول بہ کو سپرد کرنے کی مقرر وقت میں تو کفیل کو اس کا حاضر کرنا لازم ہے جب اس کو اس وقت میں مطالبہ کرے، پس اگر اس کو حاضر کر دیا تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کفیل کو قید کر لے گا۔

تشریح کفالہ بالنفس میں یہ شرط لگائی تھی کہ مکفول بہ کو متعین وقت میں حاضر کرے گا تو کفیل پر لازم ہے کہ جب مکفول بہ کو طلب کرے اس وقت اس کو حاضر کر دے۔ پس اگر اس نے مقررہ وقت میں مکفول بہ کو حاضر کر دیا تو بہتر ہے۔ اور اگر حاضر نہ کر سکا اور کئی مرتبہ مطالبہ کے بعد بھی حاضر نہیں کیا اور مکفول بہ زندہ ہے اور دار الاسلام میں موجود ہے تو اب کفیل کو حاکم قید کرے گا۔

وجہ اس نے وعدہ خلافی کی اور دوسرے کا حق مارا اس لئے اس کو قید کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ خلاف وعدہ پر حضرت شریح نے خود اپنے بیٹے کو قید کیا۔سمعت حبیبا الذی کان یقدم الخصوم الی شریح قال خاصم رجل ابنا لشریح الی شریح کفل لہ برجل علیہ دین فحبسہ شریح فلما کان اللیل قال اذھب الی عبد اللہ بفراش وطعام وکان ابنہ یسمی عبد اللہ (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۸، نمبر ۱۱۴۱۸/ مصنف عبد الرزاق، باب الکفلاء، ج ثامن،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا میں ہر مؤمن کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جس نے قرض چھوڑا وہ مجھ پر ہے۔ اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے۔ اور قرض چھوڑا وہ ہمارے ذمہ ہے (ج) حضرت حبیب فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے شریح کے پاس اس کے بیٹے کو جھگڑے کے لئے لے گیا جو ایک آدمی پر قرض کا کفیل بنا تھا۔ تو قاضی شریح نے اس کو قید کر لیا۔ پس رات ہوئی تو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۴۲۳](۶) واذا احضره وسلمه فی مکان یقدر المکفول له علی محاکمته برئ الکفیل من الکفالة[۱۴۲۴] (۷) واذا تکفل به علی ان یسلمه فی مجلس القاضی فسلمه فی السوق برئ وان سلمه فی بریة لم یبرأ[۱۴۲۵] (۸) واذا مات المکفول به برئ الکفیل

ص۳۱۷، نمبر ۱۴۷۶۶)اس سے معلوم ہوا کہ کفیل کے وعدہ خلافی پر اس کو قید کیا جا سکتا ہے۔

[۱۴۲۳](۶)اگر مکفول بہ کو حاضر کر دیا اور سپرد کر دیا ایسی جگہ کہ مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکتا ہے تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح کفالت کا مقصد ہے کہ ایسی جگہ مکفول بہ کو حاضر کر دے جس سے مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکے، اور کفیل نے ایسا ہی کیا کہ ایسی جگہ حاضر کر دیا جہاں مکفول لہ جھگڑا کر سکتا ہے اس لئے کفیل بری ہو جائے گا۔

[۱۴۲۴](۷)اگر کفیل بنا اس بات کا کہ مکفول بہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرے گا اور سپرد کیا اس کو بازار میں تو کفیل بری ہو جائے گا اور اگر سپرد کیا جنگل میں تو بری نہیں ہوگا۔

تشریح اگر مجلس قضاء میں سپرد کرنے کی شرط تھی لیکن اس نے اس کے بجائے بازار میں مکفول بہ کو سپرد کیا تو بری ہو جائے گا۔ اور جنگل میں سپرد کیا تو بری نہیں ہوگا۔

وجہ اس زمانے میں قاضی بازار میں بھی مجرم سے محاسبہ کر لیا کرتے تھے اس لئے بازار میں سپرد کرنے سے بھی مکفول بہ محاسبہ کے قابل ہو گیا۔ اس لئے کفیل بری ہو جائے گا۔ اور جنگل میں قاضی محاسبہ نہیں کر سکتا بلکہ اس قسم سے بھگانے کی سازش ہے۔ اس لئے جنگل میں سپرد کرنے سے کفیل بری نہیں ہوگا۔

اصول ایسے مقام پر سپرد کرنا ضروری ہے جہاں مکفول بہ سے محاسبہ کیا جا سکے۔

نوٹ اس دور میں بازار میں محاسبہ کرنا ممکن نہیں اس لئے اب بازار میں سپرد کرنے سے کفیل کفالہ سے بری نہیں ہوگا۔

لغت بریۃ : صحرا، جنگل۔

[۱۴۲۵](۸)اگر مکفول بہ مر جائے تو کفیل بالنفس کفالہ سے بری ہو جائے گا۔

تشریح کفیل نے مجرم کو حاضر کرنے کی کفالت لی تھی لیکن خود مجرم کا انتقال ہو گیا تو کفیل سے کفالہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ (۱) مر جانے کی وجہ سے اب حاضر کس کو کرے گا؟ اور مکفول بہ کا مال تو اس کام کے لئے نہیں ہے اس لئے کفالہ ساقط ہو جائے گا (۲) مرنے کی وجہ سے اصیل یعنی مکفول بہ پر حاضر ہونا ساقط ہو گیا اس لئے تابع یعنی کفیل پر بھی ساقط ہو جائے گا (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحکم و حماد انهما قالا فی رجل تکفل بنفس رجل فمات الرجل قال احدهما یضمن الدراهم وقال الآخر لیس علیه شیء (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۸، نمبر ۱۱۴۱۹)اس میں ہے کہ

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کہا عبداللہ کے پاس جاؤ کھانے اور بستر کے لئے۔ عبداللہ قاضی شریح کے دوسرے بیٹے کا نام ہے (الف) حضرت حکم اور حماد نے فرمایا کوئی آدمی کسی آدمی کا کفیل بالنفس بنا پھر وہ آدمی مر گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا درہم کا ضامن ہوگا اور دوسرے نے فرمایا کفیل پر کچھ نہیں ہے۔

بـالـنـفس من الكفالة[۱۴۲۶] (۹) وان تكفل بنفسه على انه ان لم يواف به فى وقت كذا فهو ضامن لما عليه وهو الف فلم يحضره فى ذلك الوقت لزمه ضمان المال ولم يبرأ من الكفالة بالنفس[۱۴۲۷] (۱۰) ولا تجوز الكفالة بالنفس فى الحدود والقصاص عند ابى

کفالہ بالنفس میں مکفول بہ مرجائے تو کفیل پر کچھ لازم نہیں ہوگا بلکہ وہ بری ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل سے ساقط ہو جائے تو کفیل جو فرع ہے اس سے بھی ساقط ہو جائے گا۔

[۱۴۲۶] (۹) اگر کفیل بالنفس بنا اس طرح کہ اگر میں نے اس کو فلاں وقت میں حاضر نہ کیا تو میں ضامن ہوں اس مال کا جو اس پر ہے اور وہ ایک ہزار تھا، پھر اس وقت میں حاضر نہ کیا تو کفیل پر مال کا ضمان لازم ہو جائے گا اور کفالہ بالنفس سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح اس عبارت میں ای ساتھ دو قسم کا کفالہ ہے۔ کفالہ بالمال بھی اور کفالہ بالنفس بھی ہے۔ اور وہ بھی شرط کے ساتھ ہے کہ فلاں وقت میں فلاں کو حاضر نہ کر سکا تو جتنا اس پر قرض ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں تو حاضر نہ کر سکا سے کفالہ بالنفس ہوا اور جتنا اس پر قرض ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں سے کفالہ بالمال ہو گیا۔ اب وقت پر حاضر نہ کر سکا تو کفیل پر قرض لازم ہو جائے گا۔ اور کفالہ بالنفس جو حاضر کرنا تھا وہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اصل تو اس کو حاضر کرنا ہی ہے۔ شرط کے ساتھ کفالہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن جابر قال كان النبى ﷺ لايصلى على رجل عليه دين ...قال انا اولى بكل مؤمن من نفسه من ترك دينا فعلى ومن ترك مالا فلورثته** (الف) (نسائی شریف، باب الصلوۃ علی من علیہ دین ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴ ر بخاری شریف، باب الدین، کتاب الکفالۃ ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں اس شرط پر آپؐ نے ذمہ داری لی کہ اگر قرض چھوڑا تو میں ذمہ دار ہوں تو معلوم ہوا کہ شرطیہ کفیل بننا جائز ہے۔

لغت لم یواف : پورا نہیں کیا، وقت پر حاضر نہیں کیا۔

[۱۴۲۷] (۱۰) کفالہ بالنفس جائز نہیں ہے حدود اور قصاص میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ وہ دے دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ اس لئے کہ حدود اور قصاص میں کوشش کی جاتی ہے کہ مجرم پر یہ جاری نہ ہوں۔ اور کفالہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹنا بھی ہو تو اور مضبوط کیا جائے۔ اس لئے حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس دینے پر مجبور نہ کیا جائے (۲) حدیث میں ہے۔ **حدثنى عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ قال لا كفالة فى حد** (ب) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ حد میں کفالہ بالنفس نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حد قذف میں چونکہ بندے کے حقوق ہوتے ہیں اس لئے اس میں کفالہ بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ اس آدمی پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے جس پر دین ہو...آپؐ نے فرمایا میں ہر مؤمن کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جس نے قرض چھوڑا وہ مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا حد میں کفالہ نہیں ہے۔

حنیفة رحمه الله تعالی [۱۴۲۸](۱۱) واما الکفالة بالمال فجائزة معلوما کان المکفول به او مجهولا اذا کان دینا صحیحا مثل ان یقول تکفلت عنه بالف درهم او بما لک علیه او بما یدرکک فی هذا البیع [۱۴۲۹](۱۲) والمکفول له بالخیار ان شاء طالب الذی

[۱۴۲۸](۱۱) بہر حال کفالہ بالمال تو جائز ہے، مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول ہو جبکہ دین صحیح ہو مثلا یہ کہے کہ اس کی جانب سے ضامن ہوں ہزار درہم کا یا جو کچھ تیرا اس کے ذمہ ہے یا جو کچھ آپ کو اس بیع میں لگے گا۔

تشریح یہاں سے کفالہ بالمال کے مسئلے شروع ہیں۔ پس فرماتے ہیں کہ کفالہ بالمال میں مال مجہول ہو یعنی اس کی مقدار معلوم نہ ہو تب بھی اس کا کفالہ جائز ہے۔ مال معلوم ہو اس کی صورت یہ ہے کہ میں ہزار درہم کا ضامن ہوں۔ اور مجہول کی صورت یہ ہے کہ کہے آپ کے ذمہ جو کچھ آتا ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اب کتنا آئے گا یہ معلوم نہیں ہے پھر بھی اس کا کفالہ جائز ہے۔ یا یوں کہے کہ اس بیع میں آپ کے ذمے جو کچھ آئے گا میں اس کا کفیل ہوں، اب کتنا آئے گا اس کی مقدار ابھی معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفالہ صحیح ہے۔

وجہ مال میں کفیل بننے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے اس لئے ضرورت کی بنا پر مجہول کفالت کو بھی جائز قرار دے دیا گیا (۲) آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم ایک اونٹ بوجھ کے کفیل بنے تھے اور اونٹ کے بوجھ کی مقدار معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفیل بننا درست تھا۔ آیت ہے۔ **ولمن جاء به حمل بعیر وانا به زعیم** (آیت ۷۲ سورۂ یوسف ۱۲) (۳) حدیث میں مجہول دین کا کفیل بننا ثابت ہے۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ کان یوتی بالرجل المتوفی علیه الدین ... فمن توفی من المؤمنین فترک دینا فعلی قضاؤه ومن ترک مالا فلورثته** (الف) (بخاری شریف، باب الدین، کتاب الکفالة ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸ رمسلم شریف، باب من ترک مالا فلورثتہ ص ۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث میں ہے کہ میں مومنین کے دین کا کفیل ہوں، اب وہ دین کتنا آئے گا یہ مجہول ہے اس کے باوجود حضورؐ کا کفیل بننا صحیح ہوا۔ اس لئے مجہول مال کا کفیل بننا صحیح ہے۔

نوٹ کفالہ اور بیع میں فرق ہے کہ بیع معلوم شی ہی کی ہو سکتی ہے اور کفالہ مجہول چیز کا بھی ہو سکتا ہے۔

لغت مایدرک : یہ درک سے مشتق ہے، جو آپ پر آئے، جو کچھ آپ کو پالے۔

[۱۴۲۹](۱۲) اور مکفول لہ کو اختیار ہے چاہے طلب کرے اس سے جس پر اصل ہے اور اگر چاہے تو کفیل سے طلب کرے۔

وجہ کفالت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اصل مقروض اور کفیل دونوں پر قرض کی ذمہ داری آجائے۔ اس لئے قرض خواہ دونوں میں سے کسی ایک سے قرض طلب کر سکتا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ نے میت کی جانب سے دو دینار ادا کرنے کی ذمہ داری لی اور ایک دن تک ادا نہیں کیا تو حضور کو افسوس رہا اور دوسرے دن ادا کیا تو آپؐ نے فرمایا اب میت کی چمڑی ٹھنڈی ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ

حاشیہ : (الف) آپؐ کے سامنے انتقال شدہ ایسے آدمی لائے جاتے تھے جس پر دین ہو... آپؐ نے فرمایا مومنین میں سے جو وفات پا جائے اور قرض چھوڑے تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے اور جو مال چھوڑے تو ورثہ کے لئے ہے۔

علیہ الاصل وان شاء طالب الکفیل [۱۴۳۰](۱۳) ویجوز تعلیق الکفالة بالشروط مثل

ادا کرنے سے پہلے جس طرح کفیل پر ذمہ داری ہے اسی طرح اصیل پر بھی ذمہ داری ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا رہے۔ حدیث یہ ہے۔ **قال جابر توفی رجل فغسلناه وحنطناه وکفناه ثم اتینا النبی ﷺ فقلنا له تصلی علیه فقام فخطا خطی ثم قال علیه دین؟ قال فقیل دیناران قال فانصرف قال فتحملهما ابو قتادة قال فاتیناه قال فقال ابو قتادة الدیناران علیّ فقال النبی ﷺ حق الغریم وبرئ منهما المیت قال نعم فصلی علیه رسول الله ﷺ قال فقال له بعد ذلک بیوم ما فعل الدیناران؟ قال انما مات امس قال فعاد الیه کالغد قال قد قضیتهما فقال النبی ﷺ الآن بردت علیه جلده** (الف) (سنن للبیہقی، باب الضمان عن المیت، ج سادس، ص ۱۲۴، نمبر ۱۱۴۰۵) اس حدیث میں اس وقت تک میت کی چمڑی ٹھنڈی نہیں ہوئی جب تک کہ دونوں دینار ابوقتادہ نے ادا نہ کر دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دو دینار کی ذمہ داری اصل میت پر بھی رہی۔ اس لئے کفیل اور مکفول عنہ دونوں ذمہ دار ہوں گے۔

اصول کفالت میں کفیل اور اصیل دونوں ذمہ دار ہوتے ہیں۔

[۱۴۳۰] (۱۳) اور جائز ہے کفالہ کو معلق کرنا شرط کے ساتھ مثلا یہ کہے کہ جتنا فلاں کے ساتھ بیچے وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب ہو وہ مجھ پر ہے، تیری جو چیز فلاں غصب کرے وہ مجھ پر ہے۔

تشریح کفالت جس طرح بغیر شرط کے جائز ہے اسی طرح کسی شرط پر معلق کر کے کفیل بننا بھی درست ہے۔ متن میں اس کی چند مثالیں دی ہیں۔ مثلا فلاں آدمی سے جو کچھ بیچو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے تو یہ شرط پر معلق ہو کر کفیل ہوا۔ اور مجہول مقدار کا کفیل بننا ہوا۔ یا آپ کا فلاں کے ذمہ جو کچھ واجب ہو وہ میرے ذمہ ہے، یا فلاں جو کچھ غصب کرے وہ میرے ذمہ ہے تو ان صورتوں میں کفالت درست ہو جائے گی اور کفیل پر اس کی ذمہ داری ہو جائے گی۔

وجہ کفالہ میں اس قسم کی وسعت ہے۔ اس لئے یہ قابل برداشت ہے۔ کیونکہ روزانہ اس کی ضرورت پڑتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ اس شرط پر دین ادا کرنے کے کفیل بنے کہ اگر مومنین نے قرض چھوڑا تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے۔ **عن جابر قال کان النبی ﷺ لا یصلی علی رجل علیه دین ... من ترک دینا فعلی ومن ترک مالا فلورثته** (الف) (نسائی شریف، الصلوۃ علی من علیہ دین

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا انتقال ہوا تو ہم نے اس کو غسل دیا، اس کو حنوط لگایا اور اس کو کفن دیا۔ پھر حضورؐ کے پاس لائے، ہم نے آپؐ سے کہا، آپؐ اس پر نماز پڑھیں۔ آپؐ کھڑے ہوئے ایک دو قدم چلے پھر پوچھا کیا اس پر قرض ہے؟ کہا گیا کہ ہاں! دو دینار۔ کہا حضورؐ واپس لوٹ گئے۔ پھر حضرت ابوقتادہؓ نے ان کو اپنے ذمہ لے لیا۔ کہا ہم نے اس میت کو لایا۔ اور ابوقتادہ نے کہا کہ وہ دونوں دینار میرے ذمے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا قرض خواہ کا حق ہو گیا اور میت ان دیناروں سے بری ہو گیا؟ ابوقتادہ نے فرمایا ہاں! آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔ ایک دن کے بعد پوچھا دونوں دینار کا کیا ہوا؟ یعنی ادا کر دیا؟ ابوقتادہ نے فرمایا کل ہی تو میت کا انتقال ہوا ہے۔ آپؐ نے کل کی طرح دوبارہ یہ جملہ پوچھا۔ ابوقتادہ نے فرمایا میں نے ادا کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا اب میت کی چمڑی ٹھنڈی ہوئی (ب) حضورؐ ایسے لوگوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے جس پر دین ہو... جس نے قرض چھوڑا تو مجھ پر ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے۔

ان یقول ما بایعت فلانا فعلیَّ او ما ذاب لک علیه فعلیَّ او ما غصبک فلان فعلیَّ [۱۴۳۱] (۱۴) واذا قال تکفلت بما لک علیه فقامت البینةبالف علیه ضمنه الکفیل[۱۴۳۲] (۱۵) فان لم تقم البینة فالقول قول الکفیل مع یمینه فی مقدار ما یعترف به[۱۴۳۳] (۱۶) فان اعترف المکفول عنه باکثر من ذلک لم یصدق علی کفیله

ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴/بخاری شریف، باب الدین ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں شرط ہے کہ کوئی دین چھوڑے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں (۳) آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم شرط پر معلق کر کے کفیل بنے تھے۔ولمن جا به حمل بعیر وانا به زعیم (آیت ۷۲ سورۂ یوسف ۱۲) اسلئے شرط پر معلق کر کے کفیل بننا درست ہے۔

نوٹ مجہول شرط پر کفالت کو معلق کرے تو صحیح نہیں ہے۔مثلا کہے اگر ہوا چلے تو میں کفیل ہوں تو اس صورت میں کفالت درست نہیں ہوگی۔

لغت ذاب لک علیہ : جو کچھ آپ کے ذمہ ہو۔

[۱۴۳۱] (۱۴) اگر کہا کہ میں کفیل ہوں اس چیز کا جا آپ کا اس پر ہے پھر گواہ پیش کیا اس پر ہزار کا تو کفیل اس کا ضامن ہو جائے گا۔

تشریح پہلے سے کہہ چکا ہے کہ جتنا آپ کا اس پر ہے میں اس کا ضامن ہوں۔اب بینہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ میرا مکفول لہ پر ایک ہزار ہے اس لئے ذمہ داری کے مطابق کفیل پر ایک ہزار ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

وجہ بینہ پیش کر کے ثابت کرنا ایسا ہے جیسے پہلے سے ثابت شدہ ہو۔اس لئے اتنا لازم ہو جائے گا جتنا بینہ سے ثابت کیا۔

[۱۴۳۲] (۱۵) پس اگر بینہ قائم نہ ہو سکا تو کفیل کے قول کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کرتا ہے۔

تشریح مکفول لہ یعنی قرض دینے والے پر بینہ قائم کرنا واجب تھا لیکن وہ بینہ قائم نہ کر سکا تو پھر کفیل جتنا کہتا ہے اس کی بات مانی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ۔

وجہ اس صورت میں مکفول لہ مدعی ہے اس لئے اس پر بینہ تھا اور وہ نہ ہو سکا تو کفیل مدعی علیہ اور منکر ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال فی خطبته البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ ص ۲۴۷ نمبر ۱۳۴۱/بخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ص ۳۶۶ نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث کی بنیاد پر کفیل مدعی علیہ ہے اس لئے اس پر قسم واجب ہے۔اور اس کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔

[۱۴۳۳] (۱۶) اگر مکفول عنہ اس سے زیادہ کا اعتراف کرے تو کفیل پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح قرض دینے والے مکفول لہ کے پاس بینہ نہیں تھا اب کفیل نے قسم کھا کر ایک ہزار روپے کا اقرار کیا لیکن قرض لینے والے مکفول عنہ نے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے اپنے خطبے میں فرمایا گواہ مدعی پر ہے اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔

[۱۴۳۴](۱۷) وتجوز الكفالة بامر المكفول عنه وبغير امره[۱۴۳۵] (۱۸) فان كفل

اقرار کیا کہ بارہ سو روپے تھے تو مکفول عنہ کی بات کفیل کے اوپر قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں! خود اپنے اوپر یہ اعتراف ٹھیک ہے اور دو سو روپیہ خود مقروض یعنی مکفول عنہ اپنی طرف سے ادا کریں۔

وجہ مکفول عنہ خود گویا کہ اس معاملہ سے اجنبی ہو گیا ہے۔ اس لئے اس کا اعتراف دوسروں کے خلاف قابل قبول نہیں ہے چاہے قسم کھا کر اعتراف کیوں نہ کرتا ہو (۲) یوں بھی کفیل مدعی علیہ تھا اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی نہ کہ مکفول عنہ کی۔

نوٹ مکفول عنہ کا اعتراف اس کی ذات کے بارے میں درست ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی علیہ کے خلاف بینہ کے بجائے کوئی قسم کھا کر اعتراف کرے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

[۱۴۳۴] (۱۷) کفالہ جائز ہے مکفول عنہ کے حکم سے اور بغیر اس کے حکم سے۔

تشریح کفیل دونوں طرح بنتا ہے۔ مکفول عنہ کے حکم سے بنے تب بھی بنتا ہے اور بغیر اس کے حکم کے اپنی مرضی سے کفیل بنے تب بھی کفیل بن سکتا ہے۔

وجہ پیچھے حدیث گزری **الزعیم غارم** (ابوداؤد شریف نمبر ۳۵۶۵) اس حدیث میں دونوں طرح سے کفیل بننے کا امکان موجود ہیں۔ اس لئے حکم اور بغیر حکم دونوں طرح کفیل بن سکتے ہیں (۲) کفیل کا اپنا مال ہے اس لئے بغیر مکفول عنہ کے حکم بھی خرچ کر سکتا ہے (۳) حضرت ابو قتادہ بغیر میت کے حکم کے قرض کے کفیل بنے تھے۔ **عن سلمة بن اكوع ان النبي ﷺ اتى بجنازة ليصلي عليها ... قال ابو قتادة على دينه يا رسول الله فصلى عليه** (الف) (بخاری شریف، باب من تکفل عن میت دینا فلیس لہ ان یرجع ص ۳۰۶ نمبر ۲۲۹۵) اس حدیث میں حضرت ابو قتادہ بغیر حکم کے کفیل بنے ہیں۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے مال مین جائز تصرف کر سکتا ہے۔

[۱۴۳۵] (۱۸) پس اگر کفیل بنا مکفول عنہ کے حکم سے تو لے لے گا وہ جو کچھ اس پر ادا کرے۔

تشریح مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا تھا تو کفیل نے جتنی رقم مکفول لہ کو دی ہے اتنی رقم مکفول عنہ سے وصول کرے گا۔

وجہ (۱) مکفول عنہ کے حکم سے کفیل نے اپنا روپیہ مکفول لہ کو دیا ہے اس لئے وہ مکفول عنہ سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے (۲) **عن ابن عباس ان رجلا لزم غريما له بعشرة دنانير فقال والله ما افارقك حتى تقضيني او تأتيني بحميل قال فتحمل بها النبي ﷺ فاتاه بقدر ما وعده فقال له النبي ﷺ من اين اصبت هذا الذهب ؟ قال من معدن قال لا حاجة لنا فيها ليس فيها خير فقضاها عنه رسول الله ﷺ** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی استخراج المعادن ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۲۸ / ابن ماجہ شریف،

حاشیہ : (الف) آپؐ جنازے پر آئے کہ اس پر نماز پڑھے... حضرت ابو قتادہ نے فرمایا مجھ پر اس کا دین ہے یا رسول اللہ! پس آپؐ نے اس پر نماز پڑھی (ب) ایک آدمی کا قرض خواہ دس دینار کی وجہ سے اس کے پیچھے لگا۔ کہنے لگا خدا کی قسم تم کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تم قرض ادا کر دو یا کوئی کفیل لاؤ۔ پس حضورؐ اس کے کفیل بنے۔ پس اس آدمی نے وعدہ کے مقدار حضورؐ کے پاس رقم لایا، پس حضورؐ نے پوچھا یہ سونا کہاں سے لائے؟ کہا کان سے۔ آپ نے فرمایا اس کی (باقی اگلے صفحہ پر)

بامره رجع بما يؤدى عليه[۱۴۳۶] (۱۹) وان كفل بغير امره لم يرجع بما يؤدى [۱۴۳۷] (۲۰) وليس للكفيل ان يطالب المكفول عنه بالمال قبل ان يؤدى عنه فان لوزم

باب الکفالۃ ص۳۴۴ نمبر ۲۴۰۶) اس حدیث میں ہے کہ مقروض آدمی نے حضور کو دس دینار ادا کیا۔ کیونکہ حضورؐ نے اس کی کفالت لی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ حضورؐ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفیل ادا کرے تو وہ مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے (۳) **عن فضل بن عباس قال ... من قد كنت اخذت له مالا فهذا مالى فليأخذ منه فقام رجل فقال يا رسول الله ان لى عندك ثلاثة دراهم فقال اما انا فلا اكذب قائلا وانالا استحلف على يمين فيم كانت لك عندى قال اما تذكر انه مر بك سائل فامرتنى فاعطيته ثلاثة دراهم قال اعطه يا فضل** (الف) (سنن للبیہقی، باب رجوع الضامن علی المضمون عنہ بما غرم وضمن بامرہ، ج سادس، ص۱۲۳، نمبر ۱۱۴۰۳) اس حدیث میں حضورؐ کے حکم سے ایک آدمی نے تین درہم دیا تھا اور کفیل بنا تھا اس لئے انہوں نے حضورؐ سے واپس لیا، جس سے معلوم ہوا کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہو تو مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے۔

[۱۴۳۶] (۱۹) اور اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہو تو نہیں وصول کرے گا وہ جو ادا کیا ہو۔

تشریح مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہو تو کفیل نے جتنا ادا کیا ہو وہ مکفول عنہ سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ مکفول عنہ کے حکم کے بغیر بنا ہے تو کفیل ادا کرنے میں تبرع اور احسان کرنے والا ہوا اس لئے وہ مکفول عنہ سے نہیں وصول کر سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ ابو قتادہ میت کے حکم کے بغیر کفیل بنے تو بعد میں میت سے وصول نہیں کیا۔ **عن سلمة بن الاكوع ان النبى ﷺ اتى بجنازة ليصلى عليها فقال هل عليه من دين ؟ فقالوا لا فصلى عليه ،ثم اتى بجنازة اخرى فقال هل عليه من دين ؟ قالوا نعم قال فصلوا على صاحبكم قال ابو قتادة علىّ دينه يا رسول الله فصلى عليه** (ب) (بخاری شریف، باب من تکفل عن میت دینا فلیس لہ ان یرجع ص۳۰۶ نمبر ۲۲۹۵) اس حدیث میں حضرت ابو قتادہ نے میت سے ادا کیا ہوا دین وصول نہیں کیا۔ کیونکہ بغیر اس کے حکم کے کفیل بنے تھے **اصول** آمر کے حکم کے بغیر کوئی کام کرنا تبرع اور احسان ہے اس لئے کسی سے اس کا بدلہ وصول نہیں کر سکتا۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

[۱۴۳۷] (۲۰) کفیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ کرے اس سے پہلے کہ اپنی جانب سے ادا کرے، پس اگر پیچھا کیا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ضرورت نہیں جس چیز میں خیر نہ ہو۔ پھر حضور نے اپنی جانب سے قرض ادا کیا (الف) ابن عباسؓ نے فرمایا... آپؐ نے فرمایا جس کا میں نے مال لیا تو یہ مال حاضر ہے، اس سے لے لے، پس ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول! میرے آپؐ کے ذمے تین درہم ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میرا طریقہ یہ ہے کہ میں کہنے والے کو جھٹلاتا نہیں اور قسم نہیں لیتا کس چیز کی رقم میرے ذمہ ہے۔ اس آدمی نے کہا آپ کو یاد نہیں کہ آپؐ کے سامنے سے ایک سائل گزرا تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو تین درہم دے دوں۔ آپؐ نے فرمایا اے فضل! اس کو تین درہم دیدو (ب) آپؐ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تا کہ آپؐ اس پر نماز پڑھیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پس آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔ پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو آپؐ نے پوچھا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا تم ان پر نماز پڑھ لو۔ حضرت ابو قتادہ نے کہا اس کا قرض میرے ذمہ ہے اے اللہ کے رسول! پھر آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔

بالمال للکفیل کان له ان یلازم المکفول عنه حتی یخلصه[۱۴۳۸] (۲۱) واذا ابرأ الطالب المکفول عنه او استوفی منه برئ الکفیل[۱۴۳۹] (۲۲) وان ابرأ الکفیل لم یبرأ المکفول عنه.

گیا کفیل مال کی وجہ سے تو اس کے لئے حق ہے کہ پیچھا کرے مکفول عنہ کا یہاں تک کہ کفیل کو چھڑا دے۔

تشریح اس عبارت میں دو مسئلے ہیں ایک تو یہ ہے کہ کفیل جب تک اپنی جانب سے مکفول عنہ کا قرض ادا نہ کر دے اس وقت تک قانونی طور پر مکفول عنہ سے رقم وصول کرنے کا حقدار نہیں ہوتا۔ ہاں! مکفول عنہ اپنی مرضی سے کفیل کو رقم دیدے تو جائز ہے۔

وجہ مکفول عنہ اصل مقروض ہے اس لئے زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ خود قرض ادا کرے گا اور جب وہ خود قرض ادا کرے گا تو کفیل کو اس سے لینے کا حق کیسے ہوگا؟ ہاں! کفیل ادا کر چکا ہو تو اب قرض وصول کرنے والا کفیل ہو گیا اس لئے اب کفیل مکفول عنہ سے لے سکتا ہے (۲) اوپر کی حدیث بیہقی میں آدمی نے حضور کے کہنے پر تین درہم دیا تھا تب جا کر حضورؐ سے وصول کیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے ادا کرے گا تب وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مکفول عنہ کے قرض کی وجہ سے کفیل کو کوئی مصیبت آئی مثلا مکفول لہ نے کفیل کا پیچھا کیا تو کفیل کو مکفول عنہ کے ساتھ اتنا کرنے کا حق ہے یعنی مکفول عنہ کا پیچھا کرنے کا حق ہے۔ یہاں تک کہ مکفول عنہ کفیل کے پیچھا کرنے سے اس کو چھڑا نہ لے۔

وجہ کفیل کو مکفول عنہ کی وجہ سے پریشانی ہوئی ہے اس لئے وہ یہ پریشانی مکفول عنہ پر ڈال سکتا ہے۔

لغت یلازم : پیچھا کرنا، ساتھ ساتھ لگے رہنا۔ یخلص چھٹکارا دلانا۔

[۱۴۳۸] (۲۱) اگر طالب نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا اس سے وصول کر لیا تو کفیل بری ہو جائے گا۔

وجہ اصل میں قرض تو مکفول عنہ پر ہے۔ کفیل تو فرع ہے اور اس سے مستفاد ہے۔ اس لئے مکفول لہ دائن نے مکفول عنہ مقروض کو دین سے بری کر دیا یا معاف کر دیا یا دوسری شکل ہے کہ خود مکفول عنہ نے اپنا دین ادا کر دیا تو چونکہ اصل پر دین نہیں رہا اس لئے کفیل جو فرع ہے اس پر بھی دین نہیں رہے گا اور ختم ہو جائے گا **اصول** یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل پر دین نہ رہے تو فرع سے بھی دین ختم ہو جائے گا۔

لغت استوفی : وفی سے مشتق ہے، وصول کر لیا۔

[۱۴۳۹] (۲۲) اگر کفیل کو بری کر دیا تو مکفول عنہ بری نہیں ہوگا۔

تشریح بری کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اصل دین ہی کفیل سے معاف کر دیا تو اس صورت میں مکفول عنہ سے بھی معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل دین ہی اصیل سے معاف ہو گیا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کفیل کو صرف کفالت سے بری کیا کہ اب میں آپ سے دین کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ اس صورت میں چونکہ اصل دین اصیل یعنی مکفول عنہ پر باقی ہے اس لئے اصیل یعنی مکفول عنہ مطالبہ سے بری نہیں ہوگا۔ مکفول لہ اس سے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

[۱۴۴۰](۲۳) ولا یجوز تعلیق البراءة من الکفالة بشرط [۱۴۴۱](۲۴) وکل حق لا یمکن استیفاؤہ من الکفیل لا تصح الکفالة به کالحدود والقصاص[۱۴۴۲] (۲۵) واذا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کفیل کو کفالت سے بری کرنے سے اصیل سے دین ساقط نہیں ہوگا اور نہ مطالبہ سے بری ہوگا۔

[۱۴۴۰](۲۳) کفالت سے برأت کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح مکفول لہ کفیل کو کسی شرط پر معلق کر کے بری کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلا یوں کہے کہ کل آئے گا تو آپ کفالت سے بری ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

وجہ کفالت سے بری کرنا گویا کہ مالک بنانا ہے اور مالک بنانے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کفالت سے بری کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔

فائدہ لیکن دوسری روایت میں ہے کہ برأت کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے۔

وجہ کفیل پر اصل دین نہیں ہے اس پر تو صرف مطالبہ ہے تو اس سے بری کرنا مالک بنانا نہیں ہے بلکہ مطالبہ ساقط کرنا ہے اس لئے کفالت سے بری کرنے کو کسی مناسب شرط پر معلق کرنا جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

[۱۴۴۱](۲۴) ہر وہ حق کہ اس کا وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو اس کا کفالہ صحیح نہیں ہے۔ جیسے حدود اور قصاص۔

تشریح جو چیز کفیل سے لینا یا وصول کرنا ممکن نہیں اس کا کفیل بننا بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ مجرم پر اگر حد جاری نہ کر سکو تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں کہ مجھ پر وہ حد جاری کر دیں۔ یا مجرم سے قصاص نہ لے سکو تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں کہ مجھ سے قصاص لے لو اور میرا ہاتھ قصاص مین کاٹ دو تو یہ کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

وجہ حدود اور قصاص اصل مجرم سے ہی لئے جاتے ہیں دوسروں سے نہیں۔ اس لئے اس کی کفالت بھی درست نہیں ہے (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ **حدثنی عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال لا کفالة فی حد**(الف) (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی الکفالة ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ حد میں کفالت نہیں ہے۔ جس کا ایک مطلب یہ ہے کہ حد کا کوئی کفیل بن جائے کہ مجرم پر نہ کر سکو تو مجھ پر حد جاری کر و تو یہ صحیح نہیں ہے۔

نوٹ اوپر کے ایک مسئلہ میں تھا کہ حد اور قصاص میں کفالہ بالنفس لینے کے لئے مجبور کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہاں ہے کہ خود حد اور قصاص کا کفیل بننا درست نہیں ہے۔ اس لئے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

[۱۴۴۲](۲۵) اگر مشتری کی جانب سے کفیل بنا ثمن کا تو جائز ہے۔

تشریح کفیل نے بائع کو یوں کہا کہ مشتری کو مبیع دے دو اگر اس نے اس کی قیمت نہیں دی تو میں دوں گا تو جائز ہے۔

وجہ قیمت ادا کرنا یہ بھی ایک قسم کا قرض ہے اور قرض کا کفیل بن سکتا ہے تو قیمت کا بھی کفیل بن سکتا ہے (۲) قیمت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا حد میں کفالہ نہیں ہے۔

تکفل عن المشتری بالثمن جاز[۱۴۴۳](۲۶) وان تکفل عن البائع بالبیع لم تصح [۱۴۴۴](۲۷) ومن استأجر دابة للحمل فان کانت بعینها لم تصح الکفالة بالحمل.

بعینہ وہی رقم دے جومشتری کے پاس ہے بلکہ اس کے مثل اپنی جانب سے بھی رقم دے سکتا ہے۔اس لئے کفیل بننا درست ہے(۲)اثر میں ہے کہ ثمن کے کفیل بننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔**عن عبد اللہ بن عمر انہ کان لا یری بالرھن والحمیل مع السلف بأسا** (الف) (سنن للبیھقی، باب جواز الرھن والحمیل فی السلف ج سادس ص ۱۹)اس اثر میں بیع میں کفیل بننے سے عبداللہ بن عمر کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (۳) بخاری میں بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے کسی سے ایک ہزار کا سامان مانگا تو بائع نے ثمن کے لئے کفیل مانگا تو انہوں نے کہا کہ اللہ اس کا کفیل ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن ابی ھریرة عن رسول اللہ ﷺ انہ ذکر رجلا من بنی اسرائیل سأل بعض بنی اسرائیل ان یسلفه الف دینار فقال ائتنی بالشھداء اشھدھم فقال کفی باللہ شھیدا قال فأتنی بالکفیل قال کفی باللہ کفیلا قال صدقت** (ب) (بخاری شریف، باب الکفالة فی القرض والدیون بالابدان وغیرھا ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثمن کے لئے کفیل بنانا جائز ہے تب ہی تو اس بزرگ سے کفیل مانگا اور انہوں نے کہا کہ اللہ اس کا کفیل کافی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں مثل اپنی جانب سے دے سکتا ہو وہاں کفیل بن سکتا ہے۔اور جہاں مثل اپنی جانب سے نہیں دے سکتا ہو بلکہ بعینہ وہی چیز دینا لازم ہو جو مکفول عنہ کے پاس ہے تو وہاں کفیل نہیں بن سکتا۔

[۱۴۴۳](۲۶)اگر بائع کی جانب سے مبیع کا کفیل بنے تو صحیح نہیں ہے۔

تشریح اگر یوں کفیل بنے کہ میں بائع پر زور دوں گا کہ وہ مبیع آپ کے حوالے ضرور کرے تب تو کفیل بننا صحیح ہے۔لیکن یوں کفیل بنے کہ وہ مبیع نہیں دے گا تو میں اپنی جانب سے مبیع دے دوں گا تو ایسا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

وجہ مبیع میں ضروری ہے کہ وہی چیز دے جو طے ہوئی ہے۔اس کی مثل دوسری چیز اپنی جانب سے دوں گا یہ صحیح نہیں ہے۔اس لئے کفیل بھی نہیں بن سکتا۔اتنا ہوگا کہ بائع مبیع حوالے نہیں کرے گا تو بیع ختم ہو جائے گی اور بائع کو قیمت میں کچھ بھی نہیں ملے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے جس چیز کی مثل نہیں دے سکتا ہو اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

[۱۴۴۴](۲۷)کسی نے سواری اجرت پر لی لادنے کے لئے، پس اگر وہ معین ہو تو لادنے کا کفالہ صحیح نہیں ہے۔

تشریح ایک آدمی نے کسی سے سواری لادنے کے لئے اجرت پر لی، پس اگر وہ جانور متعین ہو کہ اسی جانور پر لادنا ہے تو اب اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عمر بیع کے ساتھ رہن اور کفالہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (ب) حضورؐ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا تذکرہ کیا کہ انہوں نے بعض بنی اسرائیل کے آدمی سے کہا کہ ایک ہزار دینار کا سودا دے۔اس نے کہا کہ گواہ لاؤ تا کہ ان کو میں گواہ بناؤں۔کہا اللہ گواہ کے لئے کافی ہے۔پھر کہا کہ کفیل لاؤ۔کہا اللہ کفیل کے لئے کافی ہے۔اس نے کہا آپ نے سچ کہا۔

[۱۴۴۵] (۲۸) وان كانت بغير عينها جازت الكفالة[۱۴۴۶] (۲۹) ولا تصح الكفالة

وجہ کفالت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر اس نے سواری نہیں دی تو میں اپنی سواری لادنے کے لئے دے دوں گا۔اور اس صورت میں سواری متعین ہے اس لئے اپنی سواری دے نہیں سکتا اس لئے اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اسی اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے مثل نہیں دے سکتا ہو تو کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

لغت دابة : چوپایہ، سواری۔ الحمل : لادنا۔

[۱۴۴۵] (۲۸) اور اگر سواری غیر متعین ہو تو کفالہ جائز ہوگا۔

وجہ اس صورت میں اگر مکفول عنہ نے سواری لادنے کے لئے نہیں دی تو اپنی جانب سے سواری دے سکتا ہے۔کیونکہ اس صورت میں سواری متعین نہیں ہے اس لئے کفیل بننا درست ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے اس کی مثل دے سکتا ہو تو کفیل بننا درست ہے۔کیونکہ کفیل اس کی مثل دے دیگا۔

[۱۴۴۶] (۲۹) نہیں صحیح ہے کفالہ مگر مکفول لہ کے قبول کرنے سے مجلس عقد میں۔

تشریح جس مجلس میں کفیل بن رہا ہو اسی مجلس میں مکفول لہ نے قبول کیا ہو کہ ہاں میں فلاں کے کفیل بننے سے راضی ہوں تب کفالت صحیح ہوگی۔تو گویا کہ دو شرطیں ہوئیں۔ایک مکفول لہ کا قبول کرنا اور دوسری شرط یہ ہے کہ مجلس کفالت میں قبول کرے اس سے باہر قبول کرے تو کفالت صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔کوئی شریف ہوتا ہے اور کوئی شریر ہوتا ہے۔اب تک مکفول لہ کا واسطہ براہ راست مقروض سے تھا۔کفالت کے بعد اس کا واسطہ کفیل سے بھی ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ شریر ہو جس کی بنیاد پر وہ کفیل سے واسطہ نہ رکھنا چاہتا ہو۔اس لئے کفالت کی بنیاد پر کفیل سے واسطہ قائم کرنے کے لئے اس کی رضامندی اور قبول کی ضرورت ہوگی۔اس لئے مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مکفول لہ کا مطالبہ اور واسطہ نئے آدمی سے ہوگا اس لئے اس کی رضامندی ضروری ہے۔

اور مجلس میں قبول کی ضرورت اس لئے ہے کہ کفیل ایجاب کرے گا تو مجلس میں قبول کرے ورنہ اس کا ایجاب ساقط ہو جائے گا۔کیونکہ عقد کفالت کفیل کے ایجاب اور مکفول لہ کے قبول سے منعقد ہوتا ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ کفیل بننے کے لئے مکفول لہ کے قبول کی ضرورت نہیں ہے۔بغیر اس کے قبول کئے ہوئے بھی کفیل بن جائے گا۔

وجہ کفیل اپنی جانب سے رقم دینے کے لئے کہہ رہا ہے اور مکفول لہ کو فائدہ ہے کہ پہلے ایک سے مطالبہ کر سکتا تھا اب دو سے مطالبہ کرے گا۔اور دونوں میں سے کسی ایک سے وصول کرے گا۔اس لئے مکفول لہ کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۲) یہ توثق اور اعتماد کے لئے ہے کہ کفالت کی وجہ سے اس کا مال ضائع نہیں ہوگا۔اس لئے بھی مکفول لہ کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔فتوی اسی پر ہے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکفول لہ کا مجلس کفالت میں قبول کرنا ضروری نہیں بلکہ مجلس سے باہر جہاں اس کو خبر ملے اور قبول کر لے تب

الا بقبول المکفول له فی مجلس العقد[۱۴۴۷](۳۰) الا فی مسئلة واحدة و هی ان یقول المریض لوارثه تکفل عنی بما علیَّ من الدین فتکفل به مع غیبة الغرماء جاز [۱۴۴۸](۳۱) واذا کان الدین علی اثنین و کل واحد منهما کفیل ضامن عن الآخر فما

بھی کفیل بن جائے گا۔ جیسے کہ فضولی کے نکاح کو مجلس کے علاوہ جہاں خبر ملے اور قبول کرلے تب بھی نکاح ہو جاتا ہے۔اسی طرح مجلس کفالت کے علاوہ میں مکفول لہ قبول کرلے تب بھی کفالت درست ہو جائے گی۔

[۱۴۴۷](۳۰) مگر ایک مسئلہ میں وہ یہ کہ بیمار اپنے وارث سے کہے کہ میری جانب سے کفیل ہو جاؤ اس چیز کا جو میرے اوپر دین ہے، پس اس کا کفیل بن گیا قرضخواہوں کی عدم موجودگی میں تو جائز ہے۔

تشریح یہ ایک مسئلہ ایسا ہے کہ مکفول لہ کفالت کو قبول نہ کرے بلکہ مکفول لہ غائب ہو تب بھی کفالت درست ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے اور اپنے وارث سے کہتا ہے کہ مجھ پر جتنا دین ہے اس کا تم کفیل بن جاؤ اور وہ مکفول لہ کی عدم موجودگی میں کفیل بن جائے تو اس صورت میں وارث کا کفیل بنا صحیح ہے۔

وجہ یہ اصل میں کفیل بننا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں قرض خواہوں کو قرض ادا کرنے کے لئے وصیت ہے۔اور کفیل حقیقت میں وصی ہے اس لئے اس صورت میں مکفول لہ کے قبول کئے بغیر بھی کفیل بننا درست ہے (۲) یہاں مجبوری بھی ہے کیونکہ موت کے وقت تمام قرض خواہ حاضر نہیں ہوتے ہیں۔اب اگر کفیل یا وصی نہ بنایا جائے تو قرض خواہوں کا قرض ضائع ہو جائے گا۔اس لئے مکفول لہ کے قبول کئے بغیر کفیل بننا درست ہے۔

لغت الغرماء : قرض دینے والے، قرض خواہ۔

[۱۴۴۸](۳۱) اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور دونوں میں سے ہر ایک کفیل اور ضامن ہو دوسرے کا تو جو کچھ ان میں سے ایک نے ادا کیا تو وہ شریک سے وصول نہیں کرے گا یہاں تک کہ زیادہ ہو جو ادا کیا آدھے سے، پس وصول کرے گا زیادہ کو۔

تشریح دو آدمیوں پر قرض تھا۔مثلا دو آدمیوں نے ایک غلام ایک ہزار میں خریدا تھا اور دونوں پر آدھی آدھی قیمت قرض تھی یعنی پانچ پانچ سو درہم تھے۔اور دونوں ایک دوسرے کے کفیل بھی تھے۔پس ایک نے اگر آدھا قرض یعنی پانچ سو ادا کیا ہے تو یہ آدھا خود اس کے حصے کا شمار کیا جائے گا، شریک کے حصے کا شمار نہیں کیا جائے گا۔اس لئے جب تک آدھا ادا کیا تو اس میں سے کچھ شریک سے وصول نہیں کرے گا۔ہاں آدھا سے زیادہ ادا کرے تو اپنے شریک سے وصول کرے گا۔

وجہ آدھا قرض اصل ہے اور خود اپنے اوپر ذمہ داری ہے۔اور کفالت فرع ہے اور مطالبہ ہے۔اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل کا درجہ پہلے ہوتا ہے اور فرع کا درجہ بعد میں ہوتا ہے۔اس لئے آدھا جو ادا کیا وہ اصل قرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنے والے کی جانب سے ادا ہوگا۔کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا نہیں ہوگا۔اس لئے اس میں سے شریک سے کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔البتہ آدھا سے زیادہ جو کچھ ادا کیا وہ ادا

ادی احدهما لم یرجع به علی شریکه حتی یزید ما یؤدیه علی النصف فیرجع بالزیادة[١٤٤٩] (٣٢) واذا تکفل اثنان عن رجل بالف علی ان کل واحد منهما کفیل عن صاحبه فما اداه احدهما یرجع بنصفه علی شریکه قلیلا کان او کثیرا[١٤٥٠] (٣٣)

کرنے والے پر قرض نہیں ہے اس لئے طے ہے کہ وہ کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا کیا ہے اس لئے اب اس سے وصول کریگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل پہلے ادا ہوگا اور فرع اور مطالبہ بعد میں ادا ہوگا۔ اپنا قرض پہلے ادا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ادا نہ کرنے پر کافی وعید آئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن محمد بن جحش ... فقال والذی نفسی بیده لو ان رجلا قتل فی سبیل الله ثم احیی ثم قتل ثم احیی ثم قتل و علیه دین ما دخل الجنة حتی یقضی عنه دینه (الف) (نسائی شریف، باب التغلیظ فی الدین ص ٢٠٢ نمبر ٤٦٨٨) اس حدیث کی بنا پر اپنا دین پہلے ادا ہوگا (٢) حضرت ابو قتادہ کی کفالت والی حدیث میں بھی گزرا کہ آپؐ نے دین کی وجہ سے نماز جنازہ نہیں پڑھائی جب تک وہ ادا نہ ہو گیا۔

[١٤٤٩] (٣٢) اگر دو آدمی کفیل بنے ایک آدمی کی جانب سے ایک ہزار کا اس طور پر کہ ان میں ہر ایک دوسرے کا کفیل ہوگا تو جو کچھ ان میں سے ایک ادا کرے گا اس کا آدھا شریک سے وصول کرے گا تھوڑا ہو یا زیادہ۔

تشریح دو آدمی ایک آدمی کے ایک ہزار درہم کے کفیل بنے۔ پھر یہ دونوں کفیل آپس میں بھی ایک دوسرے کے کفیل بن گئے تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک کفیل جتنا ادا کرے گا اس کا آدھا اپنے شریک کفیل سے وصول کرے گا مثلا پانچ سو ادا کیا ہو تو ڈھائی سو اپنے شریک کفیل سے لے گا۔ پھر دونوں ملکر اصیل سے وصول کریں گے۔

وجہ یہاں دونوں کفیلوں پر ذاتی قرض نہیں ہے بلکہ دونوں پر کفالت ہے اور فرع ہے اس لئے دونوں فرع ہونے میں برابر ہے۔ اور چونکہ دونوں ایک دوسرے کے کفیل اور ضامن ہیں اس لئے جو کچھ ادا کیا اس کا آدھا اپنی جانب سے ادا کیا اور آدھا بطور کفالت کے شریک کی جانب سے ادا کیا۔ اس لئے آدھا اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شریک کے بجائے اصل مقروض سے وصول کرے۔ کیونکہ اصل میں تو اسی کا قرض ادا کیا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں برابر درجے کے فروع ہوں تو آدھا شریک سے وصول کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ ادا کیا اس میں سے آدھا اپنے شریک کی جانب سے بطور کفالت ادا کیا۔

[١٤٥٠] (٣٣) نہیں جائز ہے کفالہ مال کتابت کا چاہے آزاد اس کا کفیل بنے چاہے غلام۔

تشریح مکاتب نے کتابت کے لئے مولی کا قرض اپنے سر لیا۔ اس قرض کا کوئی کفیل بننا چاہے تو کفیل نہیں بن سکتا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے پھر زندہ کیا جائے پھر شہید ہو جائے پھر زندہ کیا جائے تو اس پر قرض ہو تو اس وقت تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

ولا تجوز الکفالۃ بمال الکتابۃ سواء حر تکفل بہ او عبد[۱۴۵۱] (۳۴) واذا مات الرجل وعلیہ دیون ولم یترک شیئا فتکفل رجل عنہ للغرماء لم تصح الکفالۃ عند ابی

وجہ مکاتب پر مولی کا قرض لازم نہیں ہے کیونکہ جب مکاتب مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو مکاتب سے مولی کا قرض ساقط ہو جائے گا اور مکاتب دوبارہ غلام بن جائے گا۔ پس جب اصیل پر ہی قرض لازم نہ ہو تو کفیل پر کیسے لازم ہوگا، کفیل کی کفالت تو توثق اور لزوم کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہاں مکاتب پر قرض کا لزوم ہی نہیں ہے اس لئے اس کی کفالت صحیح نہیں چاہے آزاد کفیل بنے چاہے غلام کفیل بنے (۲) اثر میں ہے۔ **عن ابن جریح قال قلت لعطاء کاتبت عبدین لی وکتبت ذلک علیھما قال لا یجوز فی عبدیک وقالھا سلیمان بن موسی قال ابن جریح فقلت لعطاء لم لایجوز؟ قال من اجل ان احدھما ان افلس رجع عبدا لم یملک منک شیئا** (الف) (سنن للبیھقی، باب حمالۃ العبید، ج عاشر، ص ۵۴۴، نمبر ۲۱۶۳۴ / مصنف عبد الرزاق، باب الحمالۃ عن المکاتب ج ثامن ص ۴۱۵ نمبر ۱۵۷۵۲) اس اثر میں ہے کہ مکاتب کا کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ عاجز ہو کر دوبارہ غلام بن جائے تو کیسے کفیل بنا درست ہوگا۔ اور دوبارہ غلام بن جانے کے لئے حضرت علیؓ کا اثر ہے۔ **عن علی قال اذا تتابع علی المکاتب نجمان فدخل فی السنۃ فلم یؤد نجومہ رد فی الرق** (ب) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷۴ من رد المکاتب اذا عجز، ج رابع ص ۳۹۹، نمبر ۲۱۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب قسط ادا نہ کر سکے تو دوبارہ غلام بن جائے گا اور قرض ساقط ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مکفول عنہ پر دین لازم نہ ہو تو اس کا کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔

[۱۴۵۱] (۳۴) اگر کوئی آدمی مر جائے اور اس پر دین ہو اور کچھ نہیں چھوڑا ہو، پس اس کی جانب سے ایک آدمی قرض خواہوں کے لئے کفیل بن جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفالہ صحیح نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔

وجہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفالت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ مکفول عنہ پر دین لازم ہو۔ اور دوسری بات یہ ہو کہ کفیل دین ادا کرنے کے بعد مکفول عنہ کے مال سے وصول بھی کر سکتا ہو۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو وہ کفیل بنا نہیں ہے بلکہ تبرع اور احسان کے طور پر اپنے اوپر قرض کا حوالہ کر لینا ہے۔ اس کو کفالت نہیں کہیں گے۔ اس مسئلہ میں مکفول عنہ مر چکا ہے اس لئے اس پر دین ادا کرنا لازم نہیں رہا۔ کیونکہ مرے ہوئے پر کیا لازم رہے گا؟ اور کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے کہ کفیل اس سے اپنا دیا ہوا قرض وصول کر سکے اس لئے یہ کفالت نہیں ہوگی۔

نوٹ حدیث میں جو ابو قتادہ کفیل بنے ہیں وہ تبرع کے طور پر حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اس حدیث کو باب اذا احال دین

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ میں نے دو غلاموں کو مکاتب بنایا اور دونوں پر لکھا بھی یعنی کفیل بنایا۔ حضرت عطاء نے فرمایا تمہارے غلام میں جائز نہیں ہے۔ حضرت جریح فرماتے ہیں کہ میں عطاء سے پوچھا کیوں جائز نہیں ہے؟ کہا اس وجہ سے کہ دونوں میں سے ایک مفلس بن جائے تو پھر وہ غلام ہو جائے گا تو آپ کو کچھ بھی نہیں ملے گا (ب) حضرت علی سے منقول ہے کہ مکاتب پر دو قسطیں جمع ہو جائیں اور اگلے سال میں داخل ہو جائیں اور قسط ادا نہ کر سکے تو واپس غلامیت میں لوٹ جائے گا۔

حنیفۃ رحمہ اللہ و عندھما تصح.

المیت علی رجل جاز میں نقل کیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مکفول عنہ میت پر دین تو لازم تھا اور اس کو ساقط کرنے والی کوئی چیز معاف کرنا یا ادا کرنا نہیں پایا گیا۔اور جب دین ثابت ہے تو اس کا کفیل بھی بن سکتا ہے۔

وجہ وہ ابو قتادہ والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ میت کی جانب سے کفیل بنے ہیں۔**عن سلمۃ بن اکوع قال کنا جلوسا عند النبی اذاتی بجنازۃ ... قال ھل ترک شیئا؟ قالوا لا قال فھل علیہ دین؟ قالوا ثلاثۃ دنانیر قال صلوا علی صاحبکم فقال ابو قتادۃ صل علیہ یارسول اللہ و علی دینہ فصلی علیہ** (الف) (بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ علی المدیون ص ۲۰۵ نمبر ۱۰۶۹) اس حدیث میں حضرت ابوقتادہ نے مدیون کی جانب سے کفالت لی ہے اور انہوں نے کچھ مال چھوڑا بھی نہیں تھا اس لئے کفیل بننا صحیح ہے۔ہم کہتے ہیں کہ یہ تبرع اور احسان کے طور پر تھا جو ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت ابوقتادہ نے رقم وصول نہیں کی۔



حاشیہ : (الف) ہم حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت ایک جنازہ لایا گیا...آپؐ نے پوچھا کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔کہا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا تین دینار۔آپؐ نے فرمایا ان پر تم لوگ نماز پڑھ لو۔پس ابوقتادہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! اس پر نماز پڑھئے اور مجھ پر اس کے دین کی ذمہ داری ہے۔پھر آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

﴿کتاب الحوالة﴾

[۱۴۵۲](۱) الحوالة جائزة بالديون [۱۴۵۳](۲) وتصح برضا المحيل والمحتال له

﴿کتاب الحوالۃ﴾

ضروری نوٹ حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ دین اصل مقروض سے کفیل کی طرف چلا جائے اور اب صرف کفیل ذمہ دار ہو۔ چونکہ اس میں قرض دوسرے کی طرف حوالہ ہو گیا اس لئے اس کو حوالہ کہتے ہیں۔ حوالہ کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال مطل الغنی ظلم واذا احلت علی ملی فاتبعه ولا تبع بیعتین فی بیعة** (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی مطل الغنی ظلم ص ۲۴۴ نمبر ۱۳۰۹/ ابن ماجہ شریف، باب الحوالۃ ص ۳۴۴ نمبر ۲۴۰۴/ بخاری شریف، باب الحوالۃ وھل یرجع فی الحوالۃ ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۷) اس حدیث میں حوالہ کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ کسی مالدار کی طرف حوالہ کیا تو اس کا پیچھا کرنا چاہئے۔

اس باب میں چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے (۱) جو آدمی قرض کا ذمہ دار یعنی کفیل بنے کہ اب میں قرض ادا کروں گا اس کو 'محتال علیہ' کہتے ہیں (۲) اور جس آدمی پر قرض تھا مدیون یعنی مکفول عنہ اس کو 'محیل' کہتے ہیں (۳) اور جس کا قرض تھا یعنی مکفول لہ اس کو 'محتال لہ' یا 'محتال' کہتے ہیں (۴) اور جس مال کا ضامن بنا یعنی مکفول بہ اس کو 'محتال بہ' کہتے ہیں۔

[۱۴۵۲](۱) حوالہ جائز ہے دین کا۔

تشریح جو قرض صحیح کسی آدمی پر ہو اس کا حوالہ کسی آدمی پر کرے تو جائز ہے۔

وجہ محتال علیہ یعنی کفیل کا اپنا مال ہے اس لئے وہ کسی کو بھی دے سکتا ہے (۲) اوپر حدیث گزری کہ کسی مالدار پر حوالہ کیا جائے تو اس کا پیچھا کرنا چاہئے (۳) خود حضرت ابو قتادہ نے اپنے اوپر میت کا حوالہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ **فقال ابو قتادة صل علیه یا رسول الله وعلی دینه فصلی علیه** (ب) (بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۹) اس لئے ان احادیث کی وجہ سے حوالہ جائز ہے۔

[۱۴۵۳](۲) حوالہ صحیح ہوتا ہے محیل اور محتال لہ اور محتال علیہ کی رضامندی سے۔

تشریح حوالہ میں تینوں آدمی راضی ہوں تو حوالہ صحیح ہوتا ہے۔ محیل یعنی مقروض محتال لہ یعنی قرض دینے والا اور محتال علیہ یعنی جو قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہو۔

وجہ محیل کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کا احسان اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا ہو اس لئے اس کی رضامندی کی ضرورت ہے۔

فائدہ بعض روایت میں ہے کہ اس کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے۔

حاشیہ (الف) حضورؐ نے فرمایا مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب مالدار ہوتے ہوئے حوالہ کیا گیا تو اس کے پیچھے لگو اور ایک بیع میں دو بیع مت کرو (ب) حضرت ابو قتادہ نے فرمایا آپؐ اس آدمی پر نماز پڑھئے مجھ پر اس کے دین کی ذمہ داری ہے۔ پھر آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

والمحتال علیه [۱۴۵۴](۳) واذا تمت الحوالة برئ المحیل من الدیون ولم یرجع المحتال له علی المحیل الا ان یتوی حقه [۱۴۵۵](۴) والتوی عند ابی حنیفة رحمه الله

وجہ کیونکہ اس کو تو اچھا ہے کہ اپنا قرض کسی اور پر چلا گیا اور دوسرا آدمی ضامن بن گیا (۲) حضرت ابوقتادہ نے میت کا قرض اپنے اوپر لیا اور بغیر میت کی رضامندی کے لیا۔ اس لئے بغیر محیل کی رضامندی کے حوالہ صحیح ہو جائے گا۔

محتال لہ کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ قرض اس کا ہے۔ اور آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ محتال لہ دوسرے آدمی یعنی محتال علیہ سے قرض وصول نہیں کرنا چاہتا ہو۔ اس لئے محتال لہ کی رضامندی کی ضرورت ہے۔ اور محتال علیہ کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس کی رضامندی کے بغیر وہ قرض کیسے ادا کرے گا؟ حضرت ابوقتادہ قرض ادا کرنے پر راضی ہوئے تب ہی میت کا قرض ان پر حوالہ ہوا۔

[۱۴۵۴] (۳) اور جب حوالہ پورا ہو جائے تو محیل قرض سے بری ہو جائے گا اور محتال لہ وصول نہیں کرے گا محیل سے مگر یہ کہ اس کا حق تلف ہو جائے۔

تشریح تینوں کی رضامندی سے حوالہ مکمل ہو گیا تو محیل یعنی اصل مقروض قرض سے بری ہو جائے گا۔ اب اس پر قرض نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ اس سے قرض منتقل ہو گیا۔ اور محتال لہ یعنی قرض دینے والا اب محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول نہیں کرے گا۔ ہاں! اگر محتال علیہ یعنی کفیل اور ضامن سے قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو تب محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول کرے گا۔

وجہ حوالہ اس امید پر کیا تھا کہ قرض خواہ کو قرض ملے گا۔ اور جب نہیں ملا تو اصل مقروض ذمہ دار ہوگا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عثمان بن عفان قال لیس علی مال امرئ مسلم توی یعنی حوالة** (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال یرجع علی المحیل لاتوی علی مال مسلم، ج سادس، ص ۱۱۷، نمبر ۱۱۳۹۱ رمصنف ابن ابی شیبة ۸۴ فی الحوالة ان یرجع فیھا، ج رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے مال میں ضیاع نہیں ہے یعنی حوالہ میں ضائع نہیں ہوگا بلکہ اصل مقروض سے وصول کرے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر چہ قرض محتال علیہ سے وصول نہ کر سکتا ہو پھر بھی محیل یعنی اصل مقروض سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ وہ حوالہ کی وجہ سے ہر اعتبار سے بری ہو گیا (۲) اثر میں ہے۔ **عن شریح فی الرجل یحیل الرجل فیتوی قال لا یرجع علی الاول** (ب) (مصنف ابن ابی شیبة ۸۴ فی الحوالة أله ان یرجع فیھا، ج رابع، ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاہے مال ضائع ہونے کا خطرہ ہو پھر بھی اول یعنی اصل مقروض سے وصول نہیں کرے گا۔

لغت التوی: حلق تلف ہونا۔

[۱۴۵۵] (۴) اور حق تلف امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو معاملوں میں سے ایک سے ہوتا ہے، یا حوالے کا انکار کر دے اور قسم کھا لے اور اس پر کوئی

حاشیہ: (الف) حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں ہے یعنی حوالہ میں ہلاکت نہیں ہے (وہ محیل سے بھی وصول کر سکتا ہے) (ب) حضرت شریح نے فرمایا آدمی حوالہ کرے پھر محتال علیہ پر ہلاکت آجائے تو فرمایا کہ اول سے وصول نہیں کر سکتا (یعنی محیل سے)۔

باحد الامرين اما ان يجحد الحوالة ويحلف ولا بينة عليه او يموت مفلسا[۱۴۵۶](۵) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله هذان الوجهان و وجه ثالث وهو ان يحكم الحاكم بافلاسه فی حال حيوته.

بینہ نہ ہو یا وہ مفلس ہو کر مر جائے۔

تشریح امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو باتوں میں سے ایک ہو تو حق تلف ہونا سمجھا جائے گا۔ پہلی بات یہ ہے کہ محتال علیہ یعنی ضامن حوالہ کا انکار کردے کہ میں نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس پر وہ قسم بھی کھالے اور قرض خواہ محتال لہ کے پاس اس پر کوئی گواہ بھی نہ ہو کہ ہاں قرض کا ذمہ دار بنا تھا۔ اب چونکہ قرض وصول کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے اس لئے اب اصل مقروض سے وصول کرے گا۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ محتال علیہ مفلس ہو کر انتقال کیا ہو۔ اب اس کے پاس کوئی چیز ہے ہی نہیں اور نہ وہ زندہ ہے کہ اس سے وصول کر سکے۔ اس لئے اب اصل مقروض یعنی محیل سے وصول کرے گا۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ مفلس مرنے سے قرض اصل مقروض کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ **عن الحكم بن عتبة قال لا يرجع فی الحوالة الى صاحبه حتى يفلس او يموت ولا يدع فان الرجل يوسر مرة ويعسر مرة** (الف) مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ الہ ان یرجع فیھا، ج رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۶) اس اثر میں ہے کہ مفلس بن کر مر جائے تو قرض اصل مقروض سے وصول کیا جائیگا۔

لغت یجحد : انکار کر جائے۔

[۱۴۵۶] (۵) امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا یہ دو وجہ اور تیسری وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ حاکم حکم لگا دے اس کی مفلسی کا اس کی زندگی میں

تشریح دو وجہ کے علاوہ تیسری یہ بھی ہے جس کی وجہ سے محتال لہ اصل مقروض یعنی محیل سے قرض وصول کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حاکم مقروض کی زندگی میں اس کے مفلس ہونے کا فیصلہ کر دے۔

وجہ (۱) ان کی دلیل اوپر کا اثر ہے جس میں ہے۔ **قال لا يرجع فی الحوالة الى صاحبه حتى يفلس** ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں محتال علیہ مفلس ہو جائے تب بھی اصل مقروض سے قرض وصول کر سکتا ہے (۲) **عن الحسن قال اذا احتال على ملى ثم افلس بعد فهو جائز عليه** (ب) (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ الہ ان یرجع فیھا؟ ج، رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زندگی میں محتال علیہ مفلس ہو جائے تو محتال لہ محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول کر سکتا ہے۔

اصول امام صاحبینؒ کے نزدیک یہ قاعدہ ہے کہ حاکم کسی کی زندگی میں افلاس کا فیصلہ کر دے تو وہ مفلس بحال رہتا ہے۔ اور جب وہ مفلس ہو گیا تو اصل مقروض سے قرض لے گا۔ اور امام اعظم کی رائے یہ ہے کہ مال کبھی آتا ہے اور کبھی چلا جاتا ہے اس لئے کسی کے افلاس کے فیصلے سے

حاشیہ : (الف) حکم بن عتبہ نے فرمایا حوالہ میں صاحب حوالہ سے وصول نہیں کرے گا یہاں تک کہ محتال علیہ مفلس ہو جائے اور کچھ نہ چھوڑے۔ اس لئے کہ آدمی کبھی مالدار ہوتا ہے اور کبھی تنگدست ہوتا ہے (ب) حسنؒ نے فرمایا اگر مالدار پر حوالہ کیا پھر وہ مفلس ہو گیا تو وہ محیل پر جائز ہو گیا۔

[۱۴۵۷] (۶) واذا طالب المحتال علیه المحیل بمثل مال الحوالة فقال المحیل احلت بدین لی علیک لم یقبل قوله وکان علیه مثل الدین [۱۴۵۸] (۷) وان طالب المحیل المحتال له بما احاله به فقال انما احلتک لتقبضه لی وقال المحتال له بل احلتنی بدین لی علیک فالقول قول المحیل مع یمینه.

وہ ہمیشہ مفلس برقرار نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کے پاس مال آنے کی امید ہے اس لئے محتال لہ دائن محتال علیہ کفیل سے ہی قرض وصول کرے گا۔

[۱۴۵۷] (۶) محتال علیہ نے محیل سے مطالبہ کیا حوالت کے مثل مال کا، پس محیل نے کہا کہ میں نے حوالہ کیا اس دین کے بدلے جو میرا آپ پر ہے تو محیل کی بات مان لی جائے گی اور اس پر دین کے برابر رقم لازم ہوگی۔

تشریح محتال علیہ نے محیل سے کہا کہ میں نے جو قرض محتال لہ کو ادا کیا ہے وہ رقم مجھے دیں۔ اس پر محیل نے کہا کہ میرا آپ پر پرانا قرض تھا اس کی وصولی کے لئے آپ پر دین کا حوالہ کیا تھا اور اس پر محیل کے پاس بینہ نہیں ہے تو محیل کی بات نہیں مانی جائے گی۔ بلکہ محتال علیہ کی بات مانی جائے گی اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے واپس لیگا۔

وجہ محتال علیہ نے قرض ادا کیا جو ظاہری ثبوت ہے کہ وہ قرض کے مطابق محیل سے رقم وصول کر لے۔ اور محیل کے پاس محتال علیہ پر قرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے بات محتال علیہ کی مانی جائے گی (۲) محیل محتال علیہ پر قرض کا دعوی کر رہا ہے اور محتال علیہ منکر ہے اس لئے محیل کے پاس بینہ نہ ہو تو منکر کی بات مانی جائے گی۔ اس لئے بھی محتال علیہ کی بات مانی جائے گی۔ اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ظاہری علامت جس کے لئے ہے اسی کی بات مانی جائے گی۔

[۱۴۵۸] (۷) اگر محیل نے محتال لہ سے مطالبہ کیا اس دین کا جو حوالت کرائی تھی۔ اور محیل نے کہا میں نے اس لئے حوالت کرائی تھی تاکہ اس قرض کو میرے قبضہ کریں۔ اور محتال لہ نے کہا کہ آپ نے حوالہ کرایا تھا اس دین کی وجہ سے جو میرا آپ پر تھا تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

تشریح محتال لہ نے محتال علیہ سے محیل پر جو قرض تھا وہ وصول کیا۔ جب وصول کر لیا تو اب محیل محتال لہ سے کہنے لگا کہ جو قرض آپ نے محتال علیہ سے وصول کیا ہے وہ مجھے دیدو۔ کیونکہ آپ کا مجھ پر کوئی قرض نہیں تھا۔ یہ تو محتال علیہ پر میرا قرض تھا اس کو وصول کرنے کے لئے آپ کو حوالہ کیا تھا۔ تاکہ محتال علیہ سے وصول کر کے مجھے دیں۔ اور محتال لہ کہتا ہے کہ میرا آپ پر قرض تھا جس کی وجہ سے آپ نے حوالہ کیا اس لئے میں وصول کیا ہوا قرض آپ کو نہیں دوں گا۔ تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

وجہ حوالہ کرنے سے ضروری نہیں ہے کہ محتال لہ کا محیل پر قرض ہو، ہوسکتا ہے کہ محتال علیہ نے قرض وصول کرنے کے لئے حوالہ بول کر محتال لہ کو وکیل بنایا ہو تاکہ وہ وکالت کے طور پر محتال علیہ سے رقم وصول کر کے محیل کو دے۔ اس لئے محیل کی بات مانی جائے گی (۲) محتال لہ محیل پر قرض

[۱۴۵۹] (۸) ویکرہ السفاتج وھو قرض استفاد بہ المقروض امن خطر الطریق.

کا دعوی کر رہا ہے اور اس کے پاس اس پر بینہ نہیں ہے اور محیل اس کا منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی۔

[۱۴۵۹] (۸) سفاتج مکروہ ہے اور وہ قرض ہے کہ اس کا دینے والا راستے کے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔

تشریح سفاتج کی شکل یہ ہے کہ مثلا لندن میں پونڈ قرض دیدے اور کہے کہ انڈیا میں یہ قرض فلاں آدمی کو واپس دے دینا۔ اور قرض لینے والا اس کو قبول کرلے تو یہ مکروہ ہے۔

وجہ قرض دینے والے کو اب یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا پونڈ ضائع ہوگا۔ کیونکہ اب جو کچھ بھی ضائع ہوگا وہ قرض لینے والے کا ہوگا۔ قرض دینے والے نے قرض دے کر یہ فائدہ اٹھایا کہ راستے کے خطرات سے محفوظ کرلیا (۲) اثر میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ **عن زینب قالت اعطانی رسول اللہ ﷺ خمسین وسقا تمرا بخیبر وعشرین شعیرا قالت فجاء نی عاصم بن عدی فقال لی ھل لک ان اوتیک ما لک بخیبر ھھنا بالمدینة فاقبضہ منک بکیلہ بخیبر فقالت لا حتی اسأل عن ذلک قالت فذکرت ذلک لعمر بن الخطاب فقال لا تفعلی فکیف لک بالضمان فیما بین ذلک** (الف) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی السفاتج، ج خامس، ص ۵۷۶، نمبر ۱۰۹۴۵) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر نے خیبر میں مال دے کر مدینہ میں لینے سے منع فرمایا (۳) اثر میں ہے۔ **عن فضالة بن عبید صاحب النبی ﷺ انہ قال کل قرض جر منفعة فھو وجہ من وجوہ الربا** (ب) (سنن للبیہقی، باب کل قرض جر منفعة فھو ربا، ج خامس، ص ۵۷۳، نمبر ۱۰۹۳۳ / مصنف ابن ابی شیبة ۷۹ من کرہ کل قرض جر منفعة ج خامس ص ۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر قرض جس سے نفع حاصل کیا گیا ہو وہ سود کی ایک قسم ہے۔ اور یہاں راستے کے خطرات سے محفوظ ہونے کا فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لئے یہ بھی سود کی ایک قسم ہوگی جس کی وجہ سے مکروہ ہے۔

نوٹ اگر بغیر شرط کے ایسا کیا کہ لندن میں قرض لیا اور ہندوستان میں ادا کیا تو مکروہ نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **ان عبد اللہ بن الزبیر کان یأخذ من قوم بمکة دراھم ثم یکتب بھا الی مصعب بن الزبیر بالعراق فیأخذونھا منہ فسئل ابن عباس عن ذلک فلم یر بہ بأسا فقیل لہ ان اخذوا افضل من دراھم قال لا بأس اذا اخذوا بوزن دراھمھم** (ج) (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی السفاتج، ج خامس، ص ۵۷۷، نمبر ۱۰۹۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بغیر شرط کے ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت زینب فرماتی ہیں کہ مجھے حضورؐ نے پچاس وسق کھجور اور بیس وسق جو خیبر میں دیئے۔ فرماتی ہیں کہ میرے پاس عاصم بن عدی آئے اور کہا کہ کیا خیبر کے بدلے میں مدینہ میں میں مال دے دوں؟ اور میں اس کے بدلے برابر کا کیل خیبر میں آپ سے قبضہ کرلوں۔ فرمانے لگی نہیں۔ جب تک میں اس کے بارے میں پوچھ نہ لوں۔ کہا اس کا تذکرہ عمر ابن خطاب کے سامنے کیا تو وہ فرمانے لگے ایسا مت کرو۔ اس لئے کہ کیا ہوگا اس ضمان کا جو راستے کے درمیان میں ہے (ب) حضورؐ کے صحابی فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ ہر وہ قرض جس کی وجہ سے نفع لے وہ سود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے (ج) عبد اللہ بن زبیر لوگوں سے مکہ مکرمہ میں درہم لیتے تھے۔ پھر اس کی تصدیق مصعب بن زبیر کے پاس عراق لکھتے تو لوگ مصعب بن زبیر سے رقم لے لیتے، پس اس کے بارے میں عبد اللہ بن عباس سے پوچھا تو انہوں نے کوئی حرج نہیں سمجھا۔ پھر ان سے کہا گیا اس سے افضل درہم لیتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر درہم کے وزن کے برابر ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

﴿ کتاب الصلح ﴾

[۱۴۶۰](۱) الصلح علی ثلثة اضرب صلح مع اقرار و صلح مع سکوت وهو ان لا یقر المدعی علیه ولا ینکر وصلح مع انکار وکل ذلک جائز.

﴿ کتاب الصلح ﴾

ضروری نوٹ صلح کے معنی مصالحت کے ہیں۔ یہ مخاصمت کی ضد ہے۔ صلح جائز ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر (الف)(آیت ۱۲۸ سورۃ النساء۴) اور حدیث ہے۔ عن براء بن عازب قال صالح النبی المشرکین یوم الحدیبیة علی ثلاثة اشیاء (ب)(بخاری شریف، باب الصلح مع المشرکین ص۳۷۱ نمبر ۲۷۰۰) اس سے بھی پتہ چلا کہ صلح جائز ہے۔ اور ابوداؤد میں ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ الصلح جائز بین المسلمین، زاد احمد الا صلحا حرم حلالا او احل حراما (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الصلح ص۱۵۸ نمبر ۳۵۹۴) اس حدیث سے بھی صلح کے جواز کا پتہ چلا۔

[۱۴۶۰](۱) صلح تین قسم پر ہے۔ اقرار کے ساتھ صلح اور چپ رہنے کے ساتھ صلح، وہ یہ ہے کہ مدعی علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار کرے اور انکار کے ساتھ صلح۔ اور یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

تشریح صلح کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں ہیں۔ لیکن ایک ہزار کے بدلے میں ایک گائے دے دیتا ہوں اس پر صلح کر لیں اور مدعی نے مان لیا تو یہ اقرار کے ساتھ صلح ہوئی۔ یا یوں کہا کہ ایک ہزار درہم ہیں لیکن آٹھ سو پر صلح کر لیں اور دو سو درہم چھوڑ دیں تو یہ بھی اقرار کے ساتھ صلح ہے اور بجنسہ صلح ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی دعوی کرے کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں، مدعی علیہ نے اس پر نہ انکار کیا اور نہ اقرار کیا خاموش رہا، پھر کہا کہ اس کے بدلے میں گائے دیتا ہوں اس پر صلح کر لیں اس پر مدعی نے مان لیا۔ یہ صلح مع السکوت ہوئی۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ نے انکار کیا کہ آپ کا مجھ پر کچھ نہیں ہے۔ بعد میں کہا کہ چلو اس کے بدلے میں ایک گائے دے دیتا ہوں۔ مدعی نے مان لیا اس کو صلح مع انکار کہتے ہیں کہ انکار کرنے کے بعد صلح کر لے۔ یہ تینوں صورتیں جائز ہے۔

وجہ اوپر والی حدیث الصلح جائز بین المسلمین سے معلوم ہوا کہ صلح جائز ہے اور یہ حدیث مطلق ہے اس لئے اس میں تینوں قسم کی صلح داخل ہیں۔ یعنی حدیث تینوں قسم کی صلح پر دال ہے (۲) صلح مع السکوت اور صلح مع انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیز آپ کی ہے تو نہیں لیکن میں دعوی کے جھمیلے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اس لئے مال دے کر اپنی جان اور عزت بچانا چاہتا ہوں۔ اور مال مدعی علیہ کا ہے اس لئے وہ اس کو خرچ کر

حاشیہ : (الف) اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے نافرمانی یا اعراض کا خوف کرے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے کہ آپس میں صلح کر لیں۔ اور صلح خیر ہے (ب) حضورؐ صلح حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین باتوں پر صلح کی (ج) آپؐ نے فرمایا مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے۔

[۱۴۶۱] (۲)فان وقع الصلح عن اقرار اعتبر فیه مایعتبر فی البیاعات ان وقع عن مال بمال[۱۴۶۲] (۳) وان وقع عن مال بمنافع فیعتبر بالاجارات [۱۴۶۳](۴) والصلح

سکتا ہے۔اس لئے صلح مع السکوت اور صلح مع انکار بھی جائز ہے

[۱۴۶۱](۲) پس اگر صلح واقع ہوا قرار سے تو اعتبار کئے جائیں گے اس میں وہ امور کہ جو اعتبار کئے جاتے ہیں خرید و فروخت میں، اگر واقع ہو مال سے مال کے بدلے میں۔

تشریح مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔مدعی علیہ نے اقرار کر لیا۔ پھر ایک ہزار کے بدلے گائے پر صلح کر لی تو دونوں طرف مال ہیں اور مدعی علیہ نے اقرار بھی کیا ہے اس لئے گویا کہ ہزار درہم کے بدلے گائے خریدی ہے۔اور مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان بیع کا معاملہ ہوا ہے۔اس لئے بیع مین جن جن امور کا اعتبار ہوتا ہے اس صلح میں بھی ان ہی امور کا اعتبار ہوگا۔مثلا اگر زمین بکتی تو اس میں شفیع کو حق شفعہ ہوگا۔اس صلح میں بھی حق شفعہ ہوگا۔اگر گائے میں کوئی عیب ہو تو خیار عیب کے ماتحت گائے بائع کو واپس کر سکتا ہے۔اگر مدعی یا مدعی علیہ میں سے کسی خیار شرط لیا ہو تو خیار شرط کے ماتحت واپس کر سکتا ہے۔اگر مدعی نے گائے مبیع کو دیکھا نہ ہو تو خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کر سکتا ہے **وجہ** اقرار کے بعد صلح ہوئی ہے تو گویا کہ مدعی مشتری ہوا اور مدعی علیہ بائع ہوا۔اور دونوں کے درمیان بیع و شراء کا معاملہ ہوا۔اس لئے جن امور کا اعتبار بیع و شراء میں ہوتا ہے ان ہی امور کا اعتبار اس صلح میں ہوگا جس کی مثال اوپر گزر گئی (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عمر ابن سلمة عن ابیه قال صولحت امرأة عبد الرحمن من نصیبها ربع الثمن علی ثمانین الفا** (الف)سنن للبیہقی، باب صلح المعاوضة وانه بمنزلة البیع یجوز فیه مایجوز فی البیع ولا یجوز فیه مالا یجوز فی البیع، ج سادس،ص۱۰۷،نمبر۱۱۳۵۵)اس اثر میں اپنے حصے پر اسی ہزار درہم پر صلح کی جو بیع کی طرح ہے

[۱۴۶۲](۳)اور اگر صلح واقع ہو مال سے نفع کے بدلے میں تو اعتبار کیا جائے گا اجرت کا۔

تشریح اور اگر ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف نفع ہے تو اس صلح پر اجرت کے احکام جاری ہوں گے۔مثلا مدعی نے دعوی کیا کہ میرا تم پر ایک ہزار ہے۔مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا پھر کہا اس کے بدلے میں ایک ماہ تک آپ کا فلاں کام کر دوں گا۔تو مدعی کی جانب سے ایک ہزار مال ہے اور مدعی علیہ کی جانب سے کام اور منافع ہیں تو یہ اجرت کی شکل ہوگئی۔اور اس صلح میں اجرت کے تمام امور کی رعایت کی جائے گی۔مثلا نفع دینے کی مدت تعیین کی جائے گی۔دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو صلح باطل ہو جائے گی کیونکہ اجرت میں بھی ایسا ہوتا ہے

اصول صلح عن الاقرار بیع یا اجارہ کی طرح ہوتی ہے۔

[۱۴۶۳](۴)اور چپ رہنے کے بعد صلح اور انکار کرنے کے بعد صلح مدعی علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے کے لئے اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوتی ہے۔اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے درجے میں ہے۔

تشریح مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔مدعی علیہ اس پر چپ رہا یا انکار کر دیا۔پھر ایک گائے پر صلح کر لی تو یہ صلح مدعی علیہ کے حق

حاشیہ : (الف)عمر بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی بیوی نے اپنے حصے چوتھائی حصے کو اسی ہزار درہم پر صلح کی۔

عن السكوت والانكار فی حق المدعی علیه لافتداء اليمين وقطع الخصومة وفی حق المدعی بمعنی المعاوضة[۱۴۶۴] (۵) واذا صالح عن دار لم يجب فيها الشفعة[۱۴۶۵] (۶) واذا صالح علی دار وجبت فيها الشفعة.

میں ایسا مانا جائے گا کہ مدعی علیہ پر کچھ نہیں تھا۔ البتہ مقدمہ کے جھمیلے سے چھوٹنے کے لئے اور قسم کھانے سے بچنے کے لئے اپنا مال فدیہ کے طور پر دے دیا۔ حقیقت میں اس پر کچھ بھی لازم نہیں تھا۔

وجہ اس نے انکار کیا تھا یا چپ رہا تھا اور مدعی نے گواہ کے ذریعہ اس پر کچھ ثابت نہیں کیا ہے اس لئے حقیقت میں مدعی علیہ پر کچھ لازم نہیں ہوا۔ اور جو کچھ صلح کے طور پر دیا وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے دیا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ انکار کے باوجود دنیا میں بھائیوں سے صلح کر لینی چاہئے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من كانت له مظلمته لاخيه من عرضه او شیء فليتحلله منه اليوم قبل ان لا يكون دينار ولا درهم** (الف) (بخاری شریف، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل فحللہا لہ ھل یبین مظلمتہ؟ ص نمبر ۲۴۴۹) اس حدیث میں ہے کہ اس دنیا میں بھائیوں پر کئے ہوئے ظلم کو حلال کر لینا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ظلم میں آدمی انکار ہی کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس پر صلح کرنے کی ترغیب دی اس لئے انکار کے باوجود صلح کر سکتا ہے۔ اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے معنی میں ہے۔

وجہ کیونکہ مدعی یہ سمجھ رہا ہے کہ میری چیز مدعی علیہ پر تھی اس کے بدلے میں اس کی چیز لے رہا ہوں۔

[۱۴۶۴] (۵) اگر صلح کی گھر سے تو اس میں شفعہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح مدعی نے مدعی علیہ پر دعوی کیا کہ یہ گھر میرا ہے۔ مدعی علیہ نے انکار کیا یا چپ رہا۔ پھر اس گھر کے عوض میں کچھ روپیہ دے کر صلح کر لی تو اس گھر میں کسی کا حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ مدعی علیہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ گھر پہلے سے میرا ہی ہے۔ یہ تو جھگڑا مٹانے کے لئے روپیہ دے رہا ہوں۔ اس روپے کے بدلے گھر نہیں خرید رہا ہوں۔ تو چونکہ گھر کو خریدنا نہیں پایا گیا اس لئے اس میں شفعہ نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں خریدنا پایا جائے گا وہاں جائداد میں حق شفعہ ہوگا۔ جہاں خریدنا نہیں پایا جائے وہاں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۱۴۶۵] (۶) اور اگر صلح کی گھر پر تو اس میں شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر ایک ہزار درہم ہیں۔ مدعی علیہ چپ رہا یا انکار کیا پھر ایک ہزار درہم کے بدلے ایک گھر دے کر صلح کر لی تو اس گھر پر حق شفعہ ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی پر بھائی کی جانب سے ظلم ہو اس کی عزت کے بارے میں یا کسی اور چیز کے بارے میں تو اس کو آج حلال کر لینا چاہئے۔ اس دن سے پہلے کہ نہ دینار ہو اور نہ درہم۔

[۱۴۶۶] (۷) واذا کان الصلح عن اقرار فاستحق بعض المصالح عنه رجع المدعی علیه بحصة ذلک من العوض[۱۴۶۷] (۸) واذا وقع الصلح عن سکوت او انکار فاستحق المتنازع فیه رجع المدعی بالخصومة ورد العوض وان استحق بعض ذلک رد حصته

وجہ مدعی اس گھر کو اپنے ہزار درہم کے بدلے لے رہا ہے۔اس مدعی کے حق میں گھر کو ہزار درہم کے بدلے خریدنا پایا گیا اس لئے گھر میں شفعہ ہوگا۔

اصول اوپر گزر گیا۔

[۱۴۶۶] (۷) اگر اقرار کے بعد صلح ہوئی ہو پھر مستحق نکل گیا صلح کی چیز کے بعض حصے میں تو واپس لے لے مدعی علیہ اس حصے کے موافق عوض سے۔

تشریح اس مسئلہ کو مثال سے سمجھیں۔مثلا عمر کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔زید مدعی نے دعوی کیا کہ یہ مکان میرا ہے عمر مدعی علیہ نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔پھر ایک گائے دے کر صلح کر لی۔پھر بعد میں مکان جو مصالح عنہ تھا یعنی جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی اس میں سے آدھا حصہ دوسرے کا نکل آیا تو عمر زید سے اپنی دی ہوئی گائے کا آدھا حصہ واپس لے گا۔

وجہ صلح کی تو یہ خرید وفروخت کی طرح ہوگئی۔اس لئے مبیع یا ثمن کا مستحق نکل گیا تو سامنے والے سے وصول کرے گا۔یہاں مکان کا آدھا حصہ مستحق نکل گیا تو گائے جو اس کی قیمت تھی اس کا آدھا زید سے واپس لے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اقرار کے بعد صلح بیع کی طرح ہے۔

[۱۴۶۷] (۸) اور اگر صلح واقع ہو چپ رہنے کے بعد یا انکار کے بعد پھر متنازع فیہ چیز کا کوئی حقدار نکل آئے تو مدعی مقدمہ کر کے وصول کرے گا۔اور عوض واپس کرے گا۔اور اگر اس میں سے بعض کا مستحق نکل گیا تو مقدمہ سے اس میں وصول کرے گا۔

تشریح اس مسئلہ کو بھی مثال سے سمجھیں۔مثلا عمر کے قبضہ میں ایک مکان تھا۔زید نے دعوی کیا کہ یہ مکان میرا ہے۔عمر اس پر چپ رہا یا انکار کیا۔بعد میں عمر مدعی علیہ نے گائے دے کر صلح کر لی۔اس کے بعد مکان کسی اور کا مستحق نکل گیا تو عمر مدعی علیہ زید مدعی سے اپنی گائے واپس لے گا اور زید مدعی اب مستحق سے مقدمہ کر کے اس کے استحقاق کو ختم کرائے گا یا وہ حقدار کو حق دے گا۔

وجہ عمر مدعی علیہ اگر چہ چپ رہا تھا یا انکار کیا تھا لیکن اس نے زید کو مکان کے بدلے گائے اس لئے دی تھی کہ مکان کا کوئی حقدار نہ نکلے اور مکان بغیر خصومت کے اس کے پاس موجود رہے۔یہاں تو حقدار بھی نکل گیا اور خصومت میں بھی پڑنا پڑا جس کی وجہ سے گائے دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔اس لئے زید سے گائے واپس لے گا۔اور اب زید حقدار سے نمٹیگا۔کیونکہ حقدار اب مدعی علیہ عمر کے درجے میں ہو گیا۔اس لئے اسی سے خصومت کر کے یا اپنا حق واپس لے گا یا قاضی فیصلہ کرے گا تو اس کا حق حقدار کے پاس جائے گا (۲) یہاں بھی بیع کی طرح معاملہ ہو جائے گا اور عمر کی مبیع (مکان) سالم نہیں رہا اس لئے اپنی قیمت گائے زید سے واپس لے گا۔

ورجع بالخصومة فيه[۱۴۶۸] (۹) وان ادعى حقا فى دار ولم يبينه فصولح من ذلك على شىء ثم استحق بعض الدار لم يرد شيئا من العوض لان دعواه يجوز انيكون فيما بقى[۱۴۶۹] (۱۰) والصلح جائز من دعوى الاموال والمنافع وجناية العمد والخطأ

اورآدھا مکان مستحق نکلا تھا تو آدھی گائے عمر کو واپس دے گا۔اورآدھا مکان زید مستحق سے مقدمہ کرکے واپس لے گا۔

اصول اوپر گزر گیا۔

لغت المتنازع فیہ : اس سے مراد وہ مکان ہے جس میں زید،عمر اور بعد میں مستحق جھگڑا کرتے رہے اور جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی۔ رجع المدعی بالخصومۃ : سے مراد زید مدعی ہے جو مستحق پر مقدمہ کرکے اپنا حصہ وصول کرے گا۔ ردالعوض : مکان،مصالح عنہ کے عوض میں عمر نے جو گائے دی تھی وہ گائے زید عمر کی طرف سے واپس لے گا۔

[۱۴۶۸](۹)اگر مدعی نے گھر میں حق کا دعوی کیا اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔پس صلح کی اس کے بدلے میں کسی چیز پر، پھر مستحق نکل گیا بعض گھر کا تو عوض میں سے کچھ واپس نہین کرے گا۔اس لئے کہ اس کا دعوی جائز ہے کہ فیما بقی مین ہو۔

تشریح مثلا زید نے عمر سے کہا کہ تمہارے قبضے کے گھر میں میرا حق ہے۔لیکن کتنا حق ہے یہ بیان نہیں کیا۔پھر عمر نے زید کو گائے دے کر صلح کی۔بعد میں اس مکان میں کسی کا کچھ حق نکل گیا تو عمر زید سے گائے واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ کیونکہ جو کچھ مکان میں سے عمر کے پاس باقی رہ گیا ہے زید کہہ سکتا ہے کہ اتنا ہی حق میرا تھا جو تمہارے پاس رہ گیا ہے اور اسی پر صلح کرکے گائے لی ہے۔ہاں اگر پورا مکان کسی کا مستحق نکل گیا تو عمر اب زید سے گائے واپس لے سکتا ہے۔کیونکہ جب پورا مکان کسی کا حق نکل گیا تو معلوم ہوا کہ زید کا تھوڑا حصہ بھی مکان میں نہیں تھا اور اس نے عمر سے جو گائے لی تھی وہ بغیر کسی حق کے لی تھی۔اس لئے عمر زید سے اپنی دی ہوئی گائے واپس لے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مدعی اور مدعی علیہ کی باتوں میں جوڑ پیدا ہو سکتا ہو تو کر دیا جائے گا ورنہ بعد میں فیصلہ ہوگا۔

[۱۴۶۹](۱۰)صلح جائز ہے مال کے دعوی سے اور منافع کے دعوی سے۔جنایت عمد اور جنایت خطا کے دعوی سے۔اور نہیں جائز ہے حد کے دعوی سے۔

تشریح کسی نے مال کا دعوی کیا۔اس کے بدلے میں کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے۔اور یہ بیع کے درجے میں ہوگی۔یا منافع کا کسی نے دعوی کیا اور اس کے بدلے میں کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے۔اور یہ صلح اجارہ کے درجے میں ہوگی۔ان دونوں کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔جنایت عمد کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے جان بوجھ کر کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر عضو کاٹنے کا قصاص تھا۔اس قصاص کے بدلے میں دونوں نے مال پر صلح کر لی تو جائز ہے۔اور جنایت خطا کی صورت یہ ہے کہ غلطی سے کسی نے کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر دیت کا مال واجب تھا۔لیکن بعد میں قاطع اور مقطوع نے کم مال پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے۔

و لا یجوز من دعوی حد.

وجہ قاطع کا مال ہے وہ خرچ کر کے اپنا عضو بچا سکتا ہے۔اور مقطوع کو حق ہے کہ قصاص معاف کر کے مال پر راضی ہو جائے (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ **یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمة** (الف) (آیت ۱۷۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ قصاص اور جنایت عمد معاف کر سکتا ہے اور اس کے بدلے میں کچھ لے سکتا ہے۔تو اسی پر قیاس کر کے جنایت خطا کے بدلے میں بھی کچھ لے سکتا ہے اور صلح کر سکتا ہے (۳) جنایت اور دیت کو معاف کر کے صلح کرنے پر یہ حدیث دال ہے۔ **ان انسا حدثهم ان الربیع وهی ابنة النضر کسرت ثنیة جاریة فطلبوا الارش وطلبوا العفو فابوا فاتوا النبی ﷺ فامرهم بالقصاص فقال انس بن النضر اتکسر ثنیة الربیع یا رسول الله؟لا والذی بعثک بالحق لا تکسر ثنیتها فقال یا انس کتاب الله القصاص فرضی القوم وعفوا فقال النبی ﷺ ان من عباد الله من لو اقسم علی الله لابرأه** (ب) (بخاری شریف، باب الصلح فی الدیۃ ص ۳۷۲ نمبر ۲۷۰۳) اس حدیث میں قصاص کو معاف کر کے ارش پر صلح کی۔جس سے صلح کے جواز کا پتہ چلا۔

اور حد کو جلدی ثابت نہ کیا جائے بلکہ تھوڑے سے شبہ کی وجہ سے ساقط کر دیا جائے۔لیکن جب حد ثابت ہو جائے تو نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ اس کے بدلے رقم لے کر صلح کر سکتا ہے۔

وجہ حد اصل میں اللہ کا حق ہے۔اور اللہ کا حق اللہ ہی معاف کر سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں۔اس لئے نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ اس پر صلح کر سکتا ہے (۲) صلح نہ کرنے اور معاف نہ کرنے پر وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں حضورؐ کے پاس سفارش کے لئے حضرت اسامہ آئے تو آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ بھی چراتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشة ان قریشا اهمتهم المرأة المخزومیة التی سرقت ... فقال یا ایها الناس انما ضل من کان قبلکم انهم کانوا اذا سرق الشریف ترکوه واذا سرق الضعیف فیهم اقاموا علیه الحد وایم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد یدها** (الف) (بخاری شریف، باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان ص ۱۰۰۳ نمبر ۶۷۸۸) اس حد میں حد سے سفارش کرنے پر آپؐ نے ناراضگی

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتول کے بارے میں۔آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے، پس اگر بھائی کی جانب سے کچھ معاف کر دیا جائے تو باقی میں معروف کے ساتھ تقاضا کیا جائے گا۔اور اس کی طرف احسان کے ساتھ ادا کرنا ہوگا۔یہ تمہارے رب کی جانب سے تخفیف ہے اور رحمت ہے (ب) ربیع بنت نضر فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک باندی کا دانت توڑا۔پس لوگوں نے ارش مانگا اور معافی طلب کی۔تو انکار کیا، پس وہ حضورؐ کے پاس آئے، پس ان کو قصاص کا حکم دیا۔پس انس بن نضر نے فرمایا اے اللہ کے رسول! کیا ربیع کا دانت توڑیں گے؟ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، آپؐ اس کے دانت کو نہیں توڑیں گے۔آپؐ نے فرمایا اے انس! اللہ کا فرض تو قصاص ہے۔پھر قوم راضی ہو گئی اور معاف کر دیا۔آپؐ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو قسم کھا لے تو اللہ اس کو بری کر دیتے ہیں (ج) قریش کو مخزومیہ عورت کے بارے میں فکر ہوئی جس نے چوری کی تھی...پس آپؐ نے فرمایا اے لوگو! تم لوگوں سے پہلے جو لوگ گمراہ ہوئے ہیں ان کے یہاں یہ تھا کہ جب شریف لوگ چراتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کمزور چراتے تو اس پر حد قائم کرتے۔خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چراتی تو محمد اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔

[۱۴۷۰](۱۱) واذا ادعی رجل علی امرأۃ نکاحا وھی تجحد فصالحته علی مال بذلته حتی یترک الدعوی جاز وکان فی معنی الخلع[۱۴۷۱] (۱۲) واذا ادعت امرأۃ نکاحا علی رجل فصالحها علی مال بذلہ لها لم یجز [۱۴۷۲](۱۳) وان ادعی رجل علی رجل

کا اظہار فرمایا۔اس لئے ثابت ہونے کے بعد اس پر صلح نہیں ہو سکتی۔

اصول یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ حقوق انسانی پر صلح ہو سکتی ہے، حقوق اللہ پر صلح نہیں ہو سکتی۔

[۱۴۷۰](۱۱) ایک آدمی نے ایک عورت پر نکاح کا دعوی کیا اور وہ انکار کرتی ہے۔ پھر عورت نے مرد سے مال پر صلح کی جس کو اس نے خرچ کیا تا کہ مرد دعوی چھوڑ دے تو جائز ہے اور یہ صلح خلع کے حکم میں ہے۔

تشریح ایک آدمی نے ایک عورت پر دعوی کیا کہ اس سے میرا نکاح ہوا تھا۔لیکن عورت اس سے نکاح ہونے کا انکار کرتی ہے۔ بعد میں جان چھڑانے کے لئے کچھ دے کر مرد سے صلح کر لی تا کہ مرد نکاح کا دعوی چھوڑ دے تو عورت کا دینا جائز ہے۔

وجہ عورت مقدمہ سے جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہی ہے۔ چونکہ اس کا مال ہے۔اس لئے جان چھڑانے کے لئے مال خرچ کر سکتی ہے (۲) عورت کی جانب سے یہی سمجھا جائے گا (۲) مرد کی جانب سے یوں سمجھا جائے گا کہ نکاح ہوا تھا اور عورت گویا کہ خلع کی اور خلع کے طور پر یہ رقم مجھے دی ہے۔اس لئے اس کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے

[۱۴۷۱](۱۲) اور اگر دعوی کیا عورت نے نکاح کا مرد پر، پس مرد نے عورت سے صلح کی مال پر جس کو مرد نے عورت کے لئے خرچ کیا تو عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

تشریح اس مسئلہ میں مسئلہ نمبر ۱۱ سے الٹا ہے۔ وہ یہ کہ عورت نے دعوی کیا کہ میرا اس مرد سے نکاح ہوا ہے۔اور مرد نے اسکا انکار کیا۔ بعد میں عورت کو مال دے کر صلح کر لی تا کہ جان چھوٹ جائے تو عورت کے لئے مال لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ مرد تو سمجھ رہا ہے کہ جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہا ہوں۔اب عورت جو لے رہی ہے وہ کس اعتبار سے لے رہی ہے۔اگر یہ سمجھ کر لے رہی ہے کہ نکاح ہوا تھا اور جدا ہونے اور فرقت کے لئے لے رہی ہوں تو جدائیگی کے لئے مرد کی جانب سے کوئی مال نہیں ہوتا۔اور اگر یہ سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہی نہیں ہوا تھا ویسے ہی مال لے رہی ہوں تو ویسے بغیر نکاح کے مال لینا جائز نہیں۔اس لئے عورت کے لئے یہ مال لینا جائز نہیں ہے۔

نوٹ ایک نسخے میں ہے کہ عورت کے لئے مال لینا جائز ہے اور اس کی تاویل یہ ہوگی کہ عورت سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہوا ہے اور مرد صلح کے طور پر جو مال دے رہا ہے یہ مہر میں زیادتی ہے۔یعنی مہر ہی گویا کہ زیادہ کر کے دے رہا ہے۔

[۱۴۷۲](۱۳) اگر کسی آدمی نے کسی آدمی پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے۔ پس اس نے مال پر صلح کی جو اس کو دے دیا تو جائز ہے۔اور یہ مدعی کے حق میں مال پر آزادگی کے حکم میں ہوگا۔

انہ عبدہ فصالحہ علی مال اعطاہ جاز وکان فی حق المدعی فی معنی العتق علی مال

[۱۴۷۳](۱۴) وکل شیء وقع علیہ الصلح وھو مستحق بعقد المداینة لم یحمل علی المعاوضة وانما یحمل علی انہ استوفی بعض حقہ واسقط باقیہ کمن لہ علی رجل الف

تشریح ایک آدمی نے ایک آدمی پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے۔اس نے انکار کیا،بعد میں کچھ دے کر صلح کر لی تو مدعی کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے۔

وجہ غلام تو یہ سمجھ کر دے رہا ہے کہ میں جان چھڑانے کے لئے دے رہا ہوں۔اور مدعی کے حق میں یوں سمجھا جائے گا کہ یہ واقعی اس کا غلام تھا اور مدعی نے صلح کا مال لے کر اس کو آزاد کیا۔اور مال لے کر آزاد کرنا جائز ہے۔اس لئے مدعی کا مال لینا جائز ہے۔

اصول پہلے گزر چکا ہے کہ جہاں جہاں مدعی اور مدعی علیہ میں جوڑ ہوسکتا ہو تو بات مان لی جائے گی اور جہاں جوڑ نہ ہوسکتا ہو تو الگ فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۴۷۳](۱۴) ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہوا اور اس میں وہ دین کے عقد سے مستحق ہو تو وہ معاوضہ پر حمل نہیں کیا جائے گا بلکہ حمل کیا جائے گا اس بات پر کہ بعض حق کو لیا اور باقی کو ساقط کر دیا۔جیسے کسی کا کسی آدمی پر ہزار درہم عمدہ ہوں،پس اس سے صلح کی پانچ سو کھوٹے پر تو جائز ہے۔اور ہو گیا گویا کہ اس کو بری کر دیا بعض حق سے۔

تشریح عقد مداینت کا مطلب یہ ہے کہ درہم،دینار وغیرہ قرض دیا ہو یا کوئی چیز درہم،دینار کے بدلے بیچی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو۔اب درہم یا دینار قرض کے بدلے صلح کرنا چاہتا ہے تو اگر عدد کے اعتبار سے یا صفت کے اعتبار سے یا مدت کے اعتبار سے کم اور گھٹیا پر صلح کر رہا ہو تو اس کو درہم کے بدلے درہم شمار نہیں کریں گے اور معاوضہ نہیں کہیں گے۔کیونکہ معاوضہ کہیں گے تو برابر سرابر ہونا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔اس لئے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی نے کچھ حق لیا اور کچھ ساقط کر دیا۔مثلا کسی آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار عمدہ درہم قرض تھے۔اس نے پانچ سو گھٹیا اور کھوٹا درہم پر صلح کی تو یوں سمجھا جائے گا کہ عدد کے اعتبار سے باقی پانچ سو چھوڑ دیا اور صفت کے اعتبار سے عمدہ کو ساقط کر کے گھٹیا لیا۔یوں نہیں کہیں گے کہ ایک ہزار درہم کے بدلے پانچ سو درہم لیا۔اگر ایسا کہیں تو سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔

وجہ عدد کے اعتبار سے قرض ساقط کرنے کا ثبوت یہ حدیث ہے۔**عن کعب ابن مالک انہ کان لہ علی عبد اللہ بن ابی حدرد الاسلمی مال فلقیہ فلزمہ حتی ارتفعت اصواتھا فمر بھما النبی ﷺ فقال یا کعب فاشار بیدہ کانہ یقول النصف فاخذ نصف مالہ علیہ وترک نصفا** (الف)(بخاری شریف،باب ھل یشیر الامام بالصلح ص ۳۷۲ نمبر ۲۷۰۶)اس حدیث میں حضرت کعب نے حضور ؐ کے کہنے پر آدھے دین پر صلح کر لی۔اور حدیث میں **ترک نصفا** سے معلوم ہوا کہ آدھا چھوڑ دیا۔

حاشیہ : (الف) کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ اس کا عبد اللہ بن حدرد پر کچھ مال تھا،پس حضرت کعب نے ان سے ملاقات کی اور اس کے پیچھے لگ گئے۔یہاں تک کہ دونوں کی آواز بلند ہوگئی۔پس وہاں سے حضور گزرے اور کہا اے کعب ! اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔گویا کہ فرما رہے ہیں کہ آدھا قرض لے لو۔پس اس پر کا آدھا مال لیا اور آدھا چھوڑ دیا۔

درهم جياد فصالحه على خمس مائة زيوف جاز وصار كانه ابرأه عن بعض حقه [۱۴۷۴] (۱۵) ولو صالحه على الف مؤجلة جاز وكانه اجل نفس الحق[۱۴۷۵] (۱٦) ولو صالحه على دنانير الى شهر لم يجز[۱۴۷٦] (۱۷) ولو كان له الف مؤجلة فصالحه

[۱۴۷۴] (۱۵) اور اگر صلح کی ہزار تاخیر پر تو یہ بھی جائز ہے۔ گویا کہ اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا۔

تشریح کسی کا کسی پر ایک ہزار جلدی والا تھا۔ لیکن تاخیر کے ساتھ دینے پر صلح کر لی تو اگر معاوضہ قرار دیتے ہیں تو ہزار پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ تو سود لازم آئے گا۔ کیونکہ ہزار ہزار کے بدلے ہو تو مجلس پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی کا حق تو جلدی کا تھا لیکن اس نے اپنا حق چھوڑ دیا اور تاخیر کے ساتھ دینے پر راضی ہو گیا۔

وجہ تاخیر کرنے کے لئے اس حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ **عن جابر بن عبد الله انه اخبره ان اباه توفی وترک علیه ثلاثین وسقا لرجل من الیهود فاستنظره جابر فابی ان ینظره فکلم جابر رسول الله لیشفع له الیه فجاء رسول الله وکلم الیهودی لیأخذ ثمر نخله بالتی له فابی** (الف) (بخاری شریف، باب اذا قاص او جازفہ فی الدین تمرا بتمر او غیرہ ص ۳۲۲ نمبر ۲۳۹٦) اس حدیث میں حضرت جابر نے دین کو مؤخر کرنے کی درخواست کی لیکن یہودی نے نہیں مانا جس سے معلوم ہوا کہ قرض کو مؤخر کرنے پر صلح کی جا سکتی ہے۔

[۱۴۷۵] (۱٦) اور اگر صلح کی دینار پر ایک مہینہ کی تاخیر کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

تشریح کسی آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار درہم فوری قرض تھے۔ اس نے ایک مہینہ کی تاخیر کے ساتھ کچھ دینار پر صلح کر لی تو یہ جائز نہیں ہے

وجہ واجب تو درہم تھے دینار تو نہیں تھے۔ اس لئے درہم کے بدلے دینار پر صلح کی یہ اسقاط نہیں ہوا، بدلہ ہوا۔ اب درہم کے بدلے دینار ہوا تو دونوں ثمنین ہیں اس لئے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے اور صلح کر لی مہینہ کی تاخیر پر جو سود ہے۔ اس لئے اس صورت میں مہینہ کی تاخیر پر صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن شکلوں میں معاوضہ سود واقع ہو جائے وہ صلح جائز نہیں ہے۔

نوٹ اگر ایک مہینہ کی تاخیر نہ کرتا اور فوری طور پر درہم کے بدلے کچھ دینار صلح کر لیتا اور مجلس میں دینار پر قبضہ کر لیتا تو جائز ہو جاتا۔ کیونکہ درہم کے بدلے دینار کم وبیش کر کے لے سکتا ہے۔ البتہ مجلس مین قبضہ کرنا ضروری ہے تا کہ سود نہ ہو۔

[۱۴۷٦] (۱۷) اور اگر کسی کا ہزار تاخیر کے ساتھ ہوں، پس اس سے صلح کر لی پانچ سو فوری پر تو جائز نہیں ہے۔

تشریح کسی کا کسی پر ایک ہزار درہم تھے۔ لیکن تاخیر کے ساتھ ادا کرنے کی شرط تھی۔ پھر اس نے پانچ سو درہم پر صلح کر لی۔ لیکن جلدی ادا

حاشیہ : (الف) جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد کا انتقال ہوا اور ان پر یہودی کے ایک آدمی کا تیس وسق کھجور قرض چھوڑا۔ پس حضرت جابر نے مہلت مانگی۔ پس یہودی نے انکار کیا۔ پھر حضرت جابر نے حضورؐ سے بات کی تا کہ سفارش کرے۔ پس حضور آئے اور یہودی سے بات کی اپنے قرض کے بدلے ایک کھجور کے درخت کا پھل لے لے۔ لیکن یہودی نے انکار کیا۔

علی خمس مائة حالة لم یجز[۱۴۷۷] (۱۸) ولو کان له الف درهم سود فصالحه علی خمس مائة بیض لم یجز[۱۴۷۸] (۱۹) ومن وکل رجلا بالصلح عنه فصالحه لم یلزم

کرنے کی شرط لگائی تو جائز نہیں ہے۔

وجہ تاخیر کی قیمت کم ہے اور جلدی ادا کرنے کی قیمت زیادہ ہے۔ پس جب تاخیر کے بدلے جلدی ادا کرنے کی شرط لگائی تو چاہے ہزار کے بدلے پانچ سو لیا لیکن تاخیر کے بدلے جلدی لیا تو اسقاط کرنا اور معاف کرنا نہیں ہوا بلکہ بدلہ اور معاوضہ ہو گیا۔ اور درہم کے بدلے درہم ہوں تو برابر ہونا چاہئے۔ کم وبیش کرنا سود ہے اس لئے جائز نہیں ہوگا (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔ عن ابی صالح عبید مولی السفاح انه اخبره انه باع بزا من اصحاب دار بحلة الی اجل ثم اراد الخروج فسألهم ان ینقذوه ویضع عنهم فسأل زید بن ثابت عن ذلک فقال لا امرک ان تأکل ذلک ولا توکله (الف) مدونۃ مالک ج ثالث ص ۱۹۱/اعلاء السنن نمبر ۵۲۰۷)۔

اصول اوپر گزر گیا کہ سود کی شکل ہو تو صلح جائز نہیں ہے۔

لغت مؤجلة : تاخیر کے ساتھ۔ حالة : جلدی کے ساتھ، فوری طور پر، فی الحال۔

[۱۴۷۷] (۱۸) اگر کسی کا ہزار درہم کھوٹے تھے، پس پانچ سو عمدہ درہموں پر صلح کی تو جائز نہیں ہے۔

وجہ کھوٹے درہم کی قیمت کم ہے اور عمدہ درہم کی قیمت زیادہ ہے اس لئے جب کھوٹے کے بدلے عمدہ لیا تو اسقاط نہیں کیا بلکہ بدلہ کیا اور معاوضہ کیا اور درہم کے بدلے میں درہم ہو تو برابر ہونا چاہئے ورنہ تو سود ہوگا۔ یہاں ہزار کے بدلے پانچ سو درہم ہیں اس لئے سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

اصول اوپر گزر گیا کہ سود کی شکل مین صلح جائز نہیں۔

لغت سود : کالا، کھوٹا درہم۔ بیض : سفید، عمدہ درہم، کھرا درہم۔

[۱۴۷۸] (۱۹) کسی نے کسی آدمی کو اپنی جانب سے صلح کرنے کا وکیل بنایا، پس وکیل نے صلح کی تو وکیل کو لازم نہیں ہوگی وہ چیز جس پر صلح ہوئی، مگر یہ کہ وکیل اس کا ضامن بن جائے اور مال موکل پر لازم ہے۔

تشریح صلح کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ صلح جس میں صلح کے ذریعہ اپنے کچھ حقوق ساقط کرنا ہے۔ جیسے ہزار روپے قرض تھے اس میں کچھ ساقط کر کے پانچ سو روپے لئے۔ یا قتل عمد کیا تھا جس کی وجہ سے قصاص لازم تھا اور اس کو ساقط کر کے کچھ رقم لینی ہے تو اسقاط کی صورتوں میں صلح کرنے کا وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور صرف موکل کی بات پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے صلح کے مال کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوگی۔ بلکہ مال کی ذمہ داری موکل پر ہوگی۔ ہاں! وکیل صلح کے مال کا ضامن ہو جائے تو ضمانت کی وجہ سے اس پر ذمہ داری آئے گی ورنہ نہیں۔ جس طرح نکاح میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور مہر اور نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہو جاتی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابو صالح عبید دار بحلہ والوں سے ایک مدت کے لئے کپڑا بیچا۔ پھر وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا، پس ان لوگوں نے کہا کہ نقد رقم دے دیں اور اس سے کچھ رقم کم کر دوں گا۔ پس اس کے بارے میں حضرت زید سے پوچھا تو فرمایا کہ میں اس کا حکم نہیں دوں گا کہ تم اس کو کھاؤ یا کھلاؤ۔

الوکیل ما صالحه علیه الا ان یضمنه والمال لازم للموکل[۱۴۷۹] (۲۰) فان صالح عنه علی شیء بغیر امره فهو علی اربعة اوجه ان صالح بمال وضمّنه تمّ الصلح وکذلک لو

اور صلح کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اسقاط نہیں ہوتا ہے بلکہ بدل اور معاوضہ کی شکل ہوتی ہے۔ جیسے اقرار کے بعد مال کے بدلے مال پر صلح کرے تو اس صلح میں وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔

وجہ یہ بیع کی شکل ہو جاتی ہے اور بیع میں خود وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے اس صلح میں وکیل ضامن نہ بھی ہو پھر بھی صلح کرنے کی وجہ سے وکیل ضامن ہو جائے گا۔ صلح میں وکیل بنانے کا ثبوت اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ نے عبد الرحمٰن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر بن کریز کو صلح کا وکیل بنا کر حضرت حسن بن علی کے پاس بھیجا۔ اور انہوں نے تمام ذمہ داری لی جس کی وجہ سے حضرت حسن اور حضرت معاویہ کے درمیان صلح ہوئی جس کے بارے میں حضورؐ نے ممبر پر خوشخبری دی تھی کہ میرا یہ بیٹا دو بڑی جماعت کے درمیان صلح کرائے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **قال سمعت الحسن یقول استقبل واللہ الحسن بن علی معاویة بکتائب امثال الجبال ... فبعث الیه رجلین من قریش من بنی عبد شمس عبد الرحمن بن سمرة و عبد اللہ بن عامر بن کریز فقال (معاویة) اذهبا الی هذا الرجل فاعرضا علیه وقولا له واطلبا الیه فاتیا ه فدخلا علیه فتکلما** (الف) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین ص ۳۷۲ نمبر ۲۷۰۴) اس حدیث میں حضرت معاویہؓ نے دو آدمیوں کو صلح کا وکیل بنا کر حضرت حسن کے پاس بھیجا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صلح کے لئے وکیل بنا سکتے ہیں۔

[۱۴۷۹] (۲۰) پس اگر صلح کر لی اس کی جانب سے کسی چیز پر بغیر اس کے حکم کے تو وہ چار طرح پر ہیں (۱) اگر صلح کی مال پر اور اس کا ضامن بن گیا تو صلح پوری ہوگئی (۲) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے آپ سے میرے اس ہزار پر صلح کی، یا میرے اس غلام پر صلح کی تو صلح پوری ہوگئی۔ اور وکیل کو اس کی طرف مال کا سونپنا لازم ہوگا (۳) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے آپ سے صلح کی ہزار پر اور وہ ہزار اس کو سپرد کر دیا۔

تشریح ایک آدمی کو مجرم یا موکل نے صلح کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے اپنی جانب سے فضولی بن کر صلح کر لی۔ پس اگر صلح کے مال کی ذمہ داری لے لی، یا اپنا مال مدعی کے حوالے کر دیا تب تو بغیر مدعی علیہ کی اجازت کے بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔ اور اگر فضولی نے اپنے اوپر مال دینے کی ذمہ داری نہیں لی اور نہ اپنا مال دیا تو صلح موکل کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہوگی۔ اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی۔

وجہ جس صورت میں فضولی نے اپنے اوپر ذمہ داری لے لی تو رقم دینے کا معاملہ موکل پر نہیں رہا اس لئے اس کی اجازت کے بغیر بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔ کیونکہ فضولی نے صلح کر لی ہے اور رقم بھی دے دی ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت حسن بن علی فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کا استقبال اتنے خطوط سے کیا جو پہاڑ کے طرح ہو گئے تھے ... پس حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے پاس قریش کے بنی عبد شمس کے دو آدمیوں کو بھیجا عبد الرحمٰن بن سمرۃ اور عبد اللہ بن عامر کو۔ پس حضرت معاویہ نے فرمایا اس آدمی کے پاس جاؤ اور ان پر صلح پیش کرو، ان سے لجاجت کرو اور ان کو میرے پاس لاؤ، پس وہ دونوں حضرت حسنؓ کے پاس آئے اور ان پر داخل ہوئے اور بات کی۔

قال صالحتک علی الفی هذه او علی عبدی هذا تم الصلح ولزمه تسلیمها الیه وکذلک لو قال صالحتک علی الف وسلمها الیه[۱۴۸۰] (۲۱) وان قال صالحتک علی الف ولم یسلمها الیه فالعقد موقوف فان اجازه المدعی علیه جاز ولزمه الالف وان لم یجزه بطل[۱۴۸۱] (۲۲) واذا کان الدین بین الشریکین فصالح احدهما من نصیبه علی ثوب

مصنفؒ نے فضولی کی ذمہ داری لینے کی تین صورتیں بیان کی (۱) فضولی نے مال پر صلح کی اور خود مال حوالے کرنے کی ذمہ داری لے لی (۲) میرے اس ہزار پر صلح کرتا ہوں یا میرے اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو خود اپنے غلام پر صلح کی تو غلام یا ہزار دینے کی ذمہ داری لے لی، اب موکل کی اجازت پر موقوف نہیں رہے گا (۳) اور تیسری شکل یہ ہے کہ اپنے غلام یا اپنے ہزار کا نام نہیں لیا بلکہ مطلق ہزار پر صلح کی، لیکن اپنی جانب سے ہزار دے دیا تو فضولی کی ذمہ داری تو ہوگئی اس لئے بھی صلح مکمل ہو جائے گی۔

اصول کوئی صلح کے مال دینے کی ذمہ داری لے لے تو موکل کی اجازت کے بغیر صلح مکمل ہو جائے گی۔

لغت سلمھا : سپرد کر دیا۔

[۱۴۸۰] (۲۱) اور اگر کہا کہ میں آپ سے صلح کرتا ہوں ہزار پر اور اس کو ہزار سپرد نہیں کیا تو عقد صلح موقوف رہے گا، پس اگر مدعی علیہ نے اجازت دے دی تو جائز ہو جائے گی اور مدعی علیہ کو ہزار لازم ہو جائے گا اور اگر اجازت نہیں دی تو باطل ہو جائے گی۔

تشریح اس صورت میں فضولی نے اپنا درہم نہیں کہا ہے بلکہ مطلق ہزار درہم کہا ہے اور ہزار سپرد بھی نہیں کیا اس لئے اپنی ذمہ داری پر صلح نہیں کی اس لئے اب مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہو جائے گی اور اس پر ہزار لازم ہوگا۔ اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی۔

وجہ مدعی علیہ نے نہ فضولی کو حکم دیا تھا اور نہ بعد میں ہاں کہا۔ اس لئے اس کی ذمہ داری بھی نہیں ہوئی اس لئے صلح باطل ہو جائے گی، یہ چوتھی شکل ہے۔

[۱۴۸۱] (۲۲) اگر دین دو شریکوں کے درمیان ہو پس ان میں سے ایک نے اپنے حصے کے بدلے میں صلح کر لی کپڑے پر تو اس کے شریک کو اختیار ہے، اگر چاہے تو اس کا پیچھا کرے جس پر دین ہے اپنے آدھے دین کے لئے اور اگر چاہے تو آدھا کپڑا لے لے، مگر یہ کہ اس کا شریک چوتھائی دن کا ضامن ہو جائے۔

تشریح اس مسئلے میں تین صورتیں ہیں جن کو ایک ساتھ بیان کر دیا ہے۔ مثلا زید اور عمر کا ایک ہزار دین خالد پر تھا، زید نے اپنے حصے پانچ سو کے بدلے میں صلح کر کے کپڑا لے لیا۔ اب عمر شریک کو دو اختیار ہیں۔ یا تو اپنا حصہ (پانچ سو درہم) براہ راست خالد سے وصول کرے اور اس کا پیچھا کرے۔

وجہ کیونکہ عمر کا قرض اصل میں خالد پر ہے جس نے کپڑا دیا ہے۔ اس لئے اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اور دوسرا اختیار یہ ہے کہ اس کا جو

فشریکہ بالخیار ان شاء اتبع الذی علیہ الدین بنصفہ وان شاء اخذ نصف الثوب الا ان یضمن لہ شریکہ ربع الدین [۱۴۸۲](۲۳) ولو استوفی نصف نصیبہ من الدین کان لشریکہ ان یشارکہ فیما قبض ثم یرجعان علی الغریم بالباقی[۱۴۸۳] (۲۴) ولو اشتری احدھما بنصیبہ من الدین سلعۃ کان لشریکہ ان یضمنہ ربع الدین.

شریک زید ہے جس نے اپنے حصے کا کپڑا لیا ہے اس کپڑے میں شریک ہو جائے اور پھر دونوں ملکر پانچ سو کا مطالبہ خالد سے کرے۔

وجہ چونکہ دین شرکت کا تھا جس کو اس کے شریک زید نے قبضہ کیا ہے۔ اس لئے عمر کو اختیار ہے کہ زید کے قبضہ کئے ہوئے کپڑے میں آدھے کا شریک ہو جائے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ زید نے اپنا حصہ آدھا قرض وصول کر لیا ہے اس لئے اس کے آدھے یعنی پورے قرض کی چوتھائی کا ذمہ دار زید بن جائے اور عمر شریک سے کہے کہ تمہارا چوتھائی قرض میں دوں گا۔ اس صورت میں عمر زید کے لئے ہوئے کپڑے میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ البتہ چونکہ زید نے چوتھائی قرض عمر کو دیا اس لئے اب دونوں ملکر خالد سے آدھا قرض وصول کرینگے۔

[۱۴۸۲](۲۳) اگر اپنا آدھا حصہ قرض وصول کیا تو شریک کے لئے جائز ہے کہ جو کچھ قبضہ کیا اس میں شریک ہو جائے۔ پھر دونوں وصول کرے مقروض سے باقی ماندہ۔

تشریح مثلا زید اور عمر دو شریک تھے۔ زید نے اپنے حصہ کا روپیہ وصول کر لیا اور وصول قرض ہی کیا اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز پر صلح نہیں کی تو اس کے شریک عمر کو اختیار ہے کہ زید کے وصول کردہ قرض میں شریک ہو جائے اور آدھا روپیہ زید سے لے لے۔

وجہ عین قرض میں دونوں شریک تھے۔ اور ایک شریک نے عین قرض جو دونوں کا حق تھا وصول کیا تو دوسرے شریک کو اس میں سے آدھا لینے کا حق ہے۔ اس لئے کہ آدھا اس کا مال بھی وصول کیا۔ بعد میں دونوں ملکر مقروض سے اپنا آدھا قرض وصول کرے۔

وجہ کیونکہ دونوں کا آدھا قرض ابھی مقروض کے پاس باقی ہے اس لئے دونوں ملکر وصول کریں گے۔

[۱۴۸۳](۲۴) اور اگر خرید لیا دونوں میں سے ایک نے اپنے قرض کے حصے سے سامان تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ اس کو چوتھائی دین کا ذمہ دار بنا دے۔

تشریح مثلا زید اور عمر خالد پر جو دین تھا اس مین شریک تھے۔ پھر زید نے اپنے حصے کے بدلے میں سامان خرید لیا تو عمر کو حق ہے کہ چوتھائی دین کا زید کو ضامن بنا دے۔

وجہ صلح کرنے کی شکل میں تو معافی کا پہلو غالب تھا اس لئے وہاں عمر زید کو قرض کا ضامن نہ بنا سکا۔ لیکن اس صورت میں تو دین کے حصے کے بدلے میں سامان خریدا ہے۔ اور خرید نے مین معاملہ کرارا ہوتا ہے۔ اس لئے گویا کہ پورا پورا قرض وصول کیا۔ اور قاعدہ ہے کہ شریک اصل قرض وصول کرے تو دوسرے شریک کو اس میں سے آدھا لینے کا حق ہوتا ہے۔ یہاں دین کے بدلے میں سامان خرید لیا اس لئے یا تو سامان میں شریک ہو جائے یا چوتھائی قرض کا شریک کو ذمہ دار بنائے۔

[۱۴۸۴] (۲۵) واذا كان السلم بين الشريكين فصالح احدهما من نصيبه على رأس المال لم يجز عند ابى حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى يجوز الصلح[۱۴۸۵] (۲۶) واذا كانت التركة بين ورثة فاخرجوا احدهم منها

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عین قرض وصول کیا ہو تو اس میں سے آدھا دوسرے شریک کا ہوگا۔

لغت سلعۃ : سامان۔

[۱۴۸۴] (۲۵) اگر بیع سلم ہو دو شریکوں کے درمیان، پس ان میں سے ایک نے اپنے حصے سے رأس المال پر صلح کر لی تو امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے۔

تشریح مثلا زید اور عمر نے ملکر خالد سے بیع سلم کی۔ اور دونوں نے ایک سو درہم ادا کیا یعنی پچاس درہم زید نے اور پچاس درہم عمر نے جس کو رأس المال کہتے ہیں۔ اور عقد بھی ایک ہی ہے۔ بعد میں ایک شریک مثلا زید نے اپنے حصے کے واپس لینے پر مسلم الیہ یعنی بائع سے صلح کر لی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ان کا صلح کرنا اور اپنا حصہ واپس لینا بغیر شریک کی رضامندی کے جائز نہیں ہے۔

وجہ دونوں نے ملکر عقد سلم کیا ہے اس لئے ایک اپنے حصے کو واپس لیکر عقد سلم کو توڑنا چاہے تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تفریق صفقہ لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے (۲) یہ ایک قسم کا دھوکہ بھی ہے کہ دونوں نے عقد سلم کیا اور اب ایک اپنی مرضی سے اس کو توڑ رہا ہے۔

اصول ان حضرات کا اصول یہ ہے کہ دوسرے کا نقصان ہو تو اپنے مال میں بھی تصرف نہیں کر سکتا۔ حضرت کی نگاہ دوسرے کے نقصان کی طرف گئی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں ایک شریک کا صلح کر کے رأس المال لینا جائز ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ آدھا حصہ اس شریک کا ذاتی مال تھا تو جس طرح اور ذاتی مال میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اپنے حصے کو صلح کر کے مسلم الیہ (بائع) سے واپس لے سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ اپنے مال میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بھی تصرف کر سکتا ہے۔ اس حضرت کی نگاہ اپنے نقصان کی طرف گئی ہے۔

[۱۴۸۵] (۲۶) اگر ترکہ کچھ ورثہ کے درمیان ہو، پس انہوں نے ان میں سے ایک کو ترکہ سے نکالا کچھ مال دے کر، اور ترکہ زمین ہے یا سامان ہے تو جائز ہے، جو کچھ دیا وہ کم ہو یا زیادہ۔

تشریح ایک آدمی کا انتقال ہوا اس کے بہت سے ورثہ تھے۔ لیکن ان میں سے ایک نے کچھ نقد لے کر اپنی وراثت کا حصہ چھوڑ دیا اور صلح کر لی، تو کچھ لے کر اپنا حصہ چھوڑ دینا جائز ہے۔ پھر ترکہ میں زمین ہو یا سامان ہو اور جس پر صلح ہوئی وہ نقد ہو تو یہ نقد وراثت کے حصہ سے کم ہو یا زیادہ ہو دونوں جائز ہیں۔

وجہ چونکہ وراثت کا حصہ اور صلح کا نقد ایک جنس نہیں ہیں اس لئے کم زیادہ سے سود اور ربوا نہیں ہوگا۔ اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

بمال اعطوه اياه والتركة عقار او عروض جاز قليلا كان ما اعطوه او كثيرا[۱۴۸۶]
(۲۷) فان كانت التركة فضة فاعطوه ذهبا او ذهبا فاعطوه فضة فهو كذلک[۱۴۸۷]
(۲۸) وان كانت التركة ذهبا و فضة وغير ذلک فصالحوه على ذهب او فضة فلا بد ان

کچھ لے کر ترکہ چھوڑ دینے پر صلح کو تخارج کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔وقال ابن عباس لا بأس ان يتخارج الشريكان فيأخذ هذا دينا وهذا عينا فان توى لاحدهما لم يرجع على صاحبه (الف) (بخاری شریف، باب الصلح بین الغرماء واصحاب المیراث والمجازفة فی ذلک ص ۳۷۴ نمبر ۲۷۰۹) اس اثر میں ہے کہ کچھ لے کر تخارج کر سکتا ہے (۲) ایک اور اثر میں ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی نے اپنی وراثت کو چھوڑا اور اسی ہزار درہم پر صلح کی۔عن عمر بن ابی سلمة عن ابيه قال صالحت امرأة عبد الرحمن من نصيبها ربع الثمن على ثمانين الفا (ب) (سنن للبیہقی، باب صلح المعاوضة وانه بمنزلة البیع یجوز فیه ما یجوز فی البیع الخ، ج سادس، ص ۱۰۷، نمبر ۱۱۳۵۵/ مصنف عبد الرزاق، باب المرأة تصالح علی ثمنها ج ثامن ص ۲۸۹ نمبر ۱۵۲۵۶) اس اثر میں حضرت عبد الرحمٰن کی چار بیویاں تھیں جس کی وجہ سے ایک بیوی کو پوری وراثت میں آٹھویں حصے کی چوتھائی یعنی بتیسواں حصہ ملا، اور خود وراثت میں سے تخارج کر کے اسی ہزار پر صلح کی۔ **لغت** عقار : زمین۔

[۱۴۸۶] (۲۷) اور اگر ترکہ چاندی ہے اور اس کو سونا دیا، اور سونا ہے اور اس کو چاندی دیا تو وہ ایسا ہی ہے یعنی جائز ہے۔

تشریح ترکہ میں چاندی ہے اور تخارج کرنے والے اور نکلنے والے کو سونا دے کر صلح کر لی۔یا ترکہ میں سونا ہے اور چاندی دے کر تخارج کیا تو جائز ہے۔

وجہ ترکہ میں چاندی ہے اور سونا دے کر تخارج کیا تو کم وبیش ہو تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔کیونکہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آتا ہے۔اس لئے جائز ہو گیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو جنس ہوں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آئے گا۔

[۱۴۸۷] (۲۸) اور اگر ترکہ سونا اور چاندی ہیں اور اس کے علاوہ ہے، پس صلح کی سونے پر یا چاندی پر تو ضروری ہے کہ جو کچھ دیا وہ زیادہ ہو اس کے اس جنس کے حصے سے تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور جو زیادہ ہو وہ اس کے میراث سے باقی حق کے مقابلے میں ہو جائے

تشریح اس کو مثال سے سمجھیں۔مثلا جو آدمی میراث کے حصے سے نکلنا چاہتا ہے اس کا حصہ چاندی میں سے پانچ سو درہم، سونے میں بیس دینار اور جائداد میں سے پانچ گائیں ملنے والے ہیں۔اب وہ چاندی لے کر اپنے حصے پر صلح کرنا چاہتا ہے تو چاندی پانچ سو درہم سے زیادہ ہونا چاہئے تاکہ پانچ سو چاندی اس کے پانچ سو درہم کے برابر ہو جائے جو اس کو وراثت میں ملنے والے ہیں اور جو زیادہ چاندی ہو وہ بیس دینار اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں شریک نکل جائیں، یہ قرض لے لے اور یہ عین شیء لے لے، پس اگر ایک کے لئے کسی کا حق ضائع ہو گیا تو اپنے شریک سے وصول نہیں کرے گا (ب) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی بیوی نے اپنے آٹھویں کی چوتھائی حصے پر صلح کی اسی ہزار پر۔

یکون ما اعطوہ اکثر من نصیبہ من ذلک الجنس حتی یکون نصیبہ بمثلہ و الزیادۃ بحقہ من بقیۃ المیراث [١۴٨٨] (٢٩) واذا کان فی الترکۃ دینا علی الناس فادخلوہ فی الصلح علی ان یخرجوا المصالح عنہ ویکون الدین لھم فالصلح باطل[١۴٨٩] (٣٠) فان

پانچ گایوں کے مقابلے میں ہو جائیں۔اور دینار پر صلح کرنا ہو تو بیس دینار سے زیادہ ہونا چاہئے۔تاکہ اس کو جو وراثت میں سے بیس دینار ملنے والے ہیں اس کے برابر بیس دینار ہو جائے اور جو زیادہ ہو وہ پانچ سو درہم اور گایوں کے مقابلے میں ہو جائے۔بیس دینار سے کم پر صلح جائز نہیں **وجہ** تاکہ پانچ سو چاندی پانچ سو چاندی کے برابر ہو جائے، اور بیس دینار بیس دینار کے برابر ہو جائے۔اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے سود لازم نہ آئے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک جنس ہو تو برابری ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ ہو۔اس لئے اس کے حصے سے زیادہ پر صلح کرنا ضروری ہے۔

نوٹ جتنا سونا سونے کے بدلے میں یا چاندی چاندی کے بدلے میں ہو اس پر مجلس میں قبضہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ آئے۔

[١۴٨٨] (٢٩) اگر ترکہ میں دین ہو لوگوں پر، پس وارثین نے اس کو صلح میں داخل کر لیا اس شرط پر کہ صلح کرنے والے کو دین سے نکال دے اور دین باقی وارثین کے لئے ہوں تو صلح باطل ہے۔

تشریح اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک قاعدہ سمجھنا ضروری ہے۔وہ یہ ہے کہ قرض کا مالک اس کو بنا سکتے ہیں جس پر قرض ہے یعنی مقروض کو۔کسی دوسرے کو قرض کا مالک نہیں بنا سکتے ہیں۔اور مقروض کو قرض کا مالک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قرض معاف کر دیں۔

صورت مسئلہ : مثلا زید کا انتقال ہوا اور اس نے پانچ لڑکے چھوڑے۔اور زید کا خالد پر پانچ سو درہم قرض ہیں۔اور کچھ جائداد ہے جسکو لڑکوں کے درمیان تقسیم کرنا ہے۔اب پانچوں لڑکوں میں سے ایک عمر وراثت سے نکلنا چاہتا ہے اور کچھ روپیوں پر صلح کرنا چاہتا ہے۔اور دین کی ذمہ داری بھی باقی بھائیوں پر دے دینا چاہتا ہے کہ دین کے بدلے مجھے کچھ دے دو اور میرے حق کا ایک سو درہم دین بھی خالد سے تم لوگ ہی وصول کرتے رہو۔تو فرماتے ہیں کہ دین کے بدلے میں کچھ لے لے۔اور دین وصول کرنے کا مالک بھی باقی چار بھائیوں کو بنا دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ دین کا مالک صرف مقروض کو بنا سکتا ہے کسی اور کو نہیں بنا سکتا۔اس لئے دین کے بدلے میں عین لے کر دین کا مالک وارثین کو بنانا جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ دین کے مالک نہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ عین شیء کا مالک بنایا جاتا ہے دین کا نہیں، وہ تو صرف ایک وعدہ ہے۔

[١۴٨٩] (٣٠) پس اگر ورثہ نے شرط لگائی کہ قرض لینے والے اس سے بری ہو جائیں گے اور ورثہ اس سے وصول نہیں کریں گے صلح کرنے والے کے حصے کو تو جائز ہے۔

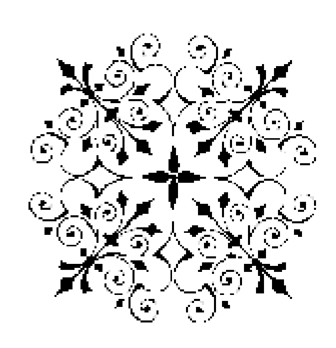
شرطوا ان یبرئ الغرماء منه ولا یرجع علیهم بنصیب المصالح عنه فالصلح جائز.

تشریح نکلنے والے اورتخارج کرنے والے وارث نے یوں کہا کہ دین میں سے جو میرا حصہ ہوگا میں اس کو قرض والوں سے معاف کرتا ہوں۔ میرا وہ حصہ باقی ورثہ بھی قرضداروں سے وصول نہیں کریں گے۔اس شرط پر جو جائداد حاضر ہے اس کے بدلے میں صلح کیا تو جائز ہے۔

وجہ یہاں جس پر قرض تھا اسی کو قرض کا مالک بنایا یعنی معاف کیا اس لئے یہ جائز ہوگیا۔اثر میں ہے۔**وھب الحسن بن علی علیھما السلام دینہ لرجل وقال النبی ﷺ من کان لہ علیہ حق فلیعطہ او لیتحللہ منہ وقال جابر قتل ابی وعلیہ دین فسأل النبی غرماءہ ان یقبلو ثمر حائطی ویحللوا ابی** (بخاری شریف، باب اذا وھب دینا علی رجل ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۱) اس حدیث میں دین معاف کرنے کا تذکرہ ہے جو جائز ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس پر دین تھا اسی کو دین کا مالک بنادیا یعنی معاف کردیا تو جائز ہوگا۔

حیلہ اس کا حیلہ یہ ہے کہ باقی ورثہ قرضدار کو دوبارہ قرض دے اور وہ رقم قرضدار تخارج کرنے والے وارث کو دے اور تخارج کرنے والے وارث وہ رقم پھر باقی ورثہ کو دے دے تو اب چونکہ باقی ورثہ کا قرض براہ راست قرض والوں پر ہوگیا اس لئے وہ وصول کرسکتے ہیں۔



﴿كتاب الهبة﴾

[۱۴۹۰](۱) الهبة تصح بالايجاب والقبول وتم بالقبض

﴿ کتاب الہبہ ﴾

ضروری نوٹ ہبہ مفت دینے کو کہتے ہیں۔اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔**لا ینهاکم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجكم من دياركم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين** (الف)(آیت ۸سورۃ الممتحنۃ ۸)اس آیت میں ہے کہ کفار کے ساتھ بھی بر اور نیکی کا معاملہ کرو اور ہدیہ وغیرہ دو تو اللہ اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ پسند کرتا ہے۔حضرت امام بخاریؒ نے اس آیت سے مشرکین کو ہدیہ دینے پر استدلال کیا ہے۔حدیث میں ہے۔**عن عائشة قالت كان رسول الله يقبل الهدية و يثيب عليها** (بخاری شریف، باب المکافات فی الہبۃ ،ص ۳۵۲،نمبر ۲۵۸۵)اس حدیث سے بھی ہبہ کا ثبوت ملتا ہے(۲)**عن ابی هريرة عن النبي** ﷺ **قال تهادوا تحابوا** (ب)(سنن للبیہقی ، باب التحریض علی الھبۃ والھدیۃ صلۃ بین الناس، ج سادس،ص ۲۸۰،نمبر ۱۱۹۴۶)اس حدیث سے بھی ہبہ کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

[۱۴۹۰](۱) ہبہ صحیح ہوتا ہے ایجاب اور قبول سے اور پورا ہوتا ہے قبضہ سے۔

تشریح ہبہ مکمل ہونے کے لئے تین اجزاء ہیں۔ایک تو ہبہ کرنے والا ایجاب کرے اور ہبہ کرے۔

وجہ اس کا مال ہے،بغیر دیئے ہوئے کوئی کیسے لے سکتا ہے۔اس لئے ایجاب کرنا ضروری ہے(۲) ہبہ عقد ہے اور کوئی بھی عقد ایجاب اور قبول کئے بغیر پورا نہیں ہوتا ہے۔اس لئے ایجاب کرنا ضروری ہے۔دوسرا جز قبول کرنا۔

وجہ اوپر گزر گیا کہ ہبہ عقد ہے اس لئے اس مین قبول کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔**عن انس قال انفجنا ارنبا بمر الظهران فسعى القوم فلغبوا فادركتها فاخذتها فاتيت بها ابا طلحة فذبحها وبعث الى رسول الله بوركها او فخذيها،قال فخذيها لا شك فيه فقبله قلت واكل منه؟ قال واكل منه ثم قال بعد قبله**(ج)(بخاری شریف،باب قبول ہدیۃ الصید ص ۳۵۰ نمبر ۲۵۷۲)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے خرگوش کا گوشت قبول فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ میں قبول کرنا ضروری ہے(۲)اوپر کی حدیث عائشہ میں تھا **كان رسول الله يقبل الهدية ويثيب عليها** جس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ میں قبول کرنا ضروری ہے۔اور تیسرا جز ہے کہ ہبہ پر قبضہ کرے گا یعنی ہبہ پر قبضہ کرے گا تو ہبہ مکمل ہوگا اور موہوب لہ کی ملکیت ہوگی۔اور قبضہ نہیں کیا تو اس کی ملکیت نہیں ہوگی اور ہبہ باطل ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) اللہ نیکی کرنے سے نہیں روکتا ان لوگوں کے ساتھ جو دین میں تم سے قتال نہیں کرتے اور تم کو گھروں سے نکالتا نہ ہو۔اور نہ ان کے ساتھ انصاف کرنے سے روکتا ہے،اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے(ب) آپؐ نے فرمایا ہدیہ دو محبت بڑھے گی(ج) حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے مر الظہر ان میں ایک خرگوش دوڑ کر نکل رہا تھا،قوم اس کے پیچھے دوڑی اور اس کو تھکا دیا۔میں نے اس کو پا لیا اور پکڑ لیا، پس اس کو ابو طلحہ کے پاس لایا۔انہوں نے اس کو ذبح کیا اور حضورؐ کے پاس اس کی ران بھیجی،راوی کہتے ہیں کہ کوئی شک نہیں ہے کہ فخذ ہی بولا۔میں نے پوچھا حضورؐ نے اس کو کھایا، کہا اس کو کھایا اور اس کو قبول کیا۔

[۱۴۹۱](۲) فان قبض الموهوب له فی المجلس بغیر امر الواهب جاز وان قبض بعد الافتراق لم تصح الا ان یأذن له الواهب فی القبض[۱۴۹۲] (۳) وتنعقد الهبة بقوله

وجہ ہبہ کے بدلے کچھ آتا نہیں ہے اس لئے موہوب لہ کے قبضہ سے پہلے واہب کی ہی ملکیت ہوگی اس لئے وہ انکار کرسکتا ہے (۲) اثر میں ہے کہ قبضہ سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی۔عن ابی موسی اشعری قال قال عمر بن الخطاب الانحال میراث مالم یقبض وعن عثمان وابن عمر وابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتی تقبض وعن معاذ بن جبل وشریح انهما کانا لا یجیز انها حتی تقبض (الف) (سنن للبیھقی ، باب شرط القبض فی الھبۃ ، ج سادس ،ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) ان اقوال میں ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی بلکہ اگر واہب مر گیا تو اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی (۳) بلکہ ہبہ کا معاملہ تو اتنا کمزور ہے کہ قبضہ کرنے کے بعد اگر موہوب لہ نے ہبہ کے بدلے واہب کو کچھ نہیں دیا اور ہبہ کی چیز بعینہ موہوب لہ کے پاس ہے تو ہبہ کی چیز موہوب لہ سے واپس لے سکتا ہے۔حدیث میں ہے۔عن ابی ھریرة قال قال رسول الله الواهب احق بهبته مالم یثب منها (ب) (دار قطنی ، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۲ رسنن للبیھقی ، باب المکافاۃ فی الھبۃ ج سادس ص ۱۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت نہیں ہوگی۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قبول کے بعد قبضہ سے پہلے بھی موہوب لہ کی ملکیت ہو جائے گی۔جیسے بیع میں قبول کے بعد مشتری کی ملکیت ہو جاتی ہے، چاہے ابھی قبضہ نہ کیا ہو۔

[۱۴۹۱] (۲) پس اگر موہوب لہ نے قبضہ کیا مجلس میں بغیر واہب کے حکم کے تو جائز ہے۔اور اگر قبضہ کیا جدائیگی کے بعد تو صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ ہبہ کرنے والا اس کو اجازت دے قبضہ کرنے کی۔

تشریح جس کو ہبہ کیا اس نے قبول کی مجلس میں بغیر ہبہ کرنے والے کی اجازت کے قبضہ کر لیا تو ٹھیک ہے۔اور مجلس ختم ہوگئی اس کے بعد موہوب لہ قبضہ کرنا چاہتا ہے تو واہب دوبارہ اجازت دے گا تو قبضہ کر سکے گا۔اور اگر دوبارہ اجازت نہ دے تو قبضہ کرنا درست نہیں ہے۔اس صورت میں دوبارہ اجازت کی ضرورت ہوگی۔

وجہ ایجاب کی مجلس میں ایجاب کرنا ہی قبضہ کرنے کے لئے کافی ہے۔لیکن مجلس ختم ہوگئی تو ایجاب والی اجازت مجلس ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔اس لئے اب قبضہ کے لئے دوبارہ اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایجاب کی اجازت مجلس تک رہتی ہے اور مجلس ختم ہونے پر وہ اجازت ختم ہو جاتی ہے۔

[۱۴۹۲] (۳) منعقد ہو جاتا ہے ہبہ یہ کہنے سے کہ میں نے ہبہ کر دیا، میں نے دے دیا، میں نے بخش دیا، میں نے یہ کھانا تم کو کھلا دیا، میں نے

حاشیہ (الف) حضرت عمر نے فرمایا ہبہ میراث ہوگا جب تک اس پر قبضہ نہ کرے۔اور حضرت عثمان، ابن عمر اور ابن عباس نے فرمایا صدقہ جائز نہیں ہے جب تک کہ قبضہ نہ کرے۔اور معاذ بن جبل اور شریح ہبہ جائز قرار نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے (ب) آپؐ نے فرمایا ہبہ کرنے والا ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اس کا بدلہ نہ دے دیا جائے۔

وهبت ونحلت واعطیت واطعمتک هذاالطعام وجعلت هذا الثوب لک واعمرتک

یہ کپڑا تیرے لئے کر دیا، عمر بھر کے لئے تم کو یہ چیز دے دی، اس سواری پر تم کو سوار کر دیا اگر سوار کرنے سے ہبہ کی نیت ہو۔

تشریح اس عبارت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کن کن جملوں سے ہبہ کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے مصنفؒ نے سات جملے استعمال کئے ہیں۔ ہر جملہ کی تصریح اور دلیل پیش خدمت ہے (۱) **وهبت** کا جملہ ہبہ کے لئے صریح ہے۔ اس لئے اس سے ہبہ منعقد ہو جائے گا (۲) **نحلت** کے جملہ سے بھی ہبہ منعقد ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن نعمان بن بشیر ان اباه اتی به الی رسول الله ﷺ فقال انی نحلت ابنی هذا غلاما فقال اکل ولدک نحلت مثله قال لا قال فارجعه** (الف) (بخاری شریف، باب المکافات فی الهبة ص ۳۵۲ نمبر ۲۵۸۶) اس حدیث میں نحلت کے جملہ سے لڑکے کو ہبہ کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نحلت کے لفظ سے ہبہ منعقد ہوتا ہے (۳) اعطیت کا جملہ بھی ہبہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں **اعطاک الله وهبک الله** کے معنی میں (۴) کھانے کے بارے میں کہتے ہیں **اطعمتک هذا الطعام** تو ہبہ ہوگا۔ کیونکہ کھانا کھانے میں عین شیء ہلاک ہوتی ہے۔ اس لئے اس جملہ سے عین کھانے کا مالک بنانا ہوا۔ اس لئے اس جملہ سے بھی کھانے کا ہبہ کرنا ثابت ہوگا (۵) **جعلت هذا الثوب لک** میں لفظ لک ملکیت کے لئے آتا ہے۔ اس لئے اس سے بھی ہبہ ثابت ہو جائے گا (۶) **اعمرتک هذا الشیء** سے بھی ہبہ ہو جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ کوئی **اعمر عمریٰ له ولعقبه** کہے تو اگر چہ عمری کے معنی عمر بھر کا ہے لیکن اس سے وہ چیز مکمل اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی اور جس کے لئے عمر بھر کے لئے دی اس کے ورثہ میں وہ چیز تقسیم ہوگی۔ حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال ایما رجل اعمر عمری له ولعقبه فانها للذی اعطیها لا ترجع الی الذی اعطاها لانه اعطی عطاء وقعت فیه المواریث** (ب) (مسلم شریف، باب العمری ص ۳۷ نمبر ۱۶۲۵) اس حدیث میں لفظ عمری ہبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے (۷) **حملک علی هذه الدابة** کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ وقتی طور پر عاریت کے طور پر اس جانور کو سواری کے لئے آپ کو دے رہا ہوں۔ اور دوسرے معنی ہیں کہ مکمل اس جانور کو آپ کو حوالے کر رہا ہوں اور ہبہ کر رہا ہوں۔ اس لئے اگر دوسرے معنی کی نیت کی تو دوسرا معنی ملحوظ ہونگے۔ اور اس جملہ سے ہبہ کا انعقاد ہو جائے گا۔ لوگ **حمل الامیر فلانا علی فرس** بولتے ہیں اور اس سے مراد لیتے ہیں کہ امیر نے فلاں کو گھوڑا مکمل دے دیا اور ہبہ کر دیا۔ اس لئے اس جملے سے بھی گھوڑے کا ہبہ ثابت ہو جائے گا۔ (۲) حدیث میں ہے، **حملت علی فرس فی سبیل الله** سے پورا گھوڑا صدقہ کرنا مراد لیا گیا ہے۔ **قال عمر حملت علی فرس فی سبیل الله فرأیته یباع فسألت رسول الله ﷺ فقال لا تشتروه ولا تعد فی صدقتک** (بخاری شریف، باب اذا حمل رجل علی فرس فهو کالعمری والصدقة ص ۳۵۹ نمبر ۲۶۳۶) اس حدیث میں **حمل علی فرس** بول کر پورے گھوڑے کا صدقہ مراد لیا گیا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت بشیر حضورؐ کے پاس آئے اور کہا میں نے اس بیٹے کو غلام ہبہ کیا ہے۔ آپؐ نے پوچھا آپ نے اور بیٹے کو اسی طرح غلام ہبہ کیا ہے؟ کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر ہبہ واپس کر لو (ب) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی عمری کرے تو وہ چیز اس کے لئے ہوگی۔ اور اس کے بعد والوں کے لئے ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اس کے لئے ہے جس کو دیا۔ وہ دینے والے کی طرف واپس نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ ایسا عطیہ دیا جس میں وراثت جاری ہوگی۔

ھـذا الشـیء وحملتک علی ھذہ الدابۃ اذا نوی بالحملان الھبۃ[۱۴۹۳] (۴) ولا تجوز

[۱۴۹۳] (۴) نہیں جائز ہے ہبہ قابل تقسیم چیزوں میں مگر یہ کہ حقوق سے فارغ ہوں اور تقسیم کیا ہوا ہو۔

تشریح اگلے چند مسئلوں کا مدار اس پر ہے کہ موہوب لہ ہبہ کی چیز پر مکمل قبضہ کرے تب اس کی ملکیت ہوگی ورنہ نہیں۔ اور مکمل قبضہ کرنے کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر وہ چیز مشترک ہے لیکن تقسیم ہو سکتی ہے تو تقسیم کی ہوئی ہو۔ اور دوسروں کے دین اور حقوق سے فارغ ہو تب اس پر موہوب لہ کا قبضہ مکمل شمار کیا جائے گا۔ اس لئے مصنف نے فرمایا کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس میں ہبہ جائز نہیں ہے۔ مگر حقوق سے فارغ ہو اور تقسیم شدہ ہو۔

وجہ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **کتب عمر بن عبد العزیز انہ لا یجوز من النحل الا ما عزل وافرد واعلم** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) اس اثر مین ہے کہ نحل یعنی ہبہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو الگ نہ کیا گیا ہو۔ علیحدہ نہ کیا گیا ہو۔ اور جان پہچان کے لئے نشان نہ لگا دیا گیا ہو (۲) **عن ابن شبرمۃ قال ان لم یجز کل واحد منھما ما وھب لہ صاحبہ فلیس بشیء** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب حیازۃ ما وھب احدھما لصاحبہ ج تاسع ص ۱۱۶ نمبر ۱۶۵۷۰) اس اثر میں بھی ہے کہ شیء موہوب کو محوز نہیں کیا تو قبضہ نہیں ہے (۳) سنن بیہقی میں عمر بن الخطاب کا یہ قول ہے۔ **لا نحلۃ یجوزھا الولد دون الوالد** (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۸۲، نمبر ۱۱۹۵۳) جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ اس وقت نہیں ہے جب تک کہ اس کو حقوق سے الگ نہ کر دے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ شیء موہوب کو اپنے حصے سے الگ نہ بھی کرے اور تقسیم نہ کر دے تب بھی موہوب لہ کی ملکیت ہو جائیگی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **وقد وھب النبی ﷺ واصحابہ لھوازن ما غنموا منھم وھو غیر مقسوم** (ج) (بخاری شریف، باب الھبۃ المقبوضۃ وغیر المقبوضۃ والمقسومۃ وغیر المقسومۃ ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۳) کہ قبیلہ ہوازن کے لوگوں کو صحابہ نے قید کیا تھا اور ان سے مال غنیمت حاصل کی تھی۔ پھر وہ تمام کو قبیلہ ہوازن کی طرف واپس کیا۔ حالانکہ واپس کرتے وقت غنیمت اور قیدی مشترک تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر تقسیم شدہ بھی ہبہ کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن سھل بن سعد ان رسول اللہ ﷺ اتی بشراب وعن یمینہ غلام وعن یسارہ اشیاخ فقال للغلام اتأذن لی ان اعطی ھؤلاء فقال الغلام لا واللہ لا اوثر بنصیبی منک احدا فتلہ فی یدہ** (ج) (بخاری شریف، باب الھبۃ المقبوضۃ وغیر المقبوضۃ والمقسومۃ وغیر المقسومۃ ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۵) اس حدیث میں شراب اور

حاشیہ : (الف) حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ ہبہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو الگ کیا جائے اور علیحدہ کیا جائے اور پہچان کے لئے نشان لگایا جائے (ب) ابن شبرمہ نے کہا کہ جو کچھ ہبہ کیا گیا وہ ایک دوسرے سے الگ نہ کیا گیا ہو تو کچھ بھی نہیں ہے یعنی ہبہ درست نہیں ہوگا (ج) جو کچھ ہوازن سے غنیمت میں ملا تھا حضورؐ اور صحابہ نے ان کو ہبہ کیا جو تقسیم شدہ نہیں تھا (ج) حضورؐ کے پاس شربت لایا گیا اور آپؐ کی دائیں جانب لڑکا تھا اور بائیں جانب بڑے بوڑھے تھے تو لڑکے سے کہا، کیا اجازت دیتے ہو کہ ان لوگوں کو دوں۔ تو لڑکے نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم آپؐ کی جانب سے حصے کو کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، پس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

الهبة فیما یقسم الا محوزة مقسومة [۱۴۹۴](۵) وهبة المشاع فیما لا یقسم جائزة [۱۴۹۵](۶) ومن وهب شقصا مشاعا فالهبة فاسدة فان قسمه وسلمه جاز.

پانی تقسیم شدہ نہیں تھا پھر بھی سب کو ہبہ کیا جا رہا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قابل تقسیم چیز بھی تقسیم شدہ نہ ہو پھر بھی اس کو ہبہ کر سکتے ہیں۔

[۱۴۹۴](۵) اور مشترک کا ہبہ اس چیز کا جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جائز ہے۔

تشریح جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی مثلا حمام اور غسل خانہ جو تقسیم نہیں ہو سکتا ہو اور وہ تقسیم کرنے سے کسی کام کا نہیں رہے گا اس کو بغیر تقسیم کئے بھی ہبہ کرنا جائز ہے۔

وجہ جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی اور تقسیم کرنے سے وہ کسی کام کی نہیں رہے گی۔ اس کو ہبہ میں تقسیم کرنے کی شرط لگائیں گے تو وہ چیز ضائع ہو جائے گی۔ اس لئے اس کے قبضے کے لئے جتنا ممکن ہو سکا اتنا ہی کریں گے۔ اور تقسیم کی شرط نہیں لگے گی (۲) حضرت ابوقتادہ نے وحشی گدھا شکار کر کے سب صحابہ کو مشترکہ ہبہ کیا۔ اس کو تقسیم کر کے ہبہ نہیں کیا اور حضورؐ نے اس کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ تقسیم کر کے گوشت پکانا مشکل تھا۔ اس لئے مشترکہ ہبہ ہی جائز قرار دیا گیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عبد الله بن ابی قتادة السلمی عن ابیه ... فشددت علی الحمار فعقرته ثم جئت به وقد مات فوقعوا فیه یأکلونه ثم انهم شکوا فی اکلهم ایاه وهم حرم** (الف) (بخاری شریف، باب من استوهب من اصحابہ شیئا ص نمبر ۲۵۷۰) اس حدیث میں سب صحابہ کو مشترکہ طور گدھے کا گوشت ہبہ کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس کو مشترکہ ہبہ کرنا بھی جائز ہے۔ اوپر بھی کئی احادیث مشترکہ ہبہ کی گزری۔

[۱۴۹۵](۶) اگر ہبہ کیا مشترک چیز کا کچھ حصہ تو ہبہ فاسد ہے۔ پس اگر اس کو تقسیم کر دیا اور سپرد کر دیا تو جائز ہے۔

تشریح مشترک چیز کو اوپر کے آثار کی بنا پر تقسیم کر کے ہبہ کرنا چاہئے۔ لیکن بغیر تقسیم کئے ہوئے ہی ہبہ کر دیا تو ہبہ فاسد ہوگا۔ لیکن اگر بعد میں تقسیم کر کے موہوب لہ کو قبضہ دے دیا تب بھی جائز ہو جائے گا۔

وجہ اصل یہ ہے کہ قبضہ کرتے وقت ہبہ کی چیز تقسیم شدہ ہونی چاہئے۔ چاہے اس سے پہلے تقسیم شدہ نہ ہو۔ اس لئے قبضہ کرتے وقت چیز کو تقسیم کر کے دے دیا تو ہبہ جائز ہو جائے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **سألت ابن شبرمة عنه فقال اذا سمی فجعل له مائة دینار من ماله فهو جائز وان سمی ثلثا او ربعا لم یجز حتی یقسمه** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الھبات ج تاسع ص ۱۰۸ نمبر ۱۶۵۳۱) اس اثر میں اشارہ ہے کہ تقسیم کر دے تو ہبہ جائز ہو جائے گا۔

نوٹ قبضہ کے وقت بھی تقسیم نہیں کرے گا تو ہبہ فاسد ہی رہے گا۔

لغت شقصا : ایک حصہ۔ مشاعا : مشترک۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابوقتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے گدھے پر حملہ کیا اور اس کو پاؤں کاٹ دیا۔ پھر اس کو لے کر آیا اس حال میں کہ وہ مر چکا تھا، پس صحابہ اس کو کھانے لگے پھر انہوں نے کھانے میں شکایت کی، اس لئے کہ وہ محرم تھے (ب میں نے ابن شبرمہ سے پوچھا۔ کہا اگر متعین کر دے اور مال کا سو دینار تو ہبہ جائز ہے اور اگر تہائی یا چوتھائی متعین کرے تو نہیں جائز ہے یہاں تک کہ اس کو تقسیم کر دے۔

[۱۴۹۶](۷) ولو وھب دقیقا فی حنطة او دھنا فی سمسم فالھبة فاسدة فان طحن وسلم لم یجز[۱۴۹۷](۸) واذا کانت العین فی ید الموھوب له ملکھا بالھبة وان لم یجدد فیھا قبضا[۱۴۹۸](۹) واذا وھب الاب لابنه الصغیر ھبة ملکھا الابن بالعقدوان لم

[۱۴۹۶](۷)اگر ہبہ کیا آٹے کا گیہوں میں یا تیل کو تلوں میں تو ہبہ فاسد ہے، پس اگر اس کو پیس دیا اور ہبہ کیا تو جائز نہیں ہوگا۔

تشریح آٹا ہبہ کیا اس حال میں کہ وہ گیہوں کے اندر ہے یا تل کا تیل ہبہ کیا اس حال میں کہ وہ ابھی تل میں ہے تو یہ ہبہ جائز نہیں ہے۔ پس اگر گیہوں پیس کر آٹا بنا دیا اور ہبہ کیا تب بھی درست نہیں ہے یا تل پیس کر تیل نکال لیا اور ہبہ کیا تب بھی درست نہیں ہوگا۔ ہاں دوبارہ از سر نو آٹا اور تیل ہبہ کرے تو درست ہوگا اور یہ دوسرا ہبہ ہوگا۔

وجہ یہاں آٹا اور تیل ہبہ کرتے وقت مشاع اور مشترک نہیں ہے بلکہ معدوم ہیں۔ اور یہ دونوں پیسنے کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور معدوم چیز کا ہبہ ہی درست نہیں ہے۔ اس لئے بعد میں پیسنے کے بعد بھی ہبہ درست نہیں ہوگا۔

نوٹ مسئلہ نمبر ۵ میں مشترک چیز کا ہبہ تقسیم کے بعد اس لئے جائز ہو گیا تھا کہ وہ ہبہ کے وقت موجود ہے صرف تقسیم شدہ نہیں ہے۔ اور موجودہ مسئلے میں آٹا اور تیل ہبہ کے وقت موجود ہی نہیں ہیں معدوم ہیں۔ اس لئے بعد میں آٹا اور تیل بننے کے بعد بھی ہبہ درست نہیں ہوا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ معدوم چیز کا ہبہ درست نہیں ہے۔

لغت دقیق : آٹا۔ سمسم : تل۔ طحن : پیسا۔

[۱۴۹۷](۸)اگر ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہ کے ہاتھ میں ہو تو وہ مالک ہو جائے گا ہبہ کرنے سے اگر چہ اس پر نیا قبضہ نہ کیا ہو۔

وجہ (۱) پہلے سے موہوب لہ کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے دوبارہ نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ قبضہ جو شرط ہے وہ پہلے سے ہے ہی (۲) عبد اللہ بن عمر مضبوط اونٹ پر سوار تھے۔ اس کو حضورؐ نے خریدا پھر حضورؐ نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور عبد اللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا۔ اور عبد اللہ بن عمر کو ہبہ مکمل کرنے کے لئے نیا قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہبہ کی چیز موہوب لہ کے قبضہ میں پہلے سے ہو تو ہبہ کی ملکیت کے لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر وکنت علی بکر صعب فقال النبی ﷺ لعمر بعنیه فابتاعه فقال النبی ﷺ ھو لک یا عبد اللہ** (الف) (بخاری شریف، باب اذا وھب بعیرا لرجل وھو راکبه فھو جائز ص ۳۵۶ نمبر ۲۶۱۱)

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے سے قبضہ ہو تو دوبارہ قبضہ کی ضرورت نہیں۔

[۱۴۹۸](۹)اگر ہبہ کیا باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز تو بیٹا اس کا مالک بن جائے گا عقد کرنے سے اگر چہ اس پر قبضہ نہ پایا گیا ہو۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور میں ایک مضبوط اونٹ پر سوار تھا۔ پس حضورؐ نے عمر سے کہا اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ پس حضرت عمر نے بیچ دیا۔ پھر حضور نے فرمایا یہ اونٹ تیرا ہے اے عبد اللہ۔

یوجد فیھا قبضا[۱۴۹۹] (۱۰) فان وھب له اجنبی ھبة تمت بقبض الاب[۱۵۰۰] (۱۱) واذا وُھب للیتیم ھبة فقبضھا له ولیه جاز.

تشریح باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی تو جیسے ہی عقد کیا تو چھوٹا بیٹا اس کا مالک ہو جائے گا، الگ سے باپ کا نیا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

وجہ چھوٹے بیٹے کی جانب سے تو خود باپ ہی قبضہ کرے گا۔ کیونکہ بچے کا ولی وہی ہے، اور باپ کے قبضے میں پہلے سے وہ چیز موجود ہے اس لئے دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے عقد ہبہ کرتے ہی بچہ ہبہ کی چیز کا مالک ہو جائے گا (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ موہوب لہ کے قبضے میں ہبہ کی چیز ہو تو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بچے کی جانب سے باپ ہی ہبہ پر قبضہ کرنے کا ولی ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن عثمان بن عفان انل قال من نحل ولدا له صغیرا لم یبلغ ان یحوز نحله فاعلن بھا واشھد علیھا فھی جائزة وان ولیھا ابوہ**۔ دوسری روایت میں ہے۔ **فشکی ذلک الی عثمان فرأی ان الوالد یجوز لولده اذا کانوا صغارا** (الف) (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۷۲، نمبر ۱۱۹۵۲ / مصنف عبد الرزاق، باب النحل، ج تاسع، ص ۱۰۳ نمبر ۱۶۵۱۰ / ۱۶۵۱۱) اس اثر سے پتہ چلا کہ باپ چھوٹے بیٹے کی جانب سے قبضہ کریں گے۔ اور چیز پہلے سے اسی کے قبضے میں ہے اس لئے نئے قبضے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ہبہ کا عقد کرتے ہی چھوٹا بیٹا ہبہ کا مالک ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چھوٹے بچے کی جانب سے باپ یا اس کی ولی قبضہ کرے گا۔

نوٹ بچہ کا کوئی ولی یا وصی ہو اور وہ اس بچہ کو ہبہ کرنا چاہے تو باپ کی طرح ہبہ کا عقد کرتے ہی بچہ اس چیز کا مالک بن جائے گا، دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ چیز ولی یا وصی کے ہاتھ میں ہی ہے۔

[۱۴۹۹] (۱۰) اور اجنبی نے بچے کو ہبہ کیا تو ہبہ مکمل ہو جائے گا باپ کے قبضہ کرنے سے۔

تشریح کسی اجنبی نے چھوٹے بچے کو ہبہ کیا اور بچہ باپ کی ولایت میں ہے تو باپ ہی بچے کی جانب سے قبضہ کرے گا اور اسی کے قبضہ سے بچہ مالک بن جائے گا، بچہ کو الگ سے قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ پہلے اثر میں گزر چکا ہے کہ بیٹے کی جانب سے باپ قبضہ کرے گا۔ **فرأی عثمان بن عفان ان الوالد یجوز لولده اذا کونوا صغارا** (سنن للبیہقی، ج سادس، ص ۲۸۲، نمبر ۱۱۹۵۴)

[۱۵۰۰] (۱۱) اگر یتیم کو کوئی چیز ہبہ کی گئی اور قبضہ کیا اس کو اس کے ولی نے تو جائز ہے۔

وجہ یتیم چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہبہ پر قبضہ نہیں کر سکتا اور باپ ہے نہیں جو قبضہ کرے۔ اس لئے یتیم کا جو ولی ہے یا وصی ہے اس کا قبضہ ہی یتیم کی ملکیت کے لئے کافی ہے (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے۔ **ان ولیھا ابوہ** (سنن للبیہقی، باب یقبض للطفل ابوہ، ج سادس، ص ۲۸۲، نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا جس نے نابالغ چھوٹے بچے کو ہبہ کیا تو اس کے ہبہ پر قبضہ کرے، پس اگر اس کا اعلان کیا اور اس پر گواہ بنایا تو جائز ہے۔ اور بچے کا ولی اس کا باپ ہے، حضرت عثمان کو اس کی شکایت کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ والد اپنے بچے کے لئے قبضہ کرے اگر وہ چھوٹے ہوں۔

[۱۵۰۱] (۱۲) فان کان فی حجر امہ فقبضھا لہ جائز [۱۵۰۲] (۱۳) وکذلک ان کان فی حجر اجنبی یربیہ فقبضہ لہ جائز [۱۵۰۳] (۱۴) وان قبض الصبی الھبة بنفسہ وھو یعقل جاز [۱۵۰۴] (۱۵) وان وھب اثنان من واحد دارا جاز [۱۵۰۵] (۱۶) وان وھب

۱۹۵۲) جس سے معلوم ہوا کہ جو ولی ہو اس کا قبضہ کرنا ہبہ مکمل ہونے کے لئے کافی ہے۔

[۱۵۰۱] (۱۲) پس اگر یتیم ماں کی گود میں ہو تو ماں کا قبضہ کرنا یتیم کے لئے جائز ہے۔

تشریح یتیم ماں کی نگرانی اور ولایت میں ہے تو یتیم کے ہبہ پر ماں کا قبضہ کرنا ملکیت کے لئے کافی ہے۔

وجہ پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ جو ولی ہو بچے کے لئے اس کا قبضہ کرنا کافی ہے، یہاں ماں ولیہ ہے اس لئے اس کا قبضہ کرنا کافی ہے۔

[۱۵۰۲] (۱۳) ایسے ہی اگر یتیم اجنبی کی گود میں ہو جو اس کی پرورش کرتا ہو تو اس کا قبضہ یتیم کے لئے جائز ہے۔

وجہ اجنبی چونکہ ولی بن گیا اس لئے ہبہ پر اجنبی ولی کے قبضے سے یتیم کی ملکیت مکمل ہو جائے گی۔

اصول یہ سب مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جو بچے کا ولی ہو اس کے قبضہ کرنے سے ہبہ مکمل ہو جائے گا۔

[۱۵۰۳] (۱۴) اور اگر بچے نے خود ہبہ پر قبضہ کیا اور وہ سمجھدار ہے تو جائز ہے۔

تشریح بچہ سمجھدار ہے اور اس نے ہبہ پر قبضہ کیا تو جائز ہو جائے گا اور بچہ مالک ہو جائے گا۔

وجہ سمجھدار ہونے کی وجہ سے اس کو خرید و فروخت میں وکیل بنا سکتے ہیں اس لئے ہبہ پر اس کا قبضہ بھی ملکیت کے لئے کافی ہوگا (۲) یہ اس کے فائدے کے لئے ہے اس لئے فائدہ کا کام وہ کر سکتا ہے (۳) حدیث میں ہے کہ سمجھدار لڑکے نے حضورؐ سے کہا میں آپؐ کے جھوٹے کو کسی کو نہیں دے سکتا اور حضورؐ نے اس کو اپنا جھوٹا ہبہ کیا اور وہ خود قبضہ کر کے اس کا مالک بنا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سمجھدار بچہ ہبہ پر خود قبضہ کر سکتا ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن سھل بن سعد ... فقال ما کنت لاوثر بنصیبی منک یا رسول اللہ احدا فتلہ فی یدہ** (الف) (بخاری شریف، باب ھبة الواحد للجماعة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۲) پوری حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سمجھدار بچے کو بھی قبضہ کا حق ہے۔

[۱۵۰۴] (۱۵) اگر ہبہ کیا دو آدمیوں نے ایک شخص کو ایک مکان تو جائز ہے۔

وجہ دو آدمیوں نے ایک آدمی کو ایک مکان ہبہ کیا تو اس میں شرکت اور شیوع نہیں پائی گئی جو ہبہ کے لئے مانع ہے اس لئے یہ ہبہ جائز ہے۔

[۱۵۰۵] (۱۶) اور اگر ہبہ کیا ایک آدمی نے دو آدمیوں کو ایک گھر تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ صحیح ہے۔

تشریح ایک آدمی کا ایک گھر ہے۔ اس نے دو آدمیوں کو مشترکہ طور پر آدھا آدھا ہبہ کیا تو جائز نہیں ہے۔

وجہ (۱) دو آدمیوں کو ایک مکان ہبہ کیا تو ان دونوں کے درمیان شیوع اور اشتراک پایا گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ شیوع کے ساتھ ہبہ درست

حاشیہ : (الف) لڑکے نے کہا آپؐ کی جانب سے میرے حصے پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا اے اللہ کے رسول! پس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

واحد من اثنين دارا لم تصح عند ابى حنيفة رحمه الله وقالا رحمهما الله تعالى تصح[١٥٠٦] (١٧) واذا وهب لاجنبى هبة فله الرجوع فيها.

نہیں ہے۔اس لئے یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے۔کتب عمر بن عبد العزیز انه لا یجوز من النحل الا ما عزل وافرد واعلم (الف) مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) (۳) سألت ابن شبرمة عنه فقال اذا سمی فجعل له مائة دینار من ماله فهو جائز وان سمی ثلثا او ربعا لم یجز حتی یقسمه (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب الہبات، ج تاسع، ص ۱۰۸ نمبر ۱۶۵۳۱) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ مشترکہ چیز کو ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔اور یہاں چونکہ دو آدمیوں کو ایک گھر مشترکہ طور پر ہبہ کیا تھا اس لئے جائز نہیں ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک آدمی دو آدمیوں کو ایک گھر ہبہ کرے تو جائز ہے۔

وجہ ہبہ کرتے وقت ایک ہی جائداد ہے اور ایک ہی عقد ہے۔البتہ تقسیم اور اشتراک ہبہ کے بعد واقع ہوئے ہیں اس لئے ہبہ درست ہے (۲) احادیث میں اس کا ثبوت ہے۔وقالت اسماء للقاسم بن محمد وابن ابی عتیق ورثت عن اختی عائشة بالغابة وقد اعطانی به معاوية مائة الف فهو لكما (ج) بخاری شریف، باب هبة الواحد للجماعة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۲) اس اثر میں حضرت اسماء نے ایک لاکھ کو دو آدمیوں میں مشترکہ طور پر ہبہ کیا (۳) اوپر حدیث گزری کہ حضورؐ نے اپنا جھوٹا بڑوں کے درمیان اور لڑکے کے درمیان مشترکہ طور پر ہبہ کیا اور لڑکے نے اپنا حصہ کسی اور کو نہیں دیا۔حدیث یہ ہے۔عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ اتی بشراب فشرب وعن یمینه غلام وعن یساره الاشیاخ فقال للغلام ان اذنت لی اعطیت هؤلاء فقال ما کنت لاوثر بنصیبی منک یا رسول الله احد فتله فی یده (د) (بخاری شریف، باب هبة الواحد للجماعة ص ۳۵۴ نمبر ۲۶۰۲) اس حدیث میں مشترکہ طور پر شربت ہبہ کیا۔جس سے مشترکہ طور پر ہبہ کرنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے (۴) حضرت ابو قتادہ نے وحشی گدھا شکار کر کے سب صحابہ کو مشترکہ طور پر ہبہ کیا تھا جس کا ثبوت حدیث میں ہے (بخاری شریف نمبر ۲۵۷۰)

اصول صاحبین کے نزدیک مشترکہ ہبہ کی گنجائش ہے۔

[۱۵۰۶] (۱۷) اگر ہبہ کیا اجنبی کو کوئی ہبہ تو اس کے لئے جائز ہے واپس لے لینا۔

حاشیہ : (الف) ہبہ جائز نہیں ہے مگر جو الگ کیا گیا ہو اور علیحدہ کیا گیا ہو اور نشان لگایا گیا ہو (ب) حضرت ابن شبرمہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا اگر متعین کرے اس طرح کہ مال کا سو دینار ہبہ کر رہا ہے تو جائز ہے۔اور اگر متعین کرے اس طرح کہ مال کی تہائی یا چوتھائی ہے تو جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس کو تقسیم کر دے (ج) حضرت اسماء نے قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق کو کہا میری بہن عائشہ کی جانب سے مقام غابہ میں وارث ہوئی ہوں۔اور حضرت معاویہؓ نے مجھ کو ایک لاکھ درہم دیئے ہیں یہ تم دونوں کے لئے ہیں (د) آپؐ کے سامنے پینے کی چیز لائی گئی۔آپؐ نے پیا اور دائیں جانب لڑکا تھا اور آپؐ کے بائیں جانب بڑے بوڑھے تھے۔آپؐ نے لڑکے سے فرمایا اگر اجازت دو تو ان بوڑھوں کو دے دوں۔لڑکے نے کہا آپؐ کی جانب سے میرے حصے کو کسی اور کو ترجیح نہیں دوں گا اے اللہ کے رسول! پس اس کے ہاتھ میں پینے کی چیز دے دی۔

[۱۵۰۷](۱۸) الا ان یعوضه عنها [۱۵۰۸](۱۹) او یزید زیادة متصلة.

تشریح کسی اجنبی کوکوئی چیز ہبہ کی تو ہبہ کرنے والے کوحق ہے کہ اس چیز کو واپس کر لے۔لیکن اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو واپس نہیں لے سکتا، یا اس چیز کا کوئی بدلہ دیا تو واپس نہیں لے سکتا، یا وہ آدمی رشتہ دار ہے تو واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الرجل احق بھبتہ مالم یثب منھا** (الف)(دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۱ رسنن للبیھقی، باب المکافاۃ فی الھبۃ، ج سادس، ص ۳۰۰، نمبر ۱۲۰۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک ہبہ کا بدلہ نہ دیا جائے واہب ہبہ کو واپس لے سکتا ہے۔البتہ ہبہ واپس لینا مکروہ ہے۔حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ** (ب)(ابوداؤد شریف، باب الرجوع فی الھبۃ ج ثانی ص ۱۴۳ نمبر ۳۵۳۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الرجوع فی الھبۃ ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لے تو سکتا ہے لیکن لینا مکروہ ہے۔

[۱۵۰۷](۱۸)مگر یہ کہ ہبہ کا بدلہ دے دے۔

تشریح ہبہ کا کچھ بدلہ دیدے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔

وجہ (۱) بدلہ دینے کے بعد بیع کی صورت ہوگئی۔اور بدلہ مل گیا تو ہبہ کیسے واپس کر سکتا ہے (۲) اوپر حدیث گزری جس میں تھا کہ **مالم یثب منھا** کہ جب تک بدلہ نہ دے تو ہبہ واپس لے سکتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ بدلہ دے دینے کے بعد واہب واپس نہیں لے سکتا ہے

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موہوب لہ بدلہ نہ بھی دے تب بھی واہب واپس نہیں لے سکتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابن عمر وابن عباس عن النبی ﷺ قال لا یحل لرجل ان یعطی عطیة او یھب ھبة فیرجع فیھا الا الوالد فیما یعطی ولدہ ومثل الذی یعطی العطیة ثم یرجع فیھا کمثل الکلب یأکل فاذا شبع قاء ثم عاد فی قیئہ** (ج)(ابوداؤد شریف، باب الرجوع فی الھبۃ ص ۱۴۳ نمبر ۳۵۳۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الرجوع فی الھبۃ ص ۲۴۲ نمبر ۱۲۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کو واپس لینا حلال نہیں ہے۔صرف والد کے لئے حلال ہے کہ وہ اپنے بچے کو دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لے۔

[۱۵۰۸](۱۹)یا اس میں ایسی زیادتی کر دے جو متصل ہو۔

تشریح ہبہ کی چیز میں کوئی ایسی زیادتی ہو جائے جو ہبہ کے ساتھ متصل ہو تو اب ہبہ کی چیز کو ہبہ کرنے والا واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ جو چیز زیادہ ہوگئی اس کو الگ کر کے واپس نہیں کر سکتا۔کیونکہ وہ تو ہبہ کی چیز کے ساتھ متصل ہے۔اور اس کے ساتھ ہی واپس نہیں لے سکتا۔کیونکہ وہ تو واہب کی چیز نہیں ہے۔وہ تو موہوب لہ کے یہاں زیادہ ہوئی ہے (۲) اثر میں ہے۔**عن طاؤس عن الشعبی قالا فی**

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا آدمی ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ دے دے (ب) آپؐ نے فرمایا ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے قے کو واپس کھا جانے والا (ج) آپؐ نے فرمایا کسی آدمی کے لئے حلال نہیں ہے کہ عطیہ دے یا ہبہ کرے پھر اس کو واپس لے۔مگر جو کچھ اپنے لڑکے کو دے یعنی وہ واپس لے سکتا ہے۔اور اس کی مثال جو عطیہ دے پھر واپس لے ایسی ہے جیسے کتا کھاتا ہے، پس جب پیٹ بھر جاتا ہے تو قے کرتا ہے پھر قے کو چاٹتا ہے۔

[۱۵۰۹](۲۰) او یموت احد المتعاقدین [۱۵۱۰](۲۱) او یخرج الھبۃ من ملک

الھبۃ اذا استھلکت فلا رجوع منھا (الف)(مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۶۵۵۰ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۱۱ فی الرجل یھب الھبۃ فیرید ان یرجع فیھ، ج خامس، ص ۴۲۵، نمبر ۲۱۷۰۲) اور استہلاک کی تفسیر یہ ہے۔ عن سفیان قال تفسیر استھلاک الھبۃ ان یبیعھا او یھبھا او یأکلھا او یخرج من یدہ الی غیرہ فھذا استھلاک، قال سفیان و کان بعض من یشار الیہ یقول اذا تغیرت او احدث فیھا حدثا فلا رجوع فیھا من نحو ارض وھبت لہ فزرع فیھا زرعا او ثوبا صبغہ او دارا بناھا او جاریۃ ولدت او بیھمۃ ولدت (ب) مصنف عبد الرزاق، باب الھبۃ اذا استھلکت ج تاسع ص ۱۱۲ نمبر ۱۶۵۵۱) اس اثر میں ہے کہ ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے پھر ہلاکت کی تفصیل میں بیان کیا کہ ہبہ کی چیز بیچ دے یا ہبہ کر دے یا کھا جائے یا ہبہ کی چیز میں کوئی تبدیلی آجائے۔ اور تبدیلی کی تفسیر میں بتایا کہ مثلا زمین میں کھیتی لگا دے یا کپڑا رنگ دے یا زمین میں گھر بنا دے یا باندی بچہ دیدے یا جانور بچہ دے دے تو سب صورتیں ہبہ کی چیز میں تبدیلی ہونا ہے اور زیادتی ہونا ہے۔ اس لئے اگر ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے یا تبدیلی ہو جائے یا اس میں کوئی زیادتی متصلہ ہو جائے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے۔ کیونکہ اثر میں گزرا کہ ہبہ ہلاک ہو جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۰۹](۲۰) یا متعاقدین میں سے ایک کا انتقال ہو جائے۔

تشریح یعنی ہبہ کرنے والے یا موہوب لہ میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو واہب ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ اگر موہوب لہ کا انتقال ہو گیا تو ہبہ کی چیز اس کے ورثہ کی ملکیت ہو گئی۔ اور ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور اوپر گزر گیا کہ ہبہ میں ملکیت بدل گئی تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ اس لئے موہوب لہ کے مرنے پر ہبہ کی چیز واہب واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر واہب کا انتقال ہو گیا تو اب ہبہ کو واپس اس کا ورثہ کرے گا، اور ورثہ عقد ہبہ سے اجنبی ہے، اس نے موہوب لہ کو نہیں دیا تھا کہ وہ واپس لے۔ اس لئے وہ واپس نہیں لے سکتا (۲) اثر میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ۔ عن عمر مثلہ یعنی مثل حدیثہ الذی ذکرنا فی الفصل الذی قبل ھذا الفصل وزاد یستھلکھا او یموت احدھما (ج)(شرح معانی الآثار (طحاوی) ج ثانی ص ۲۲۳) اس اثر میں ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۰](۲۱) یا ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے۔

تشریح ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

حاشیہ : (الف) حضرت شعبی سے یہ منقول ہے ہبہ کے بارے میں کہ جب وہ ہلاک ہو جائے تو اس کو موہوب لہ واپس نہیں لے سکتا (ب) حضرت سفیان نے ہبہ کی ہلاکت کی تفسیر میں کہا یہ کہ ہبہ کی چیز کو بیچ دے، یا اس کو ہبہ کر دے، یا اس کو کھا لے، یا اس کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں چلی جائے تو یہ استہلاک ہے۔ حضرت سفیان نے فرمایا بعض جو اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ فرماتے تھے اگر ہبہ بدل جائے یا اس میں کوئی نئی چیز پیدا ہو جائے تو ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا۔ مثلا زمین ہبہ کی تھی اس میں کھیتی بو دی، یا کپڑا ہبہ کیا تھا اس کو رنگ دیا، یا زمین پر گھر تعمیر کر دیا، یا باندی نے بچہ دے دیا، یا چوپائے نے بچہ دے دیا (تو اس ہبہ میں گویا کہ نئی چیز پیدا ہو گئی) (ج) حضرت عمر کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے کہ ہبہ کی چیز ہلاک ہو جائے یا عاقدین میں سے کوئی ایک مر جائے۔

الموھوب لہ[۱۵۱۱] (۲۲) وان وھب ھبۃ لذی رحم محرم منہ فلا رجوع فیھا [۱۵۱۲] (۲۳) وکذلک ما وھب احد الزوجین من الآخر[۱۵۱۳] (۲۴) واذا قال

وجہ موہوب لہ کے پاس ہبہ رہا ہی نہیں تو واپس کیا کریں گے (۲) پہلے اثر میں گزر چکا ہے۔ عن طاؤس عن الشعبی قالا فی الھبۃ اذا استھلکت فلا رجوع فیھا (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الھبۃ اذا استھلکت ج تاسع ص ۱۱۲ نمبر ۱۶۵۵۰) اس اثر میں ہے کہ ہبہ ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکتا۔ اور وہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل گئی تو ہلاک ہونا ہی ہوا، یوں بھی ہلاک ہونے کی تفسیر گزر چکی ہے کہ ہبہ کی چیز کو بیچ دیا، یا ہبہ کر دیا، یا کھا لیا تب بھی ہلاک ہونا ہی ہے۔ جس کی وجہ سے ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۱] (۲۲) اور اگر ہبہ کیا کوئی چیز ذی رحم محرم کو تب بھی اس میں رجوع نہیں ہے۔

تشریح اگر اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ہبہ کیا تب بھی اس سے واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ (۱) اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہو گئی، اس لئے واپس نہیں لے سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کرے تو واپس نہیں لے سکتا۔ عن سمرۃ عن النبی ﷺ قال اذا کانت الھبۃ لذی رحم لم یرجع فیھا (ب) (دار قطنی، کتاب البیوع ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۵ رسنن للبیہقی، باب المکافات فی الھب، ج سادس، ص ۳۰۰، نمبر ۱۲۰۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم کو ہبہ دے تو واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۲] (۲۳) ایسے ہی اگر ہبہ کیا بیوی شوہر میں سے ایک دوسرے کو۔

تشریح اگر بیوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو ہبہ کیا تو کوئی کسی سے ہبہ واپس نہیں لے کر سکتا۔

وجہ (۱) اس ہبہ کا مقصد صلہ رحمی ہے اور وہ حاصل ہو گئی اس لئے ہبہ واپس نہیں کر سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ اگر خوشی سے ہبہ کرے تو واپس نہیں لے سکتی۔ آیت میں ہے۔ وآتوا النساء صدقتھن نحلہ فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا (ج) (آیت ۴ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ خوشی سے ہبہ کرے تو کھا سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت اس کو واپس نہیں لے سکتی (۳) اثر میں اس کا فیصلہ ہے۔ قال ابراھیم جائزۃ وقال عمر بن عبد العزیز لا یرجعان (د) (بخاری شریف، باب ھبۃ الرجل لامرأتہ والمرأۃ لزوجھا ص نمبر ۲۵۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے سے ہبہ واپس نہیں لے سکتے۔ اور حضرت ابراہیم کا قول جاز کا مطلب بھی یہی ہے کہ جائز ہے کہ واپس نہ لے۔

[۱۵۱۳] (۲۴) اگر موہوب لہ نے واہب سے کہا کہ یہ اپنے ہبہ کے عوض میں لو یا بدلے میں لو یا اس کے مقابلہ میں لو، پس واہب نے اس پر قبضہ کر لیا تو حق رجوع ساقط ہو جائے گا۔

حاشیہ: (الف) حضرت طاؤس اور شعبی سے ہبہ کے بارے میں ہے کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا (ب) آپؐ نے فرمایا اگر ہبہ ذی رحم محرم کو کرے تو اس کو واپس نہیں کر سکتا (ج) عورتوں کو اس کا مہر خوشی سے دو، پس اگر وہ کچھ خوشدلی سے دے دیں تو اس کو رچتا پچتا کھاؤ (د) ابراہیم نے فرمایا ہبہ جائز ہے، عمر ابن عبد العزیز نے فرمایا دونوں رجوع نہیں کر سکتے۔

الموھوب لہ للواھب خذ ھذا عوضا عن ھبتک او بدلا عنھا او فی مقابلتھا فقبضہ الواھب سقط الرجوع [۱۵۱۴](۲۵) وان عوضہ اجنبی عن الموھوب لہ متبرعا فقبض الواھب العوض سقط الرجوع[۱۵۱۵] (۲۶) واذا استحق نصف الھبة رجع بنصف

تشریح موہوب لہ نے ہبہ کرنے والے کو باضابطہ کہا کہ یہ ہبہ کا بدلہ ہے اس کو لے لو۔اوراس پر ہبہ کرنے والے نے بدلے کی چیز لے لی تو اب ہبہ واپس لینے کا حق ساقط ہو گیا۔

وجہ جب بدلہ پر قبضہ کر لیا تو واپس لینے کا حق ساقط ہو گیا(۲)اوپر حدیث گزر چکی ہے۔عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الرجل احق بھبتہ مالم یثب منھا (الف)(دار قطنی،کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۹ نمبر ۲۹۵۱ رسنن للبیھقی، باب المکافاۃ فی الھبۃ، ج سادس،ص ۳۰۰،نمبر ۱۲۰۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہبہ کا بدلہ دے دیا جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا۔

[۱۵۱۴](۲۵)اوراگر موہوب لہ کی جانب سے اجنبی نے احسان کے طور پر ہبہ کا بدلہ دیا اور ہبہ کرنے والے نے عوض پر قبضہ کر لیا تو رجوع کا حق ساقط ہو گیا۔

تشریح خود موہوب لہ نے واہب کو ہبہ کا بدلہ نہیں دیا بلکہ دوسرے اجنبی آدمی نے موہوب لہ کی جانب سے تبرعا اور احسانا ہبہ کا بدلہ دیا اور واہب نے قبول کر لیا تب بھی واپس لینے کا حق ساقط ہو جائے گا۔

وجہ واہب کو ہبہ کا بدلہ چاہئے چاہے کوئی بھی دے۔اس لئے اجنبی کے بدلہ دینے سے بھی واپس لینے کا حق ساقط ہو جائے گا۔کیونکہ بدلہ تو واہب کو مل گیا۔حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ہبہ کا بدلہ کوئی بھی دے سکتا ہے،وہ حق رجوع کو ساقط کرنے کے لئے کافی ہے۔

الحاصل ہبہ واپس لینے کا حق ان سات وجہ سے ساقط ہو جائے گا (۱) بدلہ دیدے (۲) ہبہ میں زیادتی ہو جائے (۳) متعاقدین میں سے کوئی مر جائے (۴) ہبہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے (۵) ذی رحم محرم کو ہبہ کرے (۶) بیوی شوہر کو یا شوہر بیوی کو ہبہ کرے (۷) اجنبی ہبہ کا بدلہ دیدے تو حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔

[۱۵۱۵](۲۶)اگر حقدار نکل آئے آدھے ہبہ کا تو آدھا عوض واپس لے سکتا ہے۔

تشریح موہوب لہ نے ہبہ کے بدلے میں واہب کو کچھ چیز دی تھی جو مثلا ایک ہزار درہم کی تھی۔بعد میں موہوب لہ کے پاس جو ہبہ تھا اس میں سے آدھا اور کا نکل گیا تو موہوب لہ کو حق ہے کہ واہب سے اپنی دی ہوئی چیز کا آدھا لے لے جو مثال مذکور میں پانچ سو درہم کی مقدار ہو گی۔

وجہ موہوب لہ نے ہبہ کا بدلہ دیا تو ایک قسم کی خرید وفروخت ہو گئی۔اوراس لئے دیا تا کہ ہبہ اس کے ہاتھ مین سالم رہے اور یہاں آدھا ہبہ دوسرے کا نکل گیا اس لئے اپنا آدھا دیا ہوا عوض واپس لے سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ ؐ نے فرمایا آدمی ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ ادا کر دے۔

العوض [۱۵۱۶](۲۷) وان استحق نصف العوض لم یرجع فی الھبة بشیء الا ان یرد ما بقی من العوض ثم یرجع فی کل الھبة [۱۵۱۷](۲۸) ولا یصح الرجوع فی الھبة الا بتراضیھما او بحکم الحاکم [۱۵۱۸] (۲۹) واذا تلفت العین الموھوبة ثم استحقھا

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بدلہ دینے کے بعد ہبہ بیع کی طرح ہو گیا۔

[۱۵۱۶](۲۷)اور اگر آدھے عوض کا کوئی حقدار نکل گیا تو کچھ بھی واپس نہیں لے گا ہبہ سے مگر یہ کے لوٹائے باقی عوض کو پھر کل ہبہ واپس لے لے۔

تشریح واہب نے موہوب لہ سے ہبہ کے بدلے میں مثلا ایک ہزار درہم کی گائے لی تھی۔ بعد میں اس عوض یعنی آدھی گائے کا کوئی حقدار نکل گیا تو واہب کو یہ حق نہیں ہے کہ آدھا ہبہ موہوب لہ سے واپس لے لے، ہاں! یہ کر سکتا ہے کہ باقی آدھی گائے جو واہب کے پاس ہے اس کو موہوب لہ کی طرف واپس کرے پھر پورا ہبہ واپس لے لے۔

وجہ شروع میں اگر موہوب لہ آدھی گائے بھی ہبہ کے بدلے مین دیتا تب بھی ہبہ کا بدلہ ہو جاتا۔ اس لئے درمیان میں آدھی گائے ہو گئی تب بھی وہ ہبہ کا بدلہ ہے۔ اس لئے واہب آدھا ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ لیکن چونکہ عوض کی لالچ میں ہبہ کیا ہے اس لئے اس کے لئے گنجائش دی گئی کہ حقدار نکلنے کے بعد جو حصہ باقی رہ گیا وہ بھی موہوب لہ کی طرف واپس کرے، اب چونکہ ہبہ بغیر بدلے کے رہ گیا اس لئے اب پورا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کچھ بدلہ بھی واہب کے پاس موجود ہو تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔ البتہ پورا عوض ہی اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو اب ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

[۱۵۱۷](۲۸)اور ہبہ میں رجوع صحیح نہیں ہے مگر دونوں کی رضامندی سے یا قاضی کے فیصلے سے۔

تشریح واہب اور موہوب لہ دونوں ہبہ واپس کرنے پر راضی ہوں تب ہی ہبہ واپس لے سکتا ہے۔ یا پھر قاضی کے ذریعہ واپس کروانے کا فیصلہ کروا لے تب واپس لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

وجہ ہبہ کو واپس کرنا مختلف فیہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک واپس کر ہی نہیں سکتا ہے۔ واپس کی کراہیت کے لئے حدیث بھی گزری ہے اس لئے واپس کرنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک چاہئے، یا تو دونوں راضی ہوں یا پھر قاضی کا فیصلہ ہو تب واہب ہبہ واپس لے سکتا ہے۔

[۱۵۱۸](۲۹)اگر تلف ہو جائے ہبہ کی ہوئی چیز پھر اس کا کوئی حقدار نکل آئے اور موہوب لہ کو ضامن بنا دے تو واہب سے کچھ نہیں لے سکتا

تشریح موہوب لہ کے پاس ہبہ کی چیز تھی وہ ہلاک ہو گئی بعد میں اس چیز کا کوئی حقدار نکل آیا اور موہوب لہ کو اس کا ضامن بنایا، کیونکہ وہ چیز ہلاک ہو گئی تھی تو موہوب لہ اس ضمان کو واہب سے وصول نہیں کر سکتا ہے۔

وجہ بنیادی طور پر ہبہ کی چیز میں بدلہ نہیں لیا جاتا بلکہ وہ تبرع اور احسان کے طور پر واہب عطا کرتا ہے۔ اس لئے واہب ہبہ کی چیز کی سلامت کا

مستحق فضمن الموهوب له لم يرجع على الواهب شيء[۱۵۱۹] (۳۰) واذا وهب بشرط العوض اعتبر التقابض فى العوضين جميعا واذا تقابضا صح العقد وكان فى حكم البيع يرد بالعيب وخيار الرؤية ويجب فيها الشفعة[۱۵۲۰] (۳۱) والعمرىٰ جائزة

ذمہ دار نہیں ہے، چونکہ وہ سلامت کا ذمہ دار نہیں ہے اس لئے موہوب لہ واہب سے ضمان وصول نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف بیع میں تو بدلہ ہوتا ہے اس لئے وہاں مشتری سلامت کا ذمہ دار ہے۔ اس لئے قیمت کا کوئی حقدار نکل آئے تو مشتری سے اس کا ضمان لیا جائے گا۔ ہبہ خالص تبرع اور احسان ہے۔ اس لئے واہب سے دیا ہوا ضمان وصول نہیں کر سکے گا۔

اصول تبرع اور احسان میں چیز کی سلامت کا ذمہ دار احسان کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اس اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

لغت تلف : تلف ہو جائے، ہلاک ہو جائے۔

[۱۵۱۹] (۳۰) اگر ہبہ کیا بدلے کی شرط پر تو ضروری ہوگا دونوں عوضوں پر قبضہ ہونا، اور جب دونوں نے قبضہ کر لیا تو صحیح ہو جائے گا عقد اور ہوگا یہ بیع کے حکم میں کہ واپس ہو سکے گا خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے اور واجب ہوگا اس میں شفعہ۔

تشریح واہب نے اس شرط پر ہبہ کیا کہ اس کا بدلہ دو گے تو اس ہبہ کی دو جہتیں ہو گئیں۔ لفظ کے اعتبار سے یہ ہبہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ بیع ہے۔ اس لئے اس ہبہ میں دونوں کی رعایت ضروری ہے۔ چنانچہ ہبہ ہونے کے اعتبار سے دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے، قبضہ کرے گا تو عقد صحیح ہوگا ورنہ نہیں، اور چونکہ دونوں جانب سے ہبہ ہوئے اس لئے دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے۔

وجہ پہلے اثر میں گزر رہا ہے۔ عن ابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتى تقبض (الف) (سنن للبیھقی، باب شرط القبض فی الھبۃ، ج سادس، ص ۲۸۱، نمبر ۱۱۹۵۱) اس سے معلوم ہوا کہ ہبہ پر قبضہ ضروری ہے۔ اور بدلے کی شرط پر ہبہ کیا ہے اس لئے معنی کے اعتبار سے یہ بیع ہے۔ اس لئے بیع کی شرطوں کی رعایت ہوگی۔ چنانچہ اس ہبہ میں خیار رویت اور خیار عیب جاری ہوں گے۔ اور ان کی وجہ سے ہبہ واپس ہو سکے گا۔ اگر ہبہ میں زمین ہو تو اس میں حق شفعہ بھی جاری ہوگا۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

اصول لفظ اور معنی دونوں کا اعتبار حتی الامکان کیا جائے گا۔

فائدہ امام شافعی اور امام زفر یہاں معنی کا اعتبار کرتے ہیں اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے صرف بیع ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں مجلس میں قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اصول ان کا اصول ہے کہ صرف معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔

﴿ عمریٰ کا بیان ﴾

[۱۵۲۰] (۳۱) عمریٰ جائز ہے معمر لہ کے لئے، اس کی زندگی میں ہوگا اور اس کے ورثہ کے لئے ہوگا اس کے مرنے کے بعد۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا صدقہ جائز نہیں ہے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرا دیا جائے۔

للمعمر له فی حال حیاته ولورثته بعد موته [۱۵۲۱](۳۲) والرقبیٰ باطلة عند ابی حنیفة

تشریح عمری کالفظی معنی تو ہے کہ تمہاری زندگی تک یہ چیز تمہارے لئے دیتا ہوں لیکن تمہارے مرنے کے بعد میں اس کو واپس لے لوں گا۔ یہ چیز تمہارے ورثہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمری کا لفظ سے ہبہ کر دیا تو وہ چیز مکمل موہوب لہ جس کو معمر لہ کہتے ہیں اس کی ہو جائے گی۔ اور معمر لہ کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں یہ چیز تقسیم ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ قال ایما رجل اعمر عمری له ولعقبه فانها للذی اعطیها لا ترجع الی الذی اعطاها لانه اعطی عطاء وقعت فیه المواريث** (الف) (مسلم شریف، باب العمریٰ ص ۷۳ نمبر ۱۶۲۵/ ابو داؤد شریف، باب فی العمریٰ ص ۱۴۴ نمبر ۳۵۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمریٰ کرنا جائز ہے اور معمر لہ کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی (۲) اسی راوی سے دوسری حدیث میں ہے۔ **عن جابر عن النبی ﷺ انه قال العمری میراث لاهلها** (ب) (مسلم شریف، باب العمریٰ ص ۷۳ نمبر ۱۶۲۵/ بخاری شریف، باب ما قیل فی العمری والرقبیٰ ص ۳۵۷ نمبر ۲۶۲۵) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عمریٰ کی چیز معمر لہ کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

[۱۵۲۱] (۳۲) رقبیٰ باطل ہے ابو حنیفہ کے نزدیک اور محمد کے نزدیک اور کہا ابو یوسف نے کہ جائز ہے۔

تشریح رقبیٰ کی صورت یہ ہے کہ واہب کہے یہ چیز ہبہ کرتا ہوں اس طرح کہ اگر میں پہلے مر گیا تو یہ چیز تیری رہے گی۔ اور آپ پہلے مر گئے تو یہ چیز میری ہوگی۔ چونکہ اس صورت میں پہلے کون مرے اس کا انتظار رہتا ہے۔ اس لئے اس کو رقبیٰ کہتے ہیں۔ چونکہ اس صورت میں واہب موہوب لہ کے پہلے مرنے کا انتظار کرتا ہے تا کہ وہ چیز اس کو مل جائے اور موہوب لہ واہب کے پہلے مرنے کا انتظار کرتا ہے تا کہ یہ چیز موہوب لہ کو مل جائے۔ یہ ایک دوسرے کے موت کی تمنا کا طریقہ ہے اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ حدیث میں کراہیت کا پتہ چلتا ہے۔ **عن زید بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ من اعمر شیئا فهو لمعمره محیاه ومماته ولا ترقبوا فمن ارقب شیئا فهو سبیله** (ج) (ابو داؤد شریف، باب فی الرقبیٰ ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۵۹/ نسائی شریف، کتاب الرقبیٰ ص ۱۱۹ نمبر ۳۷۳۸) اس حدیث میں رقبیٰ کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک رقبیٰ جائز نہیں ہے۔

نوٹ تاہم اگر رقبیٰ کر ہی دیا تو جس کے لئے رقبیٰ کیا مال اس کے لئے مکمل ہو جائے گا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن جابر قال قال رسول الله ﷺ العمریٰ جائزة لاهلها والرقبیٰ جائزة لاهلها** (د) (ابو

حاشیہ : (الف) کوئی آدمی عمریٰ کرے اور اس کے بعد والوں کے لئے بھی عمریٰ کر دے تو وہ مال اس کے لئے ہوگا جس کے لئے دیا۔ دینے والے کی طرف واپس نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ ایسا دیا جس میں معمر لہ کی وراثت جاری ہو (ب) آپؐ نے فرمایا عمریٰ معمر لہ کا میراث ہوگا (ج) آپؐ نے فرمایا جس نے معمر لہ کے عمری کیا تو اس کی زندگی اور موت کے بعد اسی کی ہے۔ رقبیٰ مت کرو، تاہم جس نے رقبیٰ کیا تو وہ رقبیٰ میں چلا جائے گا (د) آپؐ نے فرمایا عمری معمر کے لئے جائز ہے۔ اور رقبیٰ اس کے لئے جائز ہے جس کے لئے رقبیٰ کیا۔

و محمد رحمها الله تعالی وقال ابو یوسف رحمه الله جائزة[١٥٢٢](٣٣) ومن وهب جارية الا حملها صحت الهبة وبطل الاستثناء[١٥٢٣](٣٤) والصدقة كالهبة لا تصح الا بالقبض [١٥٢٤](٣٥) ولا تجوز الصدقة فی مشاع الذی یحتمل القسمة.

داؤد شریف، باب فی الرقبی ص ١٤٥ نمبر ٣٥٥٨ رنسائی شریف، کتاب الرقبی ص ۱۱۹ نمبر ٣٧٣٦)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رقبی کرنا جائز ہے۔اور رقبی کے معنی ان کے یہاں یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز تیری ہے۔اور یہ جائز کی صورت ہے۔

[١٥٢٢](٣٣) کسی نے باندی ہبہ کی مگر اس کا حمل تو ہبہ صحیح ہے اور استثناء باطل ہے۔

تشریح کسی نے باندی ہبہ کی لیکن کہا کہ اس کا حمل ہبہ نہیں کرتا ہوں تو پوری باندی کا ہبہ ہوگا اور حمل کی نفی کرنا اور اس کا استثناء کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

وجہ حمل باندی کا جز ہے اور جز کل سے علیحدہ ہبہ نہیں ہوسکتا۔اس لئے باندی ہبہ کی تو حمل بھی ہبہ ہو جائے گا (٢) بیع میں گزرا کہ باندی بیچے اور حمل کا استثناء کرے تو جائز نہیں ہے اسی طرح ہبہ کا معاملہ ہے۔تاہم وہاں بیع فاسد ہو جاتی ہے لیکن ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اس لئے ہبہ درست رہے گا (٣) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن جابر بن عبد الله قال نهی رسول الله ﷺ عن المزاينة وعن المحاقلة وعن الثنيا الا ان يعلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة ص ١٢٧ نمبر ٣٤٠٥ رترمذی شریف، باب ماجاء فی النهی عن الثنيا ص ٢٤٢ نمبر ١٢٩٠)اس حدیث میں مجہول استثناء سے منع فرمایا ہے۔اس لئے حمل کو ہبہ سے مستثنی کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿ صدقہ کا بیان ﴾

[١٥٢٣](٣٤) صدقہ ہبہ کی طرح ہے، نہیں صحیح ہوتا ہے مگر قبضہ کے بعد۔

تشریح جس طرح ہبہ کا حکم ہے اسی طرح صدقہ کا بھی حکم ہے۔یعنی ہبہ قبضہ کے بعد مکمل ہوتا ہے اسی طرح صدقہ پر قبضہ کے بعد مکمل ہوگا۔

وجہ صدقہ بھی ہبہ کی طرح تبرع اور احسان ہوتا ہے اور مفت لینا ہوتا ہے۔اس لئے اگر صدقہ دینے والے نے کہہ دیا کہ میں آپ کو صدقہ دوں گا تو صرف اس سے صدقہ لینے والا صدقے کا مالک نہیں ہوگا جب تک صدقے پر قبضہ نہ کرے (٢) اثر میں ہے کہ صدقہ پر قبضہ کئے بغیر مالک نہیں ہوگا۔عن عثمان وابن عمر وابن عباس انهم قالوا لا تجوز صدقة حتى تقبض وعن معاذ بن جبل وشريح انهما كانا لا يجيز انها حتى تقبض (ب) (سنن للبیھقی، باب شرط القبض فی الھبة، ج سادس، ص ٢٨١، نمبر ١١٩٥١)اس اثر میں ہے کہ صدقہ پر قبضہ کئے بغیر صدقہ جائز نہیں ہوگا۔

[١٥٢٤](٣٥) صدقہ جائز نہیں ہے مشترک چیز میں جو تقسیم ہو سکتی ہو۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے مزابنہ، محاقلہ اور استثناء کرنے سے روکا مگر یہ کہ مستثنی منہ معلوم ہو (ب) حضرت عثمان، ابن عمر اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ صدقہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرائے۔اور حضرت معاذ اور شریح نے فرمایا کہ صدقہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ دلائے۔

[۱۵۲۵] (۳۶) واذا تصدق علی فقیرین بشیء جاز[۱۵۲۶] (۳۷) ولا یصح الرجوع

تشریح ہبہ کے بارے میں گزرا کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس کو تقسیم کئے بغیر ہبہ کرنا جائز نہیں اسی طرح صدقہ کے بارے میں ہے کہ جو چیز تقسیم ہو سکتی ہو اس کو تقسیم کئے بغیر صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **کتب عمر ابن عبد العزیز انہ لا یجوز من النحل الا ماعزل وافرد واعلم** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب النحل ج تاسع ص ۱۰۴ نمبر ۱۶۵۱۴) (۲) **عن ابن شبرمة قال ان لم یجز کل واحد منھما ما وھب لہ صاحبہ فلیس بشیء** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب حیازة ما وھب احدھما لصاحبہ ج تاسع ص ۱۱۶ نمبر ۱۶۵۷۰) ان دونوں اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک تقسیم نہ کیا جائے تو ہبہ جائز نہیں ہے اور یہی حال صدقہ کا بھی ہے کہ وہ تقسیم کئے بغیر جائز نہیں۔

نوٹ اگر چیز تقسیم کرنے سے برباد ہو تو پھر مجبوری ہے۔ بغیر تقسیم کئے بھی صدقہ جائز ہوگا۔

[۱۵۲۵] (۳۶) اگر دو فقیروں پر صدقہ کیا تو جائز ہے۔

تشریح دو فقیروں پر ایک چیز صدقہ کرے گا تو دونوں کی شرکت ہوگی اور غیر تقسیم شدہ صدقہ ہوگا اس لئے قاعدے کے اعتبار سے جائز نہیں ہونا چاہئے لیکن پھر بھی جائز ہے۔

وجہ صدقہ کا مال پہلے اللہ کے ہاتھ میں پڑتا ہے پھر گویا کہ وہ مال فقیر کے ہاتھ میں پڑتا ہے۔ اور اللہ ایک ہے اس لئے شرکت نہیں ہوئی۔ اس لئے صدقہ کا مال دو فقیروں کو صدقہ کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

نوٹ صاحبین کے نزدیک تو پہلے بھی دو آدمیوں کو ہبہ جائز تھا اس لئے دو آدمیوں پر صدقہ بھی جائز ہوگا۔

وجہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن سھل بن سعد ان النبی ﷺ اتی بشراب فشرب ویمینہ غلام وعن یسارہ الاشیاخ فقال للغلام ان اذنت لی اعطیت ھؤلاء فقال ما کنت لاوثر بنصیبی منک یا رسول اللہ احدا فتلہ فی یدہ** (ج) (بخاری شریف، باب ہبة الواحد للجماعة ص نمبر ۲۶۰۲) اس حدیث سے مشترک ہبہ جائز ہوا تو مشترک صدقہ بھی جائز ہوگا۔

[۱۵۲۶] (۳۷) قبضے کے بعد صدقہ کو واپس لینا صحیح نہیں ہے۔

وجہ صدقہ کرنے کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اس کو ثواب حاصل ہو گیا تو گویا کہ صدقہ کا بدلہ مل گیا تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے (۲) ہبہ کو واپس لینے کے بارے میں یہ حدیث گزری۔ **عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ** (د) (بخاری شریف، باب لا یحل لاحد ان یرجع فی ھبتہ وصدقتہ ص نمبر ۲۶۲۱ رمسلم شریف، باب تحریم الرجوع فی الصدقة بعد القبض الا ما وھبہ

حاشیہ : (الف) عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو علیحدہ کیا جائے اور الگ کیا جائے اور اس پر نشان لگایا جائے (ب) حضرت ابن شبرمہ نے فرمایا اگر دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جو کچھ ہبہ کیا موہوب لہ سے تو ہبہ نہیں ہوا (ج) آپ کے سامنے پینے کی چیز لائی گئی، آپ نے پی اور دائیں جانب لڑکا تھا اور بائیں جانب بڑے بوڑھے تھے تو لڑکے سے کہا اگر اجازت دو تو ان لوگوں کو دوں۔ لڑکے نے کہا آپ کا دیا ہوا حصہ کو کسی اور کو ترجیح نہیں دوں گا، پس اس کے ہاتھ میں دے دیا (د) آپ نے فرمایا ہبہ واپس لینے والا قے کو واپس لینے والے کی طرح ہے۔

فی الصدقة بعد القبض[۱۵۲۷] (۳۸) ومن نذر ان یتصدق بماله لزمه ان یتصدق بجنس ما تجب فیه الزکوة[۱۵۲۸] (۳۹) ومن نذر ان یتصدقبملکه لزمه ان یتصدق بالجمیع [۱۵۲۹] (۴۰) ویقال له امسک منه مقدار ما تنفقه علی نفسک وعیالک الی ان

لولده وان سفل ص نمبر۱۶۲۲)اس حدیث کی بنا پر صدقہ واپس لینا جائز نہیں ہے۔قال عمر حملت علی فرس فی سبیل الله فرأیته یباع فسألت رسول الله ﷺ فقال لا تشتره ولا تعد فی صدقتک (الف)(بخاری شریف، باب اذا حمل رجل علی فرس فھو کالعمری والصدقۃ ص نمبر ۲۶۳۶)اس حدیث میں صدقہ واپس لینے سے منع فرمایا ہے اس لئے اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔

[۱۵۲۷](۳۸)کسی نے نذر مانی کہ صدقہ کرے گا اپنے مال کو تو اس پر لازم ہے کہ صدقہ کرے اس قسم کا مال جس میں صدقہ واجب ہے۔

تشریح کسی نے نذر مانی کہ میں اپنا مال صدقہ کروں گا تو ان مالوں کو صدقہ کرنا واجب ہوگا جن میں اس پر زکوۃ واجب تھی۔جن مالوں میں اس پر زکوۃ واجب نہیں تھی ان کو صدقہ کرنا لازم نہیں ہوگا۔

وجہ مال تو محاورے میں کسی بھی مال کو کہتے ہیں۔لیکن شریعت میں جب مال بولا جاتا ہے تو اس مال کو مال کہتے ہیں جن میں زکاۃ واجب ہو(۲)آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے۔خذ من اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم (آیت ۱۰۳ سورۃ التوبۃ ۹)دوسری آیت میں ہت۔وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (آیت ۱۹ سورۃ الذاریات ۵۱)ان دونوں آیتوں میں مال بول کر زکوۃ مراد لیا ہے۔اس لئے مطلق مال سے شریعت میں مال زکوۃ مراد ہوگا اور اسی کو صدقہ کرنا ہوگا نوٹ کوئی اور علامت نہ ہو تو قضا میں یہ فیصلہ کیا جائے گا، ورنہ عموما کوئی بھی مال مراد لیا جا سکتا ہے۔

[۱۵۲۸](۳۹)کسی نے نذر مانی کہ صدقہ کرے گا اپنی ملکیت کو تو اس پر لازم ہے کہ صدقہ کرے تمام مال کو۔

وجہ ملکیت میں تمام ہی مال شامل ہو جاتے ہیں۔سبھی اس کی ملکیت میں ہیں اس لئے اگر نذر مانی کہ اپنی ملکیت کو صدقہ کرے گا تو تمام مال صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

اصول ملکیت میں تمام ملکیت شامل ہے۔

[۱۵۲۹](۴۰)نذر ماننے والے سے کہا جائے گا اتنی مقدار روک لیں جو خرچ ہو اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر اس وقت تک کہ آپ مال کما لیں، پس جب کما لے مال تو صدقہ کرے اس کے برابر جو اپنے لئے روکا تھا۔

تشریح پوری ملکیت صدقہ کرنے کی نذر کی وجہ سے پورا مال صدقہ کرنا پڑے گا جس سے اس کے بال بچے ہلاک ہو جائیں گے۔اس لئے اتنا مال صدقہ روک لے جس سے اس کی ذات اور بال بچے کا خرچ چل سکے۔پھر جب مال کمائے تو اتنا مال صدقہ کر دے جتنا پہلے اپنے لئے

حاشیہ : (الف) حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے گھوڑے کو اللہ کے راستے میں وقف کیا، پس دیکھا کہ وہ بیچا جا رہا ہے۔میں نے حضورؐ سے پوچھا۔آپؐ نے فرمایا اس کو مت خریدو اور صدقہ واپس مت لو۔

تکسب مالا فاذا اکتسبت مالا تصدقه بمثل ما امسکت لنفسک.

روکے رکھا تھا۔

وجہ کیونکہ نذر کی وجہ سے پورا مال صدقہ کرنا لازم تھا۔



﴿ کتاب الوقف ﴾

[۱۵۳۰](۱) لا یزول ملک الواقف عن الوقف عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی الا ان

﴿ کتاب الوقف ﴾

ضروری نوٹ وقف کا معنی روکنا ہے۔ وقف میں زمین، جائداد غریبوں کے لئے روکتے ہیں اس لئے اس کو روکنا کہتے ہیں۔ وقف کا اشارہ آیت میں ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل منکم (آیت ۱۰۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ﷺ وصیت کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس میں وقف کرنا بھی ہے اس لئے یہ آیت وقف کی طرف اشارہ ہے۔ اور حدیث میں یہ ہے۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ یستامرہ فیھا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منه فماتأمرنی؟ به قال ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انه لا یباع ولا یوھب ولا یورث وتصدق بھا فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیھا ان یأکل منھا بالمعروف ویطعم غیر متمول (الف) (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشروط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷ مسلم شریف، باب الوقف ص ۴۱ نمبر ۱۶۳۲) اس حدیث سے وقف جائز ہونے کا پتہ چلا۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ کن کن شرطوں کے ساتھ وقف کیا جا سکتا ہے۔

[۱۵۳۰](۱) نہیں زائل ہوگی واقف کی ملک وقف سے ابو حنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے یا اپنی موت پر معلق کر دے اور یوں کہے کہ جب میں مر جاؤں تو اپنا گھر فلاں پر وقف کر دیا۔

تشریح وقف کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور وقف کرنے سے وقف ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ یہ جائداد ہے اس لئے واقف کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب وقف کرنے پر حاکم کا فیصلہ ہو جائے، یا وقف کو موت پر معلق کر دے، یوں کہے کہ اگر میں مر گیا تو میرا گھر فلاں کے لئے وقف ہے۔

وجہ موت پر آدمی کی ملکیت تمام چیز سے ختم ہو جاتی ہے اس لئے واقف کی ملکیت موت سے ختم ہو گئی۔ اب چونکہ موقوف علیہ کے لئے دے چکا ہے اس لئے ورثہ کے بجائے موقف علیہ مالک بن جائے گا (۲) اسی طرح قاضی کے فیصلے سے کسی کی بھی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے وقف کے مال سے بھی ملکیت ختم ہو جائے گی (۳) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ ان سعد بن عبادۃ اخا بنی ساعدۃ توفیت امه وھو غائب فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ان امی تفویت وانا غائب عنھا فھل ینفعھا شیء ان تصدقت به عنھا

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطاب نے خیبر میں زمین حاصل کی تو حضورؐ کے پاس مشورہ کے لئے آئے۔ پس کہا یا رسول اللہ مجھے خیبر میں زمین ملی ہے، اتنی اچھی زمین کبھی نہیں ملی تھی تو آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اصل کو روک لو اور اس کا نفع صدقہ کر دو۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس کو صدقہ کیا اس طرح کہ نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی نہ وارث بنائی جائے گی۔ اور نفع فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرنے، اللہ کے راستے میں، مسافر کے لئے، مہمانوں کے لئے خرچ کیا جائے۔ کوئی حرج نہیں ہے اس پر جو نگرانی کرے کہ اس سے مناسب انداز میں کھائے۔ اور بغیر مالدار بنائے کھلائے۔

یحکم به الحاکم او یعلقه بموته فیقول اذا مت فقد وقفت داری علی کذا[۱۵۳۱] (۲) وقال ابو یوسف رحمه الله یزول الملک بمجرد القول[۱۵۳۲] (۳) وقال محمد رحمه الله تعالی لا یزول الملک حتی یجعل للوقف ولیا ویسلمه الیه.

قال نعم قال فانی اشهدک ان حائطی المخراف صدقة علیها (الف) (بخاری شریف، باب الاشھاد فی الوقف والصدقۃ ص ۳۸۷ نمبر ۲۷۶۲) اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ نے وقف پر گواہ بنایا اور حضورؐ کو گواہ بنایا گویا کہ حتمی وقف کے لئے فیصلہ بھی کروانا ہے۔ اس لئے اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ قاضی یا والی کے فیصلہ کے بعد وقف کی چیز واقف کی ملکیت سے نکلے گی (۳) حضرت عمر کے اثر سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ وقف لکھوانا چاہئے۔ عن یحیی ابن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب قال نسخها لی عبد الحمید بن عبد الله بن عبد الله بن عمر بن الخطاب بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما کتب عبد الله عمر فی ثمغ فقص من خبره نحو حدیث نافع (ب (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹) اس اثر میں حضرت عمر نے وقف کو باضابطہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ لکھنے کے بعد واقف کی ملکیت ختم ہوگی۔

[۱۵۳۱] (۲) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا زائل ہو جائے گی ملک صرف کہنے ہی سے۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف صرف کہہ دے کہ میں نے وقف کیا تو اس کی ملکیت وقف کے مال سے ختم ہو جائے گی، چاہے حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو یا موت پر وقف معلق نہ کیا ہو۔

وجہ ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن مین واقف نے موت پر معلق کیا ہے اور نہ فیصلہ کروایا ہے۔ مثلا حدیث میں ہے۔ عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا ولله لا نطلب ثمنه الا الی الله (ج) (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعۃ ارضا مشاعا فھو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱) اس حدیث میں قضاء قاضی کا تذکرہ ہے نہ موت پر معلق کیا ہے، اور زمین کی ملکیت صرف واقف کے کہنے سے ختم ہوگئی ہے۔

[۱۵۳۲] (۳) اور امام محمدؒ نے فرمایا نہیں زائل ہوگی ملکیت یہاں تک کہ وقف کے لئے کسی کو ولی بنائے اور اس کو اس کی طرف سپرد کردے

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت اس وقت زائل ہوگی جب وقف کے لئے کسی کو ولی بنائے اور وقف اس کو سپرد کردے تب ملکیت زائل ہوگی۔

حاشیہ: (الف) سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہوا اس حال میں کہ وہ غیر حاضر تھے۔ پس حضورؐ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہوا اور میں غائب تھا۔ کیا اگر میں صدقہ کچھ ان کو نفع دے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! سعد نے فرمایا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ مخراف کا باغ ماں کے لئے صدقہ ہے (ب) عمر بن خطاب نے ثمغ کے صدقے کے بارے میں یوں لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ لکھا اللہ کے بندے عمر نے مقام ثمغ کے بارے میں، پھر حضرت نافع کی حدیث کی طرح بیان کیا (ج) آپؐ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو آپؐ نے فرمایا بنی نجار مجھ سے اس باغ کا بھاؤ کرو۔ ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم اس کی قیمت نہیں چاہتے ہیں مگر اللہ سے۔

[۱۵۳۳] (۴) واذا صح الوقف علی اختلافهم خرج من ملک الواقف ولم یدخل فی الموقوف علیه[۱۵۳۴] (۵) ووقف المشاع جائز عند ابی یوسف رحمه الله.

وجہ اوپر کی حدیث میں بنونجار نے حضور کوزمین کا ولی بنایا اور اس کو سپرد کر دیا تب ان کی ملکیت وقف سے ختم ہوئی۔اس لئے ولی بنائے اور اس کے سپرد کرے تب ملکیت ختم ہوگی۔

[۱۵۳۳] (۴) جب وقف صحیح ہو جائے ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور نہیں داخل ہوگا موقوف علیہ کی ملکیت میں۔

تشریح اوپر جو امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف گزرا اس اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہو جائے تو یہ ہوگا کہ واقف کی ملکیت سے وقف کی چیز نکل جائے گی۔لیکن جن پر وقف کیا ہے وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔یہی وجہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی مال وقف بیچنا یا ہبہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتے۔

وجہ وقف کا مطلب یہی ہے کہ واقف کی ملکیت میں نہ رہے۔اس لئے اس کی ملکیت سے نکل جائے گی۔البتہ وہ وقف کی نگرانی کر سکتا ہے۔اور ساتھ ہی مطلب یہ ہے کہ موقوف علیہ اس کے فوائد سے منتفع ہوتا رہے۔یہ نہیں ہے کہ اس کو بیچ دے (۲) حدیث میں ہے۔**عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخيبر فاتى النبى ﷺ يستامره فيها فقال يا رسول الله انى اصبت ارضا بخيبر لم اصب مالا قط انفس عندى منه فماتأمرنى به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لا يباع ولا يوهب ولا يورث وتصدق بها فى الفقراء وفى القربى وفى الرقاب وفى سبيل الله وابن السبيل والضيف لا جناح على من وليها ان يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول** (الف) (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس حدیث میں آپؐ نے یوں فرمایا کہ **حبست اصلها** جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اصل کو روک رکھے یعنی موقوف کسی کی ملکیت نہ ہو۔اور آگے جملہ ہے کہ وقف بیچا بھی نہ جائے، ہبہ بھی نہ کیا جائے اور وارث بھی کوئی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ نہ وہ واقف کی ملکیت رہی نہ موقوف علیہ کی۔ورنہ جس کی ملکیت میں ہو وہ اس کو بیچ سکتا، ہبہ کر سکتا اور اس کے وارث اس کو وراثت میں تقسیم بھی کرتے۔لیکن ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کی ملکیت میں نہیں رہا۔

[۱۵۳۴] (۵) مشترک کا وقف جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔

تشریح کوئی چیز مشترک ہو اور تقسیم ہو سکتی ہو پھر بھی بغیر تقسیم کئے اس کا وقف جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطاب نے خیبر میں زمین حاصل کی تو حضورؐ کے پاس مشورہ کے لئے آئے۔پس کہا یا رسول اللہ مجھے خیبر میں زمین ملی ہے، اتنی اچھی زمین کبھی نہیں ملی تھی تو آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو اصل کو روک لو اور اس کا نفع صدقہ کر دو۔فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس کو صدقہ کیا اس طرح کہ نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی نہ وارث بنائی جائے گی۔اور نفع فقراء، رشتہ دار، غلام آزاد کرنے، اللہ کے راستے میں، مسافر کے لئے، مہمانوں کے لئے خرچ کیا جائے۔کوئی حرج نہیں ہے اس پر جو نگرانی کرے کہ اس سے مناسب انداز میں کھائے۔اور بغیر مالدار بنائے کھلائے۔

[۱۵۳۵] (۶) وقال محمد رحمه الله لا يجوز[۱۵۳۶] (۷) ولا يتم الوقف عند ابی

وجہ (۱) امام ابو یوسف کے نزدیک وقف پورا ہونے کے لئے موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے۔صرف کہنے سے وقف ہو جاتا ہے۔اور جب قبضہ دلانا ضروری نہیں تو مشترک چیز کا بھی وقف ہو سکتا ہے(۲) ان کی دلیل اوپر کی حدیث عمر ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو مشترکہ طور پر وقف کیا(۳) بنی نجار نے لوگوں کو مشترکہ طور پر مسجد کی زمین وقف کی۔حدیث میں ہے۔**عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا ولله لا نطلب ثمنه الا الی الله** (الف)(بخاری شریف، باب اذا وقف جماعة ارضا مشاعا فھو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱)اس حدیث میں کئی بنو نجار نے مشترکہ طور پر لوگوں پر مسجد کی زمین وقف کی۔ جس سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

نوٹ البتہ اس طرح مسجد اور مقبرے کی زمین وقف کرنا جائز نہیں کہ کچھ حصہ مشترکہ طور پر مسجد کو دے اور کچھ حصہ خود رکھے۔کیونکہ مالک کبھی اپنے مصرف میں استعمال کرے گا اور کبھی مسجد کے لئے ہوگی۔اس طرح مسجد کی توہین ہوگی، نیز مسجد ہونے کے بعد اس کو کسی اور مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔اس طرح مقبرہ میں ایک سال مردہ دفن کیا جائے گا اور دوسرے سال مالک کا حصہ ہونے کی وجہ سے اس کو اصطبل بنائے گا تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔اس لئے مالک اور مسجد یا مقبرے دونوں کا مشترکہ حصہ ہو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی درست نہیں ہے۔

[۱۵۳۵](۶) امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک مشترک چیز کا وقف جائز نہیں جب تک کہ اس کو تقسیم نہ کر دے۔

وجہ (۱) ان کے یہاں موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری ہے اور بغیر تقسیم کئے ہوئے پورا قبضہ نہیں ہو سکتا اس لئے تقسیم کرنا ضروری ہے(۲) جس طرح ہبہ اور صدقہ میں تقسیم کر کے قبضہ دینا ضروری ہے(۳) حدیث میں اشارہ ہے۔حضرت ابو طلحہ نے اپنے باغ کو وقف کیا تھا اس کے لئے ایک لمبی حدیث ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔**انه سمع انس بن مالک یقول کان ابو طلحة اکثر الا نصار بالمدینة مالا من نخل ... قال ابو طلحة افعل ذلک یا رسول الله فقسمها ابو طلحة فی اقاربه و بنی عمه** (ب)(بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فھو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۹)اس حدیث میں ہے کہ ابو طلحہ نے اپنے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں کے درمیان تقسیم کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔

نوٹ جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام اور پن چکی تو ان کو بغیر تقسیم کئے ہوئے بھی وقف کرنا جائز ہے۔کیونکہ مجبوری ہے۔

[۱۵۳۶](۷) امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک وقف پورا نہیں ہوگا یہاں تک کہ کر دے اس کا آخر کہ کبھی منقطع نہ ہو۔

تشریح طرفینؒ کے نزدیک وقف اسی وقت پورا ہوگا جبکہ وقف کا مال آخر کار ہمیشہ کے لئے غرباء و مساکین کے لئے ہو جائے۔اور واقف کو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو آپؐ نے فرمایا بنی نجار مجھ سے اس باغ کا بھاؤ کرو۔ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم اس کی قیمت نہیں چاہتے ہیں مگر اللہ سے (ب) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ مدینہ میں انصار میں سب سے زیادہ کھجور کے درخت والے تھے...ابو طلحہ نے فرمایا میں یہ کروں گا اے اللہ کے رسول! پس ابو طلحہ نے اپنے رشتہ دار اور چچا زاد بھائیوں میں باغ تقسیم کر دیا۔

حنیفة و محمد رحمهما الله تعالی حتی یجعل آخره بجهة لا تنقطع ابدا[۱۵۳۷] (۸) وقال ابو یوسف رحمه الله اذا سمی فیه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وان لم

اس کی تصریح کرنی ہوگی کہ یہ مال آخر ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہی ہوگا اور میرے اور میرے ورثاء کے پاس واپس نہیں آئے گا۔

وجہ حضرت عمر نے مقام ثمغ کی جائداد وقف کی تھی اس میں لکھا تھا کہ اس کا نگران حضرت حفصہ ہوگی۔ اور اس کے بعد اہل رائے ہوں گے اور اس کا فائدہ غرباء و مساکین کو ہمیشہ کے لئے پہنچتا رہے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ اخبرنی لیث عن یحیی بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذی بخیبر ورقیقه الذی فیه والمائة التی اطعمه محمد بالوادی تلیه حفصة ماعاشت ثم یلیه ذو الرأی من اهلها ان لایباع ولا یشتری ینفقه حیث رأی من السائل والمحروم وذی القربی ولا حرج علی من ولیه ان اکل او اکل او اشتری رقیقا منه (الف) (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف ج ثانی ص۴۲ نمبر ۲۸۷۹/ دار قطنی، کتاب الاحباس ج رابع ص۱۷۱ نمبر ۴۳۷۹) اس حدیث میں حضرت عمر نے پہلے حفصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اور اس کی تصریح کردی کہ یہ ہمیشہ کے

لئے فقراء اور مساکین کے استفادے کے لئے رہے گا۔ اور بیچا اور خریدا نہیں جائے گا۔

[۱۵۳۷] (۸) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر ایسی جہت کا نام لیا جو منقطع ہو جائے گی تب بھی جائز ہے۔ اور اس کے بعد فقراء کے لئے ہو جائے گا اگرچہ اس کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف کو ہمیشہ کے لئے فقراء کی تصریح کر دینی چاہئے۔ لیکن اس نے فقراء کا نام وقف میں نہیں لیا صرف ایسے لوگوں پر وقف کیا جو کچھ سالوں کے بعد مر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، پھر بھی وقف صحیح ہو جائے گا۔ البتہ جن لوگوں کا نام لے کر وقف کیا ہے ان کے مرنے کے بعد لوٹ کر واقف کے ورثہ کی طرف نہیں آئے گا بلکہ خود بخود ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہو جائے گا۔

وجہ وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے۔ البتہ یہ قربت کبھی مخصوص لوگوں پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی ہمیشہ کے لئے فقراء اور مساکین پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اس لئے دونوں طرح کے وقف کرنے سے وقف ہوگا۔ البتہ وقف کا مقصد ہمیشہ کے لئے قربت حاصل کرنا ہے اس لئے مخصوص لوگوں کے مرنے کے بعد خود بخود ہمیشہ کے لئے فقراء و مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

نوٹ تینوں اماموں کے نزدیک ہمیشہ کے لئے فقراء و مساکین کے لئے ہو جائے گا۔ البتہ طرفین کے نزدیک وقف صحیح ہونے کے لئے اس کا تصریح کرنا ضروری ہے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی تصریح کرنا ضروری نہیں خود بخود مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

لغت جهة تنقطع : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاص لوگوں پر وقف کیا جس کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) عمر بن خطاب نے فرمایا وہ سو حصے جو خیبر میں ہیں اور غلام جو اس میں ہیں اور وہ حصے جو حضورؐ نے کھانے کے لئے دیئے وادی میں، ان کی نگرانی حضرت حفصہ کرے گی جب تک زندہ رہے گی۔ اس کے بعد اس کے اہل کے اہل رائے نگرانی کریں گے۔ اس طرح کہ نہ وہ بیچی جائے اور نہ خریدی جائے۔ اس کو خرچ کریں سائل اور محروم میں سے جہاں مناسب سمجھیں۔ اور کوئی حرج نہیں کہ جو اس کی نگرانی کرے وہ کھائے یا کھلائے یا اس کے نفع سے غلام خریدے۔

یسمهم [۱۵۳۸](۹) ویصح وقف العقار ولا یجوز وقف ما ینقل ویحول [۱۵۳۹](۱۰) وقال ابو یوسف رحمه الله اذا وقف ضیعة ببقرها واکرتها وهم عبیده جاز[۱۵۴۰] (۱۱) وقال محمد رحمه الله یجوز حبس الکراع والسلاح.

[۱۵۳۸](۹) صحیح ہے زمین کا وقف کرنا اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا وقف کرنا جو منتقل ہوتی ہو اور بدلتی ہو۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین اور غیر منقول چیزوں کا وقف ہوتا ہے۔اور منقول چیز وقف کرے تو وقف کے بجائے صدقہ ہو جائے گا۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز موجود رہے اور اس کے نفع سے غرباء فائدہ اٹھاتے رہیں۔اور غرباء اصل وقف کا مالک نہ بنے۔اور یہ بات جائداد اور غیر منقول چیزوں میں ہوگی۔منقول چیزوں کا تو اصل ہی کا غرباء مالک ہو جائیں گے۔اس لئے وہ وقف نہیں ہوا صدقہ ہو گیا۔

وجہ اوپر کی احادیث میں زمین اور جائداد کے وقف کا تذکرہ ہے۔اور جو منقول جائداد کے وقف کا تذکرہ حدیث میں ہے وہ اصل میں صدقہ ہے کہ پوری چیز ہی کا مالک بن گیا۔

[۱۵۳۹](۱۰) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر وقف کرے زمین اس کے بیلوں کے ساتھ اور ہلواہوں کے ساتھ،اور وہ ہلواہے اس کے غلام تھے تو جائز ہے۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زمین کو وقف کرنا اصل ہے لیکن اس کے لوازمات اور تابع چیزیں جتنی ہیں وہ سب چاہے منقول ہوں زمین کے ساتھ ان کو بھی وقف کرے تو جائز ہے۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ بیل اور ہلواہا مستقل طور پر تو وقف نہیں ہو سکتے۔کیونکہ وہ منقول چیز ہیں۔لیکن زمین کے تابع ہو کر وقف ہو سکتی ہے۔کیونکہ بعض چیز اصل طور پر جائز نہ ہو لیکن تابع کے طور پر جائز ہو سکتی ہے۔جیسے پانی سیراب کرنے کا حق اصل طور پر بیچنا جائز نہیں لیکن تابع ہو کر بک سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ تابع ہو کر منقول چیزوں کا وقف جائز ہے۔

لغت ضیعۃ : کھیتی کی زمین۔ اکرۃ : کھیت میں کام کرنے والے مزدور، ہلواہا۔

[۱۵۴۰](۱۱) امام محمدؒ نے فرمایا گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز ہے۔

وجہ حدیث میں اللہ کے راستے میں گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کرنے کا تذکرہ موجود ہے(۲) **عن ابی هریرة قال امر رسول الله بصدقة فقیل منع ابن جمیل وخالد بن ولید والعباس بن عبد المطلب فقال النبی ما ینقم ابن جمیل الا انه کان فقیرا فاغناه الله ورسوله واما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعه واعتده فی سبیل الله** (الف) (بخاری شریف،

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے صدقے کا حکم دیا تو کہا گیا کہ ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس بن عبد المطلب نے منع کر دیا۔تو حضورؐ نے فرمایا ابن جمیل کو غرور نہیں ہے مگر یہ وہ فقیر تھا مگر اللہ اور اس کے رسول نے اس کو مالدار بنا دیا۔بہر حال خالد تو تم نے اس پر ظلم کیا۔انہوں نے اپنا زرہ اور ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کر دیا۔

[۱۵۴۱] (۱۲) واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه.

باب قول اللہ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ، کتاب الزکوۃ ص ۱۹۸ نمبر ۱۴۶۸ رمسلم شریف، باب تقدیم الزکوۃ ومنعھا ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۳) اس حدیث میں حضرت خالد نے ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کرنا جائز ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے گھوڑا اللہ کے راستے میں وقف کیا۔ **ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل الله اعطاها رسول الله فحمل علیها رجلا فاخبر عمر انه وقفها یبیعها فسأل رسول الله ان یبتاعها فقال لا تبتاعها ولا ترجعن فی صدقتک** (الف) (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں گھوڑا وقف کیا گیا ہے۔

نوٹ امام محمد فرماتے ہیں جن چیزوں کے وقف کرنے کا لوگوں میں رواج ہو جائے ان کا وقف کرنا بھی جائز ہوگا۔

وجہ لوگوں کے تعامل سے بھی وقف کا جواز ہوگا۔ مثلا قرآن کریم لوگ مسجدوں میں وقف کرتے ہیں، کلھاڑی، جنازہ کی چارپائی لوگ وقف کرتے ہیں اس لئے اس کا وقف کرنا بھی جائز ہے (۲) حدیث میں ہے کہ اونٹ وقف کیا گیا ہے۔ **عن ابن عباس قال اراد رسول الله الحج ... فقلت ما عندی ما احجک علیه قالت احجنی علی جملک فلاں فقلت ذاک حبیس فی سبیل الله عزوجل قال اما انک لو احججتها علیه کان فی سبیل الله** (ب) (ابوداؤد شریف، باب العمرۃ ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۹۰) اس حدیث سے اونٹ کے وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا (۳) حضرت زہری کے قول سے دوسری چیزوں کے وقف کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ **وقال الزهری فیمن جعل الف دینار فی سبیل الله ودفعها الی غلام له تاجر یتجر بها وجعل ربحه صدقة للمساکین والاقربین** (ج) (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس قول سے معلوم ہوا کہ درہم اور دینار بھی وقف کر سکتا ہے کہ اس سے تجارت کر کے جو نفع آئے وہ مساکین کے لئے وقف ہو۔

لغت کراع : گھوڑے۔ حبس : روکنا، وقف کرنا۔

[۱۵۴۱] (۱۲) جب وقف صحیح ہو جائے تو اس کا بیچنا صحیح نہیں اور نہ کسی کو اس کا مالک بنانا۔

تشریح وقف مکمل ہونے کے بعد اب وقف کی جائداد کا کسی کو نہ مالک بنایا جا سکتا ہے نہ اس کو بیچ سکتا ہے۔

وجہ پہلے حضرت عمر کی حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ **فقال النبی ﷺ تصدق باصله لا یباع ولا یوهب ولا یورث ولکن**

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے گھوڑے کو اللہ کے راستے میں وقف کیا جس کو حضورؐ نے دیا تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے خبر دی کہ اس کے وقف کا مال فروخت ہو رہا ہے، پس حضور کو پوچھا کہ کیا اس کو خرید لوں، پس آپؐ نے کہا اس کو مت خریدو اور اپنے صدقے کو واپس مت لو (ب) حضورؐ نے حج کا ارادہ کیا... میں نے کہا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر حج کروں۔ آپؐ نے فرمایا اپنے فلاں اونٹ پر حج کرو۔ میں نے کہا وہ اللہ کے راستے میں وقف ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس پر حج کرو تو وہ بھی اللہ کے راستے میں ہی ہے (ج) اس کے بارے میں جو ہزار دینار اللہ کے راستے میں دیا اور اس کو ایک غلام دیا تا کہ اس سے تجارت کرے اور اس کا نفع مسکینوں اور رشتہ داروں کے لئے صدقہ ہو۔

[۱۵۴۲] (۱۳) الا ان یکون مشاعا عند ابی یوسف رحمه الله فیطلب الشریک القسمة فتصح مقاسمته[۱۵۴۳] (۱۴) والواجب ان یبتدئ من ارتفاع الوقف بعمارته شرط ذلک الواقف او لم یشترط.

ینفق ثمره (الف) (بخاری شریف، باب وماللوصی ان یعمل فی مال الیتیم وما یأ کل منہ بقدر عمالتہ ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۴) جس سے معلوم ہوا کہ وقف مال کو نہ بیچا جا سکتا ہے نہ وارث بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

[۱۵۴۲] (۱۳) مگر یہ کہ مشترک ہوامام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور شریک طلب کرے تقسیم کرنے کو تو صحیح ہے اس کو تقسیم کرنا۔

تشریح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشترک جائداد وقف ہو سکتی ہے اس لئے اگر وہ مشترک ہو اور شریک اس کی تقسیم چاہتا ہو تو تقسیم کرنا جائز ہے۔

وجہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور یہ بدلہ نہیں ہے بلکہ اپنے حصے کو الگ کرانا ہے اس لئے جائز ہوگا۔

[۱۵۴۳] (۱۴) واجب ہے کہ شروع کرے وقف کے منافع سے اس کی مرمت، واقف نے شرط لگائی ہو اس کی یا نہ لگائی ہو۔

تشریح وقف کرنے والے نے چاہے یہ شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو کہ اس جائداد کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کی جائے گی۔ پھر بھی وقف کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کرنا ضروری ہے۔

وجہ واقف کا مقصد ہے کہ وقف کی چیز ہمیشہ رہے۔ اور یہ اسی شکل میں ممکن ہے جب وقف کے ٹوٹ پھوٹ کو مرمت کرتا رہے ورنہ وہ جلدی ختم ہو جائے گا۔ اس لئے وقف کے منافع سے پہلے مرمت کا کام کرنا ضروری ہے (۲) حضرت عمر کے وقف کرنے کی لمبی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ **عن ابن عمر ... لا جناح علی من ولیها ان یأکل منها بالمعروف او یطعم صدیقا غیر متمول** (ب) (بخاری شریف، باب الوقف کیف یکتب ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۲) اس حدیث میں ہے کہ نگراں مناسب انداز سے کھا سکتا ہے کیونکہ وہ کام کرتا ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نفع سے مرمت بھی کرائے گا (۳) حضورؐ کے چھوڑے ہوئے وراثت کے سلسلے میں حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ لا تقتسم ورثتی دینارا ولا درهما ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة** (ج) (بخاری شریف، باب نفقۃ القیم للوقف ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۶) اس حدیث میں ہے کہ میرے کام کرنے والے کے خرچ کے بعد صدقہ ہے تو معلوم ہوا کہ وقف پر کام کرنے والے کا خرچ نفع میں سے نکالا جائے گا تو اس پر قیاس کرتے ہوئے مرمت کا خرچ بھی نفع سے نکالا جائے گا ورنہ تو وقف ہمیشہ نہیں رہ سکے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اصل کو صدقہ کر دے اس طرح کہ اس کو بیچا نہ جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وارث بنایا جائے لیکن اس کے پھلوں کو خرچ کیا جائے (ب) ابن عمر سے روایت ہے کہ ... حرج کی بات نہیں ہے اس پر جو نگران بنے یہ کہ کھائے مناسب انداز سے یا بغیر مالدار بنائے دوستوں کو کھلائے۔ (ج) میری وراثت کے درہم اور دینار تقسیم نہ کرنا جو کچھ میری بیوی کے نفقے اور نگران کے خرچ کے بعد چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

[١٥٤٤](١٥) واذا وقف دارا علی سکنی ولده فالعمارة علی من له السکنی[١٥٤٥] (١٦) فان امتنع من ذلک او کان فقیرا آجرها الحاکم وعمرها باجرتها فاذا عمرت ردها الی من له السکنی[١٥٤٦] (١٧) وما انهدم من بناء الوقف آلته صرفه الحاکم فی

[١٥٤٤](١٥)اگر وقف کیا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لئے تو مرمت کرنا اس پر ہے جس کے لئے رہائش ہے۔

تشریح کسی مخصوص آدمی کی رہائش کے لئے گھر وقف کیا تو گھر کا کرایہ وغیرہ تو نہیں آئے گا اس لئے اس گھر کی مرمت کی ذمہ داری رہنے والے کے اوپر ہے۔ وہ اپنی آمدنی سے اس کی مرمت کروائے۔

وجہ جب وہ رہ رہا ہے تو الخراج بالضمان کے تحت اس پر ہی مرمت کی ذمہ داری ہوگی (٢) جس طرح خدمت کا غلام ہو تو اس غلام کا کھانا خرچ خدمت کرانے والے پر ہوتا ہے اسی طرح گھر کی مرمت رہنے والے پر ہوگی۔ اور رشتہ داروں پر گھر وقف کرنے کی حدیث یہ ہے۔ **سمع انس بن مالک ... قال ابو طلحة افعل ذلک یا رسول الله ! فقسمها ابو طلحة فی اقاربه وبنی عمه** (الف) (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فھو جائز وکذلک الصدقة ص ٣٨٨ نمبر ٢٧٦٩) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لئے بھی وقف کر سکتا ہے۔

لغت سکنی : رہائش۔

[١٥٤٥](١٦)اگر مرمت کرنے سے رک جائے یا فقیر ہو تو اجرت پر دے گا اس کو حاکم اور اس کی مرمت کرائے گا اس کی اجرت سے، پس جب مرمت ہوگئی تو اس کو واپس کر دے اس کی طرف جس کی رہائش ہے۔

تشریح جس کو رہنے کے لئے دیا ہے وہ مرمت نہیں کرا رہا ہے۔ یا فقیر ہے جس کی وجہ سے مرمت کرانا مشکل ہے تو اس کی صورت یہ کی جائے گی کہ اس مکان کو دوسرے کو کرائے پر حاکم دے گا اور کرایہ سے اس کی مرمت کرائے گا، پس جب مرمت کرا کر پہلی حالت پر مکان آ جائے تو دوبارہ اس مکان کو اس فقیر کو دے دیگا جس پر واقف نے وقف کیا تھا۔

وجہ رہنے والا آدمی مرمت نہیں کرا رہا ہے اور اس کی مرمت کرانا بھی ضروری ہے تو یہی شکل نکل سکتی ہے کہ دوسروں کو کرایہ پر دیدے اور اس سے جو آمدنی آئے اس سے مرمت کرائے۔ اور مرمت کرانے کے بعد کرایہ پر دینے کی ضرورت نہیں رہی اور موقوف علیہ کا حق مقدم ہے اس لئے دوبارہ اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

لغت آجر : اجرت پر دینا۔

[١٥٤٦](١٧) جو کچھ گر جائے وقف کی عمارت سے اور اس کے آلے سے تو حاکم اس کو صرف کرے گا وقف کی مرمت کرانے میں اگر اس کی ضرورت ہو۔ اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو رکھ لے یہاں تک کہ اس کی مرمت کی ضرورت ہو تاکہ اس میں اس کو صرف کرے۔ اور نہیں جائز

حاشیہ : (الف) ابوطلحہ نے فرمایا یہ کروں گا یا رسول اللہ! پس ابوطلحہ نے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

عمارة الوقف ان احتاج الیه وان استغنی عنه امسکه حتی یحتاج الی عمارته فیصرفه فیها

ہے کہ اس کو وقف کے مستحقوں کے درمیان تقسیم کرے۔

تشریح اگر وقف کی عمارت سے اینٹ، لکڑی وغیرہ گر کر الگ ہو جائے تو ان کو اسی وقف کی مرمت میں استعمال کرے۔ اور اگر ابھی استعمال کی ضرورت نہ ہو تو اس کو رکھے رہے تا کہ جب اس کی ضرورت ہو اس وقت یہ گری ہوئی چیزیں استعمال کرے، تاہم وقف کے مستحقین کے درمیان اس کو تقسیم نہ کرے۔

وجہ مستحقوں کا حق نفع میں ہے، عین شیء میں نہیں ہے۔ اور یہ عین شیء ہے اس لئے اس کو ان کے درمیان تقسیم نہ کرے۔ اور گری ہوئی چیز کو برباد بھی نہیں کر سکتے اس لئے اس کو ضرورت کے موقع کے لئے محفوظ رکھے (۲) احادیث میں ہے کعبہ کے باقی ماندہ چیزوں کو مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ اس کی مرمت کے لئے محفوظ رکھا۔ **عن ابی وائل قال جلست الی شیبة فی هذا المسجد قال جلس الیّ عمر فی مجلسک هذا فقال هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمتها بین المسلمین قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم یفعله صاحباک قال هما المرآن یقتدی بهما** (الف) (بخاری شریف، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ ص ۱۰۸۰ نمبر ۷۲۷۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة) اس حدیث میں کعبہ کا ہدیہ جو وقف میں سے تھا لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ وقف کی عمارت سے گری ہوئی لکڑی وغیرہ بھی مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا (۳) **دخل شیبة بن عثمان الحجبی علی عائشة فقال یا ام المؤمنین ان ثیاب الکعبة تجتمع علینا فتکثر فنعمد الی ابار فنحتفرها فنعمقها ثم ندفن ثیاب الکعبة فیها کیلا یلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثیاب الکعبة اذا نزعت منها لم یضرها ان یلبسها الجنب والحائض ولکن بعها واجعل ثمنها فی المساکین وفی سبیل الله قالت فکان شیبة بعد ذلک یرسل بها الی الیمن فتباع هناک ثم یجعل ثمنها فی المساکین وفی سبیل الله وابن السبیل** (ب) سنن للبیہقی، باب ماجاء فی مال الکعبة وکسوتها، ج خامس، ص ۲۶۰، نمبر ۹۷۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابی وائل فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیبہ کے پاس اس مسجد میں بیٹھا۔ کہا کہ حضرت عمر آپ ہی کی طرح بیٹھے۔ پس انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں کوئی سونا اور چاندی کعبہ میں نہ چھوڑوں مگر اس کو مسلمان میں تقسیم کر دوں۔ تو میں نے کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں تقسیم نہیں کر سکتے؟ حضرت شیبہ نے کہا آپ کے دونوں ساتھی یعنی حضورؐ اور ابو بکر نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمر کہنے لگے وہی دونوں مقتدا ہیں (ب) حضرت شیبہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا ام المؤمنین! کعبہ کے کپڑے جمع ہو جاتے ہیں اور بہت ہو جاتے ہیں، پس میں بہت بڑا گڈھا کھودتا ہوں پھر اس میں کعبہ کے کپڑے دفن کر دیتا ہوں تا کہ اس کو جنبی اور حائضہ نہ پہنے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے اچھا نہیں کیا، برا کیا۔ کیونکہ کعبہ کا کپڑا جب نکال دیا جائے تو کوئی نقصان نہیں کہ اس کو جنبی اور حائضہ پہنے۔ لیکن اس کو بیچو اور اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضرت شیبہ ان کپڑوں کو یمن بھیجتے۔ وہاں اس کو بیچا جاتا پھر اس کی قیمت مسکینوں اور اللہ کے راستے مین خرچ کرتے۔

ولا یجوز ان یقسمه بین مستحقی الوقف[۱۵۴۷] (۱۸) واذا جعل الواقف غلة الوقف

[۱۵۴۷](۱۸)اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی اپنے لئے کرلے یا اس کی نگرانی اپنے لئے کرلے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح واقف نے وقف تو کیا لیکن یہ بھی شرط لگائی کہ اس کی کچھ آمدنی میں بھی استعمال میں لاؤں گا تو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔اسی طرح اس نے یہ شرط لگائی کہ اس کی ولایت میں کروں گا اور میں خود اس کا نگران ہوں گا تو یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔**عن انس ان النبی ﷺ رأی رجلا یسوق بدنة فقال له ارکبها فقال یا رسول الله انها بدنةفقال فی الثالثة او فی الرابعة ویلک او ویحک** (الف)(بخاری شریف، باب ہل ینتفع الواقف بوقفہ ص۴۸۵ نمبر ۲۷۵۴) اس حدیث میں وقف کے اونٹ پر مالک کو سوار ہونے کی ترغیب دی جس سے معلوم ہوا کہ وقف کے مال کو خود بھی استعمال کرسکتا ہے (۲) **فقال رسول الله ﷺ من یشتریها من خالص ماله فیکون دلوه فیها کدلاء المسلمین وله خیر منها فی الجنة** (ب) (دار قطنی ، باب وقف المساجد والسقایات ج رابع ص ۱۲۳ نمبر ۴۳۹۴ / بخاری شریف ، باب اذا وقف ارضا او بئرا او اشترط لنفسہ مثل دلاء المسلمین ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۸) اس حدیث میں کہا کہ کنواں خریدے اور خریدنے والا بھی عام مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ ڈول نکالے جس سے معلوم ہوا کہ وقف کرنے والا وقف کے مال کو استعمال کرسکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وقف کی نگرانی اپنے ذمہ لے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لے سکتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔**اخبرنی غیر واحد من آل عمر وآل علی ان عمر ولی صدقته حتی مات وجعلها بعده الی حفصة وان علیا ولی صدقته حتی مات وولیها بعده حسن بن علی وان فاطمة بنت رسول الله ولیت صدقتها حتی ماتت وبلغنی عن غیر واحد من الانصار انه ولی صدقته حتی مات قال فی القدیم وولی الزبیر صدقته حتی قبضه الله وولی عمر بن العاص صدقته حتی قبضه الله وولی المسور بن مخرمة صدقته حتی قبضه الله** (ج) (سنن للبیہقی ، باب جواز الصدقۃ المحرمۃ وان لم تقبض ، ج سادس ، ص ۲۶۷ ، نمبر ۱۱۹۰۲) اس اثر میں اتنے سارے صحابہ نے اپنے وقف کی نگرانی خود کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وقف کا اونٹ ہانک رہا ہے تو آپؐ نے اس سے کہا سوار ہو جاؤ۔انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ بدنہ ہے۔آپؐ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ میں کہا تیرا ناس ہو یعنی ویلک یا ویحک کہا (ب) آپؐ نے فرمایا کون خریدے گا اپنے خالص مال سے؟ تاکہ اس کا ڈول اس کنواں میں مسلمان کے ڈول کی طرح ہو جائے۔اور اس کو جنت میں اس سے بہتر بدلہ ملے (ج) آل عمر اور آل علی کے بہت سے لوگوں نے خبر دی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صدقے کی نگرانی موت تک کی اور اس کے بعد حفصہ کے لئے کیا۔اور حضرت علی نے اپنے صدقے کی نگرانی کی موت تک۔اس کے بعد حسن بن علی نے نگرانی کی۔اور فاطمہ نے اپنے صدقے کی نگرانی کی۔اور انصار کے بہت سے لوگوں سے خبر ملی ہے کہ انہوں نے موت تک صدقے کی نگرانی کی۔حضرت زبیر نے موت تک صدقے کی نگرانی کی۔عمرو بن عاص نے موت تک اپنے صدقے کی نگرانی کی۔مسور بن مخرمہ نے موت تک اپنے صدقہ کی نگرانی کی۔

لنفسه او جعل الولاية اليه جاز عند ابى يوسف رحمه الله وقال محمد لا يجوز[١٥٤٨] (١٩) واذا بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه فاذا صلى فيه واحد زال ملكه عنه عند ابى حنيفة رحمه الله [١٥٤٩](٢٠) وقال ابو يوسف يزول ملكه عنه بقوله جعلت مسجدا[١٥٥٠] (٢١) ومن بنى سقاية

ہیں۔اس لئے خود وقف کی نگرانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف اپنے استعمال کے لئے شرط لگائے تو نہیں لگا سکتا۔

وجہ وقف کے بعد یہ مال اللہ کا ہو گیا اس لئے اب اپنے استعمال کرنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں صدقہ کو واپس کرنے سے منع کیا ہے۔اور وقف کا مال ایک قسم کا صدقہ ہے اس لئے اس کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔حدیث میں ہے۔**ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل الله اعطاها رسول الله فحمل علیها رجلا فاخبر عمر انه قد وقفها یبیعها فسأل رسول الله ان یبتاعها فقال لا تبتاعها و لا ترجعن فی صدقتک** (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں صدقہ واپس کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا۔اس لئے وقف کو خود استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔اور خود نگرانی کی شرط اس لئے نہیں کر سکتا کہ امام محمد کے نزدیک وقف کے مال کو کسی دوسرے نگران اور ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے۔اس لئے خود نگرانی کرنے کی شرط نہیں لگا سکتا۔

[۱۵۴۸](۱۹) اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ کر دے اس کے راستے کے ساتھ اور لوگوں کو اجازت دے اس میں نماز پڑھنے کی،پس اس میں ایک آدمی نے نماز پڑھی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہو گئی

تشریح مسجد بنا کر اس کو باضابطہ اپنی ملکیت سے الگ کرے اور اس میں آنے کا راستہ بھی دے اور سپرد کرنے کے لئے کم از کم ایک آدمی اس میں نماز پڑھے تب مسجد کا وقف مکمل ہوگا۔

وجہ ان کے یہاں ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے اور یہاں کوئی مخصوص ولی نہیں ہے اس لئے ملکیت سے الگ کر کے ایک آدمی کا نماز پڑھوانا کافی ہوگا۔

لغت یفرزہ : ملکیت سے علیحدہ کرنا۔

[۱۵۴۹](۲۰) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اس کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اس کے کہنے سے کہ میں نے مسجد بنا دی۔

تشریح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی ولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد بنا دی اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔

[۱۵۵۰](۲۱) کسی نے پینے کی سبیل بنائی مسلمانوں کے لئے یا سرائے بنائی مسافروں کے لئے یا مسافر خانہ بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو

للمسلمين او خانا يسكنه بنو السبيل او رباطا او جعل ارضه مقبرة لم يزل ملكه عن ذلک عند ابی حنيفة رحمه الله حتى يحكم به حاكم وقال ابو يوسف رحمه الله يزول ملكه بالقول وقال محمد اذا استقى الناس من السقاية وسكنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرة زال الملک.

زائل نہیں ہوگی اس کی ملک امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں تک کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے۔اور کہا امام ابو یوسفؒ نے صرف اس کے کہنے سے ملک زائل ہو جائے گی۔اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر کوئی آدمی پیاؤ سے پانی پی لے اور سرائے خانے اور مسافر خانے میں ٹھہر جائے اور قبرستان میں دفن کرنے لگیں تو ملک زائل ہو جائے گی۔

تشریح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافر خانہ وغیرہ کو وقف کے لئے فیصلہ کرنے کے بعد وقف ہوگا۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہنے سے وقف ہوگا۔اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کوئی مسافر یا مسکین استعمال کر لے تو وقف مکمل ہوگا۔

اصول امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہو تب وقف مکمل ہوگا۔امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ صرف کہہ دینے سے کہ وقف کیا اس سے وقف ہو جائے گا۔اور امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ کہنے بعد جس پر وقف کیا وہ قبضہ کرے مثلا مسافر خانہ میں مسافر رہے یا سبیل سے پانی پی لے تب وقف مکمل ہوگا۔



﴿كتاب الغصب﴾

[١٥٥١](١)ومن غصب شيئا مما له مثل فهلك فی يده فعليه ضمان مثله وان كان مما

ضروری نوٹ غصب کے معنی ہیں زبردستی کسی کے مال کو لے لینا، یہ حرام ہے۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے **ولا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل** (الف)(آیت ۱۸۸سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں کہا گیا ہے کہ کسی کے مال کو باطل طریقے سے مت کھاؤ۔اس میں غصب بھی شامل ہے(۲)حدیث میں ہے **عن يزيد انه سمع النبی ﷺ من ايأخذ احدكم متاع اخيه لاعبا و لا جادا ... ومن اخذ عصا اخيه فليردها** (ب)(ابوداؤد شریف، باب مایأ خذ الشيء من مزاح، کتاب الادب ج ثانی ص ۳۳۵ نمبر ۵۰۰۳/ترمذی شریف، باب ماجاء لایحل لمسلم ان یروع مسلما ج ثانی ص ۳۹ نمبر ۲۱۶۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو کسی کی چیز غصب نہیں کرنا چاہئے۔اور اگر کر لیا تو اس کو واپس دینا چاہئے۔

[۱۵۵۱](۱)اگر کسی نے غصب کیا کسی چیز کو جس کا مثل ہے، پس ہلاک ہوگئی اس کے ہاتھ میں تو اس پر اس کے مثل ضمان ہے۔اور اگر اس میں سے ہے جس کا مثل نہ ہو تو اس پر اس کی قیمت ہے۔

تشریح اگر کسی نے کسی چیز کو غصب کیا تو یہ حرام ہے۔تاہم اس کو وہی چیز واپس کر دینا چاہئے۔اور اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو اگر اس کا مثل ہے تو اس کا مثل واپس کرنا چاہئے۔مثلا ایک کوئنٹل گیہوں غصب کیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو یہ مثلی چیز ہے اس لئے ایک کوئنٹل گیہوں واپس کر دے۔ اور اگر وہ چیز مثلی نہ ہو مثلا گائے غصب کی اور وہ ہلاک ہوگئی تو اب گائے کی قیمت واپس کرے گا۔کیونکہ گائے کا مثل گائے نہیں ہوتی۔وہ ذوات القیم ہے اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی۔

دلائل : عین مغصوب کو واپس کرنے کی دلیل اوپر کی حدیث ہے۔**ومن اخذ عصا اخيه فليردها** (ابوداؤد شریف،نمبر ۵۰۰۳) کہ کسی نے بھائی کی لاٹھی غصب کی تو وہی چیز واپس کرنی چاہئے (۲)دوسری حدیث میں ہے **عن سمرة بن جندب قال قال النبی ﷺ على اليد ما اخذت حتى تؤديه** (ج)(سنن للبیہقی ، باب رد المغصوب اذا کان باقیا، ج سادس ،ص ۱۵۸،نمبر ۱۱۵۱۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عین چیز موجود ہو تو اس کو واپس کرنا چاہئے۔

اور چیز مثلی ہو تو مثل واپس کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ **فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم** (د)(آیت ۱۹۴سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ جتنا ظلم کیا گیا ہو اتنا تم کر سکتے ہو۔اسی پر قیاس کر کے جتنا غصب کر کے ہلاک کیا ہو اس کے مثل دینا واجب ہوگا۔حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے پیالہ توڑا تو حضورؐ نے اس کے مثل پیالہ مالک کو دیا۔حدیث یہ ہے **عن انس ان النبی ﷺ كان عند بعض نسائه فارسلت احدى امهات المؤمنين مع خادم بقصعة فيها طعام فضربت بيدها فكسرت**

حاشیہ : (الف)تمہارے مال آپس میں باطل طریقے پر مت کھاؤ(ب) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھائی کا سامان مذاق کے طور پر یا حقیقت کے طور پر نہ لے ...اور جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی کو لیا اس کو اسے واپس کرنا چاہئے (ج) آپؐ نے فرمایا جو کچھ لیا وہ تمہارے ہاتھ پر ہے یہاں تک کہ اس کو ادا کر دو(د) جس نے تم پر ظلم کیا تو تم اسی کے مثل ظلم کرو یعنی بدلہ لو جتنا تم پر ظلم کیا۔

لا مثل لـه فعليه قيمته[۱۵۵۲](۲) وعلى الغاصب رد العين المغصوبة[۱۵۵۳](۳) فان ادعى هلاكها حبسه الحاكم حتى يعلم انها لو كانت باقية لاظهرها ثم قضى عليه

القصعة فضمها وجعل فيها الطعام وقال كلوا وحبس الرسول والقصعة حتى فرغوا فدفع القصعة الصحيحة وحبس المكسورة (الف)(بخاری شریف، باب اذا کسر قصعة اوشیئا لغیرہ ص ۳۳۷ نمبر ۲۴۸۱)اس حدیث میں پیالے کے مثل حضورؐ نے پیالہ دیا جس سے مثل دینا واجب ہوا۔

اوراگرمغصوب چیز کا مثل نہ ہوتو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

وجہ جب مثل نہیں ہے تو آخر قیمت دے کر ہی مکافات کی جائے (۲) قیمت دینے کا ثبوت اس حدیث میں ہے **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من اعتق شقيصا من مملوكه فعليه خلاصه فی ماله فان لم يكن له مال قوم المملوك قيمة عدل ثم استسعى غير مشقوق عليه** (ب)(بخاری شریف، باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمة عدل، ص ۳۳۹ نمبر ۲۴۹۲، کتاب الشرکة)اس حدیث میں غلام کی قیمت لگا کر فیصلہ کیا گیا ہے جس سے مغصوب چیز کی قیمت دینے کا ثبوت ہوا۔

[۱۵۵۲](۲)اور غاصب پر مغصوب چیز کے عین کو واپس کرنا واجب ہے۔

تشریح عین مغصوب موجود ہو تو عین مغصوب کو واپس کرنا واجب ہے۔

وجہ اس لئے کہ وہی چیز مالک سے غصب کی ہے اس لئے اسی کو واپس کرنا ضروری ہے۔اس کا مثل یا اس کی قیمت کو واپس کرنا تو مجبوری کے درجے میں ہے (۲)اوپر حدیث گزر چکی ہے جس میں عین چیز کو واپس کرنے کا حکم تھا۔**فمن اخذ عصا اخيه فليردها اليه** (ترمذی شریف، نمبر ۲۱۶۰/ابوداؤدشریف، نمبر ۵۰۰۳)

[۱۵۵۳](۳)اگر غاصب نے دعوی کیا مغصوب چیز کے ہلاک ہونے کا تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ باقی ہوتی تو ضرور ظاہر کر دیتا پھر اس پر فیصلہ کیا جائے گا اس کے بدلے کا۔

تشریح غاصب یہ دعوی کرتا ہے کہ مغصوب چیز ہلاک ہوگئی تو حاکم فوری طور پر اس کی بات نہ مانے بلکہ اس پر علامت طلب کرے اور وہ نہ ہو تو اس کو قید کرے۔اور اتنی دیر قید میں رکھے کہ اگر واقعی وہ چیز غاصب کے پاس موجود ہوتی تو وہ اس کو ظاہر کر دیتا۔لیکن ابھی تک ظاہر نہیں کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز واقعی ہلاک ہوگئی ہے۔اب اس کے مثل یا قیمت کا حاکم فیصلہ کرے۔

وجہ عین چیز واپس کرنا اصل ہے اس لئے اس کو ظاہر کرنے اور واپس دلوانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ بعض بیوی کے پاس تھے (حضرت عائشہؓ کے پاس) ام المؤمنین میں سے کسی ایک نے خادم کے ساتھ پیالہ بھیجا اس میں کھانا تھا۔پس اس کے ہاتھ کو مارا پس پیالہ ٹوٹ گیا۔پس آپؐ نے اس کو ملایا اور اس میں کھانا رکھا اور آپؐ نے فرمایا کھاؤ۔اور حضورؐ نے قاصد اور پیالے کو روکے رکھا یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو گئے پھر صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹے ہوئے پیالے کو رکھ لیا (ب) کسی نے غلام کے حصے کو آزاد کیا تو اس پر اپنا مال دیکر چھڑانا لازم ہے۔پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی قیمت عدل لگائی جائے گی۔پھر غلام پر مشقت نہ ہو اس طرح اس سے سعی کرائی جائے گی۔

بدلها[۱۵۵۴] (۴)والغصب فیما ینقل ویحول[۱۵۵۵](۵) واذا غصب عقارا فهلک فی یده لم یضمنه عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله وقال محمد یضمنه.

اصول حقیقت حال کوظاہر کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

لغت حبس :کسی چیز کوظاہر کرنے کے لئے جووقتی طور پر قید کرتے ہیں اس کوحبس کہتے ہیں۔

[۱۵۵۴](۴)اورغصب ہےاس چیز میں جومنقول ہوتی ہواور تبدیل ہوتی ہو۔

تشریح جو چیز منتقل ہوتی ہو وہ غصب ہوسکتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور جائداد جومنتقل نہیں ہوسکتی اس پر کوئی غصب کرے تو اس کو غصب شمار نہیں کیا جائے گا۔

وجہ اس پر مکمل قبضہ ہو جاتا ہے۔اوراس کومنتقل کر کے اپنی ملکیت میں کرسکتا ہے۔جبکہ زمین اور جائداد کومنتقل کر کے کہاں لے جاسکے گا؟اس لئے اس پر غصب کا اطلاق نہیں ہوگا۔

[۱۵۵۵](۵)اوراگرزمین غصب کی اوراس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو امام ابوحنیفہ اورامام ابو یوسف کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا اورامام محمد نے فرمایا ضامن ہوگا۔

تشریح امام ابوحنیفہ اورامام ابو یوسف کے نزدیک زمین پر قبضہ کرنے سے غصب کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اس لئے اگرزمین ہلاک ہوجائے تو غاصب پر ضمان نہیں ہے۔

وجہ زمین کواٹھا کر کہاں لے جائے گا؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ زمین کونقصان دے گا اوراس کوخراب کرے گا۔یا مکان ہے تو اس کوخراب کرے گا۔تو اس نقصان کا ضمان غاصب پر لازم ہوجائے گا لیکن غصب کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا(۲)ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احیا ارضا میتة فهی له ولیس لعرق ظالم حق** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات ص نمبر۳۰۷۳رترمذی شریف، باب ماذکر فی احیاء ارض الموات ص نمبر۱۳۷۸)اس میں عرق ظالم کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی زمین غصب کر کے اس میں پودا بودیا تو اس کوکوئی حق نہیں ملے گا یعنی غصب شمار نہیں ہوگا۔

فائدہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ زمین پر بھی غصب کرے تو اس پر غصب کا اطلاق ہوتا ہے۔

وجہ کیونہ اس کے قبضے کے بعد مالک بے دخلی ہوجاتا ہے۔اوراسی بے دخل کا نام غصب ہے۔چاہے اس کومنتقل کر کے دوسری جگہ نہ لے جا سکتا ہو(۲)حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ زمین پر قبضہ کرنے سے غصب کا اطلاق ہوگا۔حدیث یہ ہے **عن سالم عن ابیه انه قال قال النبی ﷺ من اخذ من الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیامة الی سبع ارضین** (ب)(بخاری شریف، باب اثم من ظلم شیئا من الارض ص نمبر۲۴۵۴رمسلم شریف، باب تحریم الظلم وغصب الارض وغیرھا ص نمبر۱۶۱۰)اس حدیث میں ہے کہ کسی نے کسی کی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے بنجر زمین کوآباد کیا تو وہ اسی کی ہے اور ظالم کی جڑ کے لئے کوئی حق نہیں یعنی غصب کر کے آباد کیا تو اس کو وہ زمین نہیں ملے گی (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے زمین میں سے کچھ ناحق لیا تو قیامت تک سات زمین تک دھنسایا جائے گا۔

[۱۵۵۶](۶) وما نقص منه بفعله او سکناه ضمنه فی قولهم جمیعا[۱۵۵۷] (۷)واذا هلک المغصوب فی ید الغاصب بفعله او بغیر فعله فعلیه ضمانه[۱۵۵۸] (۸)وان نقص

زمین کو ناحق لے لیا تو قیامت کے دن تک سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا۔جس سے معلوم ہوا کہ زمین کو لینا اور غصب کرنا ہوتا ہے۔اس لئے غصب کرنے کے بعد ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

اصول امام محمد کے نزدیک غصب کے لئے چیز کا منتقل ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے زمین بھی مغصوب ہو سکتی ہے۔

لغت : عقار : زمین

[۱۵۵۶](۶)اور جو نقص آجائے غاصب کے فعل سے اور اس کی رہائش سے تو سب کے قول میں وہ ضامن ہوگا۔

تشریح غاصب کے فعل کی وجہ سے یا غاصب کے رہنے کی وجہ سے زمین میں نقص آگیا تو اس نقص کا ضمان تینوں اماموں کے نزدیک غاصب پر لازم ہوگا۔

وجہ نقص کیا ہے اس لئے اس کا ضمان لازم ہوگا (۲) اوپر حدیث میں گزرا کہ پیالہ توڑ دیا تو اس کے بدلے میں صحیح پیالہ آپؐ نے دیا۔عن انس ... فدفع القصعة الصحيحة وحبس المكسورة (الف) (بخاری شریف، باب اذا کسر قصعة او شیئا لغیرہ ص ۳۳۷ نمبر ۲۴۸۱) جس سے معلوم ہوا کہ زمین یا گھر میں جو نقصان ہوا ہو اس کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

[۱۵۵۷](۷) اگر ہلاک ہوجائے مغصوب چیز غاصب کے ہاتھ میں غاصب کے فعل سے یا بغیر اس کے فعل سے تو اس کے اوپر اس کا ضمان ہے۔

تشریح غاصب کے قبضے میں مغصوب چیز تھی اور اس دوران مغصوب چیز غاصب کی حرکت کی وجہ سے یا کسی اور کی حرکت کی وجہ سے ہلاک ہوگئی تو غاصب پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔

وجہ چونکہ مغصوب چیز غاصب کے حوالے ہے اس لئے چاہے وہ ہلاک کرے یا اس کے قبضے میں رہتے ہوئے کسی اور نے ہلاک کی، دونوں صورتوں میں غاصب ہی ضمان کا ذمہ دار ہوگا (۲) پیالے والی حدیث میں حضرت عائشہؓ نے پیالہ توڑا تھا لیکن حضور نے اس کا بدلہ دیا۔کیونکہ حضور کی ذمہ داری میں پیالہ تھا۔جس سے معلوم ہوا کہ غاصب کی ذمہ داری میں کوئی بھی ہلاک کرے تو غاصب ہی ضمان کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۵۵۸](۸)اور اگر اس کے قبضے میں نقصان ہوجائے تو اس پر نقصان کا ضمان ہوگا۔

تشریح غاصب کے قبضے میں مغصوب چیز تھی تو اس دوران مغصوب چیز ہلاک تو نہیں ہوئی البتہ اس میں کچھ نقصان ہو گیا تو نقصان کا ضمان غاصب پر لازم ہوگا۔

وجہ اوپر گزر چکی ہے اور پیالے والی حدیث بھی اوپر گزر گئی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔

فی یدہ فعلیہ ضمان النقصان[۱۵۵۹](۹) ومن ذبح شاۃ غیرہ بغیر امرہ فمالکھا بالخیار ان شاء ضمنہ قیمتھا وسلمھا الیہ وان شاء ضمنہ نقصانھا[۱۵۶۰](۱۰) ومن خرق ثوب غیرہ خرقا یسیرا ضمن نقصانہ[۱۵۶۱](۱۱) وان خرق خرقا کثیرا یبطل عامۃ منافعہ

[۱۵۵۹](۹) کسی نے دوسرے کی بکری بغیر اس کے حکم کے ذبح کردی تو بکری کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو بکری کی قیمت کا ضامن بنادے اور بکری ذبح کرنے والے کو سپرد کردے۔ اور چاہے تو اس کے نقصان کا ضامن بنادے۔

تشریح بکری ذبح کرنے کے بعد اس کی دو حیثیتیں ہو جاتی ہیں۔ ایک اعتبار سے وہ ہلاک ہوگئی کیونکہ وہ زندہ نہیں رہی۔ اور دوسرے اعتبار سے اس کا گوشت کھانے کے قابل ہے اس لئے مکمل ہلاک نہیں ہوئی۔ بلکہ اس میں نقصان ہوا۔ اس لئے مالک کو دو اختیار ہوں گے چاہے تو بکری کو ہلاک شمار کرکے پوری بکری کی قیمت غاصب سے وصول کرے اور ذبح شدہ بکری غاصب کو دیدے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ بکری کا گوشت رکھ لے اور زندہ اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جو فرق ہے وہ ذبح کرنے والے سے وصول کرے۔

اصول جہاں ہلاکت اور نقصان دونوں حیثیتیں ہوں وہاں دونوں کی رعایت کی جا سکتی ہے۔

نوٹ اگر جانور غیر ماکول اللحم ہو اور ذبح کے بعد کسی قیمت کے نہ رہے تو وہ ہلاک شمار کیا جائے گا اور غاصب کو پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

وجہ حدیث میں ہے کہ جریج کا گرجا توڑا تو لوگوں نے ان کا گرجا نیا بنا دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ کان رجل فی بنی اسرائیل یقال لہ جریج ... فاتوہ وکسروا صومعتہ فانزلوہ وسبوہ فتوضأ وصلی ثم اتی الغلام فقال من ابوک یا غلام ؟ قال الراعی قالوا نبنی صومعتک من ذھب ، قال لا الا من الطین (الف) (بخاری شریف، باب اذا اھدم حائطا فلیبن مثلہ ص ۳۳۷ نمبر ۲۴۸۲) اس حدیث میں گرجا منہدم کردیا تو اس کے مثل بنادیا۔

[۱۵۶۰](۱۰) کسی نے دوسرے کا کپڑا تھوڑا سا پھاڑا تو اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔

وجہ چونکہ تھوڑا سا پھاڑا ہے اس لئے وہ ابھی قابل استفادہ ہے اس لئے کپڑا مکمل ہلاک نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں نقصان ہوا۔ اس لئے مالک پھاڑنے والے سے نقصان کا ضمان لے سکتا ہے۔

[۱۵۶۱](۱۱) اور اگر بہت زیادہ پھاڑ دیا جس سے اکثر منافع ختم ہوگئے تو اس کے مالک کے لئے جائز ہے کہ اس کی پوری قیمت کا ضامن بنادے۔

تشریح کپڑے کو اتنا زیادہ پھاڑا کہ وہ کسی کام کا نہیں رہا تو اب یہ نقصان نہیں ہے بلکہ کپڑے کی ہلاکت ہے اس لئے مالک کو اس کی پوری قیمت لینے کا اختیار ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک آدمی کا نام جریج تھا...لوگوں نے ان کا گرجا توڑ دیا اور ان کو نکالا اور گالیاں دی۔ جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر لڑکے کے پاس آکر پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ کہا چرواہا۔ لوگوں نے کہا ہم لوگ سونے کا گرجا بنادیں گے۔ جریج نے کہا نہیں مٹی کا بنادو۔

فلمالکہ ان یضمنہ جمیع قیمتہ[۱۵۶۲] (۱۲)واذا تغیرت العین المغصوبۃ بفعل الغاصب حتی زال اسمھا واعظم منافعھا زال ملک المغصوب منہ عنھا وملکھا الغاصب

وجہ اورحدیث اوپر گزرگئی (بخاری شریف،نمبر۲۴۸۲)

لغت خرق : پھاڑا، یسیرا : تھوڑا۔

[۱۵۶۲](۱۲)اگر بدل جائے عین مغصوب غاصب کے فعل سے یہاں تک کہ اس کا نام زائل ہوجائے یا اعلی منافع ختم ہوجائے تو مغصوب منہ کی ملک اس سے زائل ہوجائے گی اور غاصب اس کا مالک ہوجائے گا۔لیکن اس کے لئے اس چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ مغصوب کا بدلہ ادا کردے۔

تشریح اس عبارت میں کئی باتیں بیان کی ہیں۔ایک تو یہ کہ غاصب نے مغصوب چیز کے ساتھ ایسی حرکت کی جس سے مغصوب چیز موجود تو ہے لیکن اب اس کا نام بدل کر کچھ اور ہوگیا مثلا گیہوں تھا اس کو غصب کرکے پیس لیا اب اس کا نام آٹا ہوگیا۔پہلا نام گیہوں باقی نہیں رہا۔البتہ معنوی طور پر گیہوں موجود ہے۔اسی طرح گیہوں کی منفعت بونا ختم ہوگئی اب آٹے کی منفعت روٹی پکانا ہوگئی۔ایسی صورت میں مصنف فرماتے ہیں کہ چیز کا نام زائل ہوتے ہی مالک کی ملکیت اس سے ختم ہوجائے گی اور غاصب اس کا مالک ہوجائے گا۔لیکن جب تک اس کا ضمان ادا نہ کردے غاصب کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں ہے۔

وجہ جب مغصوب چیز کا نام بدل گیا یا منافع ختم ہوگئے تو اب غاصب کے ضمان میں داخل ہوگئی۔اس لئے اب غاصب اس کا مالک ہوجائے گا (۲)ایک حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔آپؐ ایک صحابی کو دفن کرکے قبرستان سے تشریف لائے۔ایک عورت نے آپؐ کی دعوت کی اور بکری ایک پڑوسن کے پاس سے لائی۔پڑوسن کا شوہر گھر میں نہیں تھا جس کی وجہ سے بغیر اس کی اجازت کے لائی اور ذبح کرکے حضورؐ اور صحابہ کی دعوت کی تو آپؐ نے نوش نہیں فرمایا اور فرمایا کہ اس کو قیدیوں کو کھلا دو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کو ذبح کرنے کے بعد دعوت کرنے والی عورت مالک ہوگئی اس لئے بکری کو مالک کی طرف واپس نہیں کیا۔لیکن چونکہ ابھی اس کا عوض واپس نہیں کیا تھا اس لئے اس کا استعمال کرنا حلال نہیں تھا۔اس لئے آپؐ نے نہیں کھایا بلکہ قیدیوں کو کھلا دیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**اخبرنا عاصم بن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازۃ ... ثم قال اجد لحم شاۃ اخذت بغیر اذن اھلھا فارسلت المرأۃ قالت یا رسول اللہ انی ارسلت الی البقیع یشتری لی شاۃ فلم اجد فارسلت الی جار لی قد اشتری شاۃ ان ارسل الی بھا بثمنھا فلم یوجد فارسلت الی امرأتہ فارسلت الی بھا فقال رسول اللہ ﷺ اطعمیہ الاساری** (الف)(ابوداؤد

حاشیہ : (الف)انصار کے راوی نے فرمایا کہ ہم حضور کے ساتھ جنازے میں نکلے...پھر آپؐ نے فرمایا ایسا لگتا ہے کہ بکری کا گوشت بغیر اس کے مالک کی اجازت سے لیا ہے۔پس دعوت کرنے والی عورت کو بلایا۔کہنے لگی اے اللہ کے رسول میں نے مقام بقیع کی طرف بکری خریدنے کے لئے بھیجا پس نہیں پایا۔پس اپنے پڑوسی کو خبر بھیجی جس نے بکری خریدی تھی کہ مجھ کو قیمت کے بدلے بکری بھیج دے پس وہ نہیں ملے۔پھر میں نے اس کی بیوی کو خبر بھیجی تو انہوں نے بکری بھیج دی تو حضورؐ نے فرمایا قیدیوں کو یہ گوشت کھلا دو۔

وضمنها ولا یحل له الانتفاع بها حتی یؤدی بدلها [۱۵۶۳](۱۳) وھذا کمن غصب شاۃ فذبحھا وشواھا او طبخھا او غصب حنطۃ فطحنھا او حدیدا فاتخذہ سیفا او صفرا فعملہ آنیۃ[۱۵۶۴](۱۴) وان غصب فضۃ او ذھبا فضربھا دراھم او دنانیرا وآنیۃ لم یزل

شریف، باب فی اجتناب الشبہات ج ثانی ص ۱۱۶ نمبر ۳۳۳۲ دار قطنی، کتاب الاشربۃ وغیرھا ج رابع ص ۱۸۹ نمبر ۴۷۱۸) اس حدیث میں بکری دعوت کرنے والی عورت کی ملکیت ہوگئی اسی لئے اس کو واپس نہیں کیا۔ لیکن استعمال کرنا اچھا نہیں تھا اس لئے آپؐ نے نوش نہیں فرمایا

اصول شی ءمغصوب کی ہلاکت سے غاصب مالک ہو جائے گا چاہے ابھی بدلہ نہ دیا ہو۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ غاصب مالک ہو جائے گا اور ضمان دینے سے پہلے اس سے استفادہ بھی کر سکتا ہے۔

وجہ کیونکہ غاصب اس کا مالک ہو گیا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مغصوب کے ضمان دینے سے پہلے غاصب اس چیز کا مالک نہیں ہوگا۔

وجہ کیونکہ مالک دینے پر راضی نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ابھی اس کا بدلہ ادا کیا ہے۔

لغت المغصوب منہ : اس سے مراد مالک ہے کیونکہ اسی سے چیز غصب کی ہے۔

[۱۵۶۳](۱۳) یہ جیسے کہ بکری غصب کر کے اس کو ذبح کر لیا اور اس کو بھون لیا یا اس کو پکا لیا یا گیہوں غصب کیا اور اس کو پیس لیا یا لوہا غصب کیا اور اس کو تلوار بنا لیا یا پیتل غصب کیا اور اس کو برتن بنا لیا۔

تشریح اس عبارت میں شی ءمغصوب کے نام بدل جانے اور اس کے اعظم منافع کے ختم ہو جانے کی چار مثالیں دی ہیں۔ اور اوپر کے اصول پر متفرع کی ہیں۔ مثلا بکری غصب کی اور اس کو ذبح کر کے بھون لیا یا پکا لیا تو اس کا نام اب بکری نہیں رہا بلکہ سالن اور گوشت ہو گیا تو چونکہ نام بدل گیا اس لئے مالک کی ملکیت زائل ہو گئی اور غاصب اس کا مالک بن گیا۔ یا گیہوں غصب کیا اور پیس کر آٹا بنا دیا یا لوہا غصب کر کے تلوار بنا لیا یا پیتل غصب کر کے اس کو برتن بنا لیا تو ان کے نام زائل ہو گئے اور اعظم منافع زائل ہو گئے اور اب دوسرے منافع ہو گئے اس لئے غاصب مالک ہو گیا۔ البتہ اس کا بدلہ دئے بغیر اس کو استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔

وجہ اوپر گزر گئی ہے۔

لغت شواھا : بھون لیا، طحن : پیس دیا، صفر : پیتل، آنیۃ : برتن۔

[۱۵۶۴](۱۴) اور اگر چاندی یا سونا غصب کیا اور ان کو درہم یا دینار ڈھال لیا یا برتن بنا لیا تو ان سے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی چاہے ڈلی کی حالت میں ہوں چاہے سکوں کی حالت میں ہوں اور چاہے برتن کی حالت میں ہوں پھر بھی وہ سونا اور چاندی ہی ہیں اور ان کو ثمن ہی گنے جائیں گے۔ اس لئے سونا چاندی غصب کر کے غاصب ان کو کسی حال میں بھی ڈھال لے ان کا اصل نام ثمن باقی ہے اور اعظم منافع یعنی ثمنیت باقی ہے اس لئے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔ اور غاصب ان کا مالک نہیں ہوگا۔ یہ امام

ملک مالکها عنها عند ابی حنیفة رحمه الله[۱۵۶۵](۱۵) ومن غصب ساجة فبنی علیها زال ملک مالکها عنها ولزم الغاصب قیمتها[۱۵۶۶](۱۶) ومن غصب ارضا فغرس فیها او بنی قیل له اقلع الغرس والبناء وردها الی مالکها فارغة فان کانت الارض

ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔

فائدہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں بھی ایسی تبدیلی کردے کہ ان کا نام بدل جائے تو اس سے مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

وجہ اس لئے کہ اب نہ اس کا وہ نام باقی رہا اور نہ اس کی وہ منفعت باقی رہی۔

اصول سونے اور چاندی کے بھی نام بدل جائے تو مالک کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

لغت ضرب : ڈھال دیا، مارا۔

[۱۵۶۵](۱۵) کسی نے شہتیر غصب کیا اور اس پر عمارت بنالی تو مالک کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اور غاصب کو اس کی قیمت لازم ہوگی۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ مغصوب چیز نہ ہلاک ہوئی ہے اور نہ اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے البتہ وہ غاصب کے مال کے ساتھ چپک گئی ہے کہ اب اگر مغصوب چیز کو غاصب کے مال سے الگ کرتے ہیں تو غاصب کا بہت بڑا نقصان ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس صورت میں بھی مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی۔

وجہ مالک کو اس کی چیز واپس دیتے ہیں تو غاصب کی دیوار گر جائے گی اور اس کا نقصان ہوگا اور مالک کو اس کی قیمت دلوائیں تو اس کا نقصان نہیں ہے بلکہ شہتیر کی مکافات ہو جائے گی اس لئے شہتیر کی قیمت دلوانا بہتر ہے۔

اصول ممکن ہو تو غاصب کو بھی نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہتیر مالک کی ہے اور وہ ہلاک بھی نہیں ہوئی ہے اور نہ اس کا نام بدلا ہے اس لئے مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لئے وہ واپس لینا چاہے تو غاصب کی دیوار توڑوا کر لے سکتا ہے۔

لغت ساجۃ : شہتیر، درمیان کی وہ موٹی اور لمبی لکڑی جس پر چھپر کھڑی کرتے ہیں۔

[۱۵۶۶](۱۶) کسی نے زمین غصب کی اور اس میں پودا بو دیا یا عمارت بنادی تو اس سے کہا جائے گا کہ پودے کو اکھاڑ دے اور عمارت توڑ دو اور خالی کرکے زمین کو مالک کی طرف واپس کردو۔ پس اگر زمین میں نقص ہوتا ہو ان کے اکھاڑنے سے تو مالک کے لئے جائز ہے کہ اس کو اکھڑی ہوئی عمارت اور پودوں کی قیمت کا ضامن بنائے۔

تشریح کسی نے کسی کی زمین غصب کرلی اور اس میں پودا بو دیا یا عمارت بنالی تو چونکہ زمین غاصب کی نہیں ہے اس لئے غاصب سے کہا جائے

تنقص بقلع ذلک فللمالک ان یضمن له قیمة البناء والغرس مقلوعا[۱۵۶۷](۱۷) ومن غصب ثوبا فصبغه احمر او سویقا فلته بسمن فصاحبه بالخیار ان شاء ضمنه قیمة

گا کہ اپنا پودا اکھاڑ لو اور عمارت منہدم کرلو اور زمین مکمل خالی کر کے مالک کے حوالے کرو۔ کیونکہ تم نے خالی زمین ہی مالک سے لی تھی اس لئے جیسی لی تھی ویسی ہی بحال کر کے زمین مالک کے حوالے کرو۔ اور اگر دیوار توڑنے میں یا درخت کاٹنے میں زمین کا نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور ٹوٹی ہوئی عمارت کی قیمت لگا کر غاصب کو دی جائے گی جو بہت کم ہوگی۔

وجہ کیونکہ اس کے ذمے درخت کو کاٹنا اور عمارت کو توڑنا ضروری تھا اس لئے کہ اس نے مالک کی بغیر اجازت کے درخت لگایا تھا اور عمارت تعمیر کی تھی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احیا ارضا میتة فهی له ولیس لعرق ظالم حق** (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات ج ثانی ص ۸۱ نمبر ۳۰۷۳ رترمذی شریف، باب ماذکر فی احیاء ارض الموات ص ۲۵۶ نمبر ۱۳۷۸) اس حدیث میں **لیس لعرق ظالم حق** کا ترجمہ ہے کہ کسی نے زمین غصب کر کے پودا بو دیا تو اس کو اس کا حق نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اوپر کے مسئلے میں غاصب نے پودا بو دیا یا عمارت بنا دی تو اس کو توڑ کر واپس کرنا ہوگا (۳) دوسری حدیث میں ہے **عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله ﷺ انه من زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم فلیس لی من الزرع شیء وله نفقته** (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبها ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۶) اس حدیث سے پتہ چلا کہ غصب کر کے کھیتی کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا صرف اس کی مزدوری ملے گی (۴) زمین خالی کر کے سپرد کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن یحیی بن عروة عن ابیه ... ان رجلین اختصما الی رسول الله ﷺ غرس احدهما نخلا فی ارض الآخر فقضی لصاحب الارض بارضه وامر صاحب النخل ان یخرج نخله منها قال فلقد رأیتها وانها لتضرب اصولها بالفؤس وانها لنخل عم حتی اخرجت منها** (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی احیاء الموات، ص ۸۱ نمبر ۳۰۷۴ رسنن للبیهقی، باب من بنی اوغرس فی ارض غیره، ج سادس، ص ۱۵۰، نمبر ۱۱۴۸۸) اس حدیث میں کھجور کے درخت کو اکھاڑ کر زمین خالی کر کے مالک کو سپرد کرنے کے کو کہا ہے۔

لغت غرس : پودا لگانا، قلع : اکھیڑنا۔

[۱۵۶۷] (۱۷) کسی نے کپڑا غصب کیا اور اس کو سرخ رنگ میں رنگ دیا یا ستو غصب کیا اور اس میں گھی ملا دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو سفید کپڑے کا ضامن بنائے اور ستو کے مثل کا ضامن بنائے اور ان کو غاصب کو سپرد کر دے۔ اور اگر چاہے تو دونوں کو لے لے

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے مردہ زمین کو زندہ کیا یعنی آباد کیا تو وہ زمین اسی کی ہے۔ لیکن ظالم کی جڑ کے لئے کوئی حق نہیں ہے (ب) آپ نے فرمایا کسی نے دوسرے کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کی تو اس کو کھیتی میں سے کچھ نہیں ملے گی۔ اس کو کھیتی کرنے کا خرچ ملے گا (ج) دو آدمی حضور کے پاس جھگڑا لے کر گئے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کی زمین میں کھجور کا درخت بویا تھا۔ تو آپ نے زمین والے کے لئے زمین کا فیصلہ کیا اور کھجور والے کو حکم دیا کہ اپنے درخت کو اکھاڑ لے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس کی جڑوں میں کلہاڑی مار رہے ہیں اور وہ بڑا درخت تھا یہاں تک کہ اس درخت کو نکال دیا۔

ثوب ابیض ومثل السویق وسلمه للغاصب وان شاء اخذهما وضمن ما زاد الصبغ والسمن فیهما[۱۵۶۸](۱۸) ومن غصب عینا فغیَّبها فضمنه المالک قیمتها ملکها الغاصب بالقیمة.

اور دونوں میں جو رنگنے اور گھی لگانے سے زیادہ ہوا ہے اس کا ضمان دیدے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ چیز غصب کر کے اس میں صفات کی زیادتی کر دی، نقص نہیں کیا تو مالک کو دو اختیار ہیں یا تو اپنی اصل چیز کی قیمت لیکر غاصب کو چیز دیدے یا اپنی چیز غاصب سے لے لے اور صفات کی جو زیادتی ہوئی ہے اس کی قیمت غاصب کے حوالے کر دے۔

وجہ غاصب کی زیادتی کی قیمت غاصب کے حوالے کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله ﷺ من زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم فلیس له من الزرع شیء وله نفقته (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبھا ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن زرع فی ارض قوم بغیر اذنھم ص ۲۵۳ نمبر ۱۳۶۶) اس حدیث میں فرمایا کہ بغیر اجازت کے کھیتی کرنے والے کو اس کے کام کرنے کا خرچ ملے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کو رنگنے والے اور ستو میں گھی ملانے والے کو رنگ اور گھی کی قیمت مل جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مالک اور غاصب دونوں کو نقصان نہ ہو بلکہ حتی الامکان دونوں کو ان کا حق مل جائے۔

صورت مسئلہ : صورت مسئلہ یہ ہے کہ کپڑا غصب کر کے لال رنگ میں رنگ دیا، یا ستو غصب کر کے اس میں گھی ملا دیا تو مالک کو دو اختیار ہیں۔ یا سفید کپڑا اور خالص ستو کی قیمت لیکر غاصب کو کپڑا اور ستو حوالہ کر دے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ رنگ اور گھی کی قیمت غاصب کو دیدے اور اپنا کپڑا اور ستو مالک سے واپس لے لے۔

لغت صبغ : رنگا۔ سویق : ستو۔ لت : ملایا، لپیٹا۔ سمن : گھی۔

[۱۵۶۸](۱۸) کسی نے عین چیز کو غصب کیا اور اس کو غائب کر دیا اور مالک نے اس کی قیمت کا ضامن بنایا تو غاصب اس کی قیمت دے کر مالک ہو جائے گا۔

تشریح کسی نے کسی کی چیز کو غصب کیا اور اس کو غائب کر دیا اور مالک نے اس کی قیمت وصول کر لی تو غاصب اس چیز کا مالک بن جائے گا۔

وجہ اگر چہ غصب سبب محذور ہے لیکن قیمت ادا کرنے کی وجہ سے مالک کی ملکیت سے غاصب کی ملکیت کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قیمت جو ادا کر دیا (۲) پیالے والی حدیث میں صحیح پیالہ دینے کے بعد ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پیالے کا مالک بن گئے۔ فدفع القصعة الصحیحة وحبس المکسورة (ب) (بخاری شریف، نمبر ۲۴۸۱)

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غصب سبب محذور ہے اس لئے قیمت ادا کرنے کے بعد بھی وہ اس چیز کا مالک نہیں بنے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا کسی نے بغیر اجازت کے کسی کی زمین میں کھیتی کی تو اس کھیتی میں کچھ نہیں ملے گا اور اس کو اس کا خرچ ملے گا (ب) آپؐ نے صحیح پیالہ دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ رکھ لیا۔

[۱۵۶۹](۱۹) والقول فی القیمة قول الغاصب مع یمینه الا ان یقیم المالک البینة باکثر من ذلک[۱۵۷۰](۲۰) فاذا ظهرت العین وقیمتها اکثر مما ضمن وقد ضمنها بقول المالک او ببینة اقامها او بنکول الغاصب عن الیمین فلا خیار للمالک وهو للغاصب[۱۵۷۱](۲۱) وان کان ضمنها بقول الغاصب مع یمینه فالمالک بالخیار ان

[۱۵۶۹](۱۹)اورقول قیمت میں غاصب کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ مگر یہ کہ مالک بینہ قائم کردے اس سے زیادہ کا۔

تشریح غصب کی چیز غائب ہوگئی۔اب مالک اور غاصب کے درمیان اس کی قیمت میں اختلاف ہوگیا تو اگر مالک کے پاس بینہ ہے تو اسکے ذریعہ زیادہ قیمت کا فیصلہ کیا جائے گا۔اوراگر اس کے پاس بینہ نہیں ہے تو غاصب کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ یہاں مالک زیادہ قیمت کا مدعی ہے اور غاصب اس کا منکر ہے اس لئے مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

[۱۵۷۰](۲۰)پس اگر عین چیز ظاہر ہو جائے اوراس کی قیمت زیادہ ہے اس سے جو ضمان دیا اور حال یہ تھا کہ اس کا ضمان دیا مالک کے کہنے سے یا گواہ قائم کرنے سے غاصب کے قسم کھانے سے انکار کرنے سے تو مالک کو اختیار نہیں ہوگا اور وہ چیز غاصب کی ہوگی۔

تشریح مغصوب چیز غائب تھی اس درمیان اس کی قیمت مالک کو دلوادی گئی، بعد میں وہ چیز ظاہر ہوئی اور پتہ چلا کہ اس کی قیمت زیادہ تھی۔پس اگر ان تین صورتوں میں قیمت کا فیصلہ کیا گیا تھا تو مالک کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔اور نہ مالک کو وہ چیز لینے کا اختیار ہوگا۔مثلا مالک کے کہنے پر کہ اس چیز کی قیمت اتنی ہے اس کو قیمت دلوادی گئی تھی تو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔

وجہ خود مالک نے اس کی قیمت اتنی ہی لگائی ہے۔اس نے اس وقت زیادہ قیمت کیوں نہیں لگائی یہ اس کی غلطی ہے اس لئے زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔یا مالک نے اتنی قیمت پر بینہ قائم کر کے فیصلہ کروایا تھا تو چونکہ خود ہی اس نے اسی قیمت پر گواہی دے کر فیصلہ کروایا ہے اس لئے وہ پہلے سے کم قیمت پر راضی ہے۔اس لئے اس کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔یا مالک کے پاس بینہ نہیں تھا اس لئے غاصب کو قسم کھانے کے لئے کہا۔غاصب نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے مالک نے جتنی قیمت بتائی اسی پر فیصلہ کر دیا گیا تو اب مالک کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔

وجہ یہ فیصلے مالک کے قیمت بتانے پر ہوئے ہیں اس لئے چیز کی قیمت زیادہ نکل جائے پھر بھی اس کو زیادہ نہیں دلوائی جائے گی (۲) کیونکہ مالک اتنی ہی قیمت پر راضی ہے۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مالک جتنی قیمت پر پہلے راضی ہو چکا ہو تو اس سے زیادہ نہیں دلوائی جائے گی اور نہ مالک کو وہ چیز واپس لینے کا اختیار ہوگا۔

لغت نکول : قسم کھانے سے انکار کرنا۔

[۱۵۷۱](۲۱)اوراگر چیز کی قیمت دلوائی تھی غاصب کے کہنے سے اس کی قسم کے ساتھ تو مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ضمان کو برقرار رکھے

شاء امضی الضمان وان شاء اخذ العین ورد العوض[۱۵۷۲](۲۲) وولد المغصوبة ونماؤها وثمرة البستان المغصوب امانة فی ید الغاصب ان ھلک فی یدہ فلا ضمان علیه الا ان یتعدی فیھا او یطلبھا مالکھا فیمنعھا ایاہ[۱۵۷۳](۲۳) وما نقصت الجاریة بالولادة فھو فی ضمان الغاصب فان کان فی قیمة الولد وفاء به جبر النقصان بالولد

اور چاہے تو مغصوب چیز کو لے لے اور عوض واپس کر دے۔

تشریح مالک کے پاس بتائی ہوئی قیمت پر گواہ نہیں تھا اس لئے غاصب کے لئے قسم کے ساتھ اس کی بات پر قیمت کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ مغصوب چیز کی قیمت اس سے زیادہ ہے تو اب مالک کو دو اختیارات ہیں۔ یا تو پچھلی قیمت کو بحال رکھے اور چیز کو غاصب کے پاس رہنے دے، یا چونکہ مغصوب چیز مل گئی ہے اس لئے اس کو واپس لے لے اور قیمت غاصب کو واپس لوٹا دے۔

وجہ چونکہ اس صورت میں مالک کے کہنے پر قیمت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کو واپس لینے کا حق ہے۔

لغت امضی الضمان : ضمان کو بحال رکھے، العین : اس سے مراد مغصوب چیز ہے۔

[۱۵۷۲](۲۲) مغصوبہ چیز کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل غاصب کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔ اگر اسکے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں تعدی کرے یا مالک اس کو طلب کرے پھر بھی اس کو نہ دے۔

تشریح اس عبارت میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مغصوب چیز کو غصب کیا تو وہ مغصوب ہے لیکن غاصب کے ہاتھ میں جو بڑھوتر ہوئی یا بچہ پیدا ہوا یا باغ غصب کیا پھر اس میں پھل آ گیا تو یہ تمام بڑھوتری غاصب کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہیں۔

وجہ غصب کا مطلب ہے مالک کو بے دخل کرنا اور یہ معنی اصل چیز میں ہوگا۔ بڑھوتری پر تو مالک کا شروع میں دخل ہی نہیں ہے وہ تو غاصب کے ہاتھ میں پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے بڑھتوری غاصب کے ہاتھ میں امانت ہوگی۔ اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مالک بڑھوتری کو غاصب سے مانگے اور غاصب دینے سے انکار کر دے تو اب وہ بڑھوتری امانت کے طور پر نہیں رہی بلکہ انکار کرنے کی وجہ سے گویا کہ غصب کے طور پر ہو گئی۔ اس لئے اب بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو گی تو غاصب کو ضمان دینا ہوگا۔

اصول بڑھوتری غاصب کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔

لغت نماء : بڑھوتری۔

[۱۵۷۳](۲۳) اور باندی میں جو کچھ کمی آئے ولادت کی وجہ سے تو وہ غاصب کے ضمان میں ہے۔ پس اگر بچے کی قیمت سے نقصان پورا ہو سکے تو بچہ کی وجہ سے نقصان پورا کیا جائے گا اور غاصب سے اس کا ضمان ساقط ہو جائے گا۔

تشریح باندی کی ولادت میں نفع بھی ہے کہ مالک کا ایک غلام بڑھ گیا لیکن ولادت کی وجہ سے باندی میں نقصان بھی ہو گیا تو چونکہ ایک ہی چیز

وسقط ضمانہ عن الغاصب[۱۵۷۴](۲۴) ولا یضمن الغاصب منافع ما غصبہ الا ان ینقص باستعمالہ فیغرم النقصان.

سے فائدہ اور نقصان دونوں ہیں اس لئے بچے کی قیمت سے باندی کا نقصان پورا کیا جائے گا۔اور جب پورا ہو جائے تو غاصب سے نقصان کا ضمان ساقط ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فائدہ اور نقصان دونوں ہوں تو نقصان کو فائدہ سے پورا کر دیا جائے گا اور غاصب پر نقصان کا ضمان نہیں ہوگا۔

لغت وفاء : (پورا ہونا، جبر : نقصان کی مکافات کرنا۔

[۱۵۷۴](۲۴) نہیں ضامن ہوگا غاصب اس منافع کے جن کو غصب کیا مگر یہ کہ اس کے استعمال سے نقص پیدا ہو جائے تو نقصان کا تاوان دے گا۔

تشریح مثلا گھر غصب کیا اور ایک مہینے تک اپنے پاس رکھے رہا نہ خود اس میں رہا اور نہ کسی اور کو رہنے دیا تو ایک مہینے کی رہائش کے منافع کی جو اجرت ہوگی غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ ہاں! غاصب کے رہنے کی وجہ سے گھر میں کوئی نقص پیدا ہوتا تو غاصب کو نقصان کا تاوان دینا پڑتا۔

وجہ جب تک کہ منافع عقد اجرت نہ ہو ہمارے یہاں وہ متقوم نہیں ہے۔اور یہاں عقد اجرت ہوا نہیں اس لئے یہ متقوم نہیں ہے۔اس لئے غاصب پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ ہاں! رہنے کی وجہ سے گھر کا نقصان ہو جائے تو چونکہ عین چیز کو نقصان کیا اور ہلاک کیا اس لئے اس کی قیمت دینی ہوگی (۲) حضرت علیؓ کے اثر سے پتہ چلتا ہے کہ منافع کی قیمت لازم نہیں ہوگی۔عن عامر الشعبی فی رجل وجد جاریتہ فی ید رجل قد ولدت منہ فاقام البینۃ انہا جاریتہ واقام الذی فی یدہ الجاریۃ البینۃ انہ اشتراہا قال فقال علیؓ یاخذ صاحب الجاریۃ جاریتہ ویوخذ البائع بالخلاص، قال سمعت الشعبی یقول لیس الخلاص بشیء من باع مالا یملک فہو لصاحبہ ویتبع المشتری البائع بما اعطاہ ولیس علی البائع اکثر من ان یرد ما اخذ ولا یوخذ غیرہ (الف) (سنن للبیہقی، باب من غصب جاریۃ فباعہا ثم جاء رب الجاریۃ، ج سادس، ۱۶۶، نمبر ۱۱۵۴۸) اس اثر میں حضرت علیؓ نے مالک کی طرف صرف باندی لوٹانے کا حکم دیا اور مشتری کو کہا کہ بائع کو جتنی قیمت دی ہے وہ واپس لے لے۔لیکن مشتری نے باندی سے جو فائدہ اٹھایا ہے اس کی کوئی اجرت مشتری پر لازم نہیں کی۔جس سے معلوم ہوا کہ منافع کی جب تک اجرت متعین نہ کرے اس وقت تک اس کی اجرت لازم

حاشیہ : (الف) حضرت عامر شعبی نے فرمایا ایک آدمی نے اپنی باندی ایک آدمی کے پاس پائی۔اس نے اس سے بچہ دیا تھا۔پس اس نے بینہ قائم کیا کہ اس کی باندی ہے۔اور جس کے قبضے میں باندی تھی اس نے بینہ قائم کیا کہ اس نے اس کو خریدا ہے۔پس حضرت علیؓ نے فرمایا کہ باندی والا باندی لے گا اور بائع سے بیع توڑنے کے لئے کہا جائے گا...شعبی سے سنا وہ فرماتے تھے خلاص کوئی چیز نہیں ہے۔کسی نے کوئی ایسی چیز بیچی جو اس کی نہیں ہے تو وہ اس کے مالک کے لئے ہوگی۔اور مشتری بائع سے اتنا لے گا جتنا اس کو دیا ہے۔اور بائع پر اس سے زیادہ لوٹانا ضروری نہیں ہے جتنا لیا ہے۔اور نہ اس کے علاوہ لے سکتا ہے۔

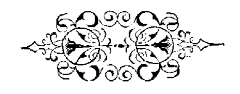
[۱۵۷۵](۲۵) واذا استھلک المسلم خمر الذمی او خنزیرہ ضمن قیمتھا وان استھلکھما المسلم لمسلم لم یضمن.

نہیں ہوتی ہے۔

[۱۵۷۵](۲۵)مسلمان نے ذمی کے شراب کو یا اس کے سور کو ہلاک کر دیا تو دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا۔اور اگر ان دونوں کو مسلمان نے مسلمان کا ہلاک کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ ذمی کے حق میں شراب اور سور قیمتی چیز ہیں اس لئے مسلمان نے جب ان کو ضائع کیا تو ان کا ضمان دینا ہوگا۔البتہ شراب ذواۃ الامثال ہے لیکن مسلمان اس کو خرید نہیں سکتا اس لئے اس کی بھی قیمت ادا کرے گا۔اور سور ذواۃ القیم ہے ہی اس لئے اس کی تو قیمت دے گا۔اور مسلمان نے مسلمان کے شراب یا سور کو ہلاک کر دیا تو ان کا ضمان نہیں ہے۔

وجہ کیونکہ مسلمان کے حق میں دونوں چیزیں قیمتی نہیں ہے۔اس لئے ان کو ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا(۲) حدیث میں ہے کہ ان چیزوں کو توڑا ہے بلکہ توڑنے کا حکم دیا۔**عن سلمۃ بن اکوع ان النبی ﷺ رای نیرانا توقد یوم خیبر قال علام توقد ھذہ النیران قالوا علی الحمر الانیسۃ قال اکسروھا وھریقوھا (الف)**(بخاری شریف، باب ھل تکسر الدنان التی فیھا الخمر او تحرق الزقاق ص ۳۳۶ نمبر ۲۴۷۷)اس حدیث میں گدھے کے گوشت کو پھینکنے اور اس کے برتن کو توڑنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ ناجائز چیزوں کو توڑنے کا ضمان نہیں ہے(۳)**عن انس بن مالک قال کنت اسقی ابا عبیدۃ وابا طلحۃ وابی بن کعب شرابا من فضیح وتمر فجائھم آت فقال ان الخمر قد حرمت فقال ابو طلحۃ یا انس قم الی ھذہ الجرار فاکسرھا قال انس فقمت الی مھراس لنا فضربتھا باسفلہ حتی تکسرت (ب)**(سنن للبیہقی، باب من اراق ما لا یحل الانتفاع بہ من الخمر وغیرھا وکسر وعائھا، ج سادس، ص ۱۶۷، نمبر ۱۱۵۵۲)اس اثر میں شراب کا برتن توڑا گیا اور کوئی ضمان لازم نہیں کیا اس لئے حرام چیزوں کو توڑنے سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔



حاشیہ : (الف) آپؐ نے آگ دیکھی کہ خیبر کے دن جلائی جا رہی ہے تو آپؐ نے فرمایا یہ آگ کس چیز کے لئے جلا رہے ہو؟ کہا اہلی گدھے کے لئے۔آپؐ نے فرمایا ہانڈی توڑ دو اور گوشت بہا دو(ب)انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو عبیدہ، ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو خشک کھجور اور تر کھجور کا شراب پلا رہا تھا۔پس ایک آنے والے آئے اور کہا کہ شراب حرام ہو گیا ہے۔تو حضرت ابو طلحہ نے فرمایا اے انس ان مٹکوں کو جاؤ توڑ دو۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں کلہاڑی کے پاس گیا اور اس سے مٹکے کے نیچے مارا یہاں تک کہ اس کو توڑ دیا۔

﴿ کتاب الودیعة ﴾

[۱۵۷۶](۱)الودیعة امانة فی ید المودع اذا هلکت فی یده لم یضمنها[۱۵۷۷](۲) وللمودع ان یحفظها بنفسه وبمن فی عیاله.

﴿ کتاب الودیعۃ ﴾

ضروری نوٹ ودیعت کے معنی امانت رکھنا ہے۔کوئی اپنا سامان کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے تو اس کو امانت رکھنا کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ان اللہ یأمرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا (الف) (آیت ۵۸ سورۃ النساء۴) اس آیت میں امانت کو واپس لوٹانے کی تاکید کی گئی ہے۔حدیث میں ہے۔عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ من اودع ودیعة فلا ضمان علیہ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الودیعۃ ص ۳۴۳ نمبر ۲۴۰۱ ردار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۶ نمبر ۲۹۳۸) اس حدیث میں ہے کہ کوئی چیز امانت پر رکھے تو امانت رکھنے والے پر ضمان نہیں ہے۔اس سے امانت کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہونے پر ضمان نہیں ہے۔

اس باب میں تین الفاظ ہیں (۱) امانت رکھنے والا جس کو مودع کہتے ہیں (دال کے کسرہ کے ساتھ) (۲) جس کے پاس امانت رکھی جائے اس کو مودع کہتے ہیں (دال کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ) (۳) جو چیز امانت رکھی جائے اس کو ودیعت کہتے ہیں۔

[۱۵۷۶](۱) ودیعت امانت ہوتی ہے امانت رکھنے والے کے ہاتھ میں۔اگر اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا

تشریح جس کے ہاتھ میں امانت رکھی گئی ہے وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا تاوان نہیں ہے۔

وجہ (۱) ابن ماجہ کی حدیث اوپر گزری من اودع ودیعة فلا ضمان علیہ (ابن ماجہ شریف، نمبر ۲۴۰۱) (۲) دار قطنی میں ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ قال لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان ولا علی المستودع غیر المغل ضمان (ج) (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۶ نمبر ۲۹۳۹) (۴) قال عمر بن الخطاب العاریة بمنزلة الودیعة ولا ضمان فیھا الا ان یتعدی (د) (مصنف عبد الرزاق، باب العاریۃ، ج ثامن، ص ۱۷۹ نمبر ۱۴۷۸۵) اس حدیث اور اوپر کے اثر سے معلوم ہوا کہ امانت بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو امین پر ضمان نہیں ہے۔

[۱۵۷۷](۲) امانت رکھنے والے کے لئے جائز ہے کہ خود حفاظت کرے اور ان سے حفاظت کرائے جو اس کے عیال میں ہیں۔

تشریح امانت کے مال کی خود حفاظت کر سکتا ہے اور ان لوگوں سے بھی حفاظت کروا سکتا ہے جو اس کے بال بچے ہیں یا جس کی وہ کفالت کرتا

حاشیہ : (الف) اللہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانت امانت والوں کو ادا کرے (ب) آپ نے فرمایا جس نے امانت رکھی اس پر ضمان نہیں ہے (ج) آپ نے فرمایا عاریت رکھنے والے پر جو زیادتی نہ کرتا ہو ضمان نہیں ہے، اور امانت رکھنے والے پر جو زیادتی نہ کرتا ہو ضمان نہیں ہے (د) حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا عاریت ودیعت کی طرح ہے اور اس میں ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ تعدی کرے۔

[۱۵۷۸](۳) فان حفظها بغیرهم او اودعها ضمن الا ان یقع فی داره حریق فیسلمها الی جاره او یکون فی سفینة وهو یخاف الغرق فیلقیها الی سفینة اخری[۱۵۷۹](۴) وان

ہے۔

وجہ آدمی ہروقت گھر میں نہیں رہتا، کبھی باہر بھی جانا پڑتا ہے۔اس لئے اگر اپنے اہل وعیال سے امانت کی حفاظت نہ کرائے گا تو کس سے کرائے گا؟(۲)حضورؐ نے ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ سے امانت کی حفاظت کروائی ہے۔بلکہ انہیں کے ذریعہ امانت ادا کروائی ہے۔**عن عائشة فی هجرة النبی ﷺ قالت امر تعنی رسول الله ﷺ علیا ان یتخلف عنه بمکة حتی یؤدی عن رسول الله ﷺ الودائع التی کانت عنده للناس** (الف)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی الترغیب فی اداء الامانات، ج سادس، ص۴۷۲، نمبر ۱۲۶۹۶)اس حدیث میں حضرت علیؓ نے حضور کی امانت کی حفاظت کی اور اس کو لوگوں کو ادا بھی کیا اور حضرت علی آپؐ کے عیال میں سے تھے۔اس لئے اہل وعیال سے بھی حفاظت کرواسکتا ہے۔

[۱۵۷۸](۳)پس اگر اس کی حفاظت کروائی اہل وعیال کے علاوہ سے تو ضامن ہو جائے گا مگر یہ کہ اس کے گھر میں آگ لگ جائے تو اس کو اپنے پڑوسی کے سپرد کر دے یا امانت کشتی میں ہو اور اس کو ڈوبنے کا خوف ہو تو اس کو دوسری کشتی میں ڈال دے۔

تشریح امانت کی چیز کو اپنے اہل وعیال کے علاوہ سے حفاظت کراوئی تو مودع اس کا ضامن بن جائے گا۔

وجہ مالک مودع کی حفاظت سے راضی ہے اس کے علاوہ کی حفاظت سے راضی نہیں ہے۔اس لئے دوسروں سے حفاظت کروائی اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔اس اثر میں ہے **عن شریح قال من استودع ودیعة فاستودعها بغیر اذن اهلها فقد ضمن** (ب)(مصنف عبدالرزاق، باب الودیعة، ج ثامن ص ۱۸۲، نمبر ۱۴۸۰۰)اس اثر میں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر امین نے دوسرے کے پاس امانت رکھی اور ہلاک ہوئی تو وہ ضامن ہوگا۔البتہ ایسی مجبوری ہو جائے کہ پڑوسی کو دینا ضروری ہو جائے اور اس کو دینے میں حفاظت کا زیادہ امکان ہو تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔مثلا گھر میں آگ لگ گئی ایسے موقع پر امانت کی چیز حفاظت کی نیت سے پڑوسی کے گھر میں پھینک دی اور امانت ضائع ہوگئی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔اسی طرح امانت کی چیز کشتی میں تھی اور اندیشہ ہوا کہ وہ چیز ڈوب جائے گی جس کی وجہ سے حفاظت کی نیت سے دوسری کشتی میں ڈال دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ مجبوری ہو اور حفاظت کی غرض سے عیال کے علاوہ سے حفاظت کروائی تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔

لغت حریق : آگ لگنا، سفینة : کشتی۔

[۱۵۷۹](۴)اگر امانت رکھنے والے نے اپنے مال کے ساتھ ایسے ملا دی کہ الگ نہ ہو سکتی ہو تو اس کا ضامن ہوگا۔

حاشیہ : (الف)حضور کی ہجرت کے بارے میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ان کی نیابت کریں۔یہاں تک کہ حضور کی امانت کو ادا کر دیں جو ان کے پاس لوگوں کی ہے (ب) قاضی شریح نے فرمایا کسی نے امانت رکھی پس اس نے مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے پاس امانت رکھ دی تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

خلطها المودع بماله حتی لا تتمیز ضمنها [۱۵۸۰](۵) فان طلبها صاحبها فحبسها عنه وهو یقدر علی تسلیمها ضمنها [۱۵۸۱](۶) وان اختلطت بماله من غیر فعله فهو شریک لصاحبها.

تشریح امانت رکھنے والے نے امانت کی چیز کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ اس کو الگ الگ بھی نہیں کر سکتے تو امانت رکھنے والا اس امانت کا ضامن ہو جائے گا اور اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی۔

وجہ ملانے کی وجہ سے اب وہ امین نہیں رہا بلکہ ضامن ہو گیا اس لئے اس کو ضمان دینا ہوگا (۲) مالک اب اپنے حق تک نہیں پہنچ سکتا اسلئے یہی صورت ہے کہ اس کو اس کی قیمت مل جائے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن انس بن مالک قال استودعت مالا فوضعته مع مالی فهلک من بین مالی فرفعت الی عمر فقال انک لامین فی نفسی ولکن هلکت من بین مالک فضمنته** (الف) (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی مؤتمن، ج سادس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۲۷۰۴) اس اثر میں امانت کو اپنے مال کے ساتھ ملا دیا اور وہ ہلاک ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے انس بن مالک کو ضامن بنایا۔

لغت خلط : ملا دیا۔

[۱۵۸۰] (۵) پس اگر امانت کو مانگا اس کے مالک نے پس روک لیا امانت رکھنے والے نے مالک سے حالانکہ وہ اس کے دینے پر قدرت رکھتا تھا تو اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح مالک نے امین سے امانت کا مال مانگا اور امین اس کو سپرد کرنے پر قدرت رکھتا تھا پھر بھی سپرد نہیں کیا اور امانت ہلاک ہو گئی تو امین اس مال کا ضامن ہوگا۔

وجہ طلب کرنے کے باوجود نہ دینا تعدی ہے اور پہلے اثر میں گزر چکا ہے کہ تعدی کرے گا تو امین ضامن ہو جائے گا۔ **قال عمر بن الخطاب العاریة بمنزلة الودیعة ولا ضمان فیها الا ان یتعدی** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب العاریة ج ثامن ص ۱۷۹ نمبر ۱۴۷۸۵) اس اثر کی وجہ سے تعدی کرنے پر امین پر ضمان لازم ہوگا۔

[۱۵۸۱] (۶) اور اگر مل گیا مال بغیر امین کے کچھ کئے تو وہ مالک کے ساتھ شریک ہوگا۔

تشریح اگر امین کے کچھ کئے بغیر امانت کا مال امین کے مال کے ساتھ خلط ملط ہو گیا تو امین مالک کے ساتھ شریک ہو جائے گا ضمان نہیں ہوگا

وجہ امین نے ملایا نہیں ہے خود بخود ملا ہے اس لئے ان کی جانب سے تعدی نہیں ہوئی۔ اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔ البتہ دونوں کا مال مل گیا ہے اس لئے دونوں شریک ہو جائیں گے۔

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کی امانت رکھی پس اس کو اپنے مال کے ساتھ رکھ دیا۔ پس وہ میرے مال کے ساتھ ہلاک ہو گئی، پس اس معاملے کو حضرت عمر کے پاس لے گیا تو انہوں نے فرمایا تم ذات کے اعتبار سے امین ہو لیکن اپنے مال کے ساتھ ہلاک کیا اس لئے تم ضامن ہوں گے (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا عاریت ودیعت کی طرح ہے اور اس میں ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ تعدی کرے۔

[۱۵۸۲](۷) وان انفق المودع بعضها وهلک الباقی ضمن ذلک القدر[۱۵۸۳](۸) فان انفق المودع بعضها ثم رد مثله فخلطه بالباقی ضمن الجمیع[۱۵۸۴](۹) واذا تعدی المودع فی الودیعة بان کانت دابة فرکبها او ثوبا فلبسه او عبدا فاستخدمه او اودعها

[۱۵۸۲](۷)اگرخرچ کیاامانت رکھنے والے نے بعض کواور ہلاک ہوگئی باقی تو اس مقدار ضامن ہو جائے گا۔

تشریح مثلا ایک ہزار درہم امانت پر رکھے تھے اس میں سے چھ سو درہم امین نے خرچ کر دیئے اور باقی چار سو ہلاک ہو گئے تو وہ امانت کے ہلاک ہوئے۔ کیونکہ اس پر تعدی نہیں کی۔ اور چھ سو درہم جو خرچ کئے اس پر تعدی کی اس لئے اس کا ضمان لازم ہوگا۔ **اصول** یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جتنے پر تعدی کی اس کا ضمان لازم ہوگا اور جتنے پر تعدی نہیں کی وہ امانت کا شمار کیا جائے گا۔

[۱۵۸۳](۸)اگرامانت رکھنے والے نے اس کے بعض کو خرچ کیا پھر اس کے مثل واپس کیا پھر اس کو باقی کے ساتھ ملا دیا تو تمام کا ضامن ہو جائے گا۔

تشریح اوپر کی مثال میں ایک ہزار امانت پر رکھا۔ اس میں سے چھ سو درہم امین نے خرچ کر دیئے پھر اپنی جانب سے چھ سو درہم واپس لایا اور باقی درہم کے ساتھ ملا دیا اور تمام درہم ہلاک ہو گئے تو امین اب پورے ایک ہزار کا ضامن ہوگا۔

وجہ امین نے جو چھ سو خرچ کئے تھے وہ جب تک مالک کے حوالے نہ کرے وہ امین کا ہی درہم ہے۔ اور پہلے قاعدہ گزر گیا کہ امین اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملائے گا تو امانت کا ضمان ہو جائے گا۔ یہاں چھ سو اپنے مال کے ساتھ چار سو امانت کا ملایا اس لئے اب پورے ایک ہزار کا ضامن ہو جائے گا (۲) پہلے حضرت عمر کا قول گزر چکا ہے۔ حضرت حسن کا ایک قول بھی ہے۔ **عن الحسن فی الرجل یودع الودیعة فیحرکها یأخذ بعضها قال کان یقول اذا حرکها فقد ضمن** (الف) (سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی مؤتمن ج، سادس، ص ۴۷۴، نمبر ۱۲۷۰۵) اس اثر میں اپنے مال کو امانت کے مال کے ساتھ ملا دیا تو امین کو ضامن بنایا۔ اسی طرح اپنے مال کو امانت کے مال کے ساتھ ملایا اس لئے اپنے پورے مال کا ضامن ہوگا۔ پہلے چھ سو درہم کا تھا اور اب چار سو درہم کا بھی ہو گیا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امین کے خرچ کرنے کے بعد جب تک وہ مال مالک کے ہاتھ میں سپرد نہ کرے امین ہی کا شمار کیا جائے گا۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملا دیا تو امانت کا ضامن ہوگا۔

[۱۵۸۴](۹)اگرامانت رکھنے والے نے امانت میں زیادتی کی اس طرح کہ جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا کپڑا تھا اس کو پہن لیا یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا اس کو دوسرے کے پاس امانت رکھ دیا پھر تعدی زائل کر دی اور اپنے پاس رکھ لیا تو ضمان زائل ہو جائے گا۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ امین نے امانت میں زیادتی کی لیکن ہلاک کئے بغیر دوبارہ زیادتی ختم کر دی اور امانت کو امانت کی طرح رکھنے لگا تو چونکہ زیادتی ختم ہو گئی اس لئے ضمان بھی زائل ہو جائے گا۔ اب اگر ہلاک ہوئی تو ضمان لازم نہیں ہوگا۔ مصنف نے اس کی چار

حاشیہ : (الف) حضرت حسن نے فرمایا کوئی آدمی امانت رکھے پھر اس کو حرکت دے کر ہلاک کر دے اور کچھ لے لے تو فرماتے تھے کہ جب حرکت دیا تو ضامن ہو جائے گا۔

عنـد غيره ثم ازال التعدى وردها الى يده زال الضمان[۱۵۸۵](۱۰) فان طلبها صاحبها فـجحده اياها ضمنها فان عاد الى الاعتراف لم يبرأ من الضمان[۱۵۸۶](۱۱) وللمودع

مثالیں دی ہیں (۱) جانور امانت کا تھا اس لئے اس پر سوار نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن اس پر سوار ہو گیا اس لئے اس پر ہلاک ہونے پر ضمان لازم تھا لیکن اب سوار ہونا چھوڑ دیا اور امانت کی طرح رکھنے لگا تو اب جانور امانت کا شمار کیا جائے گا اور اب ہلاک ہونے پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) کپڑا امانت کا تھا اس کو پہن لیا (۳) غلام تھا اس سے خدمت لینے لگا پھر چھوڑ دیا (۴) یا اپنے پاس امانت رکھنے کے بجائے دوسرے کے پاس امانت پر رکھ دیا پھر واپس کر لیا تو ضمان ساقط ہو جائے گا۔

اصول تعدی کے بعد تعدی ختم کر دے اور امانت کی چیز صحیح سالم ہو تو ضمان ساقط ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تعدی ختم کرنے کے باوجود ضمان ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موجب ضمان ہو گیا تو اب وہ ساقط نہیں ہوگا۔

[۱۵۸۵](۱۰) اگر اس کے مالک نے امانت کو مانگا پس امین نے اس کا انکار کیا تو وہ ضامن ہو جائے گا۔ پھر اگر اعتراف کی طرف لوٹ آیا تو ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح مالک نے اپنی امانت مانگی اس پر امین نے انکار کر دیا کہ آپ کی کوئی امانت میرے پاس نہیں ہے۔ پھر بعد میں اعتراف کر لیا کہ آپ کی امانت میرے پاس ہے۔ اس کے بعد چیز ہلاک ہو گئی تو امین ضامن ہوگا اور اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

وجہ مطالبہ کے بعد امین کے انکار کرنے کی وجہ سے امین کی امانت ہی ختم ہو گئی۔ اب جب تک کہ مالک دوبارہ اس کو امین نہیں بنائے گا وہ امین نہیں ہوگا۔ اور دوبارہ بنایا نہیں ہے اس لئے اعتراف کے باوجود وہ ضامن رہے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امین ہونا ختم ہونے کے بعد دوبارہ باضابطہ امین نہیں بنایا تو وہ امین نہیں ہوگا ضامن ہی ہوگا۔

لغت جحد : انکار کیا، اعتراف : اقرار کرنا، لم یبرأ : بری نہیں ہوگا۔

[۱۵۸۶](۱۱) امین کے لئے جائز ہے کہ سفر کرے ودیعت کے ساتھ اگر چہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو۔

تشریح امین امانت کی چیز کو سفر میں لے جانا چاہے تو لے جا سکتا ہے بشرطیکہ مالک نے منع نہ کیا ہو۔ اور راستے میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ اگر مالک نے سفر کرنے سے منع کیا ہو یا سفر میں مال کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کو لیکر سفر نہیں کر سکتا۔ اور اگر سفر کیا اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔

وجہ امین ہر وقت گھر میں تو رہے گا نہیں کبھی سفر بھی کرے گا۔ اور مطلق حفاظت حضر اور سفر دونوں کو شامل ہے اس لئے وہ سفر کر سکتا ہے۔ منع کرنے پر سفر کرے اور ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ان حكيم بن حزام صاحب رسول الله ﷺ كان يشترط على الرجل اذا اعطاه مالا مقارضة يضرب له به ان لاتجعل مالى كبد رطبة ولا تحمله فى بحر ولا تنزل به فى بطن سيل فان فعلت شيئا من ذلک فقد ضمنت مالى (دار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۵۳ نمبر ۳۰۱۴ سنن للبیہقی، کتاب

ان يسافر بالوديعة وان كان لها حمل و مؤنة[۱۵۸۷](۱۲) واذا اودع رجلان عند رجل وديعة ثم حضر احدهما طلب نصيبها منها لم يدفع اليه شيئا عند ابی حنيفة رحمه الله تعالی حتی يحضر الآخر وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالی يدفع اليه

القراض، ج سادس، ص۱۸۴، نمبر۱۱۶۱۰)

فائدہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ معروف کا اعتبار کیا جائے گا۔اور معروف یہ ہے کہ حضر میں حفاظت کرے سفر میں حفاظت نہ کرے اس لئے امانت کے اٹھانے میں بوجھ اور تکلیف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں سفر میں نہیں لے جا سکتا۔صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر امانت کے اٹھانے کا بوجھ اور تکلیف ہو تو سفر میں نہیں لے جا سکتا۔کیونکہ اٹھانے کی اجرت مالک پر خواہ مخواہ پڑے گی۔اس لئے بغیر مالک کی اجازت کے سفر میں نہیں لے جا سکتا۔

لغت مؤنۃ : اٹھانے کی اجرت۔

[۱۵۸۷](۱۲) اگر امانت پر رکھا دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کچھ امانت پھر ان میں سے ایک آیا اور اس سے اپنا حصہ طلب کیا تو اس کو کچھ نہیں دیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب تک کہ دوسرا نہ آجائے۔اور فرمایا صاحبین نے اس کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔

تشریح دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کوئی چیز امانت پر رکھی پھر ایک آدمی نے آکر کہا کہ میرا حصہ مجھے دیدیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ جب دونوں شامل ہو کر آئیں گے تب دونوں کو پوری چیز دے دی جائے گی۔

وجہ دونوں نے مشترک طور پر چیز امانت رکھی ہے اب ایک آدمی اپنا حصہ تقسیم کروا کر لینا چاہتا ہے اور تقسیم کرنے کا حق امین کو نہیں ہے اس لئے وہ اس کو نہیں دے سکتا (۲) ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی کچھ چکما دے کر لینا چاہتا ہے اس لئے اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**عن حنش ان رجلين استودعا امرأة من قريش مائة دينار علی ان لا تدفعها الی واحد منها دون صاحبه حتی يجتمعا .فاتاها احدهما فقال ان صاحبی توفی فادفعی الی المال فابت فاختلف اليها ثلاث سنين واستشفع عليها حتی اعطته ثم ان الآخر جاء فقال اعطينی الذی لی فذهب بها الی عمر بن الخطاب فقال له عمر هل بينة ؟ قال هی بينتی فقال ما اظنک الا ضامنة**(الف)(سنن للبیہقی، باب لا ضمان علی مؤتمن، ج سادس، ص۴۷۳، نمبر۱۲۷۰۱) اس اثر میں ایک شریک کو دینے سے حضرت عمرؓ نے عورت کو ضامن بنایا۔اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک شریک کو نہیں دے سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ شریک کو اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) دو آدمیوں نے قریش کی ایک عورت کے پاس سو دینار امانت پر رکھے اس شرط پر کہ دونوں میں سے صرف ایک کو نہیں دے گی جب تک کہ دونوں جمع ہو کر نہ آئیں۔بعد میں عورت کے پاس ایک آیا اور کہا میرا شریک انتقال کر گیا ہے اس لئے مال مجھے دیدیں تو اس نے انکار کیا۔پس تین سال تک وہ آتے رہے اور سفارش کرواتے رہے۔یہاں تک کہ عورت نے اس کو امانت دیدی۔پھر دوسرا شریک آیا اور کہا کہ مجھ کو دو جو میرا مال ہے۔پس عورت کو حضرت عمر کے پاس لے گئے۔حضرت عمر نے فرمایا کیا گواہ ہے؟ آدمی نے کہا عورت ہی میری گواہ ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا گمان ہے کہ وہ ضامن بنے گی۔

نصيبه[۱۵۸۸] (۱۳) وان اودع رجل عند رجلين شيئا مما يقسم لم يجز ان يدفعه احدهما الى الآخر ولكنهما يقتسمانه فيحفظ كل واحد منهما نصفه[۱۵۸۹] (۱۴) وان كان مما لايقسم جاز ان يحفظ احدهما باذن الآخر[۱۵۹۰] (۱۵) واذا قال صاحب

وجہ وہ اپنا مال مانگ رہا ہے جواس نے دیا تھا اس لئے مانگنے پر اس کی امانت اس کو سپرد کر دی جائے گی (۲) آیت ہے ان الله يأمركم ان تؤدوا الامانات الى اهلها (آیت ۵۸ سورۃ النساء۴) اس لئے امانت والے کو امانت دے دی جائے گی۔

[۱۵۸۸] (۱۳) اگر امانت پر رکھا ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس کوئی ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو تو جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو دے۔ لیکن دونوں تقسیم کرے اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے آدھے کی حفاظت کرے۔

تشریح ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایک ایسی چیز امانت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہو۔ مثلا ایک ہزار درہم امانت پر رکھا تو امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ پورے ایک ہزار ایک آدمی کو حفاظت کے لئے نہ دے بلکہ تقسیم کر کے آدھا آدھا دونوں حفاظت کرے۔

وجہ مالک نے دونوں آدمیوں کی حفاظت پر اعتماد کیا ہے ایک آدمی پر نہیں۔ اور مال ایسا ہے کہ تقسیم ہو سکتا ہے اس لئے ایک جگہ رکھنے کی مجبوری بھی نہیں ہے اس لئے دونوں تقسیم کر کے آدھا آدھا مال حفاظت کرے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ دونوں پر اعتماد کیا ہے اس لئے ایک کے پاس نہ رکھے۔ کیونکہ ایک پر مکمل اعتماد نہیں ہوا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب دونوں پر اعتماد کیا ہے تو ایک آدمی پر بھی مکمل اعتماد ہے اس لئے ایک کی اجازت سے دوسرے کے پاس پورا ہزار امانت پر رکھ سکتا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ امین دونوں پر اعتماد کرنا ایک پر بھی مکمل اعتماد کرنا ہے۔

[۱۵۸۹] (۱۴) اور اگر امانت ایسی ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو تو جائز ہے کہ ان میں سے ایک حفاظت کرے دوسرے کی اجازت سے۔

وجہ مثلا ایک گائے ہے اور دو آدمیوں کے پاس امانت پر رکھی تو چونکہ گائے تقسیم نہیں ہو سکتی اس لئے مجبوری کے طور پر ایک امین کی اجازت سے دوسرے امین کی حفاظت میں رکھ سکتا ہے۔

اصول مجبوری کے درجے میں ایک امین پر مکمل اعتماد کرنے کی ضرورت ہے۔

[۱۵۹۰] (۱۵) اور اگر امانت پر رکھنے والے نے امین سے کہا کہ امانت اپنی بیوی کو سپرد نہ کرنا، پس اس نے اس کو سپرد کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ امانت کی چیز اہل وعیال سے حفاظت کروا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی مجبوری ہے۔ اب ایسی شرط لگانا جس پر عمل کرنا مشکل ہو وہ شرط باطل ہے۔ اس لئے بیوی کو سپرد کیا اور امانت کی چیز ہلاک ہو گئی تو امین پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

نوٹ اگر ایسی چیز ہو جو اہل وعیال کو دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کو دینے سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو مالک کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کو نہ دیں صحیح ہے۔ اور اس صورت میں بیوی کو دینے سے ضامن ہوگا۔

الودیعة للمودع لا تسلمها الی زوجتک فسلمها الیها لم یضمن[۱۵۹۱](۱۶) وان قال له احفظها فی هذا البیت فحفظها فی بیت آخر من الدار لم یضمن وان حفظها فی دار اخری ضمن.

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اہل وعیال کو حفاظت کے لئے نہ دینے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مجبوری ہے۔

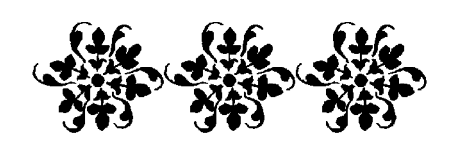
[۱۵۹۱](۱۶) اور اگر کہا کہ اس کی حفاظت کریں اس کمرے میں، پس اس کی حفاظت کی گھر کے دوسرے کمرے میں تو ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کی حفاظت کی دوسرے گھر میں تو ضامن ہوگا۔

تشریح مالک نے کہا کہ اس گھر کے فلاں کمرے میں امانت کی حفاظت کریں۔ امین نے اسی گھر کے دوسرے کمرے میں اس کی حفاظت کی اور ہلاک ہوگئی تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ ایک گھر کے سارے کمرے حفاظت کے اعتبار سے ایک ہی طرح ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسرے کمرے میں رکھنا حفاظت کے خلاف نہیں ہے اس لئے ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ حفاظت میں دونوں برابر ہوں تو شرط کے قریب قریب کرنا شرط کی مخالفت نہیں ہے۔ ہاں اگر دوسرا کمرہ حفاظت کے اعتبار سے پہلے سے کم ہو۔ مثلا دوسرا کمرہ چور دروازے کے قریب ہو تو پھر اس میں رکھنے سے ضامن بنے گا۔ اور دوسرے گھر میں رکھ دیا تو ضامن ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں اس لئے دوسرے گھر میں رکھنے کی وجہ سے ضامن ہوگا

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ ہر گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں۔



﴿ کتاب العارية ﴾

[۱۵۹۲](۱)العارية جائزة وهی تمليک المنافع بغير عوض[۱۵۹۳](۲) وتصح بقوله اعرتک واطعمتک هذه الارض ومنحتک هذا الثوب وحملتک علی هذه الدابة اذالم

﴿ کتاب العاریۃ ﴾

ضروری نوٹ عاریت کے معنی ہیں کسی چیز کومفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے۔اس کا ثبوت آیت میں ہے ویمنعون الماعون (آیت ۷سورۃ الماعون ۱۰۷)اس آیت میں کافروں کی صفت بیان کی ہے کہ وہ ماعون یعنی عاریت کی چیز سے بھی روکتے ہیں(۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ابوطلحہ سے گھوڑا عاریت پرلیااور سوار ہوئے۔قال سمعت انسا يقول کان فزع بالمدينة فاستعار النبی ﷺ فرسا من ابی طلحة يقال له المندوب فرکبه فلما رجع قال مارأينا من شیء وان وجدناه لبحرا (الف) (بخاری شریف، باب من استعار من الناس الفرس ص ۳۵۷ نمبر ۲۶۲۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو عاریت پر لینا جائز ہے۔

اس میں جوشخص مالک بنائے اس کو'معیر' کہتے ہیں۔اور جس کو مالک بنایا گیااس کو' مستعیر'اور منفعت کو عاریت اور'مستعار' کہتے ہیں۔

[۱۵۹۲](۱)عاریت جائز ہےاوروہ منافع کا مالک بنانا ہے بغیرعوض کے۔

تشریح بغیر کسی عوض کے کسی چیز کو دیدیں کہ اس سے فائدہ اٹھا کر چیز مجھے واپس دیدیں اس کو عاریت کہتے ہیں۔

وجہ اوپر کی حدیث میں گھوڑے کی منفعت سے فائدہ اٹھا کر آپؐ نے گھوڑا واپس دیدیا(۲)اثر میں ہے۔عن عبد الله قال کنا نعد الماعون علی عهد رسول الله ﷺ عارية الدلو والقدر (ب)(ابوداؤد شریف، باب فی حقوق المال ص ۲۴۱ نمبر ۱۶۵۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ کسی کو ڈول اور ہانڈی استعمال کے لئے دے دینا حضورؐ کے زمانے میں ماعون یعنی عاریت سمجھی جاتی تھی۔

[۱۵۹۳](۲)اورصحیح ہوتی ہے عاریت ان الفاظ کے کہنے سے،میں نے تم کو عاریت پر دیا۔اور میں نے تم کو یہ زمین کھانے لئے دی۔اور میں نے تم کو یہ کپڑا بخش دیا۔اور میں نے تم کو اس جانور پر سوار کیا جب کہ وہ اس سے ہبہ کی نیت نہ کرے۔اور تم کو یہ غلام خدمت کے لئے دیا۔اور میرا گھر تیرے رہنے کے لئے ہے۔اور میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کے لئے ہے۔

تشریح مصنفؒ نے یہاں سات الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے کہنے سے عاریت ہو جائے گی۔اس کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں جن سے عاریت کا مفہوم سمجھ میں آئے تو ان سے بھی عاریت منعقد ہوگی۔ہر ایک جملے کی تشریح پیش خدمت ہے۔اعرتک کا لفظ صریح استعمال ہوا ہے۔اطعمتک هذه الارض زمین کھانے کے لئے نہیں دی جاتی بلکہ اس کا غلہ کھانے کے لئے دیا جاتا ہے۔جس کا مطلب یہ نکلا کہ زمین

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں گھبراہٹ ہوئی تو حضورؐ نے ابوطلحہ سے عاریت پر گھوڑا لیا جس کو مندوب کہتے تھے۔پس آپؐ اس پر سوار ہوئے۔پس جب واپس ہوئے تو آپؐ نے فرمایا مجھے تو کوئی نظر نہیں آیا۔اور اس گھوڑے کو سمندر کی لہروں کی طرح پایا(ب) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے زمانے میں ماعون کو عاریت شمار کرتے تھے۔جیسے ڈول اور ہانڈی عاریت پر لینا۔

یرد بہ الھبة واخدمتک ھذا العبد وداری لک سکنٰی وداری لک عمرٰی سکنٰی [۱۵۹۴](۳) وللمعیر ان یرجع فی العاریة متی شاء[۱۵۹۵](۴) والعاریة امانة فی ید

کے غلے سے تم کو استفادہ کرنے کا حق ہے۔ منحتک ھذا الثوب کے دو مطلب ہیں۔ایک تو یہ کہ اس کپڑے کو مکمل دے دیا۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کپڑے کو وقتی طور پر پہننے کے لئے دیا۔اس لئے اگر ہبہ کی نیت نہ ہو تو عاریت ہی مراد ہوگی۔اسی طرح حملتک علی ھذہ الدابة کے بھی دو مطلب ہیں۔ایک مطلب ہے پورا گھوڑا ہبہ کر دیا۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وقتی طور پر یہ گھوڑا سوار ہونے کے لئے دے رہا ہوں۔اس لئے مکمل طور پر گھوڑا دینے کی نیت نہ ہو تو عاریت مراد ہوگی۔ اخدمتک ھذا العبد میں تو صاف ہے کہ یہ غلام وقتی طور پر خدمت کے لئے عاریت پر دے رہا ہوں۔ داری لک سکنی میں بھی میرا گھر تمہارے رہنے کے لئے ہے اس میں عاریت ہے۔اور داری لک عمری سکنی میں اگر صرف داری لک عمری کا جملہ ہوتا تو اس سے ہبہ مفہوم ہوتا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔لیکن سکنی کے لفظ نے واضح کر دیا کہ گھر ہبہ نہیں ہے بلکہ صرف عمر بھر رہنے کے لئے عاریت ہے۔اس لئے ان جملوں سے عاریت ہو جائے گی۔

[۱۵۹۴](۳) عاریت پر دینے والے کو حق ہے کہ عاریت کو واپس کر لے جب چاہے۔

وجہ چونکہ چیز مالک کی ہے اس لئے جب چاہے اس کو واپس لے سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن سمرة عن النبی ﷺ قال علی الید ما اخذت حتی تودی (نمبر ۳۵۶۱) اور دوسری حدیث میں ہے۔ عن صفوان بن یعلی عن ابیہ قال قال لی رسول اللہ ﷺ اذا اتتک رسلی فاعطھم ثلاثین درعا وثلاثین بعیرا قال قلت یا رسول اللہ اعاریة مضمونة او عاریة مؤداة قال بل مؤداة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریة ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریة مؤداة ص ۲۳۹ نمبر ۱۲۶۶ ردار قطنی، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۴ نمبر ۲۹۲۸) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عاریت ادا کی جائے گی اس لئے مالک اس کو جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

لغت معیر : عاریت پر دینے والا مالک

[۱۵۹۵](۴) عاریت لینے والے کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہوگا

تشریح جس شخص کو چیز عاریت پر دی اس کے قبضہ میں عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے۔اور امانت کا قاعدہ گزر چکا ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ مسئلہ نمبر ۳ میں حدیث گزری۔ قلت یا رسول اللہ اعاریة مضمونة او عاریة مؤداة (ابوداؤد شریف، نمبر ۳۵۶۶) جس سے معلوم ہوا کہ عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے ضمانت نہیں ہوتی۔ عن علی قال لیست العاریةمضمونة انما ھو معروف الا ان یخالف فیضمن (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب العاریة، ج ثامن، ص ۱۷۹ نمبر ۱۴۷۸۸) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے عاریت

حاشیہ : (الف) حضرت صفوان فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا اگر تمہارے پاس میرا قاصد آئے تو اس کو تیس زرہ اور تیس اونٹ دینا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! عاریت مضمون ہے یا عاریت صرف ادا کرنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا بلکہ عاریت ادا کرنا ہے (ب) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عاریت کا ضمان نہیں ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

المستعير ان هلك من غير تعد لم يضمن المستعير[١٥٩٦](٥) وليس للمستعير ان يوجر ما استعاره فان آجره فهلك ضمن[١٥٩٧](٦) وله ان يعيره اذا كان المستعار

امانت ہے بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مستعیر پر ضمانت نہیں ہے۔

فائدہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عاریت مضمون ہے بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم ہوگا۔امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

وجہ **عن صفوان بن امية ان رسول الله استعار منه ادرعا يوم حنين فقال اغصب يا محمد ؟ فقال لا بل عارية مضمونة** (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص ۱۴۵ نمبر ۳۵۶۲ / دار قطنی ، کتاب البیوع ج ثالث ص ۳۵ نمبر ۲۹۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاریت بغیر تعدی کے بھی ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان لازم ہوگا کیونکہ وہ مضمون ہے۔

[۱۵۹۶](۵) عاریت پر لینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اجرت پر رکھے اس چیز کو جس کو عاریت پر لیا۔پس اگر اجرت پر رکھا اور ہلاک ہو گئی تو ضامن ہوگا۔

تشریح جس چیز کو عاریت پر لیا اس کو اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔اور اگر اجرت پر رکھ دیا اور ہلاک ہو گئی تو عاریت پر لینے والا اس کا ضامن ہو جائیگا۔

وجہ اجرت دینے میں الزام ہے اور متعین مدت تک دینا لازم ہو جاتا ہے۔جبکہ عاریت میں کوئی لزوم نہیں ہے۔اس لئے اجرت اعلی درجہ کا معاملہ ہوا اور عاریت ادنی درجہ کا معاملہ ہے اس لئے ادنی درجہ کا معاملہ اعلی درجے کو شامل نہیں ہوگا (۲) مثلا عاریت کو تین دن کے لئے اجرت پر رکھ دیا تو وہ تین دن سے پہلے واپس نہیں دے گا اور عاریت والا مثلا ابھی فورا واپس مانگ لے گا تو تین دن تک کیسے رکھ سکے گا۔اس لئے بھی عاریت والا اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔

[۱۵۹۷](۶) اور عاریت پر لینے والے کے لئے جائز ہے کہ اس کو دوسرے کو عاریت پر دے دے جبکہ استعمال کرنے والے کے استعمال کرنے سے مستعار چیز متغیر نہ ہوتی ہو۔

تشریح اگر استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے چیز میں خرابی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو تو عاریت لینے والا دوسرے کو استعمال کرنے کے لئے دے سکتا ہے۔

وجہ جیسے کو دال یا تلوار اس کے استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے کوئی زیادہ نہیں فرق پڑتا اس لئے خود استعمال کرے یا مزدور کو استعمال کرنے کے لئے دے کوئی فرق نہیں پڑے گا (۲) حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت صفوان سے جنگ حنین کے وقت تیس سے چالیس زرہ عاریت پر لیا اور ان کو صحابہ کو عاریت کے طور پر استعمال کرنے کے لئے دیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے **عن اناس من آل عبد الله**

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) یہ تو ایک احسان ہے مگر یہ مخالفت کرے تو ضامن ہو جائے گا (الف) آپ ﷺ نے حنین کے دن زرہ عاریت پر لی تو حضرت صفوان نے پوچھا اے محمدؐ! کیا غصب کے طور پر لے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت لے رہا ہوں ضمان کے طور پر۔

مما لا يختلف باختلاف المستعمل[١٥٩٨](٧) وعارية الدراهم والدنانير والمكيل والموزون قرض[١٥٩٩](٨) واذا استعار ارضا ليبني فيها او يغرس جاز[١٦٠٠] (٩)وللمعير ان يرجع عنها ويكلفه قلع البناء والغرس فان لم يكن وقت العارية فلا ضمان

بن صفوان ... فاعاره مابين الثلاثين الى الاربعين درعا وغز رسول الله حنينا فلما هزم المشركون جمعت دروع صفوان ففقد منها ادراعا (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ ص۱۴۵ نمبر ۳۵۶۳) اس حدیث میں حضرت صفوان سے زرہ لیکر صحابہ کو عاریت پر استعمال کرنے کے لئے آپؐ نے دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عاریت لینے والا دوسروں کو عاریت پر دے سکتا ہے۔

نوٹ اگر استعمال کرنے والے کے بدلنے سے چیز کے خراب ہونے کا خطرہ ہو اور استعمال کے لئے آدمی متعین کیا ہو تو دوسرے کو استعمال کے لئے نہیں دے سکتا ورنہ ضامن ہوگا۔

[۱۵۹۸](۷) درہم، دینار اور کیلی چیز اور وزنی چیز کی عاریت قرض ہے۔

تشریح عاریت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز بحال ہی رہے اور عاریت پر لینے والا صرف اس کے نفع سے فائدا ٹھائے پھر وہ چیز بعینہ واپس کردے۔ جیسے تلوار سے قتال کرلے اور تلوار بعینہ واپس کردے۔ لیکن درہم اور دینار اور کیلی اور وزنی چیز سے فائدہ اٹھانے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ چیز ہی ختم ہو جائے گی۔ مثلا درہم اور دینار خرچ ہو جائیں گے اور گیہوں اور کھجور کھا جائیں گے۔ اور اس کے مثل واپس کریں گے اس لئے یہ چیزیں عاریت کہہ کر لے تو وہ قرض ہوں گی۔

وجہ کیونکہ قرض میں عین چیز ہلاک کرکے اس کا مثل واپس کرتے ہیں۔

[۱۵۹۹](۸) اگر زمین عاریت پر لی تا کہ اس پر عمارت بنائے یا درخت لگائے تو جائز ہے۔

تشریح زمین کو عاریت پر لے کر اس پر عمارت بنانا یا درخت لگانا جائز ہے۔

وجہ کیونکہ مالک کی اجازت سے عمارت بنا رہا ہے اور درخت لگا رہا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال لان يمنح الرجل اخاه ارضه خير له من ان يأخذ عليها خرجا معلوما (ب)(مسلم شریف، باب الارض تمنح ص۱۴ نمبر ۱۵۵۰/ ابوداؤد شریف، باب فی المزارعۃ ص۱۲۴ نمبر ۳۳۸۹) اس حدیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ زمین بونے کے لئے عاریت پر دینا چاہئے۔

[۱۶۰۰](۹) اور عاریت پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ اس کو واپس لے لے اور مستعیر کو مکلّف بنائے گا عمارت توڑنے کا اور درخت اکھاڑنے کا۔ پس اگر عاریت متعین نہیں کیا تو معیر پر ضمان نہیں ہے۔ اور اگر عاریت کا وقت متعین کیا اور واپس لیا وقت سے پہلے تو عاریت پر

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے حضرت صفوان سے تیس سے چالیس زرہیں عاریت پر لی اور حضورؐ نے جنگ حنین میں غزوہ کیا۔ پس جب مشرکین شکست کھا گئے تو حضرت صفوان کی زرہیں جمع کی گئیں۔ پس ان میں سے کئی زرہ گم پائی گئیں (ب) آپؐ نے فرمایا کہ آدمی اپنے بھائی کو زمین عاریت پر دے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ اس سے معلوم اجرت لیکر دے۔

عليه وان كان وقت العارية ورجع قبل الوقت ضمن المعيرُ للمستعير ما نقص البناء و الغرس بالقلع [١٦٠١](١٠) واجرة رد العارية على المستعير[١٦٠٢](١١) واجرة رد العين المستأجرة على المؤجر.

دینے والا عاریت پر لینے والے کا ذمہ دار ہوگا جتنا نقصان ہوا دیوار ٹوٹنے کا اور درخت اکھیڑنے کا۔

تشریح اگر عاریت پر دینے والے نے عاریت کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا تو اپنی زمین کسی بھی وقت واپس لینے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔اور کہہ سکتا ہے کہ اپنی عمارت توڑ لو اور اپنا درخت اکھیڑ لو اور بالکل خالی کر کے میری زمین واپس کرو۔اور چونکہ کوئی وقت متعین نہیں تھا اس لئے توڑنے اور درخت اکھیڑنے کے نقصان کا ضمان بھی زمین والے پر لازم نہیں ہوگا۔

وجہ کیونکہ کوئی وقت متعین نہیں تھا اس لئے زمین والے نے مکان بنانے والے یا درخت لگانے والے کو دھوکا نہیں دیا۔اس لئے زمین والے پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور اگر وقت متعین تھا اور وقت متعینہ سے پہلے عمارت توڑنے اور درخت کاٹنے کے لئے کہا تو چونکہ دھوکا دیا اس لئے زمین والا عمارت ٹوٹنے کے نقصان کا ضمان دے گا اور درخت کٹنے کے نقصان کا ضمان ادا کرے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر زمین والے نے دھوکا نہیں دیا ہے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور اگر دھوکا دیا ہو تو اس پر ضمان لازم ہوگا۔

لغت معیر : عاریت پر دینے والا، قلع اکھیڑنا، وقت : وقت متعین کرنا۔

[١٦٠١](١٠) عاریت کے لوٹانے کی اجرت عاریت لینے والے پر ہے۔

وجہ مستعیر نے اپنے فائدے کے لئے مفت عاریت کی چیز لایا تھا اب اس کو لوٹانا اور مالک کو سپرد کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے اس لئے واپس لوٹانے میں اجرت لگتی ہو تو یہ اجرت عاریت پر لینے والے پر ہوگی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کی ذمہ داری ہے اجرت اسی پر لازم ہوگی۔

[١٦٠٢](١١) اور اجرت پر لی ہوئی چیز کی اجرت اجرت پر دینے والے پر ہوگی۔

وجہ اجرت پر لینے والے پر اجرت کی چیز واپس کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف تخلیہ کر دینا کافی ہے تاکہ مالک اس کو خود واپس لے جائے۔کیونکہ اس نے مفت میں چیز استعمال کرنے نہیں دی ہے بلکہ اجرت پر دی ہے۔اس لئے واپس لے جانا بھی مالک ہی کے ذمہ ہے۔اس لئے مالک ہی پر واپس کرنے کی اجرت لازم ہوگی۔

اصول اوپر گزر گیا کہ جس کی ذمہ داری ہے اسی پر اجرت لازم ہوگی۔

لغت المؤجر : اجرت پر دینے والا۔

نوٹ شرط کر لے تو مستاجر پر بھی اس کی اجرت ہوگی۔

[۱۶۰۳](۱۲) واجرة رد العين المغصوبةعلى الغاصب [۱۶۰۴] (۱۳)واجرة رد العين المودعة على المودع[۱۶۰۵](۱۴) واذا استعار دابة فردها الى اصطبل مالكها فهلكت لم يضمن[۱۶۰۶] (۱۵)وان استعار عينا وردها الى دار المالك ولم يسلمها اليه لم يضمن[۱۶۰۷] (۱۶) وان رد الوديعة الى دار المالك ولم يسلمها اليه ضمن والله اعلم بالصواب.

[۱۶۰۳](۱۲)اور غصب شدہ چیز کے لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

وجہ غاصب زبردستی سامان لے کر گیا ہے اس لئے مالک تک پہنچانا اسی کی ذمہ داری ہے۔اس لئے واپس لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوگی۔

[۱۶۰۴](۱۳)ودیعت کے لوٹانے کی اجرت ودیعت رکھنے والے پر ہے۔

تشریح ودیعت مالک کی طرف لوٹانا ہے تو مالک ہی پر اس کی اجرت لازم ہوگی کیونکہ امین نے مفت میں اس کو امانت پر رکھا ہے۔اور یہ اس کا احسان ہے۔اور مالک کو اس کی ضرورت ہے کہ اپنی چیز امین کے یہاں سے واپس لائے۔اس لئے مالک ہی پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔

[۱۶۰۵](۱۴)اگر جانور عاریت پر لیا پھر اس کو اس کے مالک کے اصطبل تک لوٹا دیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح جانور کو عموما اصطبل کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اصطبل میں لوٹانا مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔اس لئے عاریت لینے والے نے جانور کو مالک کے اصطبل کی طرف لوٹایا اور جانور ہلاک ہو گیا تو عاریت لینے والا ضامن نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایسی جگہ عاریت رکھ دیا جہاں مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے تو اس سے وہ بری ہو جائے گا۔

[۱۶۰۶](۱۵)اگر کوئی عاریت پر لی اور اس کو مالک کے گھر پہنچا دی اور اس کے مالک کو سپرد نہیں کیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ عاریت کی چیز مثلا کودال، ہل وغیرہ عموما گھر ہی پہنچا دیتے ہیں اور مالک نہ بھی ہو تو گھر والوں کو دے دیتے ہیں اور اسی سے مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔اس لئے مالک کو نہ دیا اور اس کے گھر پہنچا دیا تب بھی مستعیر ضامن نہیں ہوگا۔ (اصول اوپر گزر گیا۔)

[۱۶۰۷](۱۶)اور اگر امانت کی چیز مالک کے گھر پہنچائی اور مالک کو سپرد نہیں کیا تو ضامن ہوگا۔

وجہ اگر مالک کو گھر والوں پر اتنا اعتماد ہوتا تو دوسرے کے پاس امانت کیوں رکھتا۔اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے پاس امانت رکھا ہی اس لئے ہے کہ گھر والے کے ہاتھ میں وہ چیز نہ چلی جائے۔اور امانت رکھنے والے نے مالک کے بجائے گھر والوں کو دے دیا تو خلاف مقصد کیا اس لئے امین ضامن ہوگا۔آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا (الف) (آیت ۵۸ سورۃ النساء ۴)اس آیت میں کہا گیا ہے کہ امانت مالک کو پہنچاؤ۔اس لئے گھر والوں کو پہنچانے سے بری نہیں ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امانت کی چیز پر گھر والوں کا قبضہ امانت کی ادائیگی شمار نہیں کی جائے گی۔

حاشیہ : (الف)اللہ تعالی تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے اہل کے پاس واپس کرو۔

﴿ کتاب اللقیط ﴾

[۱۶۰۸](۱)اللقیط حر ونفقته من بیت المال[۱۶۰۹](۲) وان التقطه رجل لم یکن لغیره ان یأخذه من یده [۱۶۱۰](۳)فان ادعی مدع انه ابنه فالقول قوله مع یمینه.

ضروری نوٹ لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہو اور اس کی جان بچانے کے لئے کوئی اس کو اٹھالے اور اس کی پرورش کرنے لگے۔ لقیط کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدوا وحزنا (الف) (آیت ۸ سورة القصص ۲۸) اور اس آیت میں بھی ہے۔ قال قائل منهم لاتقتلوا یوسف والقوه فی غیابت الجب یلتقطه بعض السیارة ان کنتم فاعلین (ب) (آیت ۱۰ سورۂ یوسف ۱۲) ان دونوں آیتوں میں دو عظیم نبیوں کے لقطے اور اٹھانے کا ذکر ہے۔

[۱۶۰۸] (۱) لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

وجہ دار الاسلام ہے اس لئے گمان یہی کیا جائے گا کہ یہ بچہ کسی آزاد ہی کا بچہ ہوگا۔ اس لئے یہ بچہ آزاد شمار ہوگا (۲) یوں بھی اس پر غلامیت کی کوئی علامت نہیں ہے اس لئے اس کو آزاد ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ بنی آدم آزاد ہوتا ہے (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ حدثنی ابو جمیلة انه وجد منبوذا علی عهد عمر بن الخطاب فاتاه به فاتهمه عمر فاثنی علیه خیرا فقال عمر فهو حر وولاؤه لک ونفقته من بیت المال (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء اللقیط ج تاسع ص ۱۴ نمبر ۱۶۱۸۲) (۴) ان علیا سئل عن لقیط فقال هو حر عقله علیهم وولاؤه لهم (مصنف عبد الرزاق، ج تاسع ص ۱۵ نمبر ۱۶۱۸۴ / سنن للبیہقی، باب التقاط المنبوذ وانه لا یجوز ترکه ضائعا، ج سادس، ص ۳۳۲، نمبر ۱۲۱۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

وجہ کیونکہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو بیت المال ایسے آدمی کے نفقے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

[۱۶۰۹] (۲) اگر بچے کو کسی آدمی نے اٹھالیا تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اس کے ہاتھ سے لے لے۔

وجہ جب ایک کا قبضہ ہو گیا تو دوسرے کا قبضہ ساقط ہو گیا اس لئے بغیر کسی وجہ اور بغیر اٹھانے والے کی اجازت کے دوسرا اس کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا (۲) اوپر حضرت عمرؓ کے قول میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا وولاؤه لک کہ جس نے اٹھایا ہے بچے کا ولاء اسی کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اٹھانے والے کو ہی حق ہے دوسرے کو نہیں۔

[۱۶۱۰] (۳) پس اگر کسی نے دعوی کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی قسم کے ساتھ۔

تشریح اگر کسی نے دعوی کیا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو اگر چہ اس میں اٹھانے والے کا حق مارا جائے گا لیکن بیٹا بننے میں بچے کا فائدہ ہے اس لئے

حاشیہ : (الف) آل فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو اٹھالیا تا کہ اس کے لئے دشمن اور غمگینی کی چیز بن جائے (ب) کہنے والے نے کہا کہ حضرت یوسفؑ کو قتل مت کرو، ان کو گہرے کنویں میں ڈال دو، کوئی مسافر ان کو اٹھالے جائے گا اگر تم کرنے والے ہو (ج) ابو جمیلہ نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں پھینکے ہوئے بچے کو پایا۔ اس کو حضرت عمر کے پاس لیکر آیا۔ پس حضرت عمرؓ نے اس کو متہم کیا تو لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا بچہ آزاد ہے اور تم کو اس کی ولاء ملے گی۔ اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔

[۱۶۱۱](۴) وان ادعاہ اثنان ووصف احدھما علامة فی جسدہ فھو اولی بہ[۱۶۱۲](۵) واذا وجد فی مصر من امصار المسلمین او فی قریة من قراھم فادعی

اس کو ترجیح دی جائے گی اور بچے کا نسب دعوی کرنے والے سے ثابت کر دیا جائے گا۔البتہ چونکہ کوئی علامت نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی گواہی ہے اس لئے قسم کے ساتھ بات مانی جائیگی۔

[۱۶۱۱](۴) اگر بیٹے کا دعوی کیا دو آدمیوں نے اور ایک نے اس کے جسم میں علامت بیان کی تو وہ بیٹے کا زیادہ حقدار ہے۔

تشریح دو آدمیوں نے لقیط کے بیٹے ہونے کا دعوی کیا۔ان میں سے ایک نے بیٹے ہونے کی علامت بیان کی اور کہا کہ جسم میں فلاں علامت ہے جس کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس علامت بیان کرنے کی وجہ سے اس آدمی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ علامت بیان کرنا بیٹے ہونے کی ترجیح ہے۔حدیث میں ہے کہ جو علامت بیان کرے چیز اس کو دی جائے گی۔**جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسألہ عما یلتقطہ فقال عرفھا منہ ثم اعرف عفاصھا ووکائھا فان جاء احد یخبرک بھا والا فاستنفقھا** (الف) (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷) اس حدیث میں فرمایا کوئی آکر علامت کی خبر دے تو اس کو دیدو۔جس سے معلوم ہوا کہ علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

نوٹ اگر کسی نے بیٹے ہونے کا پہلے دعوی کیا تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔کیونکہ اس وقت اور کسی کا دعوی نہیں ہے۔حدیث میں ہے کہ پہلے جس نے دعوی کیا اس کا حق ہے۔**عن حمید بن عبد الرحمن الحمیری عن رجل من اصحاب النبی ﷺ ان النبی ﷺ قال اذا اجتمع الداعیان فاجب اقربھما بابا فان اقربھما بابا اقربھما جوارا وان سبق احدھما فاجب الذی سبق** (ب) (ابوداؤد شریف، باب اذا اجتمع داعیان ایھما احق ص ۱۷۱ نمبر ۳۷۵۶) اس حدیث میں جن کا گھر قریب تھا اس کی دعوت قبول کی کیونکہ وہ قبول کرنے کی علامت ہے۔اور کسی نے پہلے دعوت دی تو چونکہ مزاحم نہیں ہے اس لئے اس کی دعوت قبول کی۔

[۱۶۱۲](۵) اگر لقیط پایا گیا مسلمان کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا اس کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں۔پھر کسی ذمی نے دعوی کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط مسلمان ہوگا۔

تشریح چاہے مسلمان کے شہر میں پایا جائے پھر بھی ذمی دعوی کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو بچے کا نسب ذمی سے ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بچہ حرامی شمار ہوگا۔اور اس کی پرورش کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوگا۔اس لئے ذمی بھی نسب کا دعوی کرے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔البتہ چونکہ اسلامی شہر ہے اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا۔اس لئے اس کو مسلمان ہی شمار کریں گے کیونکہ اسی میں بچے کا فائدہ ہے۔

حاشیہ : (الف) دیہاتی نے حضورؐ سے پوچھا کہ کس طرح لقطہ اٹھائے تو فرمایا ایک سال تک اس کا تعارف کراتے رہو پھر اس کے باندھنے کی چیز اور اس کی علامت یاد رکھو۔پس اگر کوئی ان علامتوں کی خبر دے تو اس کو دے دو ورنہ اس کو خرچ کرو (ب) آپؐ نے فرمایا دو دعوت دینے والے جمع ہو جائیں تو جن کا قریب دروازہ ہو اس کی دعوت قبول کی جائے۔اس لئے کہ جن کا دروازہ قریب ہو وہ قریب کا پڑوسی ہوگا۔اور اگر دونوں میں سے ایک پہلے آ گیا تو پہلے والے کی دعوت قبول کریں۔

ذمی انہ ابنہ ثبت نسبہ منہ وکان مسلما[۱۶۱۳](۶) وان وجد فی قریة من قری اھل الذمة او فی بیعة او کنیسة کان ذمیا[۱۶۱۴](۷) ومن ادعی ان اللقیط عبدہ او امتہ لم یقبل منہ وکان حرا[۱۶۱۵](۸) وان ادعی عبد انہ ابنہ ثبت نسبہ منہ وکان حرا[۱۶۱۶](۹) وان وجد مع اللقیط مال مشدود علیہ فھو لہ[۱۶۱۷](۱۰) ولا یجوز تزویج الملتقط.

[۱۶۱۳](۶)اور اگر ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا مندر یا گرجا میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا۔

وجہ ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا گرجا یا مندر میں بچہ پایا گیا تو یہ علامت ہے اور غالب گمان ہے کہ بچہ کسی کافر کا ہوگا اس لئے وہ ذمی شمار ہوگا

اصول کوئی مزاحم نہ ہو تو غالب گمان اور علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

لغت بیعة : یہود کا عبادت خانہ، کنیسة : نصاری کا عبادت خانہ۔

[۱۶۱۴](۷)اگر کسی نے دعوی کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا باندی ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آزاد ہوگا۔

وجہ غلام یا باندی ہونا بچہ کے لئے نقصان دہ ہے۔اور ظاہری کوئی علامت نہیں ہے اس لئے بچے کو کسی کا غلام یا باندی شمار نہیں کیا جائے گا۔ہاں گواہی پیش کر دے تو غلامیت کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) اوپر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اثر میں گزرا کہ لقیط آزاد ہوگا اس لئے صرف دعوی پر غلامیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

[۱۶۱۵](۸)اگر غلام نے دعوی کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہوگا اور لقیط آزاد ہوگا۔

وجہ چاہے غلام سے نسب ثابت ہو پھر بھی بچے کے لئے فائدہ ہے۔اس لئے غلام دعوی کرے تو اس سے ہی نسب ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ غلام آدمی آزاد عورت سے شادی کرے تو اس سے آزاد بچہ پیدا ہوتا ہے اس لئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ غلام کا بچہ غلام ہی ہو۔اس لئے نسب تو غلام سے ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے کہ لقیط آزاد ہوگا۔

[۱۶۱۶](۹)اگر لقیط کے ساتھ مال باندھا ہوا پایا گیا تو وہ مال اسی کا ہے۔

وجہ لقیط کے ساتھ بندھا ہوا ہونا دلیل ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔اس لئے اس علامت ظاہرہ کی وجہ سے مال لقیط کا ہوگا۔

اصول پہلے گزر گیا ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

[۱۶۱۷](۱۰)نہیں جائز ہے پانے والے کا شادی کرنا۔

تشریح بچہ پانے والا بچے کی شادی خود اپنے سے کرائے یا کسی دوسرے سے کرائے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ شادی کرانے کا حق تین وجہ سے ہوتا ہے (۱) یا رشتہ دار ہو (۲) یا اس پر ملکیت ہو جیسے غلام یا باندی کا مولی (۳) ملک کا بادشاہ اور حاکم

[۱۶۱۸](۱۱) ولا تصرفه فی مال اللقیط[۱۶۱۹] (۱۲)ویجوز ان یقبض له الهبة ویسلمه فی صناعة ویواجره.

ہو۔اور پانے والا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے اس لئے لقیط کی شادی کرانے کا حق اس کو نہیں ہے (۲) بچے کی شادی کرانے میں ابھی فائدہ بھی نہیں ہے کہ اس کی اس کو اجازت دی جائے۔

[۱۶۱۸](۱۱)اور نہیں جائز ہے لقیط کے مال میں تصرف کرنا۔

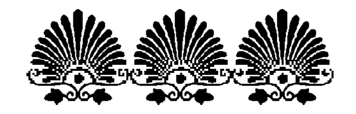
تشریح لقیط کے لئے لقیط کے مال سے کھانا، کپڑا اور ضروریات زندگی ملتقط خرید سکتا ہے۔لیکن اس کے مال کو خرید وفروخت میں ڈال کر خرد برد نہیں کر سکتا **وجہ** اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور بلا وجہ کی چیز میں لقیط کے مال کو ڈالنے کی ملتقط کو ولایت نہیں ہے۔

[۱۶۱۹](۱۲)اور جائز ہے کہ ملتقط قبضہ کرے لقیط کے لئے ہبہ کو اور سپرد کرے اس کو پیشے میں اور اس کو مزدوری پر لگائے۔

تشریح یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ لقیط کے فائدے کے لئے ملتقط کام کر سکتا ہے۔مثلا لقیط کے لئے جو ہبہ آئے اس پر قبضہ کرے یا لقیط کو کسی ہنر میں لگائے تا کہ اس سے نفع آئے۔یا خود لقیط کو مزدوری پر لگائے تا کہ اس کی اجرت آئے اور لقیط پر خرچ کی جا سکے۔یہ سب کام لقیط کے فائدے کے لئے ہیں اس لئے یہ سب کام پانے والا کر سکتا ہے۔

اصول لقیط کے لئے فائدے کا کام پانے والا کر سکتا ہے۔نقصان کا کام نہیں کر سکتا۔

لغت صناعة : پیشہ،کاریگری، یواجر : اجرت پر دے،مزدوری پر دے۔



﴿ كتاب اللقطة ﴾

[١٦٢٠](١) اللقطة امانة فی يد الملتقط اذا اشهد الملتقط انه يأخذها ليحفظها ويردها علی صاحبها.

﴿ کتاب اللقطۃ ﴾

ضروری نوٹ کسی گرے ہوئے مال کو اٹھا لینے کو لقطہ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔سمعت سويد بن غفلة قال لقيت ابی بن كعب فقال اصبت صرة فيها مائة دينار فاتيت النبی ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من يعرفها ثم اتيته فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتيته ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووكاء ها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقيته بعد بمكة فقال لا ادری ثلاثة احوال او حولا واحدا (الف) (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطۃ بالعلامۃ دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ر مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳) اس حدیث سے لقطہ کا حکم بھی معلوم ہوا اور اس کا ثبوت بھی۔

[۱۶۲۰](۱) لقطہ امانت ہے اٹھانے والے کے ہاتھ میں جبکہ اٹھانے والے نے گواہ بنایا کہ اس کو اٹھایا تا کہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کے پاس لوٹا دے۔

تشریح لقطے کا مال اٹھایا اور گواہ بنایا کہ اس کو حفاظت کے لئے اٹھا رہا ہوں تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا۔اور اگر حفاظت کرنے اور مالک کی طرف لوٹانے پر گواہ نہیں بنایا تو بعض صورتوں میں وہ ضمانت کا مال ہو جائے گا۔

وجہ حفاظت پر گواہ بنانے کے لئے یہ حدیث ہے۔عن عياض بن حمار قال قال رسول الله من وجد لقطة فليشهد ذا عدل او ذوی عدل ولا يكتم ولا يغيب فان وجد صاحبها فليردها عليه والا فهو مال الله يؤتيه من يشاء (ب) (ابوداؤد شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۹ر ابن ماجہ شریف، باب اللقطۃ ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) اس حدیث میں لقطے پر گواہ بنانے کا حکم ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں عرفها حولا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ اٹھانے پر گواہ بنانا چاہئے۔

اور لقطہ ملتقط کے ہاتھ میں امانت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔سمع زيد بن خالد الجهنی صاحب رسول الله ﷺ يقول سئل رسول الله عن اللقطة الذهب او الورق فقال اعرف وكاء ها وعفاصها ثم عرفها سنة فان لم تعرف فاستنفقها

حاشیہ : (الف) حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک تھیلی پائی اس میں سو دینار تھے۔پس میں حضورؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔تو میں نے اس کی تشہیر کی۔پس اس کا مالک نہیں ملا۔میں پھر آیا فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔پس میں نے اس کی تشہیر کی۔پس نہیں پایا۔پھر تیسری مرتبہ آیا تو آپؐ نے فرمایا اس کا برتن یاد رکھو اور اس کی عدد یاد رکھو اور اس کی بندھن یاد رکھو۔پس اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے فائدہ اٹھالو۔پس میں نے فائدہ اٹھالیا۔پھر ان سے مکہ میں ملاقات کی تو مجھے یاد نہیں ہے کہ تین سال یا ایک سال کہا (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے لقطہ پایا تو عادل آدمی کو گواہ بنانا چاہئے اور چھپانا نہیں چاہئے اور غائب نہیں کرنا چاہئے۔پس اگر اس کا مالک آئے تو اس پر لوٹا دینا چاہئے ورنہ تو وہ اللہ کا مال ہے جس کو چاہے دے۔

[۱۶۲۱](۲) فان کانت اقل من عشرة دراهم عرفها ایاما وان کان عشرة فصاعدا عرفها حولا کاملا[۱۶۲۲](۳) فان جاء صاحبھاوالا تصدق بھا.

ولتکن ودیعة عندک فان جاء طالبھا یوما من الدھر فادھا الیه (الف)(مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ج ثانی ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۵۰۲/ بخاری شریف، باب ضالة الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۸) اس حدیث میں فرمایا کہ لقطہ پانے والے کے پاس امانت ہوگا۔

[۱۶۲۱](۲) پس اگر دس درہم سے کم کی ہو تو اس کی تشہیر کرے گا چند دن، اور اگر دس یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی تشہیر کرے گا پورے سال۔

تشریح لقطہ کا مال دس درہم سے کم ہو تو چند دنوں تک اس کی تشہیر کرے کہ یہ مال میرے پاس ہے جس کا ہو علامت بتا کر لے لو۔ اور دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کی ہو تو ایک سال اس کی تشہیر کرے۔

وجہ دس درہم ہو تو چند دنوں تک تشہیر کرنے پر دلیل یہ حدیث ہے۔ عن یعلی بن مرة قال قال رسول الله ﷺ من التقط لقطة یسیرہ حبلا او درھما او شبه ذلک فلیعرفه ثلاثة ایام فان کان فوق ذلک فلیعرفه ستة ایام (ب)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی قلیل اللقطة، ج سادس، ص ۳۲۳، نمبر ۱۲۱۰۰/ مصنف عبد الرزاق، باب احلت اللقطة الیسیر ة ج عاشر ص ۱۴۲ نمبر ۱۸۶۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تھوڑی بہت قیمت کی چیز ہو تو دس روز سے کم تشہیر کرے اور زیادہ کی چیز ہو تو ایک سال تشہیر کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے(۱) اوپر بخاری کی حدیث گزری جس میں تعاعرفها حولا جس سے معلوم ہوا کہ ایک سال تشہیر کرے (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها ووکاء ھا (ج)(بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷/ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲) اس حدیث میں قیمتی چیز کے لئے ایک سال تشہیر کرنے کا حکم ہے۔

اصول یہاں اصول یہ ہے کہ مال جتنا قیمتی ہو اور مالک کے تلاش کرنے کا امکان ہو اتنی دیر مالک کو تلاش کرتا رہے۔

[۱۶۲۲](۳) پس اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو صدقہ کر دے۔

تشریح اگر لقطہ کا مالک ایک سال میں مل جائے تو اس کو یہ مال دیدے اور اگر نہ ملے تو اس کو صدقہ کر دے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ تلاش کرنے کے باوجود مالک نہ ملے تو یہ اللہ کا مال ہے ملتقط جہاں چاہے رکھ دے۔ عن عیاض بن حمار قال قال رسول الله ﷺ ... فان وجد صاحبھا فلیردھا علیه والا فھو مال الله یؤتیه من یشاء (د)(ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپؐ سے سونا اور چاندی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس کے بندھن کو یاد رکھیں، پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کریں۔ پس اگر نہ ملے تو اس کو خرچ کر لیں۔ اور یہ اس کے پاس امانت ہوگی۔ پھر طالب کبھی بھی آئے تو اس کو دیدے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے تھوڑا سا لقطہ پایا رسی یا درہم یا اس کے مشابہ تو اس کی تین دن تشہیر کرنی چاہئے اور اس سے زیادہ کی ہو تو چھ دن تشہیر کرنی چاہئے (ج) ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آئے اور لقطے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اس کی ایک سال تشہیر کریں پھر اس کی بندھن اور رسی یاد رکھیں (د) آپؐ نے فرمایا... اگر لقطے کا مالک مل جائے تو اس کو واپس کر دو اور نہ آئے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۶۲۳] (۴) فان جاء صاحبها وهو قد تصدق بها فهو بالخیار ان شاء امضی الصدقة

التعریف باللقطة ص ۲۴۸ نمبر ۱۷۰۹ / ابن ماجہ شریف، باب اللقطة ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دیدے ورنہ اس مال کو صدقہ کردے (۲) ان رجلا من بنی راؤس وجد صرة فاتی بها علیا ... قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضی کان له الاجر وان لم یرض غرمتها وکان لک الاجر (الف) (سنن للبیہقی، باب اللقطة یأ کلها الغنی والفقیر اذا لم تعترف بعد تعریف سنة، ج سادس، ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة ج عاشر ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۲۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقطہ صدقہ کرنا پڑے گا (۳) مالک کو یا اصل چیز پہنچائے اور وہ ممکن نہ ہو تو صدقہ کرکے اس کا ثواب پہنچائے۔

نوٹ اگر خود محتاج ہو تو لقطہ کا مال خود بھی کھا سکتا ہے۔

وجہ ضروری نوٹ کی لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا گزرا ہے فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت (ب) (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطة بالعلامة دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶) دوسری روایت میں ہے والا فاستنفقها (بخاری شریف، نمبر ۲۴۲۷ / مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲ / ابو داؤد شریف، باب التعریف باللقطة ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اٹھانے والا بھی کھا سکتا ہے۔

[۱۶۲۳] (۴) پس اگر اس کا مالک آئے حالانکہ وہ لقطہ صدقہ کر چکا ہے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ بدستور رکھے اور چاہے تو اٹھانے والے سے ضمان لے لے۔

تشریح لقطہ اٹھانے والے نے لقطہ صدقہ کر دیا اس کے بعد مالک آیا اور پوری علامت بیان کی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ بدستور رکھے اور اٹھانے والے سے مال کا تاوان نہ لے اور چاہے تو اٹھانے والے سے مال کا تاوان لے لے۔

وجہ اٹھانے والے نے بغیر مالک کی اجازت کے صدقہ کیا ہے اس لئے اٹھانے والے سے مالک ضمان لے سکتا ہے (۲) اوپر اثر گزرا ان رجلا من بنی رؤاس وجد صرة فاتی بها علیا فقال انی وجدت صرة فیها دراهم وقد عرفتها ولم اجد من یعرفها وجعلت اشتهی ان لا یجیئ من یعرفها قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضی کان له الاجر وان لم یرض غرمتها وکان لک الاجر (ج) (سنن للبیہقی، باب اللقطة یأ کلها الغنی والفقیر اذا لم تعترف بعد تعریف سنة، ج سادس، ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة ج عاشر ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۲۹) (۳) دوسرے اثر میں ہے عن عمر بن الخطاب قال فی اللقطة یعرفها سنة

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) تو اللہ کا مال ہے جس کو چاہے دیدیں (الف) قبیلہ رواس کے ایک آدمی نے تھیلی پائی پس وہ حضرت علی کے پاس آئے... حضرت علی نے فرمایا اس کو صدقہ کردو۔ پس اگر اس کا مالک آئے اور راضی ہو جائے تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر راضی نہ ہو تو اس کا تاوان دے دیں اور آپ کو اجر ملے گا (ب) پس اگر لقطہ کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ پس میں نے فائدہ اٹھالیا (ج) بنی رؤاس کے ایک آدمی نے ایک تھیلی پائی۔ پس وہ حضرت علی کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک تھیلی پائی ہے۔ اس میں درہم ہیں اور میں نے اس کی تشہیر کی اور کوئی نہیں ملا جو اس کو پہچانتا ہو۔ اور میں چاہتا تھا کہ پہچاننے والے نہ ملے۔ حضرت علی نے فرمایا اس کو صدقہ کردو۔ پس اگر مالک آیا اور صدقہ سے راضی ہو گیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر راضی نہ ہوا تو اس کا تاوان دے دینا اور تم کو اس کا ثواب ملے گا۔

وان شاء ضمن الملتقط[۱۶۲۴](۵) ویجوز الالتقاط فی الشاة والبقر والبعیر.

فان جاء صاحبها والا تصدق بها فان جاء صاحبها بعد ما یتصدق بها خیره فان اختار الا جر کان له وان اختار المال کان له ماله (الف)(مصنف عبدالرزاق، کتاب اللقطة ج عاشر ص۱۳۹ نمبر ۱۸۶۳۰) ان دونوں اثروں میں ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو دونوں اختیار ہیں۔ صدقہ بدستور رکھنے کا اور پانے والے سے ضمان لے لینے کا بھی۔

[۱۶۲۴](۵) جائز ہے بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا۔

تشریح حضورؐ کے زمانے میں لوگ اچھے تھے اس لئے اونٹ کو لقطہ بنانے سے آپؐ نے منع فرمایا تھا، کیونکہ وہ ضائع نہیں ہوگا۔ اور اس کا مالک خود اس کو لے جائے گا۔ لیکن بعد میں لوگ اچھے نہیں رہے اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ فتوی دیا گیا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو پکڑ لیا جائے اور تشہیر کی جائے۔ بعد میں اس کو بیچ کر اس کی قیمت رکھ لی جائے تا کہ اس کے مالک کو دیا جائے۔

وجہ اثر میں ہے۔ **سمع ابن شهاب یقول کانت ضوال الابل فی زمان عمرؓ ابلا مؤبلة تناتج لایمسها حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعریفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطی ثمنها** (ب)(سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالة یرید ردها علی صاحبها لا یرید اکلها، ج سادس، ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸۰ مصنف عبدالرزاق، کتاب اللقطة، ج عاشر، ص ۱۳۲، نمبر ۱۸۶۰۷) اس اثر میں اونٹ پکڑ لینے کا فتوی ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ نہ پکڑے۔

وجہ (۱) اس کو جانور نہیں کھائے گا اور اس کے ساتھ کھانے پینے کی چیز ہے اس لئے غیر کے مال کو بلا وجہ نہ پکڑا جائے (۲) حدیث میں پکڑنے کی ممانعت ہے۔ **عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه ... قال یا رسول الله فضالة الغنم ؟ قال لک او لاخیک او للذئب قال ضالة الابل؟ فتمعر وجه النبی ﷺ فقال مالک ولها ؟ معها حذاؤها وسقاؤها ترد الماء وتأکل الشجر** (ج)(بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۸۷ نمبر ۱۷۲۲) اس حدیث میں بکری پکڑنے کی ترغیب دی اور اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔

حاشیہ : (الف) عمر بن خطابؓ نے لقطہ کے بارے میں فرمایا کہ اس کی ایک سال تشہیر کرے۔ پس اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو صدقہ کردے۔ پس اگر اس کا مالک صدقہ کے بعد آئے تو اس کو اختیار ہے چاہے تو ثواب اختیار کرے تو اس کو ثواب ملے گا اور اگر مال اختیار کرے تو اس کے لئے مال ہوگا (ب) حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ گم شدہ اونٹنی حضرت عمرؓ کے زمانے میں ادھر ادھر پھرتی رہتی اور بچہ دیتی۔ اس کو کوئی چھوتا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو اس کے پہچاننے اور اس کی تشہیر کا حکم دیا۔ پھر بیچی جاتی۔ پس جب اس کا مالک آتا تو اس کی قیمت دی جاتی (ج) ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آیا اور لقطہ کے بارے میں پوچھا...انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! گمشدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ہے، یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے۔ پھر پوچھا گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ تو آپ کا چہرہ مبارک رنگ گیا اور فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب؟ اونٹ کے ساتھ اس کا جوتا ہے، پینے کا پانی ہے، خود پانی پینے آتا ہے اور درختوں کے پتوں کو کھاتا ہے۔

[۱۶۲۵] (۲) فان انفق الملتقط علیها بغیر اذن الحاکم فهو متبرع وان انفق باذنه کان ذلک دینا علی صاحبها[۱۶۲۶] (۷) واذا رفع ذلک الی الحاکم نظر فیه فان کان للبهیمة منفعة آجرها وانفق علیها من اجرتها[۱۶۲۷] (۸) وان لم یکن لها منفعة وخاف

[۱۶۲۵] (۲) پس اگر پانے والے نے لقطہ پرخرچ کیا حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ احسان کرنے والا ہوگا۔ اور اگر اس کی اجازت سے خرچ کیا تو یہ اس کے مالک پر قرض ہوگا۔

تشریح لقطہ اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر لقطہ پرخرچ کیا تو یہ اس پر احسان ہوگا۔ یعنی مالک سے مقدمہ کرکے وہ خرچ نہیں لے سکے گا۔ البتہ مالک خود دیدے تو ہوسکتا ہے۔ اور اگر حاکم کے فیصلہ سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے ذمہ قرض ہوتا جائے گا۔ جب مالک آئے گا تو اس سے یہ قرض وصول کرے گا۔

وجہ (۱) حاکم کو ولایت عامہ ہے اس لئے ان کے فیصلے کے بعد لقطہ کا خرچ مالک پر قرض ہوگا ورنہ نہیں (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابراهیم قالوا لو ان رجلا التقط ولد زنا فاراد ان ینفق علیه ویکون له علیه دین فلیشهد وان کان یرید ان یحتسب علیه فلا یشهد قال ابو حنیفة اقول انا لیس بشیء الا ان یقرضه له علیه السلطان** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء اللقیط ج تاسع ص ۱۶ نمبر ۱۶۱۸۸) اس اثر میں ہے کہ بادشاہ طے کرے گا تب ملتقط کو خرچ ملے گا ورنہ تبرع ہوگا۔

[۱۶۲۶] (۷) جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس آئے تو اس میں غور کرے۔ پس اگر جانور کے لئے منفعت ہو تو اس کو اجرت پر رکھے اور اس پر اس کی اجرت خرچ کرے۔

تشریح مثلا گائے کو لقطہ کیا اور ہر روز تین درہم کا دودھ دیتی تھی اور دو درہم کا چارہ کھاتی تھی تو حاکم اس میں غور کرکے گویا کہ دو درہم روزانہ چارے کا پانے والے کو دلوائے گا اور روزانہ ایک درہم مالک کے لئے بچتا رہے گا۔

وجہ اس صورت میں لقطہ بھی زندہ رہے گا اور نہ مالک پر بوجھ پڑے گا اور نہ ملتقط پر بوجھ پڑے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سب کے لئے جو زیادہ نفع بخش ہو وہ کام کیا جائے۔

لغت آجرها : اجرت پر دے، بھیمة : جانور، چوپایہ۔

[۱۶۲۷] (۸) اور اگر لقطہ کے لئے منفعت نہ ہو اور خوف ہو کہ خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو بیچے اور حکم دے اس کی قیمت کی حفاظت کا۔

تشریح لقطہ مال کی کوئی آمدنی نہیں ہے اور چارہ وغیرہ خرچ اتنا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد چارے کا خرچ اس کی قیمت سے بڑھ جائے گا اور

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا اگر کوئی آدمی ولد الزنا کو اٹھائے اور اس پر خرچ کرنا چاہے تا کہ اس پر قرض ہو تو اس پر گواہ بنالینا چاہئے۔ اور اگر چاہتا ہے کہ اس پر احسان کرے تو گواہ نہ بنائے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں ہوگا مگر یہ کہ بادشاہ اس پر قرض لگائے۔

ان تستغرق النفقة قیمتها باعها الحاکم وامر بحفظ ثمنها[۱۶۲۸](۹) وان کان الاصلح الانفاق علیها اذن فی ذلک وجعل النفقة دینا علی مالکها[۱۶۲۹](۱۰) فاذا حضر مالکها فللملتقط ان یمنعه منها حتی یأخذ النفقة[۱۶۳۰](۱۱) ولقطة الحل والحرم

مالک کے لئے جانور لینے کے بجائے چارے کا خرچ زیادہ دینا پڑ جائے گا۔ایسی صورت میں حاکم لقطے کے مال کو بچوا دے گا۔اور اس کی قیمت کسی امین کے پاس محفوظ رکھے گا تا کہ مالک آئے تو جانور کے بجائے اس کی قیمت اس کو حوالہ کر دی جائے۔

وجہ مسئلہ نمبر ۶ میں حضرت عثمانؓ کا لمبا اثر گزرا جس میں تھا کہ انہوں نے اونٹ کو لقطہ قرار دیا اور اس کو بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھواتے تھے۔تا کہ جب اس کا مالک آئے تو اس کی قیمت حوالہ کر دی جائے۔اثر کا ٹکڑا یہ ہے **سمع ابن شهاب یقول ... حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعریفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطی ثمنها** (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالۃ یرید ردھا علی صاحبھا لا یرید اکلھا، ج سادس ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸۰ رمصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ، ج عاشر ص ۱۳۲، نمبر ۱۸۶۰۷) اس اثر میں اونٹ بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھوانے کا حکم دیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مناسب سمجھے تو قیمت محفوظ رکھوا سکتا ہے۔

[۱۶۲۸] (۹) اور اگر لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہو تو اس کی اجازت دیدے اور خرچ اس کے مالک پر قرض کر دے۔

تشریح حاکم اگر یہ مناسب سمجھے کہ اس لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہے تو خرچ کرنے کی اجازت دیدے اور جتنا خرچ کیا وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوتا رہے گا۔

[۱۶۲۹] (۱۰) پس جب اس کا مالک آئے تو ملتقط کے لئے جائز ہے کہ اس سے روک دے یہاں تک کہ خرچ لے لے۔

تشریح مالک آنے کے بعد ملتقط کو حق ہے کہ جب تک اپنا خرچ نہ لے لے اس وقت تک لقطہ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

وجہ چونکہ حاکم کے فیصلے سے خرچ کیا ہے اور اس کی رقم خرچ ہوئی ہے اس لئے اس کو وصول کرنے کا حق ہے۔

[۱۶۳۰] (۱۱) حل اور حرم کے لقطے برابر ہیں۔

تشریح یعنی دونوں کے احکام برابر ہیں کہ جس طرح حل کا لقطہ ایک سال تشہیر کے بعد اس کو خرچ کر سکتا ہے اسی طرح حرم کا لقطے کی تشہیر کے بعد خرچ کر سکتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ حرم کے لئے ہمیشہ تشہیر کرتا ہی رہے۔

وجہ حضرت عائشہ کا اثر ہے۔**ان امرأة سألت عائشة فقالت انی اصبت ضالة فی الحرم وانی عرفتها فلم اجد احدا یعرفها فقالت لها عائشة استنفعی بها** (ب) (طحاوی شریف، باب اللقطۃ والضوال ج ثانی ص ۲۵۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کا لقطہ بھی تشہیر کے بعد خرچ کیا جا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ... یہاں تک کہ جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو اونٹنی کے پہنچانے اور اس کی تشہیر کا حکم دیا۔پھر اس کو بیچی جاتی۔پس جب اس کا مالک آتا تو اس کو اس کی قیمت دے دی جاتی (ب) ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا۔کہا کہ میں نے حرم میں گمشدہ لقطہ پایا ہے۔اور میں نے اس کی تشہیر کی اور کسی کو نہیں پایا جو اس کو جانتا ہو۔تو حضرت عائشہ نے فرمایا اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

سواء[۱۶۳۱](۱۲) واذا حضر الرجل فادعی ان اللقطة له لم تدفع الیه حتی یقیم البینة.

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مالک نہ آجائے اس وقت تک حرم کے لقطے کی تشہیر کرتا رہنا ہی پڑے گا۔

وجہ ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں حرم کے لقطے کی تشہیر ہمیشہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث ہے **عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لایلتقط لقطتها الا معرف** (الف) (بخاری شریف، باب کیف تعرف لقطۃ اہل مکۃ ص ۳۲۸ نمبر ۲۴۳۳) اور ابوداؤد میں ہے۔ **عن عبد الرحمان بن عثمان التیمی ان رسول الله ﷺ نهی عن لقطة الحاج قال احمد قال ابن وهب یعنی فی لقطة الحاج یترکها حتی یجدها صاحبها** (ب) (ابوداؤد شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۱۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لقطے کی ہمیشہ تشہیر کرتا رہے۔

[۱۶۳۱] (۱۲) اگر آدمی حاضر ہوا اور دعوی کیا کہ لقطہ اس کا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ بینہ قائم کرے۔

تشریح اگر آدمی حاضر ہو اور لقطہ کی علامت بیان کرے تو اس پر دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک کہ لقطہ اس کے ہونے پر بینہ قائم نہ کرے۔

وجہ یہ دوسرے کا مال ملتقط کے پاس امانت ہے اس لئے اس کے دینے کے لئے بینہ ضروری ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال لو یعطی الناس بدعواهم لادعی ناس دماء رجال واموالهم ولکن الیمین علی المدعی علیه** (ج) (مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۷۴ نمبر ۱۷۱۱) اور مدعی کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامة** (د) (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ ج ثالث ص ۸ نمبر ۳۱۶۵) اس لئے مالک کے لئے بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔

نوٹ دل گواہی دے اور حالات اچھے ہوں تو صرف علامت بتانے سے ملتقط دے سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی دوسرا آدمی مزاحم نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعی اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مالک آکر صرف علامت بیان کر دے تو ملتقط پر دینا واجب ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں مالک کے آنے پر دینے کا حکم ہے۔ **عن زید ابن خالد الجهنی ان رجلا سأل رسول الله ﷺ عن اللقطة قال عرفها سنة ثم اعرف وکاءها وعفاصها ثم استنفق بها فان جاء ربها فادها الیه** (ہ) (بخاری شریف، باب اذا جاء صاحب اللقطۃ بعد سنۃ ردھا علیہ لانھا ودیعۃ عندہ ص ۳۲۹ نمبر ۲۴۳۶ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مکہ کا لقطہ نہ اٹھائے مگر تشہیر کرنے والے (ب) حضورؐ نے حاجیوں کے لقطے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن وہب نے فرمایا حاجیوں کے لقطے کو چھوڑ دے تا کہ اس کا مالک پالے (ج) آپؐ نے فرمایا اگر آدمی کو صرف اس کے دعوی سے دے دیا جائے تو لوگ آدمیوں کے خون اور مالوں کا مطالبہ کرنے لگیں۔ لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے (د) آپؐ نے فرمایا جس نے دعوی کیا اس پر بینہ ہے۔ اور انکار کرنے والے پر قسم ہے مگر قسامت میں (ہ) ایک آدمی نے حضورؐ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو۔ پھر اس کا بندھن اور اس کا برتن یاد رکھو۔ پھر اس کو خرچ کرو۔ پس اگر اس کا مالک آئے تو اس کو ادا کر دو۔

[۱۶۳۲](۱۳) فان اعطی علامتها حل للملتقط ان یدفعها الیه ولا یجبر علی ذلک فی القضاء[۱۶۳۳](۱۴) ولا یتصدق باللقطة علی غنی[۱۶۳۴](۱۵) وان کان الملتقط

والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۵۰۲) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دے دو اور بینہ پیش کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لئے بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[۱۶۳۲](۱۳) پس اگر بتایا اس کی علامت تو حلال ہے پانے والے کے لئے کہ لقطہ اس کو دے دے لیکن قضاء کے طور پر اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح قضاء کے طور پر تو اسی وقت مجبور کیا جائے گا جبکہ مالک اس کے ہونے پر بینہ پیش کر دے۔ لیکن اگر صرف علامت بتاتا ہے تو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ ملتقط کے لئے دینا حلال ہو جائے گا۔

وجہ (۱) اوپر حدیث گزر چکی ہے **فان جاء بھا فادھا الیہ** (بخاری شریف نمبر ۲۴۳۶ رمسلم شریف نمبر ۱۷۲۲) (۲) کی حدیث میں یہ زیادتی ہے۔ **فان جاء احد یخبرک بعددھا ووعاء ھا ووکاء ھا فاعطھا ایاہ** (الف) مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت بتائے تو اس کے حوالے کرنا جائز ہے۔

[۱۶۳۳](۱۴) اور لقطہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

وجہ حدیث میں ہے کہ صدقہ کرے اور صدقہ غرباء پر ہوتا ہے۔ اس لئے پتہ چلتا ہے کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔ حدیث میں ہے۔ **عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ وسئل عن اللقطة فقال لا تحل اللقطة من التقط شیئا فلیعرفه سنة فان جاء صاحبھا فلیردھا الیه وان لم یأت صاحبھا فلیتصدق بھا** (ب) (دار قطنی، کتاب الرضاع ج رابع ص ۱۰۸ نمبر ۴۳۴۳ رمصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج عاشر ص ۱۳۹ نمبر ۱۸۶۳۰) مصنف میں حضرت عمر کا قول ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرے اور صدقہ فقیر پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

[۱۶۳۴](۱۵) اور اگر ملتقط مالدار ہو تو جائز نہیں ہے کہ لقطہ سے فائدہ اٹھائے۔

وجہ کچھ حدیث اور اثر تو مسئلہ نمبر ۱۴ میں گزر گئے (۲) ایک اثر یہ بھی ہے۔ **عن نافع ان رجلا وجد لقطة فجاء الی عبد اللہ بن عمر فقال له انی وجدت لقطة فماذا تری فقال له ابن عمر عرفھا قال قد فعلت قال زد قال قد فعلت قال لا آمرک ان تأکلھا ولو شئت لم تأخذھا** (ج) (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یأکلھا الغنی والفقیر اذا لم تعترف بعد تعریف سنۃ، ج سادس، ص ۳۱۲، نمبر

حاشیہ : (الف) پس اگر کوئی آدمی اس کی تعداد اور برتن اور بندھن کے بارے میں خبر دے تو لقطہ اس کو حوالہ کر دے (ب) لقطہ کے بارے میں آپ کو پوچھا تو آپ نے فرمایا لقطہ اٹھانا حلال نہیں ہے۔ جس نے کچھ اٹھایا تو اس کو ایک سال تک تشہیر کرنی چاہئے۔ پس اگر اس کا مالک آئے تو اس کو لوٹا دو۔ اور اگر اس کا مالک نہ آئے تو اس کا صدقہ کر دو (ج) ایک آدمی نے لقطہ پایا اور عبد اللہ بن عمر کے پاس آیا اور ان سے کہا میں نے لقطہ پایا ہے۔ پس آپ کی کیا رائے ہے؟ اس سے حضرت ابن عمر نے کہا اس کی تشہیر کرو۔ اس نے کہا میں کر چکا ہوں۔ ابن عمر نے فرمایا اور تشہیر کرو۔ اس نے کہا کر چکا ہوں۔ ابن عمر نے فرمایا تم کو یہ حکم نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

غنیا لم یجز ان ینتفع بها[۱۶۳۵](۱۶) وان کان فقیرا فلا بأس بان ینتفع بها[۱۶۳۶](۱۷) ویجوز ان یتصدق بها اذا کان غنیا علی ابیه وابنه وامه وزوجته اذا کانوا فقراء.

۱۲۰۶۳)لقطہ پانے والی عورت نے تین مرتبہ اصرار کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا تھا۔فقالت (عائشة) اتریدین ان آمرک بذبحها (الف) (مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج عاشر ص ۱۴۰ نمبر ۱۸۶۳۴) ان آثار سے معلوم ہوا کہ خود مالدار ہو تو لقطہ کا مال استعمال نہ کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خود مالدار ہو پھر بھی لقطہ کا مال تشہیر کرنے کے بعد استعمال کر سکتا ہے۔

وجہ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ملتقط کو استعمال کرنے کا حضورؐ نے حق دیا ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وکائها فان جاء احد یخبرک والا فاستنفقها (ب) (بخاری شریف، باب ضالۃ الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۴۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ ملتقط خود بھی کھا سکتا ہے چاہے وہ مالدار ہو یا غریب۔

[۱۶۳۵](۱۶) اور اگر ملتقط فقیر ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائے۔

تشریح اگر لقطہ پانے والا خود فقیر ہے تو تشہیر کے بعد اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

وجہ اوپر کی امام شافعیؒ والی حدیث ہمارے نزدیک اسی پر محمول ہے کہ آدمی غریب ہو تو خود استعمال کر سکتا ہے۔الا فاستنفقها (بخاری شریف نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف نمبر ۱۷۲۲)

[۱۶۳۶](۱۷) اور جائز ہے کہ صدقہ کرے لقطہ کو جبکہ خود مالدار ہو اپنے باپ اور بیٹے اور اپنی ماں اور اپنی بیوی پر اگر یہ لوگ فقیر ہوں۔

تشریح پانے والا خود مالدار ہے لیکن اس کا باپ، بیٹا، ماں اور بیوی غریب ہیں تو یہ ان لوگوں پر لقطہ کا مال صدقہ کر سکتا ہے۔

وجہ زکوۃ کا اپنا مال اپنے باپ، بیٹا، ماں اور بیوی پر خرچ نہیں کر سکتا ہے۔لیکن یہ مال تو ملتقط کا نہیں ہے بلکہ اجنبی کا ہے اس لئے اجنبی کا مال ملتقط کے فقیر باپ یا بیٹے یا ماں یا بیوی پر لگ سکتا ہے۔اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔اور جب خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے تو ان لوگوں پر کیوں خرچ نہیں کر سکتا جبکہ وہ فقیر ہوں۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) دوں گا کہ تم اس کو کھا لو اگر تم ایسا چاہتے تو اس کو اٹھاتے ہی نہیں (الف) حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ تم کو بکری ذبح کرنے کا حکم دے دوں؟ (ب) ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آئے اور اپنے لقطے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال تک اس کی تشہیر کرو۔پھر اس کا برتن اور بندھن یاد رکھو۔پس کوئی آئے اور آپ کو خبر دے اس کے بارے میں تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو خرچ کر لو۔

﴿ کتاب الخنثی ﴾

[۱۶۳۷](۱)اذا کان للمولود فرج وذکر فھو خنثی[۱۶۳۸](۲) فان کان یبول من الذکر فھو غلام وان کان یبول من الفرج فھو انثی[۱۶۳۹](۳) وان کان یبول منھما

﴿ کتاب الخنثی ﴾

ضروری نوٹ جس آدمی کے مرد ہونے یا عورت ہونے کا پتہ نہ چلے اس کو خنثی کہتے ہیں۔اس کو مرد قرار دیں یا عورت،اس کے مسائل اس باب میں ہیں۔اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کی علامت قوی ہو وہی شمار کیا جائے گا۔مرد ہونے کی علامت قوی ہو تو مرد ہونے کو ترجیح دیں گے۔اور عورت ہونے کی علامت قوی ہو تو عورت قرار دیں گے۔اس کی دلیل حدیث ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو اور کوئی اور صورت نہ ہو تو علامت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔**فان جاء احد یخبرک بعددھا ووعاء ھا ووکاء ھا فاعطھا اياه** (مسلم شریف،باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳)اس حدیث میں علامت بتانے پر لقطہ کا مال دے دیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی صورت نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۶۳۷](۱)جب بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثی ہے۔

تشریح بچہ کو عورت جیسی شرمگاہ بھی ہے اور مرد جیسا ذکر بھی ہے تو وہ خنثی کہلائے گا۔

[۱۶۳۸](۲)پس اگر ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکا ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرتی ہو تو وہ لڑکی ہے۔

تشریح علامت تو دونوں قسم کی ہیں تو جن عضو سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا۔

وجہ حدیث میں ہے۔**عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ سئل عن مولود ولد له قبل وذکر من این یورث فقال النبی ﷺ یورث من حیث یبول** (الف)(سنن للبیھقی،باب میراث الخنثی،ج سادس،ص ۴۲۸،نمبر ۱۲۵۱۸/مصنف عبدالرزاق،باب خنثی ذکر ج عاشر ص ۳۰۸ نمبر ۱۹۲۰۴)اس حدیث اور اثر میں ہے کہ جس سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا۔

[۱۶۳۹](۳)پس اگر پیشاب دونوں سے کرے۔اور پیشاب ان میں سے ایک سے پہلے آتا ہو تو ان دونوں میں سے پہلے والے کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

تشریح دونوں سوراخوں سے پیشاب آتا ہو تو جس سوراخ سے پہلے پیشاب آئے گا وہی شمار ہوگا۔مثلا ذکر سے پہلے پیشاب آتا ہو تو لڑکا شمار کیا جائے گا اور فرج سے پہلے پیشاب آتا ہو تو لڑکی شمار کی جائے گی۔

وجہ اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن قتادۃ قال سألت سعید بن مسیب عن الذی یخلق خلق المرأۃ وخلق الرجل کیف**

حاشیہ : (الف)حضورؐ سے ایسے بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کو فرج بھی ہو اور ذکر بھی ہو تو کیسے وارث ہوگا تو حضورؐ نے فرمایا جس سوراخ سے پیشاب کرتا ہو اس اعتبار سے وارث ہوگا۔

والبول یسبق من احدھما نسب الی الاسبق منھما[۱۶۴۰](۴) وان کانا فی السبق سواء فلا یعتبر بالکثرۃ عند ابی حنیفۃ وقالا رحمھما اللہ تعالی ینسب الی اکثرھما بولا [۱۶۴۱](۵) واذا بلغ الخنثٰی وخرجت لہ لحیۃ او وصل الی النساء فھو رجل [۱۶۴۲](۶) فان ظھر لہ ثدی کثدی المرأۃ او نزل لہ لبن فی ثدییہ او حاض او حبل او امکن

یورث ؟ فقال من ایھما بال ورث قال فقال ابن المسیب ارایت ان کان یبول منھما جمیعا ؟ فقلت لا ادری فقال انظر من ایھما یخرج البول اسرع فعلی ذلک یورث (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب خنثی ذکر، ج عاشر ص ۳۰۹، نمبر ۱۹۲۰۵ رسنن للبیہقی ، باب میراث الخنثی ، ج سادس ص ۴۲۷، نمبر ۱۲۵۱۶) اس اثر میں ہے کہ جس سوراخ سے پیشاب پہلے نکلے وہی شمار کیا جائے گا۔

[۱۶۴۰] (۴) اور اگر نکلنے میں دونوں برابر ہوں تو کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا منسوب کیا جائے گا اس کی طرف جس سے زیادہ آتا ہو۔

تشریح ذکر اور فرج دونوں سوراخوں سے بیک وقت پیشاب نکلتا ہے لیکن ایک سوراخ سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے اور دوسرے سے کم نکلتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک زیادہ اور کم نکلنے سے مذکر یا مؤنث کی ترجیح نہیں دی جائے گی۔

وجہ یہ مذکر یا مؤنث ہونے کی علامت نہیں ہے بلکہ سوراخ کے وسیع ہونے کی وجہ سے زیادہ آ رہا ہے اور تنگ ہونے کی وجہ سے پیشاب کم آ رہا ہے۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ ترجیح کا کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے پیشاب کے کم اور زیادہ نکلنے کو مذکر اور مؤنث بنانے کی علت قرار دی جائے گی۔ یعنی اگر ذکر سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے تو مذکر ہے۔ اور فرج سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے تو مؤنث ہے۔

[۱۶۴۱] (۵) اگر خنثی بالغ ہو جائے اور اس کی ڈاڑھی نکل جائے یا وہ عورت سے صحبت کر لے تو وہ مرد ہے۔

وجہ یہ دونوں علامتیں مرد ہونے کی ہیں۔ اس لئے وہ مرد شمار ہوگا۔

[۱۶۴۲] (۶) پس اگر عورت کی طرح اس کو پستان ظاہر ہوں یا اس کے پستان سے دودھ اتر آئے یا حیض آ جائے یا حمل رہ جائے یا فرج کی جانب سے اس سے صحبت ممکن ہو تو وہ عورت ہے۔

تشریح خنثی کو عورت کی طرح پستان ظاہر ہو جائے، یا اس کے پستان سے دودھ آنے لگے، یا حیض آ جائے، یا حمل ٹھہر جائے، یا اس کی شرمگاہ

حاشیہ : (الف) میں نے سعید بن مسیّب سے پوچھا ایسا آدمی جس میں عورت کی تخلیق ہو اور مرد کی تخلیق ہو وہ کیسے وارث ہوگا ؟ فرمایا جہاں سے پیشاب کرتا ہو اس اعتبار سے وارث ہوگا۔ ابن مسیّب کہنے لگے اگر دونوں سوراخوں سے پیشاب کرتا ہو؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ فرمایا دیکھو کس سوراخ سے پیشاب جلدی نکلتا ہے۔ پس اس اعتبار سے وارث ہوگا۔

الوصول اليه من جهة الفرج فهو امرأة[١٦۴٣](٧) فان لم يظهر له احدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل[١٦۴۴](٨) واذا وقف خلف الامام قام بين الصف الرجال والنساء[١٦۴۵] (٩)وتبتاع له امة من ماله تختنه ان كان له مال فان لم يكن له مال ابتاع له الامام من بيت المال امة فاذا ختنته باعها ورد ثمنها الى بيت المال.

کی جانب سے صحبت کرناممکن ہوجائے تو اس خنثی کو عورت شمار کریں گے۔

وجہ اس لئے کہ یہ علامتیں عورت کی ہیں۔اس لئے عورت کے حکم میں ہوگی۔

اصول علامتوں پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[١٦۴٣](٧)پس اگران علامتوں میں سے کچھ ظاہر نہ ہوں تو وہ خنثی مشکل ہے۔

تشریح مرد یا عورت کی علامتوں میں سے کچھ پتہ نہ چلے تو اب کسی جانب اس کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔اس لئے اب وہ خنثی مشکل ہے۔

وجہ مرد یا عورت میں سے کسی کی علامت نہ ہو تو اب کیا کرے۔

[١٦۴۴](٨)اوراگر امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مرداور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔

تشریح اگر علامت کی وجہ سے کسی ایک جانب ترجیح دے دی جاتی تب تو اسی کے احکام جاری ہوتے۔لیکن علامت نہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک جانب ترجیح نہ دی جا سکی اس لئے اب عورت اور مرد کے درمیان ہوگا اور اس پر درمیانی احکام جاری ہوں گے۔اس کی وجہ سے یہ امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں کی صف اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔

وجہ کیونکہ یہ نہ مرد ہے اور نہ عورت۔اگر مرد کے ساتھ کھڑا ہو تو عورت ہونے کی وجہ سے ان کی نماز مکروہ ہوگی۔اوراگر عورت کے ساتھ کھڑا ہو تو مرد ہونے کی وجہ سے ان کی نماز خراب ہوگی۔اس لئے دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔

[١٦۴۵](٩)خنثی کے لئے باندی خریدی جائے گی اس کے مال سے جو اس کی ختنہ کرے اگر اس کے پاس مال ہو۔پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لئے امام خریدے گا باندی بیت المال سے،پس جب اس کا ختنہ کر چکے تو باندی کو بیچ دے اور اس کی قیمت بیت المال کی طرف واپس کرے۔

تشریح خنثی بڑا ہو چکا ہو اور اس کے ختنہ کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے ستر کو مرد کے لئے دیکھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ عورت ہے۔اور عورت کے لئے دیکھنا ناجائز ہے کیونکہ وہ مرد ہے۔اس لئے آخری شکل یہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہو تو اس سے اس کے لئے باندی خریدے۔اور وہ باندی اس کی ختنہ کردے۔یا اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو امام بیت المال سے اس کے لئے باندی خریدے اور وہ باندی ختنہ کردے۔اور ختنہ کرنے کے بعد باندی بیچ دے اور اس کی قیمت بیت المال میں دوبارہ جمع کروادے۔

اصول کوشش کی جائے کہ اس کا ستر کوئی نہ دیکھے۔

[۱۶۴۶](۱۰) وان مات ابوه وخلّف ابنا وخنثی فالمال بینهما عند ابی حنیفة علی ثلاثة اسهم للابن سهمان وللخنثی سهم وهو انثٰی عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی فی المیراث الا ان یثبت غیر ذلک[۱۶۴۷](۱۱) وقالا للخنثی نصف میراث الذکر ونصف میراث الانثی وهو قول الشعبی[۱۶۴۸](۱۲) واختلفا فی قیاس قوله فقال ابو یوسف رحمه الله

[۱۶۴۶](۱۰)اگر خنثی کے والد کا انتقال ہو جائے اور ایک لڑکا اور ایک خنثی چھوڑے تو مال دونوں کے درمیان امام ابوحنیفہ کے نزدیک سہام پر ہوگا۔لڑکے کے لئے دو سہام اور خنثی کے لئے ایک سہام۔اور وہ خنثی مؤنث ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک میراث میں مگر یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے۔

تشریح حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک میراث کے سلسلے میں خنثی مؤنث کے حکم میں ہے۔اس لئے باپ مرا اور ایک لڑکا اور خنثی چھوڑا تو لڑکے کو پورے مال کے دو حصے ملیں گے اور خنثی کو ایک حصہ ملے گا۔اور مال تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

وجہ خنثی عورت ہو یہ کم درجہ ہے اور یقینی ہے اس لئے اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۱۶۴۷](۱۱)اور صاحبین نے فرمایا خنثی کے لئے مذکر کی میراث کا آدھا اور مؤنث کی میراث کا آدھا ہوگا۔اور یہی قول ہے شعبی کا۔

تشریح صاحبین کے نزدیک خنثی کو میراث میں بھی مذکر اور مؤنث کے درمیان رکھیں گے۔اس لئے مؤنث سے آگے اور مذکر کے حصے سے کم ملے گا۔اور اس کا حساب اس طرح کیا جائے گا کہ مذکر کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور مؤنث کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور دونوں حصوں کو ملا کر خنثی کو دیا جائے۔جس سے مؤنث سے آگے اور مذکر سے کم ہو جائے گا۔اور دونوں کے درمیان میں جو حصہ ہوگا وہ مل جائے گا۔

[۱۶۴۸](۱۲)اور اختلاف کیا ان کے قول کے قیاس میں۔پس امام ابو یوسف نے فرمایا مال دونوں کے درمیان سات حصوں پر ہوگا۔بیٹے کے لئے چار اور خنثی کے لئے تین۔

تشریح یہ حضرت امام شعبی کے قول کی تشریح ہے کہ خنثی کو مذکر اور مؤنث کے درمیان رکھا جائے۔اور مثال مذکور میں باپ کا انتقال ہوا اور ایک لڑکا اور ایک خنثی چھوڑا تو مسئلہ سات حصوں سے بنائیں گے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ باپ مرنے کے بعد تنہا خنثی موجود ہوتا تو اس کو کس طرح حصہ ملتا۔اس اعتبار سے سہام کی تقسیم کی جائے گی۔جبکہ امام محمد کے نزدیک لڑکا اور خنثی دونوں ایک ساتھ موجود ہوتو کس طرح ان کو حصے ملیں گے اس کا اعتبار کیا ہے۔

مسئلہ کی تشریح اس طرح ہے کہ ایک لڑکا ہوتو اس کو پورا مال ملتا ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ خنثی کو لڑکے کا آدھا ملے گا اور لڑکی کا بھی آدھا ملے گا۔اور دونوں حصوں کو ملا کر جو ہوگا وہ خنثی کو دیا جائے گا۔اس لئے پورے مال کے چار حصے بنائیں تو خنثی کو پورے چار حصے کا آدھا دو حصے ملیں گے۔اور ایک لڑکی ہوتو پورے مال کا آدھا ملے گا یعنی چار حصوں کا آدھا دو حصے ملیں گے۔اور خنثی کو لڑکی کے حصوں کا بھی آدھا ملنا ہے۔اس

تعالی المال بینهما علی سبعة اسهم للابن اربعة وللخنثی ثلثة[۱۶۴۹](۱۳) وقال محمد المال بینهما علی اثنا عشر سهما للابن سبعة وللخنثی خمسة.

لئے دوحصوں کا آدھا ایک حصہ ہوا تو گویا کہ خنثی کو چار حصوں میں سے تین حصے ملیں گے اور لڑکے کو چار حصے ملے اور دونوں کو ملا کر مجموعہ سات حصہ سے باپ کا مال تقسیم ہوگا۔ان میں سے خنثی کو تین حصے ملیں گے اور لڑکے کو چار حصے لیں گے۔

آج کل تمام حساب کلکیو لیٹر سے ہوتے ہیں اس لئے اس سے اوپر کا مسئلہ اس طرح ہوگا۔کلکیو لیٹر میں تمام حساب سوسو چلتے ہیں اور عشار یہ اور پوائنٹ سے حساب کرتے ہیں۔اس لئے لڑکے کو پورے مال سے سوفی صد 100% ملیں گے۔اور خنثی کو لڑکے کے پورے حصے یعنی سو فیصد 100% میں آدھا یعنی 50% (پچاس فی صد) ملیں گے۔اور لڑکی کو آدھا ملتا ہے یعنی پورے مال کا 50% (پچاس فیصد) ملتا ہے۔اس لئے اس کا بھی آدھا 25% (پچیس فیصد) ملیں گے۔اب 50% اور 25% دونوں کو ملا کر 75% خنثی کو ملے۔اب لڑکے کے حصے 100% اور خنثی کے حصے 75% دونوں کو ملائیں تو مجموعہ 175% ہوئے۔ان کو 100 میں تقسیم کریں تو یہ نکلے گا 0.5714285% یہ ایک حصہ ہوا۔اب اس کو 75 میں ضرب دیں جو خنثی کا حصہ ہے تو 42.857137 حصے نکلیں گے۔جو مثلا سو درہم باپ کی جائداد ہو تو ان میں سے خنثی کو 42 درہم اور 85 پیسے ملیں گے۔اور لڑکے کے حصے 100 کو 0.5714285 میں ضرب دیں تو 57.14285 حصے نکلیں گے۔یعنی خنثی کے ساتھ لڑکا ہو اور باپ کی جائداد سو درہم ہوں تو لڑکے کو ان میں سے 57 درہم اور 14 پیسے ملیں گے۔

[۱۶۴۹] (۱۳) اور امام محمد نے فرمایا مال ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر ہوگا۔بیٹے کے لئے سات اور خنثی کے لئے پانچ حصے ہوں گے۔

تشریح امام محمدؒ کے نزدیک لڑکے اور خنثی کو ملا کر کس طرح حصے ملیں گے اس کا اعتبار ہوگا۔اور اس کی صورت یہ ہوگی دونوں کو لڑکے مانیں تو دونوں کو آدھا آدھا ملے گا۔اور خنثی کو اس کا بھی آدھا ہوگا۔اور ایک کو لڑکا مانیں اور خنثی کو لڑکی مانیں تو لڑکے کو دو تہائی اور خنثی کو ایک تہائی ملے گا۔اور اوپر گزر گیا کہ اس ایک تہائی کا بھی آدھا کر کے اس میں خنثی کو دیں گے۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے کے آدھے کا آدھا اور دوسرے کے تہائی کا آدھا دونوں کو ملا کر جو مجموعہ ہوگا وہ خنثی کو ملے گا اور باقی لڑکے کو ملے گا۔صورت مسئلہ اگلے صفحہ پر دیکھئے۔

(صورت مسئلہ)

(۱) ۲-۶-۱۲

لڑکا	خنثی (لڑکا مان لیں)
۱	۱
۳	۳
۶	۶

(۲) ۳-۶-۱۲

لڑکا	خنثی (لڑکی مان لیں)
۲	۱
۴	۲
۸	۴

لڑکے کا حصہ		خنثی کا حصہ	
پہلے سے	۶	پہلے سے	۶
دوسرے سے	۸	دوسرے سے	۴
۷ = ۲ ÷	۱۴	۵ = ۲ ÷	۱۰

تفصیل یہ ہے کہ اس حساب کو غور سے دیکھیں۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ لڑکے کے ساتھ پہلے نمبر میں خنثی کو لڑکا مانا اس لئے دونوں کو آدھا آدھا ملا۔اور اصل مسئلہ ۲ سے چلایا اور دونوں کو ایک ایک دے دیا۔اور مسئلہ نمبر دو میں لڑکے کے ساتھ خنثی کو لڑکی مانا اور لڑکے کو دو تہائی اور لڑکی کو ایک تہائی دیا اور اصل مسئلہ ۳ سے چلایا۔اب پہلا مسئلہ ۲ سے چلا ہے اور دوسرا مسئلہ ۳ سے چلا ہے۔اس لئے دونوں میں موافقت نہیں ہے اس لئے ۲ کو ۳ میں ضرب دیا اور ۶ سے اصل مسئلہ چلایا۔اب پہلے مسئلہ میں لڑکا اور خنثی کو تین تین مل گئے۔اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو ۶ میں سے ۴ اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۶ میں سے ۲ ملے۔اس صورت میں خنثی کو پہلے مسئلے میں ۳ ملے اس کا آدھا کریں گے ڈیڑھ ہوگا اور پچھلے زمانے میں کسر سے حساب نہیں کرتے تھے اس لئے اس کو صحیح عدد پر لانے کے لئے اور پورے عدد پر لانے کے لئے اصل مسئلہ ۶ کو ۲ سے ضرب دیا اور اصل مسئلہ ۱۲ سے چلایا۔اس صورت میں پہلے مسئلے میں لڑکے کو ۱۲ میں سے ۶ ملے اور خنثی کو لڑکا ماننے کی وجہ سے ۶ ملے۔اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو ۱۲ میں سے دو تہائی یعنی ۸ ملے اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۴ ملے۔اب لڑکے کے لئے پہلے مسئلے میں سے ملے ہوئے حصے ۶ اور دوسرے مسئلے میں ملے ہوئے حصے ۸ کو جمع کریں تو ۱۴ حصے ہوئے اس کا آدھا کریں گے۔اور ۱۴ کو ۲ سے تقسیم کریں گے تو ۷ حصے نکلیں گے۔جو لڑکے کو ملیں گے۔اور خنثی کو پہلے مسئلے میں ۶ اور دوسرے مسئلے میں ۴ ملے ہیں۔اس لئے دونوں کو جمع کریں گے تو ۱۰ ہوں گے۔اور ۱۰ کا آدھا کریں گے اور ۲ سے تقسیم کریں گے تو ۵ نکلیں گے۔جو خنثی کے حصے ہوں گے۔کیونکہ اس کو لڑکا کا آدھا اور لڑکی کا آدھا ہی ملتا ہے۔کلکیو لیٹر سے کیا ہوا حساب اگلے صفحہ پر دیکھئے۔

(کلکیو لیٹر کا حساب)

(۱) 100

لڑکا	خنثی (لڑکا مان لیں)
50	50

(۲) 100

لڑکا	خنثی (لڑکی مان لیں)
66.666	33.333

لڑکے کا حصہ		خنثی کا حصہ	
پہلے مسئلہ میں	50	پہلے مسئلہ میں	50
دوسرے مسئلہ میں	66.666	دوسرے مسئلہ میں	33.333
116.666 ÷ 2 = 58.33		83.33 ÷ 2 = 41.66	

نوٹ کلکیو لیٹر کا حساب سمجھنے کے لئے یہ باتیں ملحوظ رکھیں۔

کلکیو لیٹر میں اصل مسئلہ 100 سے چلے گا۔ اس سے کم بھی نہیں اور زیادہ بھی نہیں۔ اس کو ہم فیصد کہتے ہیں۔ پوری دنیا میں اب 100 کا حساب ہے۔ اس لئے اس طریقۂ کار کو اہمیت حاصل ہے۔

اس حساب میں آدھا کو 50%، چوتھائی کو 25% اور آٹھواں کو 12.50% کہتے ہیں۔ اور تہائی کو 33.33%، دو تہائی کو 66.66% اور چھٹے حصے کو 16.66% (فیصد) کہتے ہیں۔

اب صورت مسئلہ غور سے دیکھیں۔ پہلے مسئلے میں لڑکے کو 100% میں سے 50% ملے ہیں۔ اور خنثی کو لڑکا ماننے کی وجہ سے اس کا آدھا یعنی 100% میں سے 50% ملے ہیں۔ اور دوسرے مسئلے میں لڑکے کو دو تہائی یعنی 100% میں سے 66.66% یعنی چھیاسٹھ عشاریہ چھیاسٹھ ملے ہیں۔ اور خنثی کو لڑکی ماننے کی وجہ سے 100% میں سے ایک تہائی یعنی 33.33% ملے ہیں۔

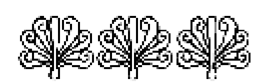
اب لڑکے کے حصے کو پہلے مسئلہ میں سے 50% اور دوسرے مسئلہ میں سے 66.66% کو جمع کریں تو مجموعہ 116.66 ہوئے۔ اور اس کا آدھا کریں یعنی 2 سے تقسیم کریں تو 58.33% نکلیں گے یعنی والد کی جائداد مثلا 100 درہم ہوں تو لڑکے کو ان میں سے 58.33% ملیں گے۔ یعنی 58 درہم اور 33 پیسے ملیں گے۔

اور خنثی کو پہلے میں مسئلہ میں لڑکا ماننے کی وجہ سے 50% ملے تھے۔ اور دوسرے مسئلہ میں لڑکی ماننے کی وجہ سے 33.33% ملے تھے۔ ان دونوں حصوں کو جمع کریں تو 50% اور 33.33% تو مجموعہ 83.33% ہوئے۔ اور چونکہ لڑکے اور لڑکی دونوں کا آدھا آدھا خنثی کو ملتا ہے۔ اس لئے 83.33 کو 2 سے تقسیم کر دیں جس سے دونوں کا آدھا ہو جائے گا تو 41.66 نکلیں گے۔

یعنی اگر باپ کی جائداد 100 درہم ہو تو لڑکے کے ساتھ خنثی کو اس میں سے 41 درہم اور 66 پیسے ملیں گے۔

دونوں اماموں کے درمیان تقسیم میں فرق یہ ہے۔

	لڑکے کو	خنثی کو
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک	57.142	42.857
امام محمدؒ کے نزدیک	58.333	41.666
	1.191 (زیادہ ملا)	1.191 (کم ملا)



﴿کتاب المفقود﴾

[۱۶۵۰](۱)اذا غاب الرجل فلم یعرف له موضع ولا یعلم ا حی هو ام میت نصب القاضی من یحفظ ماله ویقوم علیه[۱۶۵۱](۲) ویستوفی حقوقه[۱۶۵۲](۳) وینفق

﴿کتاب المفقود﴾

ضروری نوٹ کوئی آدمی گھر سے بالکل غائب ہو جائے تو اس کو مفقود کہتے ہیں۔اس کی بیوی اور اس کے مال کے کیا احکام ہیں اس کے بارے میں اس باب میں بیان ہے۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن المغیرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها الخبر (الف)(دار قطنی،کتاب النکاح ج ثالث ص۲۱۷نمبر۳۸۰۴رسنن للبیہقی،باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها یقین وفاته،ج سابع ص۷۳۱،نمبر۱۵۵۶۵)اس حدیث سے مفقود کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ موت کے یقین ہونے سے پہلے وہ مفقود کی بیوی ہے۔

[۱۶۵۰](۱)اگر آدمی غائب ہو جائے اور اس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو،اور نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ تو متعین کرے گا قاضی کسی شخص کو جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور انتظام رکھے۔

تشریح کوئی آدمی اس طرح غائب ہو گیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو اب قاضی کسی آدمی کو متعین کرے تاکہ وہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس کی نگرانی کرے اور اس کے مال کا انتظام کرے۔

وجہ ایسے آدمی کے لئے قاضی ہی منتظم ہوتا ہے۔اس لئے قاضی ہی کسی آدمی کو متعین کرے گا تاکہ اس کے مال کی حفاظت کرے۔

[۱۶۵۱](۲)اس کے لئے حقوق وصول کرے۔

تشریح مفقود کا کسی پر قرض ہو یا کوئی حق ہو تو متعین کردہ آدمی وہ قرض وصول کرے گا اور دیگر حقوق بھی وصول کرے گا اور ان کو مفقود کے لئے محفوظ رکھے گا۔

[۱۶۵۲](۳)اور خرچ کرے گا اس کی بیوی پر اور اس کے چھوٹے بچوں پر اس کے مال میں سے۔

تشریح مفقود کا جو مال ہے وہ مال اس کی بیوی اور اس کے چھوٹی اولاد پر وصی خرچ کرے گا۔

وجہ اس لئے کہ بیوی مفقود کے لئے محبوس ہے۔اور چھوٹی اولاد کا خرچ بھی ابھی اس کے ذمے ہے۔اس لئے ان لوگوں پر مفقود کے مال سے خرچ کیا جائے گا(۲)اثر میں ہے۔عن ابن عباس وابن عمر قالا جمیعا فی امرأة المفقود تنتظر اربع سنین قال ابن عمر ینفق علیها فیها من مال زوجها لانها حسبت نفسها علیه(ب)(مصنف عبد الرزاق،باب الرجل یغیب عن امرأته فلا ینفق علیها،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مفقود کی بیوی اس کی بیوی رہے گی جب تک واضح خبر نہ آجائے (ب) عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ بن عمر نے فرمایا مفقود کی عورت چار سال تک انتظار کرے۔ابن عمر نے فرمایا اس پر خرچ کیا جائے گا اس کے شوہر کے مال سے۔اس لئے کہ اپنے آپ کو اس کے لئے محبوس کیا ہے۔

علی زوجته واولاده الصغار من ماله[۱۶۵۳] (۴) ولا یفرق بینه وبین امرأته.

ج سابع ،ص ۹۴،نمبر ۱۲۳۴۶رسنن للبیہقی ،باب من قال تنتظر اربع سنین ثم اربعۃ اشہر وعشرا ثم تحل ،ج سابع ،ص ۷۳۳،نمبر ۱۵۵۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جائے گا۔

[۱۶۵۳] (۴) مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

تشریح جب تک کہ کوئی حتمی بات نہ ہو جائے مثلا موت کی خبر آ جائے یا طلاق نہ ہو جائے اس وقت تک مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

وجہ اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزری۔ **عن المغیرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها الخبر** (الف) (دار قطنی ،کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰۴رسنن للبیہقی ،باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیھا یقین وفاتہ ،ج سابع ، ص ۷۳۱،نمبر ۱۵۵۶۵) (۲) **عن علی فی امرأة المفقود اذا قدم وقد تزوجت امرأته هی امرأته ان شاء طلق وان شاء امسک ولا تخیر** (ب) (سنن للبیہقی ،باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیھا یقین وفاتہ ،ج سابع ،ص ۷۳۱،نمبر ۱۵۵۶۲رمصنف عبد الرزاق ،باب التی لا تعلم مھلک زوجھا ج سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے۔ کیونکہ وہ مفقود کی بیوی ہے (۳) **عن ابن جریج قال بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انها تنتظره ابدا** (ج) (مصنف عبد الرزاق ،باب التی لا تعلم مھلک زوجہ ج سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۳۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ مفقود کا انتظار کرے گی۔

فائدہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبر نہ آئے تو چار سال کے بعد مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر عورت کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن ابی عثمان قال اتت امرأة عمر بن الخطاب قال استهوت الجن زوجها فامرها ان تتربص اربع سنین ثم امر ولی الذی استهوته الجن ان یطلقها ثم امرها ان تعتد اربعة اشهر وعشرا** (د) (دار قطنی ، کتاب النکاح ،ج ثالث ،ص ۲۱۷،نمبر ۳۸۰۳رسنن للبیہقی ،باب من قال تنتظر اربع سنین ثم اربعۃ اشہر وعشرا ثم تحل ،ج سابع ،ص ۷۳۲،نمبر ۱۵۵۶۶رمصنف عبد الرزاق ،باب التی لا تعلم مھلک زوجھا ج سابع ص ۸۵ نمبر ۱۲۳۱۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار سال گزار کر موت کا فیصلہ دیا جائے گا۔

نوٹ زمانہ خراب ہونے کی وجہ سے جوان عورت کے لئے آج کل اسی پر فتوی دیتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مفقود کی عورت اس کی بیوی ہے جب تک کہ واضح خبر نہ آ جائے (ب) حضرت علی نے مفقود کی بیوی کے بارے میں بتایا۔ اگر مفقود آ جائے اور اس کی بیوی شادی کر چکی ہو تب بھی وہ اس کی بیوی ہے۔ اگر چاہے طلاق دے اور چاہے تو روک لے۔ اور عورت کو اختیار نہیں ہوگا (ج) عبد اللہ بن مسعود نے حضرت علی کی موافقت کی اس بات پر کہ مفقود کی بیوی ہمیشہ انتظار کرے گی (د) ایک عورت حضرت عمر کے پاس آئی ،اس کے شوہر کو جن اڑا لے گیا تھا تو اس کو حکم دیا کہ چار سال تک انتظار کرے۔ پھر حکم دیا اس کے ولی کو جس کو جن اڑا کر لے گیا کہ اس کو طلاق دے دے۔ پھر اس کو حکم دیا کہ چار ماہ دس دن گزارے۔

[۱۶۵۴](۵) فاذا تم له مائة وعشرون سنة من یوم ولد حکمنا بموته واعتدت امرأته وقسم ماله بین ورثته الموجودین فی ذلک الوقت[۱۶۵۵](۶) ومن مات منهم قبل ذلک لم یرث منه شیئا[۱۶۵۶](۷) ولا یرث المفقود من احد مات فی حال فقده.

[۱۶۵۴](۵) پس جبکہ اس کے لئے ایک سو بیس سال پورے ہو جائیں جس دن سے پیدا ہوا ہے تو حکم لگا دیں گے اس کی موت کا۔ اور عدت گزارے گی اس کی عورت اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال اس وقت میں موجود ورثہ کے درمیان۔

تشریح زیادہ سے زیادہ آدمی ایک سو بیس سال زندہ رہتا ہے اس لئے پیدائش سے لیکر ایک سو بیس سال گزر جائے تو اب حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس وقت اس کی بیوی عدت وفات گزارے گی۔ اور اس وقت جو ورثہ موجود ہوں ان کے درمیان اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

وجہ ایسا سمجھا جائے گا کہ ابھی وفات ہوئی ہے۔ اس لئے اس وقت جتنے ورثہ موجود ہوں گے ان میں اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔ اور جو لوگ اس سے پہلے مر چکے ہیں ان میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا (۲) موت کے فیصلے کے بعد مال تقسیم کرنے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن قتادة قال اذا مضت اربع سنین من حین ترفع امرأة المفقود امرها انه یقسم ماله بین ورثته** (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب التی لا تعلم مھلک زوجھا ج سابع ص ۹۰ نمبر ۱۲۳۲۹) اس اثر میں اگر چہ یہ ہے کہ چار سال کے بعد مفقود کے لئے موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ تاہم یہ پتہ چلا کہ موت کے فیصلے کے بعد اس کا مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ چاہے جب بھی موت کا فیصلہ ہو۔

نوٹ ایک سو بیس سال کے پہلے غالب گمان کی کوئی بات سامنے آجائے تو اس وقت بھی موت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

[۱۶۵۵](۶) ورثہ میں سے جو اس سے پہلے مر جائے تو مفقود کے کسی چیز کے وارث نہیں ہوں گے۔

تشریح مفقود کی موت کے حکم لگانے سے پہلے جو ورثہ مر جائے وہ مفقود کے کسی مال کے وارث نہیں ہوں گے۔

وجہ مفقود پر موت کے حکم سے پہلے گویا کہ وہ زندہ ہے۔ اور زندہ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس لئے مفقود کے مال کا وارث نہیں ہوگا۔

[۱۶۵۶](۷) اور مفقود ان میں سے کسی کا وارث نہیں ہوگا جو مر گئے ہوں اس کے گم ہونے کی حالت میں۔

تشریح مثلا ۲۰۰۰ء کی پہلی تاریخ کو مفقود گم ہوا اور چار سال بعد اس پر موت کا حکم لگایا تو دو ہزار سے دو ہزار چار تک جو لوگ مفقود کے مورث میں سے انتقال ہوں گے ان میں سے کسی کا وہ وارث نہیں ہوگا۔

وجہ استحقاق کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ وہ دو ہزار کی پہلی تاریخ ہی کو مر گیا ہے۔ کیونکہ اس کی موت اسی وقت سے مشتبہ ہے۔ بس اس طرح سمجھیں گے کہ لوگ اس کے مال کے وارث ہوں گے مفقود پر موت کے فیصلے کے بعد۔ اور وہ خود لوگوں کی وراثت سے محروم ہوگا بھاگنے ہی کے دن سے۔

حاشیہ : (الف) حضرت قتادہ نے فرمایا جب مفقود کی بیوی کے معاملہ اٹھانے کے بعد چار سال گزر جائے تو اس کو حکم دیں گے کہ اس کا مال ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔

﴿ کتاب الاباق ﴾

[۱۶۵۷](۱)اذا ابق المملوک فرده رجل علی مولاه من مسیرة ثلثة ایام فصاعدا فله علیه جُعله وهو اربعون درهما وان رده لاقل من ذلک فبحسابه[۱۶۵۸](۲) وان کانت

ضروری نوٹ غلام مولی کے قبضے سے بھاگ جائے اس کو اباق کہتے ہیں۔جو آدمی اس کو لائے گا اس کو لانے کا انعام ملے گا جس کو جُعل کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔**عن ابن عمر قال قضی رسول اللہ ﷺ فی العبد الابق یوجد فی الحرم بعشرة دراهم** (الف)(سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج سادس، ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳ر مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الابق، ج ثامن، ص ۲۰۸، نمبر ۱۴۹۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا بھاگے ہوئے غلام کو حرم سے لائے تو دس درہم ملیں گے۔اس سے جعل کا ثبوت ہوا۔

[۱۶۵۷](۱)اگر مملوک بھاگ جائے اور کوئی آدمی اس کے مولی کے پاس تین دن کی مسافت سے لائے یا اس سے زائد سے لائے تو اس کے لئے اس کی مزدوری ہے اور وہ چالیس درہم ہے۔اور اگر اس سے کم مسافت سے واپس کیا تو اس کے حساب سے ہوگا۔

تشریح اثر میں اختلاف ہے۔بعض اثر سے پتہ چلتا ہے کہ چالیس دیئے جائیں اس لئے حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ تین دن کی مسافت یا اس سے زائد سے لائے تو چالیس درہم دیئے جائیں۔اور اس سے کم سے لائیں تو اس کے حساب سے دیئے جائیں۔

وجہ دس درہم دینے کی حدیث ضروری نوٹ میں گزری۔**قال قضی رسول اللہ فی العبد الآبق یوجد فی الحرم بعشرة دراهم** (ب)(سنن للبیہقی، باب الجعالة، ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳)اور چالیس درہم کے لئے یہ اثر ہے۔**عن ابی عمرو والشیبانی قال اصبت غلمانا اباقا بالعین فأتیت عبد اللہ بن مسعود فذکرت ذلک له فقال الاجر والغنیمة قلت هذا الاجر فما الغنیمة ؟ قال اربعون درهما من کل رأس** (ج)سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج سادس، ص ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲۵ر مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۹۱۱)اس اثر میں چالیس درہم دینے کا تذکرہ ہے۔اور حساب سے دینے کا ذکر اس اثر میں ہے۔**ان عمر بن عبد العزیز قضی فی یوم بدینار وفی یومین دینارین وفی ثلاثة ایام ثلاثة دنانیر فمازاد علی الاربعة فلیس له الا اربعة** (مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۹۱۲)اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔اس لئے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔اور تین دن کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔جس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

[۱۶۵۸](۲)اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو لوٹانے والے کے لئے فیصلہ کریں گے اس کی قیمت کا مگر ایک درہم۔

تشریح مثلا غلام کی قیمت تیس درہم تھی اور واپس لانے والے نے تین دن کی مسافت سے واپس لایا ہے اس لئے اس کو چالیس درہم ملنے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فیصلہ کیا کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پائے تو اس کے لئے دس درہم ہیں (ب) حضورؐ نے فیصلہ کیا کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پایا جائے تو دس درہم ہوگا (ج) ابی عمر و شیبانی نے فرمایا مقام عین پر بھاگا ہوا غلام پایا۔پس عبد اللہ بن مسعود کے پاس آیا اور اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اجر اور غنیمت ہوں گے۔میں نے کہا یہ اجر ہے تو غنیمت کیا ہے؟ فرمایا چالیس درہم ہر آدمی کا۔

قیمته اقل من اربعین درهما قضی له بقیمته الا درهما[۱۶۵۹](۳) وان ابق من الذی رده فلا شیء علیه ولا جُعل له[۱۶۶۰] (۴)وینبغی ان یشهد اذا اخذه انه یأخذ لیردعلی صاحبه[۱۶۶۱](۵) فان کان العبد الآبق رهنا فالجعل علی المرتهن.

چاہئے۔اب اگر مالک پر چالیس درہم لازم کرتے ہیں تو تیس درہم کے غلام کے بدلے چالیس درہم دینا پڑ رہا ہے جو مالک پر بوجھ ہوگا۔اس لئے غلام کی جتنی قیمت ہے اس سے ایک درہم کم کر کے فیصلہ کریں گے۔مثلا انتیس درہم دلوائیں گے تاکہ واپس لانے والے کو بھی مزدوری مل جائے اور مالک کو بھی غلام کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اثر میں چالیس درہم کا تذکرہ ہے اس لئے تین دن کی مسافت سے لایا ہے تو چالیس درہم ہی لازم کریں گے۔

[۱۶۵۹](۳)اور اگر بھاگ گیا اس سے جو واپس لوٹا رہا تھا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مزدوری ہے۔

تشریح جو آدمی غلام کو واپس لا رہا تھا اس کے ہاتھ سے بھی غلام بھاگ گیا اور واپس لانے والے کے بغیر تعدی کے بھاگ گیا تو اس پر غلام کا ضمان نہیں ہے۔لیکن اس کو مزدوری بھی نہیں ملے گی۔کیونکہ اس نے واپس نہیں لایا تو مزدوری کیسی؟

وجہ اثر میں ہے عن علی فی الرجل یجد الآبق فیأبق منه لایضمنه وضمنه شریح ونحن نقول بقول علی ان کان الآبق ابق من دون تعدیه (الف)(سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج سادس، ص۳۳۰، نمبر۱۲۱۲۷/مصنف عبدالرزاق، باب العبد الآبق یأبق ممن اخذہ ج ثامن ص۲۰۹ نمبر۱۴۹۱۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ واپس لانے والے سے بھاگ جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

[۱۶۶۰](۴)اور مناسب ہے کہ گواہ بنائے جب غلام کو لے کہ اس کو پکڑا ہے تاکہ اس کے مالک کو لوٹائے۔

وجہ گواہ بنانے سے یہ تہمت نہیں رہے گی کہ اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔جس کی وجہ سے وہ مزدوری کا مستحق ہو جائے گا۔کیونکہ اگر اپنے لئے پکڑا ہو تو پکڑنے والا مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا۔

[۱۶۶۱](۵)پس اگر بھاگنے والا غلام رہن پر ہو تو مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

وجہ مرتہن یعنی جس کے پاس غلام رہن پر رکھا ہوا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ غلام کو حفاظت سے رکھے۔اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی (۲) مرتہن کا مال پھنسا ہوا ہے اور غلام واپس کر کے اس کے مال کو بچایا اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

اصول جس پر حفاظت لازم ہے اس پر مزدوری ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ نے فرمایا کوئی آدمی بھاگے ہوئے غلام کو پائے اور اس سے بھی بھاگ جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔اور حضرت شریح نے اس کو ضامن بنایا تھا۔اور حضرت علی کے قول کو لیتے ہیں اگر بھاگا ہوا غلام بغیر تعدی کے بھاگ جائے۔

﴿کتاب احیاء الموات﴾

[۱۶۶۲](۱)الموات مالا ینتفع به من الارض لانقطاع الماء عنه او لغلبة الماء علیه او ما اشبه ذلک مما یمنع الزراعة[۱۶۶۳](۲) فما کان منها عادیا لا مالک له او کان مملوکا فی الاسلام لا یعرف له مالک بعینه وهو بعید من القریة بحیث اذا وقف انسان

﴿ کتاب احیاءالموات ﴾

ضروری نوٹ جوزمین ویسے ہی پڑی ہوئی ہواورکوئی آدمی کاشت نہ کررہاہواس کومردہ زمین کہتے ہیں۔اس زمین کوآباد کرنے کواحیاءالموات کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن عائشة عن النبی ﷺ قال من اعمر ارضا لیست لاحد فهو احق قال عروة قضی به عمر فی خلافته وقال عمر من احیا ارضا میتة فهی له (الف)(بخاری شریف،باب من احیاارضامیتۃص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۵ رترمذی شریف، باب ذکر فی احیاءارض الموات ص نمبر ۱۳۷۸)اس حدیث میں ہے کہ کوئی مردہ زمین آباد کرلے تو وہ اس کی ہو جائے گی۔

[۱۶۶۲](۱)موات وہ زمین ہے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکتا ہو۔اس سے پانی منقطع ہونے کی وجہ سے یا اس پر پانی کے غلبہ کی وجہ سے یا کسی اورسبب سے جوکاشتکاری کوروکتا ہو۔

تشریح موات اس زمین کو کہتے ہیں جس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہو۔یا اس وجہ سے کہ وہاں پانی کی رسائی نہیں ہے۔یا اس وجہ سے کہ اس پر بار بار سیلاب آتا ہے اور پانی بہت زیادہ ہوتا ہے۔یا اورکوئی وجہ ہو جس کی وجہ سے کاشتکاری کرنا دشوار ہو تو اس زمین کو مردہ زمین، بنجر زمین اورموات زمین کہتے ہیں۔

لغت الزراعة : کاشتکاری۔

[۱۶۶۳](۲)اور جو زمین اس میں سے پرانی ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا زمانۂ اسلام میں مملوک ہو لیکن اس کا کوئی خاص مالک کا علم نہ ہو اور وہ گاؤں سے اتنی دور ہو کہ کوئی آدمی کھڑا ہو آخری آبادی میں اور چلائے تو اس زمین میں آواز نہ سنائی دے تو وہ موات ہے۔جس نے اس کو آباد کرلیا امام کی اجازت سے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

تشریح موات زمین کی یہ دوسری اورتیسری تعریف ہے کہ موات زمین کس کو کہیں گے۔جو زمانۂ عاد کی طرح پرانی لگتی ہو اور اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو۔یا زمانۂ اسلام میں اس کا کوئی مالک تو بنا تھا لیکن مالک کا دور دور تک سراغ نہیں مل سک رہا ہو۔اور ساتھ ہی آبادی سے اتنی دور ہو کہ آبادی کے آخری حصے پر کھڑا ہو کر کوئی زور سے چلائے تو اس مردہ زمین تک آواز نہ جاتی ہو تو ایسی زمین کو موات کہتے ہیں۔ایسی زمین کو

حاشیہ :(الف)کسی نے کسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت نہیں تھی تو وہ زیادہ حقدار ہے،حضرت عروہ نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اسی کا فیصلہ کیا،حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین آباد کیا تو وہ اسی کی ہے۔

فی اقصی العامر فصاح لم یسمع الصوت فیہ فهو موات من احیاہ باذن الامام ملکه[۱۶۶۴](۳) وان احیاہ بغیر اذنه لم یملکه عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله یملکه[۱۶۶۵](۴) ویملک الذمی بالاحیاء کما یملکه المسلم.

امام کی اجازت سے آباد کرے گا تو آباد کرنے والا اس کا مالک ہو جائے گا۔ آبادی سے دو میل دور ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ آبادی سے قریب والی زمین آباد نہ بھی ہو تو وہ گاؤں والے کی چراگاہ بنے گی، قبرستان بنے گی، اس میں گھوڑ دوڑ کا میدان ہوگا، اور گاؤں والے کی بہت سی ضروریات میں کام آئے گی۔ اس لئے اس زمین کو موات قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اس کو آباد کرنے سے کوئی اس کا مالک ہوگا۔

وجہ عن جابر بن عبد الله عن النبی ﷺ من احیا ارضا دعوة من المصر او رمیة من المصر فهی له (الف) (مسند احمد، مسند جابر بن عبد اللہ، ج رابع، ص ۳۳۷، نمبر ۱۴۴۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین گاؤں سے تیر پھینکنے کے مطابق دور ہو تب اس کو آباد کرے تو مالک ہوگا۔ اور وہ زمین موات قرار دی جائے گی۔

[۱۶۶۴] (۳) اگر زمین کو آباد کیا بغیر امام کی اجازت کے تو مالک نہیں ہوگا امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک ہوگا

تشریح بنجر زمین کو امام کی اجازت کے بغیر آباد کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک نہیں ہوگا۔ مالک ہونے کے لئے دوبارہ امام سے اجازت لینی ہوگی۔

وجہ جس زمین کو فتح کیا وہ مال غنیمت کے درجے میں ہوئی۔ اور مال غنیمت بغیر امام کے تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے موات زمین بھی بغیر امام کی اجازت کے مالک نہیں ہو سکتا (۲) اسی طرح آدمی زمین پر قبضہ کرے گا تو مشکل ہوگا۔ اس لئے امام کی اجازت کے بغیر مالک نہیں ہوگا۔ اس دور میں حکومت کی رجسٹریشن کے بغیر لوگ زمین اور جائداد کے مالک نہیں ہوتے ہیں وہ اسی قاعدے پر ہے۔

فائدہ امام صاحبین فرماتے ہیں کہ بغیر امام کی اجازت کے مردہ زمین آباد کر لیا تو مالک ہو جائے گا۔

وجہ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احیا ارضا میتة فهی له ولیس لعرق ظالم حق (ب) (ترمذی شریف، باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات ص ۲۵۶ نمبر ۱۳۷۸/ ابو داؤد شریف، باب فی احیاء الموات ص ۸۱ نمبر ۳۰۷۳/ بخاری شریف، باب من احیا ارضا میتة ص ۳۱۴ نمبر ۲۳۳۵) اس حدیث میں ہے کہ جو بھی مردہ زمین کو آباد کرے گا وہ مالک ہو جائے گا۔ اس حدیث میں مالک ہونے کے لئے امام کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔ اس لئے امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نوٹ ان کے یہاں انتظام اور انصرام کے لئے امام کی اجازت لے تو بہتر ہے۔

[۱۶۶۵] (۴) موات کا ذمی مالک ہوگا آباد کرنے سے جیسے مسلمان مالک ہوتا ہے۔

تشریح مسلمان مردہ زمین کو آباد کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح ذمی امام کی اجازت سے مردہ زمین آباد کر لے تو وہ بھی مالک ہو

حاشیہ : (الف) کسی نے شہر سے تیر پھینکنے کی دوری پر زمین آباد کیا تو وہ زمین اسی کی ہوگی (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے مردہ زمین آباد کیا تو وہ اسی کے لئے ہے۔ اور ظالم کے آباد کرنے والے کے لئے حق نہیں ہے۔

[١٦٦٦](٥) ومن حجر ارضا ولم يعمرها ثلث سنين اخذها الامام منه ودفعها الى غيره[١٦٦٧](٦) ولا يجوز احياء ما قرب من العامر ويترك مرعًى لاهل القرية و

جائے گا۔

وجہ دارالاسلام میں ٹیکس ادا کرنے کے بعد ذمی کا حق بھی مسلمان کی طرح ہوتا ہے اس لئے وہ بھی مسلمان کی طرح زمین کا مالک ہو جائے گا۔اس اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**قال (ابن عباس) انهم اذا ادوا الجزية لم تحل لكم اموالهم الا بطيب انفسهم (مصنف** عبدالرزاق، ما یحل من اموال اہل الذمۃ ج سادس ص۹۱ نمبر۱۰۱۰۲)

[۱۶۶۶](۵) کسی نے زمین میں پتھر کا نشان لگایا اور اس کو تین سال آباد نہیں کیا تو امام اس کو اس سے لے لے گا اور دوسرے کو دے دے گا

تشریح کسی نے مردہ زمین پر چاروں طرف سے پتھر کا نشان لگایا اور گویا کہ اس پر قبضہ کیا لیکن تین سال تک اس کو باضابطہ آباد نہیں کیا بلکہ ویران رکھا تو امام اب اس کو لیکر دوسرے کو دے دے گا۔

وجہ حضورؐ نے بلال ابن حارث کو مردہ زمین دی تھی۔انہوں نے اس کو کئی سال آباد نہیں کیا تو جتنی زمین آباد نہیں کر رہے تھے اتنی زمین ان سے لیکر دوسرے کو دے دیا۔**عن الحارث بن بلال بن الحارث عن ابيه ان رسول الله ﷺ اخذ من المعادن القبلية الصدقة وانه اقطع بلال بن الحارث العقيق اجمع فلما كان عمر قال لبلال ان رسول الله ﷺ لم يقطعك لتحجره عن الناس لم يقطعك الا لتعمل قال فاقطع عمر بن الخطاب للناس العقيق** (الف)(سنن للبیہقی، باب من اقطع قطیعۃ او تحجر ارضا ثم لم یعمرھا اولم یعمر بعضھا، ج سادس، ص ۲۴۶، نمبر ۱۱۸۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف نشان لگائے اور آباد نہ کرے تو ان سے لے لیا جائے گا (۲) اور تین سال کی قید اس اثر میں ہے۔**قال عمر من احيا ارضا ميتة فهي له وليس لمحتجر حق بعد ثلاث سنين** (ب)(نصب الرایۃ ج رابع ص ۲۹۰ / اعلاء السنن نمبر ۵۷۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین سال کے بعد اس کو حق نہیں رہے گا (۳) یہ زمین صرف نشان لگانے کے لئے نہیں دی ہے بلکہ آباد کرنے کے لئے دی ہے۔اس لئے تین سال میں اندازہ ہو جائے گا کہ وہ آباد کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔اس لئے تین سال کے بعد واپس لے کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

[۱۶۶۷](۶) اور نہیں جائز ہے آباد کرنا اس کا جو آبادی کے قریب ہو، اور چھوڑ دی جائے گی گاؤں والے کی چراگاہ کے لئے اور ان کی کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے کے لئے۔

تشریح آبادی اور گاؤں کے قریب جو خالی زمین ہے اس کو کسی کو آباد کرنے کے لئے نہ دی جائے۔

وجہ وہ گاؤں والوں کے فائدے کے لئے ہے۔مثلا ان کے جانور چرانے کے لئے، اور کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے اور سکھانے کے لئے ہے۔اس

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے معادن قبلیہ کو صدقہ کے طور پر لیا اور بلال بن حارث کو پورا مقام عقیق عطا کیا، پس جب حضرت عمر کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضرت بلال سے کہا حضورؐ نے آپ کو لوگوں سے صرف نشان لگا کر رکھنے کے لئے نہیں دی تھی۔بلکہ آباد کرنے کے لئے دی تھی۔پس حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کو لوگوں کو دیا (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کے لئے ہے۔اور صرف نشان لگانے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔

مطرحا لحصائدهم [۱۶۶۸](۷) ومن حفر بئرا فی بریة فله حریمها[۱۶۶۹](۸) فان کانت للعطن فحریمها اربعون ذراعا وان کانت للناضح فحریمها ستون ذراعا وان کانت

لئے اس کو کسی کو نہ دیا جائے (۲) حدیث میں ہے۔**عن جابر بن عبد اللہ عن النبی ﷺ من احیا ارضا دعوة من المصر او رمیة من المصر فھی لہ** (الف) (مسند احمد، مسند جابر بن عبداللہ، ج رابع ص ۳۳۷، نمبر ۱۴۴۹۶) اس حدیث میں ہے کہ گاؤں سے ایک غنوہ یا تیر گیرنے کی دوری پر مردہ زمین آباد کرے۔**سمعت عکرمة یقول قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ جعل للزرع حرمة غلوة بسھم. قال یحیی قالوا : والغلوة ما بین ثلث مائة ذراع وخمسین الی اربع مائة** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی حریم الابار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۷۳) اس حدیث میں ایک غلوہ یعنی ساڑھے تین سو ہاتھ کی دوری تک آباد کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔تا کہ گاؤں کے لوگ اس زمین کو رفاہ عام میں استعمال کریں۔

نوٹ اس سے قریب میں بھی زمین آباد کرے گا اور امام اجازت دیدے تو مالک ہو جائے گا۔

اصول بہتر یہ ہے کہ رفاہ عام کی جگہ کو کسی کی ملکیت قرار نہ دے۔

لغت مرعی : چرنے کی جگہ، رعی سے مشتق ہے، حصائد : کٹی ہوئی کھیتی، العامر : آبادی۔

[۱۶۶۸] (۷) کسی نے جنگل میں کنواں کھودا تو اس کے لئے اس کا حریم ہے۔

تشریح کنواں کے چاروں طرف جو جگہ چھوڑ دیتے ہیں تا کہ اس میں کوئی دوسرا کنواں نہ کھودے اس کو کنواں کا حریم کہتے ہیں۔یہ اس لئے ہوتا ہے تا کہ پہلے کنویں کے قریب کوئی کنواں کھودے تو اس کا پانی دوسرے میں نہ چلا جائے اور پہلا کنواں سوکھ نہ جائے۔یا دوسرے کنویں کی گندگی پہلے کنواں میں نہ پہنچ جائے۔اس لئے اس کے قریب بغیر اجازت کے دوسرا کنواں کھودنے نہیں دیا جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے، **لاضرر ولا ضرار**.

لغت بریۃ : جنگل۔

[۱۶۶۹] (۸) پس اگر وہ کنواں پانی پلانے کے لئے ہو تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے۔اور اگر کھیت سیراب کرنے کے لئے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے۔اور اگر چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے۔پس اگر کوئی اس کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اس سے روکا جائے گا۔

تشریح اگر کنواں اونٹ کو پانی پلانے کے لئے ہے تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے۔اور اگر کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے ہے تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے۔اور اگر چشمہ ہے تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے۔کیونکہ چشمہ کا پانی پھسلتا ہے۔

وجہ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن عبد اللہ بن مغفل ان النبی ﷺ قال من حفر بئرا فلہ اربعون ذراعا عطنا لماشیتہ** (ب) (ابن ماجہ شریف، باب حریم البئر ص ۳۵۶ نمبر ۲۴۸۶) اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو پانی پلانے والے کنویں کے لئے حریم

حاشیہ : (الف) آپؐ سے مروی ہے کسی نے تیر پھینکنے کے مطابق کی دوری پر زمین آباد کی تو وہ زمین اسی کی ہے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی نے کنواں کھودا تو اس کے لئے چالیس ہاتھ حریم ہے جانور کو پانی پلانے کے لئے۔

عینا فحریمها خمس مائة ذراع فمن اراد ان یحفر بئرا فی حریمها منع منه[١٦٧٠](٩) وما ترک الفرات اوالدجلة وعدل عنه الماء فان کان یجوز عوده الیه لم یجز احیاؤه[١٦٧١](١٠) وان کان لایمکن ان یعود الیه فهو کالموات اذا لم یکن حریما

چالیس ہاتھ ہوگا۔اور یہ چاروں طرف چالیس چالیس ہاتھ ہوگا۔اور کھیتی سیراب کرنے والے کنویں کے لئے پچاس ہاتھ حریم ہواس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ حریم البئر البدی خمسة و عشرون ذراعا وحریم البئر العادیة خمسون ذراعا وحریم العین السائحة ثلاث مائة ذراع وحریم عین الزرع ست مائة ذراع (الف)(دار قطنی، کتاب فی الاقضیة والاحکام وغیر ذلک، ج رابع، ص ۱۴۱، نمبر ۴۴۷۳ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی حریم الآبار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۶۹)اس سے معلوم ہوا کہ بیر عادیہ یعنی کھیتی میں پانی پلانے والے کنویں کے لئے حریم پچاس ہاتھ ہوگا۔اور بیہقی کے اثر میں یہ بھی اضافہ ہے نواحیها کلها جس سے معلوم ہوا کہ کنویں کے چاروں طرف پچاس پچاس ہاتھ حریم ہونا چاہئے (۲) یوں بھی کھیتی سیراب کرنے کے لئے اونٹ چاروں طرف گھومتا ہے۔اس لئے چاروں طرف پچاس پچاس ہاتھ حریم چاہئے اور چشمے کا حریم پانچ سو ہاتھ ہواس کی ایک دلیل اوپر کی حدیث گزری حریم عین الزرع ست مائة ذراع اوردوسرا اثر یہ ہے وقال الزهری وسمعت الناس یقولون حریم العیون خمسمائة ذراع (ب)(سنن للبیہقی، باب ماجاء فی حریم الآبار، ج سادس، ص ۲۵۷، نمبر ۱۱۸۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چشمے کے لئے پانچ سو ہاتھ حریم ہونا چاہئے۔

لغت عطن : اونٹ کو پانی پلانے کا کنواں، ناضح : کھیتی سیراب کرنے کا کنواں، یا وہ اونٹ جس سے کھیتی سیراب کی جاتی ہے۔

[۱۶۷۰](۹) جو زمین فرات اور دجلہ نہر نے چھوڑ دی اور پانی اس سے ہٹ گیا۔پس اگر اس کا اس طرف لوٹنا ممکن ہو تو اس کا آباد کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح فرات یا دجلہ ندی مثلا ایک جگہ سے بہہ رہی تھی۔اور وہاں چھوڑ کر دوسری جگہ بہنا شروع کر دیا تو اندازہ لگائے کہ دوبارہ اپنی جگہ پر آنے کا انداز ہے یا نہیں۔اگر دوبارہ اپنی جگہ پر آنے کا انداز ہے تو اس جگہ کو آباد کرنے کے لئے دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ نہر بہنے کے لئے چاہئے ورنہ اتنا پانی کس راستے سے جائے گا۔اس لئے یہ عوام کے فائدے کی جگہ ہے اس لئے اس کو آباد کرنے نہ دی جائے۔اور اگر دوبارہ اس جگہ پر آنے کا امکان نہ ہو تو وہ زمین موات کی طرح ہے۔اگر کسی کا اس کے ساتھ حق متعلق نہ ہو اور امام کی اجازت سے اس کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

[۱۶۷۱](۱۰) اور اگر نہیں ممکن ہے کہ اس کی طرف لوٹے تو وہ موات کی زمین کی طرح ہے۔اگر کسی آباد کرنے والے کا حریم نہ ہو تو اس کا مالک

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دیہاتی کنویں کا حریم پچیس ہاتھ اور جنگل کے کنویں کا حریم پچاس ہاتھ، زمین پر بہنے والے چشمے کا حریم تین سو ہاتھ اور کھیتی کے چشمے کا حریم چھ سو ہاتھ ہے (ب) حضرت زہری نے فرمایا کہ لوگوں کو کہتے ہوئے سنا ہے چشمے کا حریم پانچ سو ہاتھ ہونا چاہئے۔

لعامر یملکه من احیاه باذن الامام[۲۷۲ ۱] (۱ ۱)ومن کان له نهر فی ارض غیره فلیس له حریم عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی الا ان یکون له البینة علی ذلک وعندهما له مسنّاة النهر یمشی علیها ویلقی علیها طینه.

ہو جائے گا اگر اس کو آباد کیا ہو امام کی اجازت سے۔

تشریح دجلہ یا فرات جیسی ندی کا پانی ہٹ گیا تھا اور دوبارہ اس جگہ پر آنے کا امکان نہیں ہے تو وہ موات زمین کی طرح ہے۔ جو اس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن اس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جگہ کسی آباد کرنے والے کا حریم نہ ہو۔ مثلا کسی کا باندھ وغیرہ نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ امام کی اجازت سے آباد کیا ہو۔

وجہ امام کی اجازت کی شرط پہلے گزر چکی ہے۔ اور دوسرے کا حریم نہ ہو اس لئے کہا کہ اس پر کسی کا قبضہ ہو تو وہ زمین موات کے حکم میں نہیں ہوئی۔

[۱۶۷۲](۱۱) جس کی نہر ہو دوسرے کی زمین میں تو اس کے لئے حریم نہیں ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک مگر یہ کہ اس پر بینہ ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لئے نہر کی پٹری ہوگی جس پر چل سکے اور اس پر مٹی ڈال سکے۔

تشریح ایک تو یہ ہے کہ موات زمین میں نہر کھودے۔ اس وقت نہر کے ساتھ حریم بھی لازمی ہوگا ورنہ نہر کی مٹی کہاں ڈالے گا۔ یہاں یہ مسئلہ ہے کہ دوسرے کی زمین میں کسی کی نہر کا ثبوت ہوا تو نہر کی ثبوت کی وجہ سے کیا اس کو حریم کی جگہ بھی مل جائے گی یا نہیں؟ تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بغیر بینہ کے حریم کی جگہ نہیں ملے گی۔

وجہ دوسرے کی زمین ہے اس لئے نہر کے ثبوت سے حریم کا ثبوت ہونا ضروری نہیں جب تک کہ اس کے لئے بینہ نہ ہو (۲) اور چونکہ حدیث میں کنویں اور چشمے کے لئے حریم کا ثبوت ہے، نہر کے لئے حریم کا ثبوت نہیں ہے اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کر کے دوسرے کی زمین میں حریم کا ثبوت نہیں کریں گے۔

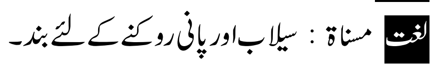
اصول اس اصول پر ہے کہ دوسرے کی زمین پر بغیر بینہ کے حریم ثابت نہیں ہوگا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نہر کا ثبوت ہو گیا تو پتلی سی پٹری کا ثبوت اس کے لوازم میں سے ہے۔ ورنہ نہر والا پانی پلانے کے لئے چلے گا کہاں؟ نہر کی مٹی کھودنی ہوگی تو کہاں ڈالے گا۔ اس لئے پتلی پٹری اور بند تو لازمی طور پر دینا ہوگا جو اس کی ضرورت کی ہو۔

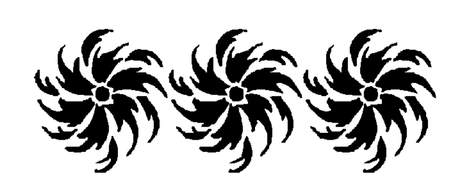
وجہ کسی چیز کا ثبوت اس کے لوازم کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے پٹری دینا ہوگا (۲) حدیث گزر چکی ہے **وحریم العین السائحة ثلاث مائة ذراع وحریم عین الزرع ست مائة ذراع** (الف) (دار قطنی، کتاب الاقضیة والاحکام ج رابع ص ۱۴۲ نمبر ۴۴۷۳) کہ چشمے کے لئے تین سو ہاتھ اور چھ سو ہاتھ حریم ہے۔ تو نہر بھی چشمے کی قسم ہے اس لئے اس کے لئے بھی حریم کا ثبوت ہوگا۔

حاشیہ : (الف) زمین پر بہنے والے چشمے کا حریم تین سو ہاتھ ہے۔ اور کاشتکاروں کے چشمے کا حریم چھ سو ہاتھ ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ کوئی چیز ثابت ہوگی تو اس کے لوازم بھی خود بخود ثابت ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ ضروری ہیں۔



لغت مسناۃ : سیلاب اور پانی روکنے کے لئے بند۔



﴿ کتاب الماذون ﴾

[۱۶۷۳](۱)اذا اذن المولی لعبدہ اذنا عاما جاز تصرفہ فی سائر التجارات[۱۶۷۴](۲) ولہ ان یشتری ویبیع ویرھن ویسترھن.

﴿ کتاب الماذون ﴾

ضروری نوٹ ایسا غلام جس کو مولی نے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اب اسکو تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اسکو ماذون غلام کہتے ہیں۔یا بچے کو ولی نے تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اس کو ماذون بچہ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت حدیث میں ہے۔**عن انس بن مالک قال حجم ابو طیبة النبی ﷺ فامر لہ بصاع او صاعین من طعام وکلم موالیہ فخفف عن غلتہ او ضریبتہ** (الف)(بخاری شریف، باب ضریبۃ العبد وتعاهد ضرائب الاماء ص.....نمبر ۲۲۷۷)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو طیبہ غلام تھے اور مولی نے اس کو اجرت پر کام کرنے کی اجازت دی تھی۔اور اسی ضمن میں تجارت کی اجازت کا معاملہ بھی آئے گا۔

اصول اس باب کے مسائل اس اصول پر طے ہوں گے کہ مولی کو غلام کی تجارت یا کاموں سے نقصان نہ ہو۔البتہ چونکہ وہ عاقل بالغ ہے اس لئے تجارت کے درمیان کسی چیز کا اقرار کر لیا یا کوئی ایسی حرکت کی جس سے غلام پر جرمانہ لازم ہوتا ہو تو وہ اس کے آزاد ہونے کے بعد وصول کیا جائے گا تا کہ مولی کو نقصان نہ ہو(۲) یہ اصول بھی کارفرما ہوگا کہ تجارت کے درمیان معاون رواداری اور کھلانا پلانا کر سکتا ہے جو تجارتی معاشرے میں رائج ہیں۔

[۱۶۷۳](۱)اگر مولی نے غلام کو عام اجازت دی تو اس کا تصرف تمام تجارتوں میں جائز ہے۔

تشریح مولی نے غلام کو تجارت کی اجازت دیتے وقت کسی خاص چیز کے خریدنے یا بیچنے کی تخصیص نہیں کی تو اس سے عام اجازت ہوگی اور غلام تمام تجارتوں میں آزاد ہوگا۔یعنی تمام تجارتوں کی اہلیت حاصل ہو جائے گی۔البتہ تجارت وہی کرے جو مولی کی مرضی ہو۔

وجہ اثر میں ہے۔**قال سفیان ونحن نقول اذا بعثہ بمال کثیر یبتاع بہ قلنا اذن لہ فی التجارة وغر الناس منہ وان کان انما بعث بالدرھم والدرھمین فلیس بشیء** (ب)(مصنف عبد الرزاق، باب العبد الماذون ماوقت اذنہ، ج ثامن، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۲۳۰)

[۱۶۷۴](۲)اس کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور رہن پر رکھنے دے اور رہن پر رکھے۔

تشریح چونکہ مولی کی جانب سے تمام تجارتوں کی اہلیت ہوگئی ہے اس لئے وہ آزاد آدمی کی طرح کسی بھی چیز کو خرید سکتا ہے، اپنا مال رہن پر رکھ سکتا ہے، اور کسی کے مال کو اپنے پاس رہن پر رکھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف)حضرت ابو طیبہ نے حضور کو پچھنا لگایا اور آپؐ نے ان کے لئے ایک صاع یا دو صاع کھانا دینے کا حکم دیا اور ان کے آقا سے بات کی تو اس کے غلے یا تاوان میں سے تخفیف کر دی (ب)حضرت سفیان نے فرمایا اگر غلام کو بہت سا مال لیکر بیچنے کے لئے بھیجا تو ہم کہیں گے اس کو تجارت میں اجازت ہے۔اور لوگ اس سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔اور اگر اس کو بھیجا ایک درہم اور دو درہم لیکر تو کچھ نہیں ہے یعنی تجارت کی اجازت نہیں ہے۔

[۱۶۷۵](۳) وان اذن لہ فی نوع منھا دون غیرہ فھو ماذون فی جمیعھا[۱۶۷۶](۴) فاذا اذن لہ فی شیء بعینہ فلیس بماذون [۱۶۷۷](۵) واقرار الماذون بالدیون والمغصوب جائز.

وجہ یہ سب کام تجارت کے معاون ہیں اور تجارت میں ان کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے یہ سب کام غلام کر سکتا ہے۔

[۱۶۷۵](۳) اگر اس کو اجازت دی اس میں سے ایک قسم کی نہ کہ دوسرے کی تو اس کو اجازت ہوگی اس کے تمام میں۔

تشریح مولی نے کسی ایک قسم کی چیز میں تجارت کرنے کی اجازت دی تو تمام چیزوں کی تجارت کی اہلیت ہو جائے گی۔ تجارت کی اہلیت ہونا اور چیز ہے۔ البتہ تجارت اسی چیز کی کرے گا جس کی مولی نے کہا ہے۔

وجہ اصل یہ ہے کہ مولی کی اجازت سے پہلے غلام میں تجارت کرنے کی اہلیت نہیں تھی۔ جب اس نے ایک قسم میں تجارت کی اجازت دی تو تمام قسموں کی تجارت کی اہلیت ہوگئی اور وہ تمام قسموں میں ماذون سمجھا جائے گا۔ اور اس کی خرید و فروخت کرے گا تو نافذ ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ مصلحت کے خلاف ہو یا مولی کا نقصان ہو تو متعینہ چیز کے علاوہ کی تجارت نہ کرے۔

فائدہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اجازت مولی کی جانب سے موصول ہوتی ہے اس لئے وہ جس خاص چیز کی تجارت کی اجازت دی ہے اسی میں ماذون ہوگا باقی چیزوں میں ماذون نہیں ہوگا۔

[۱۶۷۶](۴) پس اگر اس کو اجازت دی کسی متعین چیز میں تو وہ ماذون نہیں ہے۔

تشریح مولی نے غلام سے مثلا کہا کہ فلاں کپڑا خرید کر لے آؤ تو اس صورت میں تجارت کی اجازت نہیں ہوئی بلکہ خدمت کے لئے کوئی خاص چیز خرید کر لانا ہے۔ اس لئے اس سے تجارت کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ غلام ماذون ہوگا۔

وجہ اگر اس تھوڑی سی چیز کے خریدنے سے غلام ماذون ہو جائے تو خدمت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس لئے یہ تجارت کی اجازت نہیں ہے (۲) عام معاشرے میں بھی تجارت کرنا اور چیز ہے جس کو دکانداری کہتے ہیں، اور سودا سلف خرید لانا اور چیز ہے۔ یہ اجازت سودا سلف خرید کر لانے کی ہے (۲) اثر میں ہے۔ ان شریحا اذا جعل عبدہ فی صنف واحد ثم عداھا الی غیرہ فلا ضمان علیہ (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب العبد الماذون ما وقت اذنہ ج ثامن ص ۲۸۳ نمبر ۱۵۲۲۸) اس سے معلوم ہوا کہ جس میں اجازت دی اسی کی اجازت ہوگی (۳) اثر نمبر ۱۵۲۳۰ میں تھا کہ ایک درہم دے کر خریدنے کے لئے بھیجنے سے عام اجازت نہیں ہوگی۔

[۱۶۷۷](۵) ماذون کا اقرار دین کا اور غصب کا جائز ہے۔

تشریح ماذون غلام اقرار کرے کہ مجھ پر فلاں کا دین ہے یا میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے جس کا ادا کرنا مجھ پر لازم ہے تو ایسا اقرار کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) اگر غلام کو ایک چیز کی تجارت کرنے کی اجازت دی پھر اس سے تجاوز کر گیا تو مولی پر ضمان نہیں ہے۔

[۱۶۷۸](۶)ولیس له ان یتزوج ولا ان یزوج ممالیکه[۱۶۷۹](۷) ولا یکاتب ولا یعتق علی مال[۱۶۸۰](۸) ولا یهب بعوض ولا بغیر عوض[۱۶۸۱](۹) الا ان یهدی الیسیر من الطعام او یضیف من یطعمه[۱۶۸۲](۱۰)ودیونه متعلقة برقبته یباع فیها

وجہ یہ سب تجارت کے لوازمات ہیں۔اس لئے تجارت کی اجازت کی وجہ سے ان چیزوں کی اجازت ہو جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک چیز کی اجازت سے اس کے لوازم کی اجازت ہو جائے گی۔

[۱۶۷۸](۶)ماذون کے لئے جائز نہیں ہے کہ شادی کرے اور نہ یہ کہ اپنے مملوک کی شادی کرائے۔

وجہ غلام کی شادی کرنے سے نقصان ہے۔کیونکہ نان نفقہ ادا کرنا ہوگا۔نیز یہ تجارت میں سے نہیں ہے اس لئے خود کی شادی نہیں کر سکتا۔اور یہی نقصان مملوک کی شادی کرانے میں ہے۔اس لئے اپنے مملوک غلام باندی کی بھی شادی نہیں کرا سکتا۔نیز یہ تجارت کے لوازمات یا معاون نہیں ہے اس لئے بھی نہیں کروا سکتا۔

فائدہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں باندی کی شادی کرانے سے بچہ ہوگا جو باندی اور غلام ہوں گے اور باندی کا بھی مہر آئے گا جو فائدے کی چیز ہے اس لئے ماذون غلام اپنی باندی کی شادی کرا سکتا ہے۔

[۱۶۷۹](۷)اور نہ مکاتب بنائے اور نہ مال پر آزاد کرے۔

تشریح ماذون غلام اپنے غلام کو مکاتب نہیں بنا سکتا اور نہ مال کے بدلے آزاد کر سکتا ہے۔

وجہ اگر چہ اس صورت میں مال آئے گا لیکن چونکہ مکاتب بنانا اور مال کے بدلے آزاد کرنا تجارت کے لوازم یا معاون میں سے نہیں ہیں۔اس لئے ماذون غلام یہ نہیں کر سکتا۔

[۱۶۸۰](۸)اور نہ ہبہ کرے عوض سے اور نہ بغیر عوض کے۔

وجہ بغیر عوض کے ہبہ کرنا مولی کو سراسر نقصان دینا ہے اس لئے بغیر عوض کے ماذون ہبہ نہیں کر سکتا۔اور عوض کے بدلے کرے تو اس میں ابتداءً مفت ہے اور انتہاءً بدلہ ہے اس لئے یہ بھی نہیں کر سکتا۔نیز ہبہ کرنا لوازم تجارت میں سے نہیں ہے اس لئے نہیں کر سکتا۔

[۱۶۸۱](۹)مگر یہ کہ تھوڑا سا کھانا ہدیہ کرے یا اس کی مہمانداری کرے جس نے اس کو کھلایا ہے۔

تشریح ماذون کو جو روزانہ کا کھانا ملتا ہے اس میں سے کسی کی مہمانداری کرنا چاہے یا تحفہ دینا چاہے جو عام معاشرے میں دیتے ہیں تو دے سکتا ہے۔کیونکہ اس سے تجارت بڑھے گی اور گاہک آئیں گے یا جو آدمی اس کو کبھی کبھار کھانا کھلاتا ہے اس کی مہمانداری کر دی تو یہ جائز ہے۔

وجہ یہ تھوڑی بہت چیز معاشرتی اجازت کے تحت ہے اس لئے اس کی اجازت ہوگی۔

[۱۶۸۲](۱۰)اور اس کے قرض متعلق ہوں گے ماذون کی گردن کے ساتھ، وہ قرض خواہوں کے لئے بیچا جائے گا مگر یہ کہ مولی اس کا بدلہ دے دے۔اور اس کی قیمت تقسیم کی جائے گی ان کے درمیان حصوں کے مطابق۔

للغرماء الا ان یفدیه المولی ویقسم ثمنه بینهم بالحصص[۱۶۸۳](۱۱) فان فضل من دیونه شیء طولب به بعد الحریة[۱۶۸۴](۱۲) وان حجر علیه لم یصر محجورا علیه حتی یظهر الحجر بین اهل السوق[۱۶۸۵](۱۳) فان مات المولی او جن او لحق بدار

تشریح تجارت کی وجہ سے جو کچھ قرض آیا یہ ماذون غلام کی گردن پر ہوگا۔ جس کی وجہ سے پہلے غلام کے پاس جو کمایا ہوا مال ہے اس سے قرض ادا کیا جائے گا۔ اس سے بھی پورا نہ ہو تو غلام کو بیچ دیا جائے گا اور اس کی قیمت سے قرض والوں کا قرض ادا کیا جائے گا۔ اور وہ بھی قرض والوں کے حصے کے مطابق یعنی مثلا چار آدمیوں کے پانچ پانچ سو درہم قرض ہیں۔ اور قیمت میں ایک ہزار درہم آئے تو ہر ایک کو اس کے قرض کے آدھے حصے ملیں گے یعنی ہر ایک کو ڈھائی ڈھائی سو دیئے جائیں گے۔ ایک ہی قرض خواہ کو سب نہیں دے دیا جائے گا۔ اسی کو 'بالحصص' کہتے ہیں۔ تا کہ قرض والوں کا نقصان نہ ہو۔ ہاں مولی اپنی جیب سے قرض ادا کر دے تو اب غلام نہیں بیچا جائے گا۔ کیونکہ قرض والوں کو قرض مل گیا۔ عن ابراهیم قال یباع العبد فی دین وان کان اکثر من قیمته (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یباع العبد فی دینہ؟، ج ثامن ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۲۳۷) اس اثر میں ہے کہ غلام کو دین میں بیچا جائے گا۔

فائدہ امام شافعی اور امام زفر ماتے ہیں کہ قرض میں غلام نہیں بیچا جائے گا۔

وجہ کیونکہ اس سے مولی کا فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔

[۱۶۸۳] (۱۱) پس اگر اس کے قرض میں سے کچھ بچ جائے تو اس کا مطالبہ کیا جائے گا آزادگی کے بعد۔

تشریح قرض اتنا تھا کہ غلام کو بیچنے کے بعد جو قیمت آئی اس سے بھی قرض ادا نہیں ہوا بلکہ کچھ قرض باقی رہ گیا تو یہ قرض مولی سے وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس نے نہیں لیا ہے۔ اور اس کا غلام تو ایک مرتبہ بک چکا ہے۔ اور قرض والوں کا نقصان نہ ہو اس لئے یہی صورت باقی رہی کہ جب یہ ماذون غلام آزاد ہو اس وقت اس سے بقیہ قرض کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اس سے وصول کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حتی الامکان قرض دینے والے کو نقصان نہ ہو۔

[۱۶۸۴] (۱۲) اگر اس پر حجر کیا تو اس پر حجر نہیں ہوگا یہاں تک کہ حجر ظاہر ہو جائے بازار والوں کے درمیان۔

تشریح مولی نے غلام ماذون کو تجارت کرنے سے روک دیا اور حجر کر دیا تو بازار کے اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو تب حجر ہوگا۔ اگر ایک دو آدمی کو حجر کا علم ہوا تو ابھی حجر نہیں ہوگا۔ اس درمیان غلام نے تجارت کر لی تو نافذ ہو جائے گی۔

وجہ اگر اکثر لوگوں کو علم نہ ہو تو ممکن ہے کہ یہ سمجھ کر کہ ابھی اس پر حجر نہیں ہوا ہے اس سے خرید و فروخت کر لے اور ان کو نقصان ہو جائے۔ اس لئے اکثر لوگوں کو علم ہونا ضروری ہے۔

لغت حجر : غلام کو تجارت کرنے سے منع کرنا۔

[۱۶۸۵] (۱۳) اگر مولی مر گیا یا اس پر جنون طاری ہو گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو ماذون مجور ہو جائے گا۔

الحرب مرتدا صار الماذون محجورا عليه[١٦٨٦](١٤) ولو ابق العبد الماذون صار محجورا عليه[١٦٨٧](١٥) واذا حجر عليه فاقراره جائز فيما في يده من المال عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا لايصح اقراره[١٦٨٨](١٦) واذا لزمته ديون تحيط بماله

تشریح مولی مر گیا تو جو غلام ماذون تھا اب وہ تجارت نہیں کر سکے گا مجور ہو جائے گا۔ یا مولی مجنون ہو گیا یا مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا اور وہاں مل گیا تو ان صورتوں میں مجور کرنے کی ضرورت نہیں۔ غلام خود بخود مجور ہو جائے گا۔

وجہ خود مولی جو اصیل ہے اس میں تجارت کرنے کی اہلیت نہیں رہی تو دوسرے کو تجارت کرنے کی اجازت کیسے دے گا۔ اس لئے مولی پر یہ سب حالات طاری ہوتے ہی ماذون مجور ہو جائے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصیل میں تجارت کرنے کی صلاحیت نہیں رہی تو فرع سے بھی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔

[١٦٨٦] (١٤) اگر ماذون غلام بھاگ گیا تو مجور ہو جائے گا۔

وجہ بھاگنے والے غلام پر تاجروں کا کیا اعتماد رہے گا؟ اور خود مولی اس پر تجارت کرنے کا اعتماد کیسے کرے گا؟ کیونکہ وہ تو مال لیکر ہی غائب ہو جائے گا۔ اس لئے بھاگنے والا غلام بھاگتے ہی مجور ہو جائے گا۔

[١٦٨٧] (١٥) اگر حجر کر دے اس پر تو اس کا اقرار جائز ہے اس مال کے بارے میں جو اس کے ہاتھ میں ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا اس کا اقرار صحیح نہیں ہے۔

تشریح مولی نے ماذون غلام کو حجر کر دیا۔ اب اس کے قبضے میں جو مال ہے اس کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ مال فلاں کی امانت ہے۔ یا مال فلاں کا غصب کیا ہوا ہے۔ یا مجھ پر فلاں کا اتنا دین ہے اس کے بدلے میں یہ مال دینا ہے تو اس مال کے بارے میں اس قسم کا اقرار کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ اقرار کا دارو مدار قبضہ ہے۔ اور غلام کا قبضہ اس مال پر ہے اس لئے وہ اقرار کر سکتا ہے (۲) ماذون ابھی ابھی مجور ہوا ہے اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ذمے جو لوگوں کے حقوق آتے ہیں ان سے یہ فارغ ہونا چاہتا ہے اس لئے اس کا اقرار درست ہوگا۔ البتہ جو مال مولی نے لے لیا اور ماذون غلام کے قبضہ میں نہیں رہا اس کے بارے میں کوئی اقرار نہیں کر سکتا۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ اب وہ مجور ہو چکا ہے اس لئے اقرار کرنے کا اختیار اس کو نہیں رہا اس لئے وہ اقرار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو مال غلام کے ہاتھ میں ہے وہ مولی کا مال ہے اور دوسرے کے مال میں کسی کے لئے اقرار کرنا جائز نہیں ہے۔

[١٦٨٨] (١٦) اگر ماذون کو دین لازم ہو جائے جو اس کے مال اور جان کو گھیر لے تو مولی نہیں مالک ہوگا اس کا جو اس کے ہاتھ میں ہے

تشریح ماذون غلام پر اتنا قرض ہو جائے کہ جو مال اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی بک جائے اور خود غلام کو بھی بیچ کر دین ادا کرنا چاہے تو ادا نہ ہو سکے۔ مثلا غلام اور اس کے مال کی قیمت پانچ ہزار درہم ہیں اور اس پر چھ ہزار قرض ہو گیا ہو تو اب اس کی جان اور مال سب قرض میں گھرا

ورقبته لم یملک المولی مافی یده[۱۶۸۹](۱۷) فان اعتق عبیده لم تعتق عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله یملک ما فی یده[۱۶۹۰](۱۸) واذا باع عبد ماذون من

ہوا ہے۔اور گویا کہ مولی کے غلام کے پاس کچھ بھی نہیں رہا سب قرض خواہوں کا ہوگیا۔اس لئے مولی اس غلام کے مال کا مالک نہیں رہا۔اب غلام کے مال کو خرچ کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔تاہم غلام ابھی بھی مولی کا ہے اگر مال مولی کا نہیں رہا۔

وجہ معنوی طور پر یہ مال اور غلام ماذون کی جان قرض والوں کا ہوگیا ہے(۲)اثر میں اس کا اشارہ ہے۔**عن الحکم فی العبد الماذون فی التجارۃ قال لا یباع الا ان یحیط الدین برقبته فیباع حینئذ** (الف)(مصنف عبدالرزاق، باب ھل یباع العبد فی دینہ اذا اذن لہ اوالحر؟ ص ۲۸۵ نمبر ۱۵۲۳۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عبد ماذون قرض میں گھر جائے تو بیچا جا سکتا ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلام اور اس کا مال اب مولی کا نہیں رہا۔

[۱۶۸۹](۱۷)اگر ماذون کے غلاموں کو آزاد کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک آزاد نہیں ہوں گے۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مولی مالک ہوگا اس چیز کا جو اس کے ہاتھ میں ہے۔

تشریح چونکہ ماذون غلام کا مال قرض میں گھر چکا ہے اور گویا کہ مولی اس کے مال کا مالک نہیں رہا اس لئے ماذون غلام نے جو غلام خریدا ہے اس غلام کو مولی آزاد کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔

وجہ یہ غلام گویا کہ مولی کے نہیں رہے بلکہ قرض والوں کے ہوگئے اس لئے مولی ماذون غلام کے غلاموں کو آزاد کرے تو آزاد نہیں ہوں گے

اصول اس اصول پر ہے کہ قرض والوں کو نقصان نہ ہو۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں ماذون غلام کے مال اور جان چاہے قرض میں گھر چکے ہوں پھر بھی وہ مولی کا مال ہے اس لئے مولی اس کے مال کو استعمال کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔اسی طرح ماذون غلام کے خریدے ہوئے غلاموں کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کرسکتا ہے۔البتہ اس صورت میں مولی قرض خواہوں کے قرضوں کا ذمہ دار ہوجائے گا۔

وجہ چاہے مال اور جان قرض میں گھر گئے ہوں پھر بھی وہ مولی کا مال ہے اس لئے مولی اس کے مال کو استعمال بھی کرسکتا ہے اور اس کے خریدے ہوئے غلام کو آزاد بھی کرسکتا ہے(۲)اثر میں اس کا ثبوت ہے۔**عن الزهری قال اذا اعتق الرجل عبده وعلیه دین فالدین علی السید** (ب)مصنف عبدالرزاق، باب ھل یباع العبد فی دینہ اذا اذن لہ اوالحر ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۴۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی غلام کو آزاد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔البتہ اس کا قرض مولی کے ذمے ہوجائے گا۔کیونکہ اس نے قرض والوں کو گویا کہ نقصان دیا ہے۔

اصول ان کا اصول یہ ہے کہ ماذون کا مال بہر حال مولی کی ملکیت ہے۔اور ملکیت میں تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے۔

[۱۶۹۰](۱۸)اگر ماذون غلام نے مولی سے کوئی چیز قیمت سے بیچی تو جائز ہے۔

حاشیہ : (الف)ماذون غلام کے بارے میں حضرت حکم نے فرمایا کہ وہ بیچا نہیں جائے گا مگر یہ قرض اس کی گردن کو گھیر لے پھر اس وقت بیچا جائے (ب)حضرت زہری نے فرمایا اگر آدمی اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس پر دین ہو تو دین آقا پر ہوگا۔

المولی شیئا بمثل قیمته او اکثر جاز [۱۶۹۱](۱۹)وان باع بنقصان لم یجز[۱۶۹۲](۲۰) وان باعه المولی شیئا بمثل القیمة او اقل جاز البیع[۱۶۹۳](۲۱)فان سلمه الیه قبل قبض الثمن بطل الثمن[۱۶۹۴](۲۲) وان امسکه فی یده حتی

تشریح ماذون غلام جودین میں گھرا ہوا تھا اپنے مولی سے کوئی چیز بیچی اور وہی قیمت لی جو بازار میں ہے تو جائز ہے۔

وجہ اس لئے کہ مولی نے اجنبی کی طرح اس کو پوری قیمت دی ہے اور کوئی نقصان نہیں دیا اس لئے جائز ہوگا۔

[۱۶۹۱](۱۹)اور اگر بیچا نقصان کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے گزر چکا ہے کہ ماذون غلام پر اتنا قرض ہو کہ اس کی جان اور مال گھر چکی ہو تو اس کا مال اب مولی کا نہیں رہا۔اس لئے مولی کم قیمت میں خریدے گا تو اس پر تہمت ہوگی کہ یہ قرض والوں کو نقصان دینا چاہتا ہے۔اس لئے کم قیمت میں غلام ماذون سے خریدنا جائز نہیں ہے۔

[۱۶۹۲](۲۰)اگر مولی نے غلام ماذون سے کوئی چیز مثل قیمت یا کم قیمت میں بیچی تو جائز ہے۔

تشریح غلام ماذون قرض میں گھرا ہوا تھا ایسی حالت میں اس کے مولی نے کائی چیز اس کے ہاتھ میں بیچی تو مثل قیمت میں بیچے تب بھی جائز ہے اور جتنی قیمت تھی اس سے بھی کم میں بیچی تب بھی جائز ہے۔

وجہ اگر مثل قیمت میں بیچی تب تو غلام کو کوئی نقصان نہیں دیا اس لئے جائز ہوگی۔اور اگر کم قیمت میں بیچی تب بھی جائز ہوگی کیونکہ اس صورت میں غلام ماذون کا فائدہ ہوا۔اور مولی فائدہ کردے تو کیوں جائز نہ ہو اس لئے جائز ہوگی۔

اصول وہی ہے کہ قرض خواہوں کو نقصان نہ ہو۔

[۱۶۹۳](۲۱)پس اگر مولی نے غلام کو مبیع سپرد کر دیا قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے تو ثمن باطل ہو جائے گا۔

تشریح مولی نے ماذون غلام جودین میں گھرا ہوا تھا اس سے کوئی چیز بیچی اور اس کی قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے مولی نے غلام کو مبیع دے دی تو قاعدے کے اعتبار سے اس کی قیمت باطل ہو جائے گی۔

وجہ یہ قیمت ماذون پر قرض ہوئی اور قاعدہ ہے کہ مولی کا اپنے غلام پر کوئی قرض نہیں ہوتا کیونکہ غلام سارا کا سارا مولی کا ہی ہے۔اس لئے اس پر قرض کیسا؟ اس لئے قیمت باطل ہو جائے گی۔یعنی قضاء قاضی سے مولی اپنے غلام سے مبیع کی قیمت لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔البتہ اخلاقی طور پر غلام کو قیمت دے دینی چاہئے۔

اصول یہ اس اصول پر ہے کہ مولی کا کوئی قرض اپنے غلام پر نہیں ہوتا۔کیونکہ پورا غلام مولی کا ہی ہے۔

[۱۶۹۴](۲۲)اور اگر مبیع روک لے اپنے ہاتھ میں تو جائز ہے۔

تشریح مولی نے ماذون کے ہاتھ میں کچھ بیچا پھر سوچا کہ پہلے دے دوں گا تو قاعدے کے اعتبار سے اس کی قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا اس لئے مبیع اپنے ہاتھ میں روک کر غلام سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا تو جائز ہے۔

يستوفی الثمن جاز[١٦٩٥](٢٣) وان اعتق المولی العبد الماذون وعليه ديون فعتقه جائز والمولی ضامن بقيمته للغرماء[١٦٩٦](٢٤) وما بقی من الديون يطالب به المعتق.

وجہ بیچتے وقت مولی اجنبی کی طرح ہے اس لئے اپنی مبیع کی قیمت وصول کرنے کے لئے ماذون سے مبیع روک سکتا ہے۔

لغت امسک : روک لے، یستوفی : وصول کرے۔

[۱۶۹۵](۲۳) اور اگر مولی نے ماذون غلام کو آزاد کر دیا اور اس پر قرض ہو تو اس کا آزاد کرنا جائز ہے اور مولی اس کی قیمت کا ضامن ہوگا قرض خواہوں کے لئے۔

تشریح پہلے گزر چکا ہے کہ چاہے ماذون غلام پر اتنا قرض آ جائے کہ اس کی جان اور کمائی سب گھر جائیں پھر بھی غلام کی جان مولی کی ہے۔ اگر چہ اس کی کمائی مولی کی شمار نہیں ہوگی۔ اس لئے اگر مولی اس غلام کو آزاد کرنا چاہے تو جائز ہے۔ البتہ غلام کی جتنی قیمت ہے قرض خواہوں کے لئے اتنے کا ذمہ دار مولی ہوگا۔ اور اتنی رقم مولی کو ادا کرنی ہوگی تا کہ وہ قرض والوں کے درمیان فیصد کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔ مثلا غلام پر چھ ہزار درہم قرض تھے اور غلام پانچ ہزار کا تھا تو مولی پانچ ہزار قرض والوں کو دے گا۔

وجہ اس لئے کے مولی نے غلام آزاد کر کے قرض والوں کو اتنا نقصان دیا ہے (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **قال اصحابنا حماد وغيره فقالوا اذا اعتقه وعليه دين فقيمة العبد علی السيد و يبيعه غرماء ه فيما زاد علی القيمة** (الف) مصنف عبد الرزاق، باب هل يباع العبد فی دينه اذا اذن له اوالحرج ثامن ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی آزاد کرے تو غلام کی جتنی قیمت ہے اتنے کا ذمہ دار مولی ہوگا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مولی نے جتنا نقصان کیا ہے اتنے ہی کا ذمہ دار ہوگا۔

[۱۶۹۶](۲۴) اور جو باقی قرض میں سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا آزاد سے۔

تشریح غلام کی قیمت کے علاوہ جتنا زیادہ قرض ہو۔ اوپر کی مثال میں ایک ہزار تھا تو وہ غلام کے آزاد ہونے کے بعد اس سے ہی مطالبہ کیا جائے گا۔

وجہ اصل میں اس نے ہی لوگوں سے قرض لیا تھا اس لئے قیمت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مولی کے بجائے غلام سے وصول کیا جائے گا (۲) اوپر کے اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ اوپر کے اثر میں یہ جملہ زیادہ ہے **قال اصحابنا حماد وغيره فان فضل شیء عن قيمة العبد ابتع به العبد** (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب هل يباع العبد فی دينه اذا اذن له اوالحرج ثامن ص ۲۸۶ نمبر ۱۵۲۴۳) اس اثر میں ہے قیمت سے زیادہ آزاد کردہ غلام سے وصول کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) ہمارے اصحاب حضرت حماد وغیرہ نے فرمایا اگر ماذون کو آزاد کرے اور اس پر دین ہو تو غلام کی قیمت آقا پر ہوگی اور قرض خواہ اس کو بیچیں گے اس کے بدلے جو قیمت سے زیادہ ہو۔ (ب) حضرت حماد وغیرہ نے فرمایا غلام کی قیمت سے دین کچھ زیادہ ہو تو غلام سے وصول کیا جائے گا۔

[۱۶۹۷](۲۵) واذا ولدت الماذونة من مولٰیھا فذلک حجر علیھا[۱۶۹۸](۲۶) وان اذن ولی الصبی للصبی فی التجارة فھو فی الشراء والبیع کالعبد الماذون اذا کان یعقل البیع والشراء.

[۱۶۹۷](۲۵) اگر ماذونہ باندی نے بچہ دیا اپنے مولی سے تو اس پر حجر ہے۔

تشریح آقا نے باندی کو تجارت کرنے کی اجازت دی تھی۔اس درمیان مولی سے باندی کو بچہ پیدا ہو گیا اور باندی اب مولی کی ام ولد بن گئی۔ اور اس میں آزادگی کا شائبہ آ گیا کہ مولی کے مرنے کے بعد ام ولد آزاد ہو جائے گی۔اس لئے ام ولد بننا اس بات کی دلیل ہے کہ اب تجارت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔اور دلالۃً مولی کی جانب سے تجارت کرنے سے حجر ہو گیا۔

وجہ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اب مولی اس کو پردہ میں رکھنا چاہے گا عام باندی کی طرح اختلاط پسند نہیں کرے گا۔اس لئے گویا کہ حجر ہو گیا (۲) اگر ام ولد پر قرض ہو گیا تو چونکہ اس میں آزادگی کا شائبہ آ چکا ہے اس لئے وہ بیچی نہیں جائے گی تو قرض کی ادائیگی کیسے ہوگی۔اس کی وجہ سے قرض والوں کو نقصان ہوگا۔اور مولی دے گا نہیں کیونکہ اس نے قرض دینے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔اس لئے ام ولد ہونا حجر شمار ہوگا۔

نوٹ مولی ام ولد بننے کے بعد دوبارہ تجارت کرنے کی اجازت دے تو ماذون ہو جائے گی۔اور اس صورت میں ام ولد پر جو قرض ہوگا وہ مولی اپنی جیب سے ادا کرے گا۔کیونکہ اس نے دوبارہ اجازت دی ہے۔اور ام ولد تو بک نہیں سکتی ہے اس لئے مولی ہی قرض کا ذمہ دار ہوگا۔**عن الزھری قال اذن لہ سیدہ فی الشراء فھو ضامن لدینہ** (الف) (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۱۵۲۳۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مولی ام ولد کے قرض کا ضامن ہوگا۔

[۱۶۹۸](۲۶) اگر بچے کے ولی نے بچے کو تجارت کی اجازت دی تو وہ خریدنے اور بیچنے میں ماذون غلام کی طرح ہوگا جبکہ وہ خرید و فروخت سمجھتا ہو۔

تشریح بچہ اس عمر میں ہے کہ خرید و فروخت کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ وہ کیا ہیں اور کتنے مفید ہیں۔ایسی صورت میں بچے کے ولی نے اس کو تجارت کی اجازت دی تو وہ غلام کی طرح ماذون ہو جائے گا۔اور ہر چیز کی تجارت کی اہلیت اس میں سمجھی جائے گی۔خرید و فروخت نافذ ہوں گے۔اور اگر وہ کسی چیز کے غصب کرنے کا یا امانت ہونے کا یا دین ہونے کا اقرار کرے تو وہ چیز غصب، امانت یا دین سمجھی جائے گی۔ البتہ چونکہ بچہ آزاد ہے اس لئے وہ دین کے لئے بیچا نہیں جائے گا۔بلکہ اس کے ولی کے ذمے قرض کا ادا کرنا ہوگا۔جیسے پہلے غلام کے بارے میں اثر وغیرہ گزر چکا ہے۔

نوٹ بچے کو صرف سودا سلف خریدنے کے لئے بھیجا تو یہ خدمت ہے اس سے تجارت کی اجازت نہیں ہوگی۔تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔بچے کو تجارت کی اجازت دینے کے بارے میں اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے اپنے نکاح کا وکیل اپنے بچے عمر کو بنایا۔**فقال لابنھا یا عمر قم فزوج رسول اللہ فزوجہ** (ب) (نسائی شریف، باب انکاح الابن امہ، ص ۴۵۰، نمبر ۳۲۵۶)

حاشیہ : (الف) حضرت زہری نے فرمایا آقا نے خریدنے کی اجازت دی تو وہ غلام کے دین کا ضامن ہوگا (ب) حضرت ام سلمہؓ نے اپنے بیٹے عمر سے فرمایا اے عمر کھڑے ہو جاؤ اور حضورؐ سے شادی کرا دو۔پس اس نے حضورؐ سے شادی کرا دی۔

﴿کتاب المزارعة﴾

[۱۶۹۹](۱)قال ابو حنیفة رحمه الله تعالی المزراعة بالثلث والربع باطلة وقالا جائزة

﴿ کتاب المزارعة ﴾

ضروری نوٹ مزارعۃ ،زراعت سے مشتق ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کی جانب سے زمین ہو اور دوسرے کی جانب سے بیل یا بیج ہو۔اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں آدھا آدھا یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس کو مزارعت یا مخابرہ کہتے ہیں۔مخابرہ خیبر سے مشتق ہے۔اہل خیبر کو آپؐ نے زمین بٹائی پر دی ہے اس لئے اسی سے مشتق ہو کر بٹائی کو مخابرہ کہتے ہیں۔حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن ابن عمر اخبره ان النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع** (الف)(بخاری شریف، باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ ص ۳۱۳ نمبر ۲۳۲۸ رمسلم شریف، باب المساقات والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱ رابوداؤد شریف، باب فی المساقاۃ ص ۱۲۸ نمبر ۳۴۰۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بٹائی پر زمین دینا جائز ہے۔

[۱۶۹۹](۱)امام ابوحنیفہ نے فرمایا تہائی یا چوتھائی پر کھیتی کرنا باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا جائز ہے۔

تشریح کھیت کو تہائی غلہ یا چوتھائی غلہ پر بٹائی پر دے کہ جو کچھ غلہ نکلے گا اس میں سے دو تہائی تمہارے لئے اور ایک تہائی میرے لئے۔یا تین چوتھائی تمہارے لئے اور ایک چوتھائی میرے لئے ،اس طرح بٹائی پر دینا امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہے۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**زعم ثابت ان رسول الله نهی عن المزارعة وامر بالمواجرة وقال لابأس بها** (ب)(مسلم شریف، باب المزارعۃ والمواجرۃ ص ۱۴ نمبر ۱۵۴۹)اور ابوداؤد میں اس طرح ہے۔**عن زید بن ثابت قال نهی رسول الله ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرة قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع** (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی المخابرۃ ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا حضورؐ نے تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر بٹائی دینے سے منع فرمایا ہے(۳)ابوداؤد میں اس طرح وعید ہے۔**عن جابر بن عبد الله سمعت رسول الله ﷺ یقول من لم یذر المخابرة فلیوذن بحرب من الله و رسوله** (د)(ابوداؤد شریف، باب المخابرۃ ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۶)اس حدیث میں ہے مخابرہ نہ چھوڑے تو اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ کر دو۔اور مخابرہ کے معنی بٹائی ہے اس لئے بٹائی ناجائز ہوگی۔

فائدہ صاحبین فرماتے ہیں کہ تہائی، چوتھائی وغیرہ پر بٹائی پر دینا جائز ہے۔ان کی دلیل ایک تو اوپر کی حدیث ہے۔**عن ابن عمر قال عامل النبی ﷺ خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر وزرع** (ہ)(بخاری شریف، نمبر ۲۳۲۸ رمسلم شریف، نمبر ۱۵۵۱ رابوداؤد شریف، نمبر

حاشیہ : (الف)حضورؐ نے خیبر کو بٹائی پر دیا کچھ حصے کے بدلے میں جو پھل یا غلہ پیدا ہو(ب) آپؐ نے مزارعت سے روکا اور اجرت کا حکم دیا اور کہا اس میں کچھ حرج کی بات نہیں ہے(ج) آپؐ نے منع فرمایا مخابرہ سے۔میں نے کہا مخابرہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ زمین آدھے یا تہائی یا چوتھائی کے بدلے لے(د)حضورؐ نے فرمایا جو بٹائی کو نہ چھوڑے اس کو اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ سنا دو(ہ)حضورؐ نے خیبر کو بٹائی پر دیا آدھے حصے کے بدلے میں جو اس سے پیدا ہو پھل اور کھیتی۔

[۱۷۰۰](۲) وھی عندھما علی اربعة اوجه اذا کانت الارض والبذر لواحد والعمل

۳۴۰۸)اوردوسرااثر ہے۔عن ابی جعفر قال ما بالمدینة اھل بیت ھجرة الا یزرعون علی الثلث والربع الخ(الف) (بخاری شریف، باب المزارعة بالشطر ونحوہ ص۳۱۳ نمبر ۲۳۲۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ بٹائی کرتے تھے جس سے بٹائی کا جواز معلوم ہوا۔ **نوٹ** کتاب الآثار امام محمد اور موطا امام محمد میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تہائی اور چوتھائی پر کھیت کو بٹائی پر دینا مکروہ ہے، باطل نہیں ہے۔محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد انه سأل طاؤسا وسالم بن عند الله عن الزراعة بالثلث او الربع فقال لا بأس به فذکرت ذلک لابراھیم فکرھه ... کان ابو حنیفة یأخذ بقول ابراھیم ونحن نأخذ بقول سالم وطاؤس لا نری بذلک بأسا (ب)(کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعة بالثلث والربع ،ص۱۷۲،نمبر۷۷۴)اور موطا امام محمد میں ہے۔وکان ابو حنیفة یکرہ ذلک (موطا امام محمد، باب المعاملة والمزارعة فی النخل والارض ص ۳۵۷)اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بٹائی مکروہ ہے۔عموم بلوی کی وجہ سے فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

[۱۷۰۰](۲)اور مزارعت صاحبین کے نزدیک چار طریقے پر ہیں (۱) جب زمین اور بیج ایک کے ہوں اور کام اور بیل دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

تشریح یہ پہلی صورت ہے۔اس میں زمین اور بیج ایک فریق کے ہوں اور کام اور بیل دوسرے فریق کے ہوں تو فرماتے ہیں کہ یہ صورت جائز ہے۔

وجہ اس باب میں دو قسم کے نظریئے ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ جس کا بیج ہو پورا غلہ اسی کا ہوگا اور دوسرے فریق کی چیز گویا کہ اجرت پر لی۔مثال مذکور میں زمین اور بیج ایک کا ہے اس لئے اسی کا پورا غلہ ہوگا اور اس نے گویا کہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لیا۔اور چونکہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لے سکتا ہے اس لئے بٹائی جائز ہوگئی (۲) بیج والے کا پورا غلہ ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔فاخبرہ رافع ان رسول الله ﷺ اتی بنی حارثة فرای زرعا فی ارض ظھیر فقال ما احسن زرع ظھیر قالوا لیس لظھیر قال الیس ارض ظھیر؟ قالوا بلی و لکنه زرع فلان قال فخذوا زرعکم وردوا علیه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا الیه النفقة (ج)(ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ذلک ای فی المزارعة ص۱۲۵ نمبر ۳۳۹۹)اس حدیث میں حضرت ظہیر کی زمین تھی اور حضرت رافع کا بیج تھا تو پورا غلہ حضرت رافع کو دلوایا اور زمین والے کو اس کی اجرت دلوادی جس سے معلوم ہوا کہ بیج والے کا

حاشیہ : (الف) ابوجعفر فرماتے ہیں مدینے میں کوئی گھر نہ تھا جو کھیتی نہ کرتا ہو تہائی اور چوتھائی پر (ب) ابوحنیفہ نے حماد سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت طاؤس اور سالم بن عبد اللہ سے پوچھا تہائی یا چوتھائی کے بدلے میں۔پس فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔پھر اس کا تذکرہ حضرت ابراہیم سے کیا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا...امام ابوحنیفہ حضرت ابراہیم کے قول کو لیتے تھے اور ہم سالم اور طاؤس کے قول کو لیتے تھے۔اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ج) آپؐ بنی حارثہ کے پاس آئے تو حضرت ظہیر کی زمین میں کھیتی دیکھا۔آپؐ نے فرمایا ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے! لوگوں نے کہا کہ ظہیر کی نہیں ہے۔آپؐ نے پوچھا یہ ظہیر کی زمین نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں! لیکن کھیتی فلاں کی ہے۔آپؐ نے لوگوں سے فرمایا اپنی کھیتی لے لو اور زمین کی اجرت دے دو۔

والبقر لواحد جازت المزارعة[۱۷۰۱](۳) وان کانت الارض لواحد والعمل والبقر والبذر لآخر جازت المزرعة[۱۷۰۲](۴) وان کانت الارض والبذر والبقر لواحد والعمل لواحد جازت[۱۷۰۳](۵) وان کانت الارض والبقر لواحد والبذر والعمل

سارا غلہ ہوگا اور زمین والے کو اس کی اجرت ملے گی (۲) اس بارے میں کتاب الآ ثار لامام محمد میں ایک اثر بھی ہے۔ عن مجاھد قال اشترک اربعة نفر علی عھد رسول اللہ ﷺ فقال واحد من عندی البذر وقال الآخر من عندی العمل وقال الآخر من عندی الفدان وقال الآخر من عندی الارض قال فالغی رسول اللہ صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمی وجعل لصاحب العمل درھما لکل یوم والحق الزرع کلہ لصاحب البذر (الف) (کتاب الآ ثار لامام محمد، باب المزارعۃ بالثلث والربع ،ص ۱۷۲، نمبر ۷۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غلہ دانے والے کا ہوگا۔

فائدہ ایک نظریہ یہ ہے کہ پورا غلہ زمین والے کا ہوگا اور دوسرے لوگوں کو اس کے کام یا بیل، بیج کی اجرت دے دی جائے گی۔

وجہ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن رافع بن خدیج قال قال رسول اللہ من زرع فی ارض قوم بغیر اذنھم فلیس لہ من الزرع شیء ولہ نفقتہ (ب) (ابو داؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبھا ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۳) اس حدیث میں زمین والے کو پورا غلہ دیا گیا اور کام کرنے والے کو اس کی اجرت دی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ غلہ زمین والے کا ہوگا اور دوسرے کو اس کی اجرت ملے گی۔

[۱۷۰۱] (۳) اور اگر زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

وجہ اس صورت میں کام، بیل اور بیج والا گویا کہ زمین کو غلے کے بدلے اجرت پر لیا ہے۔ اس لئے یہ مزارعت بھی جائز ہو جائے گی۔

[۱۷۰۲] (۴) اور اگر زمین اور بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو بھی جائز ہے۔

وجہ اس صورت میں یہ سمجھی جائے گی کہ زمین اور بیج اور بیل والے نے کام والے کو اجرت پر لیا۔ اس لئے یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ زمین والے کی طرف بیج ہے۔ اس لئے غلہ اس کا ہوگا اور کام کرنے والے کو گویا کہ کچھ غلے کے بدلے اجرت پر لیا۔

[۱۷۰۳] (۵) اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کے ہوں تو باطل ہے۔

تشریح یہ ظاہر روایت ہے۔ ورنہ امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے۔

وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیل زمین کے تابع نہیں ہوگا۔ اس لئے بیج والا صرف زمین کو اجرت پر لے سکے گا۔ اور بیل کو پیدا شدہ غلے کے بدلے اجرت پر لیتے ہیں۔ جو بعد میں زمین ہی سے غلہ پیدا ہوگا اس کے بدلے بیل کو اجرت پر لینے کا رواج نہیں ہے۔ اس لئے بیل نہ زمین کے تابع

حاشیہ : (الف) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں چار آدمی بٹائی میں شریک ہوئے۔ ایک نے کہا میری جانب سے بیج ہے۔ دوسرے نے کہا میری جانب سے کام ہے۔ اور تیسرے نے کہا کہ میرے پاس سے بیل ہے۔ اور چوتھے نے کہا کہ میری جانب سے زمین ہے فرماتے ہیں کہ حضور نے زمین والے کو لغو قرار دیا۔ اور بیل والے کو متعین اجرت دی۔ اور کام والے کو ہر دن کے بدلے ایک درہم دیا اور غلہ کل کے کل بیج والے کو دیا (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے کسی قوم کی زمین میں بغیر اجازت کے بویا تو اس کو غلے میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس کے لئے اس کی اجرت ہے۔

لواحد فهی باطلة[۱۷۰۴](۶) ولا تصح المزارعة الا علی مدة معلومة[۱۷۰۵](۷) وان یکون الخارج بینهما مشاعا[۱۷۰۶](۸) فان شرطا لاحدهما قفزانا مسماة فهی باطلة.

ہوااور نہ پیدا ہونے والے غلے کے بدلے اجرت پر لیا جا سکا۔اس لئے بیل استعمال کرنے کی شرط مفت رہی۔اس لئے مزارعت کی یہ صورت فاسد ہوگی۔

[۱۷۰۴](۶)اور نہیں صحیح ہے مزارعت مگر مدت معلوم ہو۔

تشریح بٹائی پر کھیت لیا لیکن یہ واضح نہیں کیا کہ کتنے مہینوں کے لئے لیا ہے تو مزارعت فاسد ہوگی۔

وجہ کھیت والا چاہے گا کہ جلدی چھوڑ دو اور بٹائی والا چاہے گا کہ دیر کروں جس سے جھگڑا ہوگا۔اس لئے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے (۲)اس کے لئے واضح حدیث گزر چکی ہے۔**عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وھم یسلفون فی الثمار السنة والسنتین فقال من سلف فی تمر فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** (الف)(مسلم شریف،باب السلم ص۳۱ نمبر ۱۶۰۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت معلوم ہونی چاہئے۔

[۱۷۰۵](۷)اور یہ کہ پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہو۔

تشریح جو کچھ غلہ پیدا ہو وہ زمین والے اور بٹائی والے کے درمیان مشترک ہو۔ایسا نہ ہو کہ جو غلہ پیدا ہوا اس میں سے مثلا زمین والے کے لئے پہلے سو کیلو مخصوص کر لیا جائے باقی جو بچے اس میں سے دونوں حصہ کرے۔

وجہ کیونکہ مان لیا جائے کہ زمین سے ایک سو کیلو ہی پیدا ہوا تو وہ زمین والے کو مل جائے گا اور بٹائی والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔اس کا کام مفت گیا اس لئے کسی ایک کے لئے مخصوص پیداوار نہ ہو بلکہ پورا غلہ مشترک ہو۔چاہے چوتھائی پر ہو یا تہائی پر ہو(۲) حدیث میں بھی اس سے منع فرمایا ہے۔**سمع رافع بن خدیج قال کنا اکثر اھل المدینة مزدرعا کنا نکری الارض بالناحیة منھا مسمی لسید الارض قال فمما یصاب ذلک وتسلم الارض ومما یصاب الارض ویسلم ذلک فنھینا فاما الذھب والورق فلم یکن یومئذ** (ب)(بخاری شریف،باب ۷،کتاب الحرث والمزارعة ص۳۱۱ نمبر ۲۳۲۷ رمسلم شریف،باب کراء الارض بالذھب والورق ص۱۲ نمبر ۱۵۴۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مخصوص کیلو یا مخصوص جگہ کو متعین کرنا جائز نہیں ہے۔اس سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

[۱۷۰۶](۸)پس اگر شرط کی دونوں نے ایک کے لئے متعین قفیز تو وہ باطل ہے۔

تشریح جتنا غلہ نکلے اس میں سے مثلا سو کیلو زمین والے کے لئے ہوگا پھر باقی غلہ تقسیم ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔دلیل اوپر حدیث گزر چکی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس حال میں کہ لوگ پھلوں میں اک سال اور دو سال کے لئے تجارت کرتے تھے۔پس آپؐ نے فرمایا جو کھجوریں تجارت کرے تو کیل معلوم ہو،وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو(ب) رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہم اکثر اہل مدینہ کھیتی کرتے تھے۔ہم زمین کرایہ پر دیتے،اس میں سے ایک کنارہ زمین والے کے لئے مختص ہوتا۔فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوتا کہ اس کو مرض لگ جاتا اور باقی زمین محفوظ رہتی۔اور ایسا بھی ہوتا کہ زمین کو مرض لگ جاتا اور وہ کنارہ محفوظ رہ جاتا۔اس لئے ہم کو روک دیا گیا۔بہر حال سونے اور چاندی کے بدلے کرایہ پر لینا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

[۱۷۰۷] (۹) وكذلك اذا شرطا ما على الماذيانات والسواقي [۱۷۰۸] (۱۰) واذا صحت المزارعة فالخارج بينهما على الشرط [۱۷۰۹] (۱۱) وان لم تخرج الارض شيئا

لغت قفزان : قفیز کی جمع ہے، مسماۃ : متعین۔

[۱۷۰۷] (۹) ایسے ہی اگر شرط لگائی جو پیدا ہو بڑی ندی پر اور چھوٹی نالیوں پر۔

تشریح یوں شرط لگائی کہ نہر کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلوں میں دونوں شریک ہوں گے۔ یا چھوٹی نالیوں کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلوں میں دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ پہلے وجہ اور حدیث گزر چکی ہے۔ مسلم شریف میں باضابطہ تصریح ہے۔ **قال سألت رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق ؟ فقال لا بأس به انما كان الناس يواجرون على عهد رسول الله ﷺ على الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه فاما شيء معلوم مضمون فلا بأس به** ((الف) (مسلم شریف، باب کراء الارض بالذهب والورق، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۱۵۴۸) اس حدیث میں صراحت ہے کہ بڑی نہر کے کنارے کنارے کے غلے کو کسی ایک کے لئے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ تمام غلے مشترک ہونے چاہئے لغت ماذیانات : ماذیان کی جمع ہے، بڑی ندی، سواقی : ساقیۃ کی جمع ہے، چھوٹی نالی، پانی پلانے کا راستہ۔

[۱۷۰۸] (۱۰) اور جب مزارعت صحیح ہو جائے تو پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگی۔

تشریح اوپر کے تمام شرائط پائے جائیں اور مزارعت صحیح ہو جائے تو اب جن شرطوں پر مزارعت ہوئی تھی مثلا زمین والے کا ایک تہائی غلہ ہوگا اور بٹائی والے کا دو تہائی غلہ ہوگا تو انہیں شرائط کے مطابق دونوں میں غلہ تقسیم کیا جائے گا۔

وجہ حضورؐ نے فرمایا **قال النبي ﷺ المسلمون عند شروطهم** (ب) (بخاری شریف، باب اجر السمسرة ص ۳۰۳ نمبر ۲۲۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو شرط کی رعایت کرنی چاہئے۔

[۱۷۰۹] (۱۱) اور اگر زمین کوئی چیز پیدا نہ کرے تو کام کرنے والے کے لئے کچھ نہ ہوگا۔

تشریح بٹائی میں شرط طے ہوئی تھی کہ جو غلہ پیدا ہوگا اس میں سے کام کرنے والے کو چوتھائی یا تہائی ملے گا۔ اور یہاں زمین سے کوئی پیداوار نہیں ہوئی اس لئے عامل کو کہاں سے دیں گے؟ اور جیب سے دینے کی شرط نہیں تھی۔ تو جس طرح زمین والے کو کچھ نہیں ملا اسی طرح کام کرنے والے کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضرت بن خدیج سے سونے اور چاندی کے بدلے زمین کرایہ پر لینے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لوگ حضور کے زمانے میں اجرت پر رکھتے تھے اس شرط پر کہ نہر کے پاس کا غلہ، نالیوں کے سامنے کا غلہ اور کچھ خاص کھیتی ایک کے لئے ہو۔ پس کبھی ہلاک یہ ہو جاتا اور وہ محفوظ رہ جاتا یا وہ محفوظ رہ جاتا اور یہ ہلاک ہو جاتا۔ پس لوگوں کے لئے کرایہ نہ ہوتا۔ مگر یہ اس لئے حضورؐ نے اس سے ڈانٹا۔ بہر حال کوئی معلوم چیز جو مضمون ہو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا مسلمان شرط کے پابند ہوں۔

فلا شيء للعامل[۱۷۱۰](۱۲) واذا فسدت المزارعة فالخارج لصاحب البذر [۱۷۱۱](۱۳) فان كان البذر من قبل رب الارض فللعامل اجر مثله لا يزاد على مقدار ما شرط له من الخارج وقال محمد له اجر مثله بالغا ما بلغ.

[۱۷۱۰](۱۲)اور اگر مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج والے کی ہوگی۔

وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے جس سے معلوم ہوا کہ پیداوار اصل میں بیج والے کی ہوتی ہے۔اور دوسرے لوگ گویا کہ کام کی اجرت لیتے ہیں۔عن رافع بن خديج ... قالوا بلى ولكنه زرع فلان قال فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا اليه النفقة (الف)(ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ذلک ای فی المزارعۃ ص۱۲۵ نمبر ۳۳۹۹)اس حدیث میں بیج حضرت رافع کا تھا اس لئے غلہ حضرت رافع کو دلوایا اور زمین والے کو اس کی اجرت دی۔اور اثر میں ہے۔عن مجاهد قال اشترک اربعة نفر ... والحق الزرع كله بصاحب البذر (ب)(کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعۃ بالثلث والربع ص۱۷۲)اس اثر میں ہے کہ غلہ تمام کا تمام بیج والے کا ہوگا۔اس لئے جب مزارعت فاسد ہو تو غلہ بیج والے کا ہوگا (۲) یوں بھی غلہ کی بڑھوتری بیج سے ہے اس لئے بھی غلہ بیج والے کو دیا جائے گا۔

[۱۷۱۱](۱۳)پس اگر بیج زمین والے کی جانب سے ہو تو کام کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی جو نہیں زیادہ ہو اس تعداد سے جو شرط کی گئی ہو پیداوار سے۔اور امام محمد نے فرمایا اس کے لئے اجرت مثل ہوگی جتنی پہنچ جائے۔

تشریح پس اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو اور مزارعت فاسد ہوگئی ہو تو پورا غلہ زمین والے کا ہوگا اور کام والے کو اس کی وہ اجرت ملے گی جو اس جیسے کام کی اجرت بازار میں مل سکتی ہے۔البتہ اگر بازار کی اجرت مثل زیادہ ہو اور پیداوار میں جو حصہ مل سکتا تھا وہ کم ہو تو پیداوار کے حصے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

وجہ کیونکہ وہ کم حصے پر خود راضی ہو گیا ہے۔اس لئے بازار کی اجرت زیادہ بھی ہو تو پیداوار کے حصے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے۔

فائدہ امام محمد فرماتے ہیں کہ بازار کی اجرت مثل پیداوار کے حصہ سے زیادہ ہو تو زیادہ بھی دی جائے گی۔

وجہ جب مزارعت فاسد ہوگئی تو اجرت مثل اصل بن گئی اس لئے اجرت مثل جتنی ہو وہ دی جائے گی چاہے پیداوار کے حصے سے زیادہ کیوں نہ ہو۔

لغت الخارج : نکلنے والی چیز، پیداوار،

حاشیہ : (الف) رافع بن خدیج سے مروی ہے...لوگوں نے کہا کہ ہاں زمین حضرت ظہیر کی ہے لیکن کھیتی فلاں کی ہے۔آپؐ نے فرمایا اپنی کھیتی لو اور اس کو زمین کی اجرت دے دو۔حضرت رافع نے فرمایا میں نے اپنی کھیتی لی اور زمین والے کو اس کی اجرت دے دی (ب) حضرت مجاہد نے فرمایا چار آدمی بٹائی میں شریک ہوئے... غلہ تمام کا تمام بیج والے کو دیا۔

[۱۷۱۲](۱۴) وان کان البذر من قبل العامل فلصاحب الارض اجر مثلها

[۱۷۱۳](۱۵) واذا عقدت المزارعة فامتنع صاحب البذر من العمل لم یجبر علیه

[۱۷۱۴] (۱۶) وان امتنع الذی لیس من قبله البذر اجبره الحاکم علی العمل [۱۷۱۵]

(۱۷) واذا مات احد المتعاقدین بطلت المزارعة[۱۷۱۶](۱۸) واذا انقضت مدة

[۱۷۱۲](۱۴)اوراگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہوتو زمین والے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہوتو پورا غلہ کام کرنے والے کا ہوگا اور زمین والے کو زمین کی اجرت مثل مل جائے گی۔

نوٹ اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو اوپر گزرا۔

[۱۷۱۳](۱۵)اگر مزارعت کا عقد کیا اور بیج والا کام سے رک گیا تو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح عقد مزارعت کیا تھا لیکن کچھ سوچ کر بیج والے نے بیج نہیں ڈالا اور بیج ڈالنے اور کام کرنے سے رک گیا تو اس کو بیج ڈالنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

وجہ کام کرنے کی دو شکلیں ہیں۔ایک ایسا کام ہے جس میں پیسے کا کچھ نقصان بھی ہو جیسے بیج ڈالنا کہ اس میں بیج کا نقصان ہے۔اور دوسرا کام ایسا ہے جس میں کوئی نقصان نہ ہو جیسے ہل چلانا کہ ہل چلانے میں پیسے کا نقصان نہیں ہے۔پس قاعدہ یہ ہے کہ جس میں پیسے کا نقصان ہو اس کام کے کرنے پر حاکم مجبور نہیں کر سکتا۔کیونکہ اس اجبار میں کام کرنے والے کا نقصان بھی ہے۔اس لئے بیج نہ ڈالے تو حاکم اس کے ڈالنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔اگر چہ کوئی عذر نہ ہو تو وعدہ کے مطابق ڈالنا چاہئے۔

[۱۷۱۴](۱۶)اور اگر کام کرنے سے رک گیا وہ آدمی جن کی جانب سے بیج نہ ہو تو حاکم اس کو کام پر مجبور کرے گا۔

وجہ چونکہ اس کے کام کرنے میں پیسے کا نقصان نہیں ہے اس لئے اس کو کام کرنے پر حاکم مجبور کرے گا۔

نوٹ البتہ اگر کام کرنے میں کوئی عذر شدید ہو جس کی بنیاد پر مزارعت فسخ کر سکتا ہو تو پھر حاکم مجبور نہیں کریں گے اور مزارعت فسخ کر دے گا کیونکہ اس کو عذر شدید ہے۔

[۱۷۱۵](۱۷)اور اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مرجائے تو مزارعت باطل ہو جائے گی۔

وجہ پہلے کئی مرتبہ گزر چکا ہے کہ عقود جتنے بھی ہیں وہ عاقدین کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔وہ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔اس لئے عاقدین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو وہ عقد باطل ہو جاتا ہے۔اور ورثہ اس کو بحال نہیں رکھ سکتے (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ **اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث** کہ انسان مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین کے۔اس لئے زمین والے یا بٹائی والے میں سے کسی ایک کے مرنے سے مزارعت کا عقد باطل ہو جائے گا۔

[۱۷۱۶](۱۸)اگر مزارعت کی مدت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی پکی نہ ہو تو کھیتی کرنے والے پر زمین کے اپنے حصے کی اجرت مثل لازم ہوگی کھیتی

المزارعة والزرع لم یدرک کان علی المزارع اجر مثل نصیبه من الارض الی ان یستحصده[۱۷۱۷](۱۹) والنفقة علی الزرع علیهما علی مقدار حقوقهما [۱۷۱۸] (۲۰) واجرة الحصاد والدیاس والرفاع والتذریة علیهما بالحصص فان شرطاه فی

کٹنے تک۔

تشریح مثلا تین ماہ کے لئے کھیت زراعت پر لیا تھا۔اس میں چاول بویا لیکن تین ماہ میں چاول پکا نہیں۔ابھی اس کے پکنے میں ایک ماہ باقی ہے۔اس لئے تین ماہ پورے ہونے پر مزارعت کی مدت ختم ہوگئی اور عقد گویا ختم ہوگیا۔لیکن کچی کھیتی کاٹنے میں دونوں کا نقصان ہے اس لئے چاول ابھی ایک ماہ تک کھیت میں رکھا جائے گا۔اور بٹائی والے کا جتنا حصہ ہے اس کے حصے کے مطابق ایک ماہ کی اجرت مثل اس پر لازم ہوگی۔مثلا مزارعت آدھے آدھے پر طے ہوئی تھی تو بٹائی والے پر ایک ماہ کی اجرت مثل کی آدھی لازم ہوگی۔

وجہ اس صورت میں زمین والے کا بھی فائدہ ہے کہ ایک ماہ زمین زیادہ استعمال کی تو ایک ماہ کی اجرت مل گئی اور بٹائی والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو آدھا غلہ مل گیا (۲) کھیتی کٹنے کی مدت تقریبا معلوم ہے کہ زمانہ قریب میں یعنی ایک دو ماہ میں کھیتی کٹ جائے گی اس لئے اس کو مزید مہلت دی جائے گی اور اس صورت میں صفقة فی صفقة کے قاعدے سے اجرت فاسد نہیں کریں گے۔

لغت لم یدرک : کھیتی نہیں پکی، درک : پانا، یستحصد : حصد سے مشتق ہے، کھیتی کٹنا۔

[۱۷۱۷] (۱۹) اور کھیتی پر خرچ دونوں پر ہوگا ان دونوں کے حقوق کی مقدار۔

تشریح مزارعت کی مدت ختم ہوگئی اس لئے عقد ختم ہوگیا اس لئے بٹائی والے پر کام کرنا لازم نہیں رہا اب جو کچھ خرچ ہوگا وہ زمین والے اور بٹائی والے دونوں پر ہوگا۔اب اگر دونوں کا آدھا آدھا تھا تو دونوں پر آدھا آدھا خرچ لازم ہوگا۔اور اگر تہائی اور دو تہائی حصہ تھا تو جس کا تہائی تھا اس پر ایک تہائی خرچ لازم ہوگا اور جس کا دو تہائی حصہ تھا اس پر دو تہائی خرچ لازم ہوگا۔

[۱۷۱۸] (۲۰) اور اگر کھیتی کاٹنے اور گاہنے اور اکھاڑنے اور غلہ صاف کرنے کی اجرت دونوں پر ہے حصے کے مطابق۔پس اگر شرط لگائی مزارعت میں کام کرنے والے پر تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

تشریح اصل قاعدہ یہ ہے کہ کھیتی پکنے تک تو مزارعت برقرار رہے۔اس لئے عامل پر اور بٹائی والے پر کام کرنا لازم ہوگا۔اور کھیتی پک جانے کے بعد مزارعت ختم ہو جائے گی۔اس لئے اب دونوں کے حصے ہیں۔اس لئے اپنے اپنے حصے کے مطابق دونوں پر اجرت لازم ہوگی۔مثلا کھیتی کاٹنا، کاشتکاری کو گاہنا، کاشتکاری کو اکھٹا کرنا، غلہ صاف کرنا یہ سب کام کھیتی پکنے کے بعد ہوں گے۔اس لئے دونوں کو یہ کام کرنا چاہئے یا دونوں کو اجرت ادا کرنا چاہئے۔اس لئے کہ دونوں کے حصے ہیں۔

اصول اس مسئلے کا تعلق اس پر ہے کہ کھیتی پکنے کے بعد عقد مزارعت ختم ہو جاتا ہے۔اس لئے باقی کاموں کی ذمہ داری دونوں پر ہے۔اور اگر ان کام کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

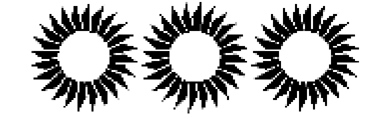
المزراعة علی العامل فسدت.

وجہ کھیتی پکنے کے بعد مزارعت ختم ہوگئی۔اب جو کام ہیں وہ عامل کے ذمے نہیں ہے۔اس لئے عامل پر شرط لگانے سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔اس لئے کہ صفقۃ فی صفقۃ ہو جائے گا۔یعنی مزاعت کے ساتھ اجرت کا معاملہ بھی داخل کرنا ہوا۔اس لئے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر عرف میں ہو کہ کھیتی پکنے کے بعد فلاں فلاں کام عامل کے ذمے ہوتے ہوں اور ان کو کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو اس سے مزارعت فاسد نہیں ہوگی۔جیسے کہ جوتا گانٹھنے کی شرط چمڑے والے پر لگائی تو عرف کی بنا پر جائز ہے۔اسی طرح یہاں بھی مزارعت جائز ہو جائے گی۔

اصول ان کے یہاں یہ ہے کہ عرف میں جو جو کام کرتے ہیں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔اور ان کی ذمہ داری عامل پر ہوگی۔

لغت الحصاد : کھیتی کاٹنا، الدیاس : گاہنا، الرفاع : غلہ اکٹھا کرنا اور کھلیان پر لانا، التذریۃ : ہوا میں اڑا کر غلہ صاف کرنا۔



﴿ کتاب المساقاۃ ﴾

[۱۷۱۹](۱)قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی المساقاۃ بجزء من الثمرۃ باطلۃ[۱۷۲۰] (۲) وقالا جائزۃ اذا ذکرا مدۃ معلومۃ وسمیا جزء من الثمرۃ مشاعا.

﴿ کتاب المساقاۃ ﴾

ضروری نوٹ مساقاۃ کے معنی ہیں پانی سے سیراب کرنا۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ پھل کے درخت لگے ہوئے ہوں ان کو پانی سے سیراب کرے اور دو تین ماہ میں جو پھل نکلے وہ درخت والے اور سیراب کرنے والے اور اس کے لئے کام کرنے والے حصے کے اعتبار سے تقسیم کر لیں۔اس سے قبل کے باب میں کھیتی اور کاشتکاری میں شرکت کے مسئلے تھے اور اس باب میں پھل کے شرکت کے مسئلے ہیں اس کے جائز اور ناجائز ہونے کے سلسلے میں۔امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان وہی اختلاف ہے جو کتاب المزارعت میں گزرا اور دونوں کے دلائل بھی وہی ہیں جو اس باب میں گزرے۔

[۱۷۱۹](۱)امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا مساقات کچھ پھل دے کر باطل ہے۔

تشریح ایک شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے والا سیراب کرے اور اس کو اجرت کا درہم یا دینار دے دے یا کچھ ٹوٹا ہوا پھل دے دے یہ تو جائز ہے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے کی وجہ سے درخت میں جو پھل آئے گا اس میں تہائی یا چوتھائی دے دے تو یہ صورت امام ابوحنیفہ کے نزدیک مزارعت کی طرح باطل ہے (پہلے گزرا کہ مکروہ ہے)

وجہ حدیث پہلے گزری۔زعم ثابت ان رسول اللہ نہی عن المزارعۃ وامر بالمواجرۃ وقال لا بأس بھا (الف)(مسلم شریف، باب فی المزارعۃ والمواجرۃ ص ۱۰ نمبر ۱۵۴۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزارعت اور مساقات سے حضورؐ نے منع فرمایا۔اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت رسول اللہ یقول من لم یذر المخابرۃ فلیوذن بحرب من اللہ ورسولہ (ب)ابوداؤد شریف،نمبر ۳۴۰۶)اور اسی کے آگے والی حدیث میں ہے۔عن زید بن ثابت قال نہی رسول اللہ ﷺ عن المخابرۃ قلت وما المخابرۃ ؟ قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع (ج)(ابوداؤد شریف، باب المخابرۃ ص ۱۲۷ نمبر ۳۴۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخابرہ سے آپؐ نے شدت کے ساتھ منع فرمایا۔اور مخابرہ کا مطلب ہے آدھے،تہائی اور چوتھائی کاشت پر زمین کو لینا، چاہے کاشتکاری کے لئے چاہے مساقات کے لئے لے۔

[۱۷۲۰](۲)اور صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے جبکہ مدت معلوم ذکر کرے اور دونوں پھل کا کچھ حصہ متعین کرے مشترک طور پر۔

تشریح صاحبین فرماتے ہیں کہ دو شرطوں کے ساتھ مساقات جائز ہے۔ایک تو یہ کہ مساقات کی مدت متعین ہو کہ کتنے مہینے کے لئے درخت

حاشیہ : (الف) آپؐ نے بٹائی پر دینے سے روکا اور اجرت پر دینے کا حکم دیا۔اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے (ب) میں نے حضورؐ سے کہتے سنا جو مخابرہ یعنی بٹائی نہ چھوڑے ان کے لئے اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ کر دو (ج) آپؐ نے مخابرہ سے روکا۔میں نے پوچھا مخابرہ کیا ہے؟ فرمایا زمین آدھے یا تہائی یا چوتھائی پر بٹائی کے لئے دے۔

[۱۷۲۱](۳) وتجوز المساقاة فی النخل والشجرة والكرم والرطاب واصول الباذنجان[۱۷۲۲](۴) فان دفع نخلا فيه ثمرة مساقاة والثمرة تزيد بالعمل جاز وان

مساقات پر لے رہا ہے۔اور دوسری یہ کہ جو پھل پیدا ہو اس میں دونوں مشترک طور پر حصہ کریں۔کوئی ایک کی خاص مقدار مخصوص نہ ہو۔

وجہ دونوں شرطوں کے دلائل کتاب المزارعت میں گزر چکے ہیں۔جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**ان عبد الله بن عمر اخبره ان النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع** (الف) (بخاری شریف، باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ ص۳۱۳ نمبر ۲۳۲۸ / مسلم شریف، باب المساقاۃ والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱ / ابو داؤد شریف، باب فی المساقاۃ ص ۱۲۸ نمبر ۳۴۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساقاۃ جائز ہے۔

[۱۷۲۱] (۳) مساقات جائز ہے کھجور کے درخت میں، درخت میں، انگور میں اور ترکاریوں میں اور بیگنوں میں۔

تشریح جو جو درخت بھی پھل یا ترکاری دیتے ہوں ان تمام میں مساقات جائز ہے۔

وجہ اوپر کی حدیث میں **من ثمر او زرع** کا لفظ ہے جو پھل اور ترکاریوں کے لئے عام ہے۔اس لئے پھل اور ترکاریوں سب میں مساقات جائز ہے (۲) ایک اور حدیث ہے **عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ اعطى خیبر الیهود علی ان یعملوها ویزرعوها ولهم شطر ما یخرج منها** (ب) (بخاری شریف، باب المزارعۃ مع الیہود ص۳۱۳ نمبر ۲۳۳۱ / مسلم شریف، باب المساقات والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع ص ۱۴ نمبر ۱۵۵۱) اس حدیث میں ہے کہ جو کچھ یہود کاشت کرے اس میں حضور کو آدھا دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کھجور کا درخت، عام درخت، انگور کے درخت، ترکاری اور بیگنوں سب میں مساقات جائز ہیں (۲) یوں بھی تمام چیزوں میں مساقات کی ضرورت ہے اس لئے تمام درختوں میں مساقات جائز ہوگی۔

لغت الکرم : انگور کا درخت، الرطاب : رطبۃ کی جمع ہے، ترکاری، باذنجان : بیگن، اور اصول باذنجان کے معنی ہیں بیگن کا درخت۔

[۱۷۲۲] (۴) اگر کھجور کا پھل دار درخت دیا مساقات کے طور پر اور پھل بڑھ سکتا ہو عمل سے تو جائز ہے۔اور اگر بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو جائز نہیں ہے۔

تشریح درخت میں پھل آ چکا تھا لیکن اس اندازے میں تھا کہ اس کو سیراب کیا جائے اور اس کی نگہبانی کی جائے تو ابھی پھل مزید بڑھ سکتا ہے۔تب تو مساقات پر دینا جائز ہے۔اور اگر پھل کا بڑھنا اب پورا ہو چکا تھا۔سیراب کرنے سے اب مزید نہیں بڑھ سکتا ایسی حالت میں مساقات پر درخت دینا جائز نہیں ہے۔اب جو کچھ بھی عامل کرے گا وہ اجرت پر شمار ہوگا۔

وجہ مساقات میں سیراب کرنے سے عامل پھل کا حقدار ہوتا ہے۔اور سیراب کرنا اس وقت شمار کیا جائے گا جب کہ اس سے پھل بڑھے۔اور جب سیراب کرنے سے پھل ہی نہ بڑھے تو وہ مساقات نہیں ہے اجرت ہے۔اس لئے سیراب کرنے سے پھل بڑھے تو مساقات ہوگی اور

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے خیبر والوں کو بٹائی پر دیا کچھ حصے کے بدلے میں جو زمین سے پھل یا غلہ پیدا ہو (ب) حضورؐ نے یہود کو خیبر دیا اس شرط پر کہ وہ کام کریں اور اس میں کاشتکاری کریں۔اور ان کے لئے جو پیداوار ہو اس میں سے کچھ حصہ ہوگا۔

کانت قد انتهت لم یجز[۱۷۲۳] (۵) واذا فسدت المساقاۃ فللعامل اجر مثلہ[۱۷۲۴] (۶)وتبطل المساقاۃ بالموت[۱۷۲۵](۷) وتفسخ بالاعذار کما تسفخ الاجارۃ.

پھل نہ بڑھے تو اجرت ہو جائے گی۔ اور پھل میں سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

اصول یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مساقات کے معنی سیراب کرنا ہے۔ اس لئے اسی حقیقت پر مسئلہ متفرع ہوگا۔

لغت انتھت : پورا ہو گیا ہو۔

[۱۷۲۳] (۵) اگر مساقات فاسد ہو جائے تو عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح کسی وجہ سے مساقات کا معاملہ فاسد ہو جائے تو پورا پھل درخت والے کا ہوگا اور کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی۔

وجہ جس طرح مزارعت میں فاسد ہوتے وقت پورا غلہ بیج والے کا ہوتا تھا اسی طرح مساقات میں فاسد ہوتے وقت درخت والے کا ہوگا (۲) حدیث پہلے گزر چکی ہے (۳) پھل پیدا ہونے کی بنیاد درخت ہے جس طرح غلہ پیدا ہونے کی بنیاد بیج ہے۔ اس لئے درخت والے کا پھل ہوگا۔ اور جب درخت والے کا پھل ہو گیا تو کام کرنے والا مفت کام نہیں کرے گا بلکہ اس کو وہ اجرت ملے گی جو بازار میں مل سکتی تھی۔ جس کو اجرت مثل کہتے ہیں۔ پورے دلائل کتاب المزارعۃ میں گزر گئے۔

[۱۷۲۴] (۶) مساقات موت سے باطل ہو جائے گی۔

تشریح جس طرح اور عقود متعاقدین میں سے ایک کے مرنے سے باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح مساقات بھی درخت والے یا کام کرنے والے کے مرنے سے باطل ہو جائے گی اور ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔

وجہ کتاب المزارعۃ میں گزر گئی۔

نوٹ اگر پھل پکنے کے قریب ہو تو پھل پکنے تک ورثہ مساقات بحال رکھے۔ تاکہ درخت والے یا کام کرنے والے کو نقصان نہ ہو اور پھل پکنے کے بعد توڑ دے۔ متعاقدین میں سے ایک کے مرنے کے باوجود درمیان میں معاملہ نہ توڑے اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

[۱۷۲۵] (۷) اور مساقات فسخ ہو جائے گی عذروں سے جیسے فسخ ہو جاتا ہے اجارہ۔

تشریح کتاب الاجارہ میں گزر چکا ہے کہ عذر شدید کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔ اسی طرح عذر شدید ہو تو مساقات کو بھی فسخ کر سکتا ہے۔ مثلا عامل چور ہو یا عامل بیمار ہو گیا ہو تو مساقات فسخ کر سکتا ہے ورنہ ضرر شدید کا خطرہ ہے۔

